اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح

بِلّٰہ الحمد والمنۃ کہ عالیجناب معلے القاب شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی المتخلص بہ اثر مصنف کتاب مرآت الحکما و کاشف الحقائق و ہدیہ قیصریہ و معیار الحق و کتاب الاثمار و کتاب الزراعۃ و رسالہ طاعون و دیوان اثر وغیرہ وغیرہ بغرض تفتیش و تلاش اسباب و اظہار موجبات کہ منجر بہ واقعہ ہائلہ قربانی بزرگ اہلبیت رسالت در کربلائے معلی شدند کتاب مستطاب

مصباح الظُلَم و ایضاح البُہَم

در سلک تصنیف آوردند و بعد تصحیح جناب سرکار شریعتمدار مجتہد العصر والزمن حضرت مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ مدظلہم العالی بدوام الایام واللیالی و بعد نظر ثانی سلطان المفسرین و سند المتکلمین شیخ الواعظین سلطان الذاکرین جناب مولوی حکیم سید مقبول احمد صاحب دہلوی مصاحب خاص اعلیحضرت قدر قدرت فلک رفعت بندگان حضور پرنور فرمانروائے رامپور دام اقبالہم و ملکہم بموجب حکم قضا شیم حضور معلے دام اقبالہم و ملکہم

بمطبع ریاست بسعی بجس کارپردازانِ اسٹیٹ پریس رامپور بحلیۂ طبع رسید

طبع بار اول ۱۰۰۰ (جملہ حقوق محفوظ) قیمت علاوہ اخراجات ڈاک [illegible] روپے

لواعج الاحزان المعروف مظہر المصائب

یہ کتاب نایاب عالم جلیل مصنف حجتِ بالغہ وسوا ر السبیل امام الجمعۃ والجماعۃ فخر الحاج مولانا مولوی السید محمد مہدی صاحب قبلہ کی تصنیف سے ہے - اور حسب ایمائے عالیجناب مولانا مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی طبع ہوکر پہلے بھی سیکڑون نہین بلکہ ہزارون کی تعداد مین ملک کے ہر گوشہ مین شائع ہوچکی ہے - اور اسکی روز افزون مقبولیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اب یہ تیسری بار نہایت اعلےٰ درجے کے دبیز چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے

یہ وہ نادرِ زمانہ تصنیف ہے جسمین ذکر مصائب جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا و دیگر شہدائے کربلا نیز چہاردہ معصومین علیہم السلام کی ولادت و وفات کی مجالس سلسلہ وار موجود ہین - اور جسمین عام واقفیت بڑہانے کی خاطر ہر معصوم کے احوالِ ضروری ایک جدول مین دکھلائے گئے ہین - نیز ایک شجرہ مبارکہ جسمین معصومین کے آباو اجداد و اولاد کا تفصیلی ذکر ہے تیار کیا گیا ہے - الغرض بحیثیت مجموعی یہ کتاب نہایت خوش اسلوبی سے مرتب ہوئی ہے اور اپنے گرانبہا مضامین کی وجہ سے بفضلہ تعالےٰ بارِ سوم چھاپی گئی ہے - اِس تیسرے ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکا ایک ایک لفظ صدر المحققین ناصر الملۃ والدین سرکار شریعتمدار مولوی السید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر ادام اللہ برکاتہ کی نظر فیض اثر سے بھی گزر چکا ہے - اور موصوف نے اِس کتاب کو نہایت شوق سے ملاحظہ فرماکر توثیق بھی مرحمت کی ہے ذکرِ مصائب خاصکر صحیح روایات پڑھنے کے لیے مصنف ممدوح نے مومنین کے لیے ایسا گرانبہا تحفہ پیش کر دیا ہے کہ عزادارانِ مظلومِ کربلا اسکے ذریعہ سے خود بھی مثاب ہوسکتے ہین اور دوسرون کو بھی داخلِ ثواب کرسکتے ہین - کاغذ اعلےٰ درجہ کا سفید چکنا دبیز مضبوط و پائدار ضخامت ۵۶۰ صفحے - ہے یہ ان سب خوبیون کے باوجود فی جلد علاوہ محصول ڈاک ....

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس چتلی قبر دھلی -

سے طلب فرمایئے

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح

بتٰہ الحمد و المنہ کہ عالیجناب معلی القاب شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی المتخلص بہ اثر مصنف کتاب مرأت الحکما و کاشف الحقائق و ہدیہ نصیریہ و معیار الحق و کتاب الاثمار و کتاب الحقائق و رسالہ طاعون و دلیل ان اثر وغیرہ بغرض تفتیش و تلاش اسباب و اظہار موجبات کہ منجر بہ واقعہ ہائلہ قربانی بزرگ اہلبیت رسالت در کربلائے معلی شدند کتاب مستطاب

مصباح الظلم
ایضاح المبہم

را بسلک تصنیف در آوردند و بعد تصحیح جناب سرکار شریعتمدار مجتہد العصر و الزمن حضرت مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ مد ظلہم العالی بدوام الایام و اللیالی و بعد نظر ثانی سناد المفسرین و سند المتکلمین سید المحققین و سلطان الذاکرین جناب مولوی حکیم سید مقبول احمد صاحب دہلوی مصاحب خاص اعلیحضرت قدر قدرت فلک رفعت بندگان حضور پرنور فرمانروائے ریاست رامپور دام اقبالہم و ملکہم بحسب حکم [illegible]

بسعی کارپردازان اسٹیٹ پریس رامپور طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی حبیبہ محمد وآلہ الطاہرین
مقدم بعد ذکر اللہ ذکرہم فی کل بدء ومختوم بہ الکلم

اما بعد فقیر امداد امام خدمت اہل انصاف میں عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب مصباح الظلم محض تحقیق حق کی نظر سے لکھی گئی ہے۔ اس سے کسی بنی آدم کی دل آزاری مراد نہیں ہے۔ اس کے ملاحظہ سے ایسے حضرات غیر متعصبین پر جو دریافت حق کی ضرورت رکھتے ہیں واقعہ کربلا کے اسباب آسانی کے ساتھ روشن ہو جائینگے اور بھی سینکڑوں امور کے انکشاف کی صورت پیدا ہو جائیگی جن سے ایک بڑا حصہ اہل اسلام کا تمامتر مبتلائے بے خبری ہے۔ توکلت علی اللہ وھو حسبی نعم المولیٰ ونعم الوکیل۔

عرب کی تمدنی حالت آنحضرت کی بعثت کے وقت

جس وقت آنحضرت کا ظہور ہوا۔ ملک عرب کا کچھ حصہ فارس اور کچھ روم کے زیر حکومت تھا۔ بقیہ حصوں میں قبائل عرب کے شیوخ سرداری کرتے تھے۔ اُس وقت مکہ اور مدینہ بھی اپنے اپنے شیخوں کے ماتحت تھے۔ مکہ کی سرداری رسول اللہ کے خاندان میں تھی جو بنی ہاشم کہلاتا تھا۔ مگر انکے گوتیا جو بنی اُمیہ کے لقب سے مشہور تھے اُن سے دولت اور قوت میں زیادہ تھے کم نہ تھے۔ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں اتفاق نہ تھا۔ مگر رسول اللہ کے ظہور رسالت تک ان دونوں خاندانوں میں بہت کشت وخون کی نوبت نہیں پہنچی تھی۔ معاشرت و اطوار میں یہ دونوں قبیلے ایک رنگ کے نہ تھے۔ بنی ہاشم عموماً بہادر صاف دل رحیم مزاج حلیم فیاض اور نیک اندیش تھے۔ بنی اُمیہ ان صفات حمیدہ سے قریب قریب کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ ہر چند دونوں قریش تھے مگر دونوں میں معاشرت و اطوار کا بعید فرق تھا۔ اگر ایک ایک عہد کے دو دو آدمیوں کو یعنی ایک بنی ہاشم اور دوسرے کو بنی اُمیہ سے لیکر

انکا موازنہ کریں تو دونوں کی معاشرت اور اطوار کا فرق عیاں ہو جائے گا۔ اس کام کے لیے ہم بنی ہاشم سے حضرت عبد المطلب اور بنی امیہ سے حضرت ابو سفیان کو انتخاب کرتے ہیں۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عبد المطلب بہادر مزاجی، صاف دلی، رحیمی، راست بازی، سیر چشمی، فیاضی اور نیک اندیشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اسکے برعکس حضرت ابو سفیان کو ان صفات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ آپ ایک خود غرض، بد چشم، حریص، کینہ پرور، مینخوار اور متفنی شخص تھے۔ منجملہ دیگر صفات حمیدہ کے حضرت عبد المطلب کی سخاوت اس درجہ کی تھی کہ سائل کا سوال ختم ہونے نہیں پاتا تھا کہ اُسکے سوال کو پورا کر دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ایسے بھی اتفاقات پیش آئے ہیں کہ یہ سردار بنی ہاشم مال تجارت لیکر ملک شام کو روانہ ہونے کو تھے کہ دروازہ سے نکلتے ہی سائل نے مال کثیر کا سوال کیا۔ سوال کے سُنتے ہی آپنے اُسکے سوال کو پورا کر دیا۔ اور اُس وقت تنگ دستی کی وجہ سے سفر شام اختیار نہیں کر سکے۔ عبد المطلب کا دشمن سے دشمن یہ نہیں دکھلا سکتا ہے کہ آپنے کبھی کسی کا مال غصب کیا یا میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے یا کسی کے ساتھ کسی طرح کا ظالمانہ سلوک گوارا کیا یا کسی کی بدخواہی کی یا شراب پی یا زنا کیا وغیرہ وغیرہ۔ لاریب ایسے افعال قبیحہ ہرگز اُس شخص سے سرزد نہیں ہو سکتے کہ جسکی پُشت مبارک سے نور یعنی نور محمد و نور علی صُلب حضرت عبد اللہ اور صُلب حضرت ابو طالب میں منتقل ہونے کو تھے۔ بلا شبہ حضرت ابو سفیان اُن خوبیوں کے بزرگ نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب کسی شخص کو گالی دینے کے لیے نہیں لکھی جاتی ہے ورنہ موازنہ میں بہت کچھ مردود امور کا اعادہ کرنا پڑتا۔ پھر اگر حضرت ابو سفیان کا موازنہ حضرت ابو طالب کے ساتھ کیا جائے تو یہی کہنا پڑیگا کہ ع چراغ مُردہ کجا شمع آفتاب کجا۔ اسی طرح اگر موازنہ حضرت معاویہ کا علی کے ساتھ اور حضرت کے صاحبزادے کا حسین ابن علی کے ساتھ کیا جائے تو بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے قبیلوں کی معاشرت اور اطوار کا فرق شخص ناواقف پر روشن ہو جائے گا۔ آخر میں اگر **مروان بن الحکم، عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک، ولید بن یزید بن عبد الملک** کا موازنہ امام زین العابدین، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ و دیگر ائمہ خاندان پیمبر علیہ السلام کے ساتھ کیا جائے تو دونوں کا فرق بیّن طور پر صورت پذیر ہوگا۔ قبیلہ بنی اُمیہ میں ایک شخص **مروان** دُنیا بھر کے اشرار کا جواب نظر آتا ہے پھر **حکم ابن عاص، ولید بن عقبہ** وغیرہ قبیلہ بنی اُمیہ کے اطوار و کردار کے کیا کم نمونہ تھے۔ لاریب ان افراد سے قبیلہ بنی اُمیہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس قبیلہ میں **عمر ابن عبد العزیز** کے سوا عموماً ایسے ہی آدمی نظر آتے ہیں جنکی نسبت آدمیت کو منسوب کرنا آدمیت کا خون کرنا ہے ؎

آدمی را آدمیت لازم است
عود را گر بُو نہ باشد ہیزم است

مذہب اہل عرب وقت بعثت آنحضرت

آنحضرت کے ظہور کے وقت ملک عرب میں تین مذہب موجود تھے۔ ایک مذہب کفار عرب کا تھا جو بیحد برے طور کی بت پرستی کا مذہب تھا۔ دوسرا عیسوی مذہب تھا جو نہایت خرابی کی حالت میں مبتلا ہو رہا تھا اور ایسا خراب ہو رہا تھا کہ دین خدا باقی نہیں رہا تھا تیسرا مذہب موسوی تھا جو مذہب عیسوی کی طرح بدحالی کو پہونچ گیا تھا۔ الختصر سارا عرب بنی قبائے تمامتر مبتلائے ضلالت ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں رحم خداوندی کا یہی تقاضا تھا جو رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے ۔ ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل اور نوید مسیحا۔ مگر دین محمدی آسانی کے ساتھ فروغ نہ پکڑ سکا۔ مکہ میں رسول اللہ پر بڑے بڑے مصائب گذرتے رہے۔ وہی بنی اُمیہ خدا کی دشمنی پر اُستوار رہے۔ حضرت ابوطالب کی زیست تک تو آنحضرت کو ہلاک نہ کر سکے۔ مگر آپ کے عم محترم کی رحلت کے بعد بت پرستان مکہ نے پورا سامان آپ کی ہلاکت کا کر لیا۔ کفار مکہ میں حضرت رسالتمآب کے بڑے دشمن یہی بنی اُمیہ تھے۔ حضرت رسول اللہ نے آخرکار بڑی دشواریوں کے ساتھ مکہ کو چھوڑا اور مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ کا خیر مقدم کیا اور دین خدا میں درآئے۔ رسول اللہ کے دین نے خلاف توقع مدینہ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑی اور وطن والے یعنی اہل مکہ اس نعمت سے محروم رہے۔ خدا کی بات سمجھ میں نہیں آتی ع ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی۔ آنحضرت نے مدینہ میں امن تو لیا اور بہت سے مدینہ والے صدق دل سے مسلمان بھی ہوتے گئے۔ مگر اسلام کی یہ سرسبزی بنی اُمیہ اور دیگر کفار مکہ کے دلوں میں خار کی طرح چبھنے لگے حضرت رسول خدا کی آزار دہی اور دین خدا کی تخریب کے لیے بنی اُمیہ مستعد ہو گئے۔ لشکر لے کر چند بار حضرت ابوسفیان مدینہ کی طرف بڑھے اور مسلمانان مدینہ سے لڑائیاں بھی لڑتے گئے مگر ہمیشہ ناکام رہے خدائے تعالٰے نے اپنے دین کو خراب ہونے نہ دیا۔ آخرکار تھک کر حضرت ابوسفیان اور دیگر کفار مکہ گھر بیٹھ رہے حنین کی لڑائی نے بنی امیہ کو پورے طور پر زیروزبر کر ڈالا اور بظاہر شیطنت کی کچھ طاقت باقی نہیں رہی واضح ہو کہ بنی اُمیہ کے کمزور کر ڈالنے میں رسول اللہ کے دس سال صرف ہوئے اور یہ آپ ہی کی فوجی اور تمدنی قابلیت تھی جو ایسے سرکش اور ناہموار قبیلہ کی خبر لے سکے مگر افسوس بالائے افسوس ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آنحضرت کے اکابر اُمت کے ہاتھ سے بنی اُمیہ نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی قوت کو واپس پا گئے بلکہ رفتہ رفتہ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ بن بیٹھے اور اسی بادشاہت کے زور پر اُن کا ایک بادشاہ اُس خونریزی کا مرتکب ہو سکا جو اب واقعۂ کربلا کے نام سے مشہور ہے (دیکھو کتابیں فن تاریخ کی)

بنی اُمیہ کے قوی اور صاحب ملک ہو جانے کے حالات کتب تاریخ میں مندرج ہیں اور فقیر نے بھی اپنی کتاب کاشف الحقائق کی جلد اول میں ان کا اعادہ کیا ہے اور آئندہ بھی اس کتاب میں اپنے محل پر درج کیے جائیں گے مگر قبل اس کے کہ خود واقعۂ کربلا کے حالات حوالۂ قلم ہوں ضروری ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے مذہبی معاملات احاطۂ تحریر میں لائے جائیں۔ تاکہ معاملۂ کربلا آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکے

ان امور کے درج کرنے کی یہ ضرورت ہے کہ ان سے ناواقف رہ کر کوئی شخص واقعہ کربلا کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک ناواقف شخص بڑے تعجب کے ساتھ پوچھ سکتا ہے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ حسینؑ جب رسول اللہ کے نواسے تھے تو اُن کو مسلمانوں نے ایسی بے رحمی کے ساتھ کیوں شہید کیا مگر جب ایسے سائل کو حقیقتِ حال سے اطلاع ہو جائے گی تو اس کا تعجب بالکل زائل ہو جائے گا اور واقعہ کربلا اسے قرینِ قوانینِ فطرت معلوم ہونے لگے گا۔ یہ عالم عالمِ اسباب ہے۔ یہاں ہر مسبب کے لیے سبب کا ہونا ضروری ہے۔

عہدِ رسول اللہ میں عبادات اور معاملات کا طور

عہدِ رسول اللہ میں پیروانِ اسلام کے عبادات و معاملات کا وہی طریقہ ہوگا جو خود رسولِ خدا کا ہوگا۔ مثلاً اگر آپ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہونگے تو سب مسلمان ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہونگے۔ اسی پر حج و زکوٰۃ وغیرہ کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ تمام ارکانِ دین کی تعمیل آنحضرتؐ کے ساتھ ہوتی ہوگی۔ بیع و شریٰ اور دیگر معاملات کا بھی یہی طور ہوگا کہ آپ کو جس طور پر مسلمان عامل ہوتے دیکھتے ہونگے ویسا ہی کرتے ہونگے۔ کوئی شک نہیں کہ یہی طور آپ کے ساتھ آپ کی اُمت کا آپ کی وفات کے قریب تک رہا۔ مگر جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اُس وقت آپ سے اور آپ کے بعض اکابر اُمت سے ظاہر طور پر دو بھاری اختلاف ظہور میں آئے ایک کو قصۂ قرطاس کہتے ہیں اور دوسرا تخلفِ جیشِ اسامہ کہلاتا ہے۔ اول کی سرگذشت یہ ہے کہ جب (بیان صاحب شرح مواقف جو اکابر علمائے اہل سنت سے ہیں) رسول اللہ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آنحضرتؐ نے اپنے حضارِ مجلس سے فرمایا۔ ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدی یعنی میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ ہم کچھ ایسی تحریر حوالۂ قلم کریں کہ جس سے بعد ہمارے تم گمراہ نہ ہو جاؤ (دیکھو صحیح مسلم کتاب الوصایا و بخاری کتاب العلم کا باب العلم صفحہ ۱۸ و مشکوٰۃ شریف بعد باب الکرامات) حضرت عمرؓ اس پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا اِنَّ الرَّجُلَ غَلَبَہُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا یعنی اس شخص پر بیماری کا درد غالب آیا ہے درحالیکہ ہمارے پاس کتابِ خدا کی ہے اور وہ ہم لوگوں کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں یہ حدیث اس طرح پر ہے اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَدْ غَلَبَہُ الْوَجَعُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ اس جھگڑے میں آوازیں بلند ہو گئیں جس سے رسولِ خدا نے بیزار ہو کر یہ فرمایا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدِیَ التَّنَازُعُ۔ یعنی میرے پاس سے تم لوگ اُٹھ جاؤ میرے نزدیک لڑائی جھگڑا سزاوار نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ رسولِ اللہ کوئی آخری تحریری حکم نہیں چھوڑ سکے۔ اس قصہ پر نظرِ غور ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُس وقت پورے طور پر ہوش و حواس میں تھے اور موجودگی ہوش و حواس میں کچھ تحریر کرنا چاہتے تھے۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ مغلوبِ مرض ہو کر نعوذ باللہ ہذیان بکنے لگے تھے۔ اس وقت بھی آپ ایسے پورے ہوش و حواس میں تھے کہ اپنے کو نبی سمجھتے تھے اور سمجھ کے ساتھ اپنے رتبۂ نبوت کا اس قدر امتیاز رکھتے تھے کہ اپنے سامنے شور و غل کا ہونا اپنی عظمت کے خلاف جانتے تھے۔ نہیں معلوم کہ آپ کیا لکھ جانے کو تھے۔ مگر کوئی ایسی ہی ضروری بات تھی کہ جس کو

حوالۂ قلم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات ضرور دین کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور نہایت اہم اغراض کی تھی۔ ایسی ہی اہم صورت تھی کہ اُمت کو گمراہی سے بچانے کی حیثیت رکھتی تھی جیسا کہ آپ کے فرمودہ بالا سے عیاں ہوتا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا علیؑ کو تحریری طور پر اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اہلِ سُنت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو تحریر کی رو سے اپنا خلیفہ گردانتے کو تھے مگر صد حیف جب کوئی تحریر وقوع میں نہ آسکی تو قیاس کے سوا کوئی دوسرا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر اہلِ سُنت کا قیاس عقیدہ یا بیان درست ہے تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر بلکہ تمام مسلمانوں پر بڑا ستم کیا۔ کس واسطے کہ اگر حضرت ابوبکر رسولِ خدا کی کسی تحریر کے مطابق خلیفہ قرار پا جاتے تو کسی مسلمان کو حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت میں خلافت کا کوئی جھگڑا اسلامی دُنیا میں نہیں پیدا ہوسکتا تھا جس سے تمام مسلمان ایک ہی مذہب کے پابند رہتے۔ شیعہ جو کہتے ہیں کہ رسولِ خدا کو تحریری وسیلہ سے علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا منظور تھا وہ اس رو سے کہ چند مہینے پیشتر آنحضرت علیؑ کو زبانی اور عملی طور پر خم غدیر میں اپنا جانشین بنا چکے تھے (دیکھو تاریخ کی کتابیں) راقم آئندہ قصۂ غدیر درج کتاب ہذا کرنے کو ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ شیعوں کا دعویٰ بے بُنیاد نہیں معلوم ہوتا ہے۔ خیر حقیقت حال جو کچھ ہو ظاہر ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی تحریری خلافت کے خلاف میں کوئی مخالفانہ کارروائی اختیار کی ہوگی۔ اگر حضرت عمر کو اس کا یقین ہوتا کہ رسول خدا حضرت ابوبکر کو تحریری طور پر اپنا خلیفہ بنانے کو ہیں تو حضرت عمر آنحضرت کو ایسی تحریر سے روکنے کے عوض اور بھی ایسی تحریر کے اتمام پر آمادہ فرماتے۔ اس لیے کہ ایسی تحریر کا انجام وہی ہوتا جو حضرت عمر کی تائید سے سقیفۂ بنی ساعدہ میں صورت پذیر ہوا۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمر کو اس کا یقین تھا کہ حضرت رسولؐ علیؑ ہی کو تحریری طور پر بھی اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں خود حضرت عمر کی زبانی مذکور ہے کہ رسول اللہ حالتِ مرض میں علیؑ کے نام کی صراحت کرنا چاہتے تھے لیکن میں مانع ہوا۔ اس لیے فرمودۂ رسولؐ سے آپ کو مخالفت کی ضرورت پڑی۔ یہ امر کہ علیؑ خلافت سے دُور پڑ جائیں اس کی کوششیں حضرت عمر کو ہمیشہ ملحوظ رہیں جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی حیات میں حضرت عمر نے علیؑ کو خلافت سے پوری کامیابی کے ساتھ دور رکھا اور اپنے بعد بھی اپنی لاجواب پولیٹیکل قابلیت سے اپنا جانشین ہونے نہ دیا۔ کیا شک ہے کہ حضرت رسول اللہ کی ہدایت تحریری کا عمل میں نہ لایا جانا اہلِ اسلام کی بڑی بدنصیبی سے خبر دیتا ہے۔ حیف بر اسلام و اہل اسلام۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اگر ایسی تحریر عمل میں لائی گئی ہوتی تو اسلام ہزاروں مفسدوں سے مامون رہتا اور آج تک جن نکبتوں میں مبتلا ہے اُن سے اُسے پوری نجات ملی رہتی۔

تخلف از جیش اُسامہ

دوسرا امر جو آنحضرت کی رحلت کے قریب واقع ہوا اور جسنے رسولِ خدا کے ارادے کو پورا ہونے نہ دیا وہ جیشِ اُسامہ سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول اللہ نے اُسامہ کو سرگروہ بنا کر کفار کے

مقابلہ کو لشکر بھیجنا چاہا تھا اور اس قدر آپ کو اس امر میں کدتھی کہ آپ نے یہ فرمایا کہ جو لشکر اسامہ کی شرکت سے اختلاف کرے گا وہ مورد لعنت ہوگا (دیکھو ملل و نحل علامہ شہرستانی اَلْخِلَافُ الثَّانِیْ فِیْ مَرَضِہٖ قَالَ جَہِّزُوْا جَیْشَ اُسَامَۃَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْہَا۔ اور بھی دیکھو شرح مواقف کا آخر جو تذییل الکتاب کے عنوان سے لکھا گیا ہے صفحہ ۷۴۶ مطبوعہ نولکشور) بلا شبہہ اگر آپ کچھ روز اور بھی زندہ رہتے تو یہ لشکر اسامہ کی کمان میں اعدائے اسلام کی طرف روانہ ہو جاتا۔ مگر بعض اکابر صحابی اور دیگر مسلمانان وقت نے بھی اس سے پوری مخالفت کی۔ اس لیے جیشِ اسامہ بمقابلہ کفار کے روانہ نہو سکا اور رسول اللہ کو اپنے ارادے میں ناکامی ہوئی۔ تعجب ہے کہ اُن حضرات مسلمان نے موردِ لعنت ہونا گوارہ کیا اور گھر بیٹھے رہے۔ یہ کس طرح کا ایمان ہے کہ رسول اللہ تاکید اکید کے ساتھ کسی امر کے لیے حکم دیں اور وہ حکم نہ بجالایا جائے۔ کوئی شک نہیں کہ اس نافرمانی کا کوئی سبب خاص تھا۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسامہ لشکر اسلام لے کر کفار کی جانب چل نکلتے تو سقیفہ بنی ساعدہ کا اجماع ظہور میں نہ آسکتا اور یقیناً امر خلافت کسی اور پہلو پر قرار لیتا۔ المختصر یہی دو قصے رسول اللہ کے عہد کے ایسے ہیں جو آپ کی رحلت کے قریب میں واقع ہوئے اور بانیِ اسلام اور پیروانِ اسلام کے درمیان مخالفتِ سخت کا نقشہ دکھلاتے ہیں۔ ان دو قصوں کے علاوہ کوئی اور اہم قصہ تخالف کا اُس زمانہ میں نظر نہیں آتا ہے مگر آپ کی رحلت کے بعد تو مسلمانوں میں بڑی پھوٹ پڑی جیسا کہ عبادات و معاملات میں اس وقت بھی اہلِ اسلام اختلافِ باخود میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ پہلا اختلاف مسلمانوں میں جو آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی پیدا ہوا امر خلافت تھا۔ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ میں خلافت کا جھگڑا پڑا۔ انصار کہنے لگے مِنَّا اَمِیْرٌ وَّ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ،، یعنی اے مہاجرین ایک تم میں سے اور ایک ہم میں سے امیر مقرر کیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر نے انصار سے یہ بات کہی کہ کیا تم نے رسول اللہ سے نہیں سُنا ہے آپ نے فرمایا ہے کہ میرا جانشین قریش کا آدمی ہوگا۔ اس پر انصار ساکت ہو گئے۔ تب حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نے خلیفہ بنانا چاہا۔ مگر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ ہونے کے واسطے ارشاد فرمایا۔ حضرت عمر نے خلیفہ ہونا قبول نہیں کیا اور فوراً حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا کر اُن کے دستِ مبارک پر بیعت فرمالی۔ (دیکھو بخاری شریف کتاب المحاربین من اہل الکفر و الردۃ باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت و فتح الباری وغیرہ) اسی کے ساتھ جو لوگ اُس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے گئے۔ یوں تو قصہ خلافت کا سقیفہ ہی میں طے پا گیا۔ مگر بنی ہاشم وہاں نہ تھے اس لیے بنی ہاشم کی طرف سے اہلِ سقیفہ کو پورے طور پر اندیشہ لگا ہوا تھا۔ مگر چونکہ اُن کے سردار علی ابن ابی طالب کسی سخت کارروائی کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوئے جس کا اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رحلت کے قریب حضرت رسول اللہ نے آپ کو سمجھا دیا تھا کہ میرے بعد تم فوری طور پر اپنے مخالفین کے مقابلہ میں تلوار نہ کھینچنا تاکہ اسلام جو اس وقت ایک ابتدائی حالت میں تھا برباد نہ ہو جائے بنی ہاشم بھی بہ تبعیت علی خاموش ہو رہے

اس پر بھی یہ بات اہلِ سقیفہ کی طرف سے مناسب سمجھی گئی کہ علیؑ سے بیعت لی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب علیؑ کے پاس گئے اور علیؑ کو حضرت ابوبکر کے حضور میں لے آئے۔ اس جلسہ میں علیؑ نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا کہ آپ نے انصار کو یہ کہکر کہ حدیث نبوی کی رو سے شخص قریش کو خلیفہ ہونا چاہیے انصار سے حصول حق فرمایا۔ اب آپ سے میں طالب داد ہوتا ہوں کہ جو داد آپ نے انصار سے پائی ہے وہی داد اب آپ مجھے دیجیے میں قریش ہوں ہاشمی ہوں برادر رسول اللہ ہوں داماد رسول اللہ ہوں وغیرہ وغیرہ (دیکھو روضۃ الاحباب جلد دوم صفحہ ۳۳ و ۳۴) اس کا جواب ہی کیا تھا جو اہلِ خلافت کی طرف سے ملتا بہر حال جب علیؑ سے بیعت کے لیے ارشاد کیا گیا تو علیؑ نے بیعت نہیں کی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ علیؑ نے بی بی فاطمہؑ کی رحلت کے بعد بیعت کی (دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۲۵) مگر شیعہ بیعت سے تمام تر انکار رکھتے ہیں راقم کو حضرت علیؑ کے تمام معاملات ملکی و مالی و اخلاقی پر نظر غور ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کی رحلت کے بعد بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت خلافت یا اور کسی قسم کی بیعت نہیں کی کس واسطے کہ آپ نہایت سچے اور صاف دل آدمی تھے۔ اگر کسی قسم کی بیعت کی ہوتی تو اپنے خطبہ شقشقیہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت پر حضرت ابوبکر کے بعد اس قدر کی سخت بیزاری نہ دکھلائی ہوتی اور نہ اس طرح کا اظہار ملال کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت معاویہ کسی شخص پر دست بیعت ہونے کے بعد اس کی نسبت اس طرح کی تقریر اختیار فرمائی ہوتی تو یہ آپ کی ذات بابرکات سے کوئی امر بعید متصور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کہ آنجناب طبیعت سے عند الضرورت حضرت خال المومنین ہر طرح کی قولی اور فعلی کارروائی کے اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یوں تو حضرت معاویہ تمام تر ساختہ پرداختہ حضرت خلیفہ اول صاحب کے تھے لیکن اگر وقت آپڑتا تو ذاتی نفع کے مقابلہ میں حضرت خلیفہ کے برخلاف دو ہزار خطبے ارشاد فرما سکتے تھے یہی طور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا بھی نظر آتا ہے جیسا کہ آپ ہر دو بزرگوار نے اس کو کر کے دکھلا بھی دیا یعنی علیؑ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور فوراً انگشت بیعت کر کے خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں نبرد آزما بھی ہو گئے۔ مگر حضرت علیؑ کا کیرکٹر یعنی انداز طبیعت ہرگز اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر آپ بیعت کرتے اور پھر وقت پاکر حضرت ابوبکر کی خلافت کو بلا سے تیرہ و تار قرار دے کر اس طرح پر اظہار بیزاری فرماتے جیسا کہ خطبہ بالا میں دیکھا جاتا ہے اور جیسا کہ آئندہ آنے کو ہے جس شخص نے حضرت علیؑ کے اطوار پر نظر غور ڈالی ہے وہ بخوبی کہہ سکتا ہے کہ آپ سراسر معدن صدق و صفا تھے اور آپ ہرگز ایسے نہ تھے کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور پھر حضرت ابوبکر کے خلاف میں کسی وقت بے حد کی بیزاری کے الفاظ زبان پر لاتے۔ پس اس معاملۂ بیعت پر لحاظ کرنے سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خاتون جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ بہر حال ہر مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ خلافت حق طور پر

قائم ہوئی یا نہیں۔ یہاں پر صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس خلافت کا اثر آل محمد پر کیا ہوا۔ فوری اثر تو یہ ہوا کہ بنی ہاشم سے حکومت دور ہوگئی جس کے باعث جو منزلت آلِ محمد کی عہد رسول خدا میں تھی باقی نہ رہی۔ میری دانست میں آلِ محمد کے ظاہری تنزل کی فعلی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ہم دکھلا سکینگے کہ آلِ محمد کی بے توقیریاں بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہونچ گئیں کہ کربلا کی بے ادبیوں کے بعد اہل حرم دمشق کے کوچہ و بازار میں بڑی بے رحمی کے ساتھ تشہیر کیے گئے اور اس کے بعد بھی خون ائمہ خاندانِ نبوی کا ہوتا رہا اور سادات کشیاں بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ مجھ کو اس سے یہاں بحث نہیں ہے کہ آلِ محمد ان زیادتیوں کے مستحق تھے یا نہیں۔ مگر کوئی شک نہیں کہ سخت سے سخت کارروائیاں آلِ محمد کے خلاف ہوئی گئیں جنکی شاہد تاریخ کی کتابیں دیکھی جاتی ہیں۔

قولِ حسبنا کتاب اللہ پر نظر

واضح ہو کہ یوں تو عملی طور پر توہین آلِ محمد کی ابتدا امر خلافت سے ظہور میں آئی مگر دراصل اس کی ابتدا کی صورت حضرت عمر ابن الخطاب کے قول معروف یعنی حسبنا کتاب اللہ سے ہوئی یہ قولی ابتدا ایسی ابتدا ہے کہ جس سے انواع و اقسام کی ایسی محسلام پر بیش آتے گئے کہ جو پیغمبر خدا کے عہد کے مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہونگے۔ ہر چند رسول اللہ نے اپنی رحلت کے قریب یہ فرمایا کہ ہم تم میں دو امر بزرگ چھوڑے جاتے ہیں پس اگر تم ان سے متمسک ہوگے تو میرے بعد ہرگز ہرگز تم گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونوں امر بزرگ قرآن اور میرے اہلِ بیت ہیں مگر شان کبریٰ سے حضرت عمر ابن الخطاب کے قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کے عشر عشیر کے برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کر سکا۔ یہ قول نبوی جو فریقین کے نزدیک مستند ہے حدیث "اِنِّی تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي اَهْلَ بَيْتِي" (دیکھو تحفۂ اثنا عشریہ شاہ عبد العزیز صاحب تتمہ الباب باب چہارم صفحہ ۲۰۱) لاریب یہ اُس ذات پاک کا قول ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ یعنی حضرت محمد بے سروپا تقاضائے نفسانی سے باتیں نہیں کرتے ہیں۔ آپ مورد وحی ہیں۔ وحی خداوندی ہی کے مطابق آپ کے ارشادات ہوتے ہیں اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ ایسی ہی حدیث ہے کہ جس کی نسبت اپنے تحفہ میں جناب شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ "در مقامات دین و احکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ این دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً و عملاً باطل و نامعتبر است و ہر کہ انکار این دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین باشد" (دیکھو تحفۂ شاہ صاحب باب چہارم صفحہ ۲۰۱) لاریب حکم نبوی ایسا ہی تھا کہ اُمت محمدی ضرور قرآن اور عترت نبوی کی متمسک ہو۔ مگر اُمت محمدی کس قدر اس حکم کی متمسک ہوئی راقم اس کو دکھلانے کو ہے۔ اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں رکھتا ہوں کہ حضرت عمر ابن الخطاب کا قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" اچھا تھا یا برا۔ مگر اس کی تاثیر پر نظر ڈالنا اس کتاب کے

احاطۂ مقاصد سے ہو۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہو کہ اگر حسبِ قولِ نبوی تمسک بالقرآن کے ساتھ تمسک بالعترت بھی ایک ضروری امر سمجھا جاتا تو اُس وقت کی اسلام کی تاریخ نے واقعات مذہبی و ملکی کے اعتبار سے ایک دوسرا رنگ پیدا کیا ہوتا۔ مگر حضرت عمر کے صرف ان تین چار لفظوں نے ایک ایسی نئی اسلامی دُنیا قائم کر دی جو آج تک بڑے زوروں کے ساتھ قائم ہو۔ ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشاد نبوی ایک قولی حیثیت تک محدود رہ گیا۔ اگر قول نبوی کو کامیابی نصیب ہوتی تو نہ سقیفۂ بنی ساعدہ کا اجماع ظہور میں آتا نہ بنی ہاشم کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتیں نہ بنی ہاشم کی عظمت میں کسی طرح کا فتور پڑتا نہ بنی ہاشم کے عقائد کے خلاف مذاہب ایجاد ہوتے اور نہ وہ واقعات عظیمہ ظہور میں آتے جو شہادت علیؑ و شہادت حسنؑ و شہادت حسینؑ و شہادت دیگر آلِ محمد و دوستداران آلِ محمد پر مشتمل دیکھے جاتے ہیں۔ ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہو کہ قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ نے عامۂ مسلمانان کو تمسک عترت نبوی سے آزاد کر دیا اور گو حدیثِ ثقلین بقولِ صاحب تحفہ فریقین کی ایک مقبول حدیث ہو مگر اُس حدیث پر عامۂ مسلمانان یعنی مسلمانان غیر امامیہ کا نہ کبھی سابق میں عملدرآمد ہوا اور نہ آج ہو۔ یہ حدیث نبوی ڈیڈ لیٹر (Dead letter) یعنی ایک قول مردہ کی طرح کتابوں میں حوالۂ قلم پائی جاتی ہو اور اس سے زیادہ حیثیت کبھی اس کو حاصل نہیں ہوئی ہو چنانچہ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہو کہ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی بنی ہاشم اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا عامۂ مسلمانان سے کوئی بھی عترتِ محمدؐ کا متمسک نہیں ہوا۔ عترتِ محمدؐ سے مراد فاطمہؑ علیؑ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ ان چہار تن کے ساتھ عامۂ مسلمانان نے پیغمبر صاحب کی رحلت کے بعد کیا تمسک کی کارروائی اختیار کی کسی کتاب سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ابھی رسول اللہ دفن بھی نہیں ہوئے تھے کہ سقیفہ کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس معاملہ کو کوئی شخص صحیح النحو اس تمسک بالعترت قرار نہیں دے سکتا ہو۔ یہ ہنگامہ تو فوری نتیجہ قول عِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا، کا معلوم ہوتا ہو۔ اس کے بعد ہی علیؑ سے حصول بیعت کا ہنگامہ۔ بی بی فاطمہؑ کے گھر پر قصد احراق کے ساتھ مخالفانہ چڑھائی۔ قصۂ فدک کی بے سروپا کارروائیاں۔ علیؑ و فاطمہؑ سے بیجا خطابات وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کے سب ایسے وحشت انگیز معاملات ہیں جو مردِ حق پسند کے نزدیک تمسک بالعترت سے منزلوں دور نظر آتے ہیں۔ اسی طرح جتنے معاملات خلافت ہائے حضرات ثلثہ علیہم کے دیکھے جاتے ہیں عترتِ نبوی کے تمسک سے تمامتر بے لگاؤ پائے جاتے ہیں قرآن کے جمع کرنے میں خلافت اولیٰ کی طرف سے کیا تمسک علیؑ مرتضیٰ کے ساتھ ظہور میں آیا۔ اجتہادات مسائل میں خلافت ثانیہ کس طرح پر علی مرتضیٰ کی متمسک ہوئی۔ خلافت ثالثہ میں حدیث ثقلین کی کیا پیروی کی گئی۔ امام حسنؑ کے متمسک مسلمانان وقت کس منبع پر ہوئے۔ خلیفۂ وقت حضرت معاویہ کی کارروائیوں نے تمسک بالعترت سے کیا تعلق رکھا۔ آپ کے جانشین حضرت یزید نے کیا تبعیت حدیثِ بالا کی کی۔

اسی طرح امام عسکری تک اس فرمودۂ رسول اللہ کی تعمیل کیا کی ہوتی گئی۔ ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ رسول اللہ کے بعد تمسک بالعترت کا مضمون بھولے سے بھی کسی کو نہیں یاد آیا۔ پیغمبر صاحب کے بعد کے ہر عہد کی کارروائیاں ایسی ہی دکھائی پڑتی ہیں جو تمسک بالعترت سے ذرہ بھر بھی علاقہ نہیں رکھتی ہیں۔ جب ہوا تو یہی ہوا کہ بڑی ناانصافی کے ساتھ اہلبیت نبوی محکوم بنائے گئے۔ بڑی بے رحمیوں سے مختلف عہدوں میں اُن کے خون پانی کی طرح بہائے گئے۔ اُن کے ذی علم اور باخبر ہونے پر بھی اُن کے ائمہ کے احکام اور روایات سے علمائے غیر امامیہ کنارہ کش رہے اور آج بھی کنارہ کش ہیں۔ ان امور کی تفصیل آئندہ حوالۂ قلم ہونے کو ہی۔ اے حضراتِ حق پسند کیا انھی کارروائیوں کو تمسک بالعترت کہتے ہیں؟ حق یہ ہی کہ تمسک بالعترت کا مضمون مسلمانانِ غیر امامیہ کے لیے ایک مردہ قول نبوی کا حکم رکھتا ہی۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ مسلمانان غیر امامیہ از وقت حضرت خلیفۂ اول تا ایندم حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کے متمسک رہے ہیں اور یہ وہ قول ہی کہ جس نے اہلِ بیت نبوی کے نابود کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بھی اہلِ بیت نبوی کی خلیفگی کے ساتھ ایک ایسے مذہب خاص کی بنا ڈالی کہ جس میں تمام غیر امامیہ داخل ہیں اور یہ غیر امامیہ بہت سے فرقے ہیں کہ جن کا ذکر غنیۃ الطالبین میں حضرت پیران پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نام بنام فرمایا ہی اس قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کی بدولت ایک بڑا تفرقہ عقیدہ کا جو درمیان امامیہ اور غیر امامیہ کے پیدا ہو گیا ہی وہ مشتمل مسئلۂ امامت پر ہی جو شیعوں کے نزدیک اصولِ عقائد میں داخل ہی اور غیر امامیہ اس کو فروعی جانتے ہیں۔ دونوں فرقوں کے اختلاف عقیدے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ امامیہ حدیث ثقلین کے متمسک ہونے کی وجہ سے امامت کو ایک امر من جانب اللہ جانتے ہیں اور اس پہ یہ دلیل رکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ دنیا سے رحلت فرما گئے تو حسب ارشاد نبوی جو درحقیقت حکمِ خدا ہی اُن کی عترت اُن کی قائم مقام ہو گئی۔ پس یہ قائم مقامی آپ کی عترت کی من جانب اللہ ہونے کے سوا کوئی اور حیثیت نہیں رکھ سکتی ہی اور امر واقعی بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ جب آپ کی عترت داخلِ ثقلین ہی تو اُس کی حیثیت کے من جانب اللہ ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہی۔ اس حدیث کی رو سے آپ کی عترت یا قرآن کے برابر ہے یا قرآن سے کم۔ تنزلاً اگر قرآن سے کم بھی ہی تو اتنی ضرور ہی کہ دو امر بزرگ سے ایک امر بزرگ ہی۔ اس تنزل پر بھی یہ عترت آپ کی ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ بالکل چھوڑ دی جائے اور قرآن کے ساتھ اختیار نہ کی جائے۔ حق تو یہ ہی کہ قرآن اور اہلِ بیت نبوی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ راقم کی تجویز میں عترت بھی قرآن سے افضل ہی۔ اس لیے کہ قرآن قرآنِ صامت ہی اور عترت بھی قرآن ناطق ہی۔ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے کو قرآنِ ناطق فرمانا مرد مومن کے لیے افضلیت عترت کی بڑی دلیل متصور ہی۔ اس سے وہی انکار کر سکتا ہی جو حق کا عارب یا مخالف ہی۔ مختصر یہ ہی کہ حدیث ثقلین اس بات کی ہادی نظر آتی ہی کہ امامت ایک امر من جانب اللہ مانی جائے۔ فرقۂ غیر امامیہ جو امامت کو ایک فروعی امر

سمجھتا ہی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ قولِ حَسْبُنَا کِتَابُ اللهِ کی تبعیت سے وہ مضمون امامت جو رسولؐ کے لفظ ثقلین پر مبنی ہی بالکل نمارد ہو جاتا ہی۔ پس امامت من جانب اللہ اگر اس قول کی بدولت لاشئے مانی جاتی ہی تو کوئی جائے تعجب نہیں ہی۔ ظاہر ہی کہ جب امامت ایک امر من جانب اللہ نہیں قرار دی گئی تو فرقۂ غیر امامیہ کے عقیدے کے مطابق ائمۂ اثنا عشر کی امامت ائمۂ اربعہ کی امامت سے کوئی موقر تر درجہ نہیں رکھ سکتی ہی۔ بلکہ ائمۂ اربعہ کی امامت بدرجہا فرقۂ غیر امامیہ کے نزدیک زیادہ قابلِ امتیاز ہی۔ اس لیے کہ ان مجتہدین سے اُس فرقہ کی فقہی ضرورتیں تمامتر متعلق ہیں۔ برخلاف ائمۂ اثنا عشر کے کہ جن سے اُس فرقہ کو نہ اصولی اور نہ فروعی تعلق حاصل ہی۔ اس فرقہ کے نزدیک ائمۂ اثنا عشر کی اماموں کو امام غزآلی اور امام فخر رازی کی اماموں سے ممتاز تر حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی ہی۔ المختصر قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" سے جب امامت قرار پا سکتی ہی تو من جانب الناس قرار پا سکتی ہی۔ جیسا کہ فرقۂ غیر امامیہ کے ائمہ عموماً من جانب الناس کی حیثیت رکھا کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر ابن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی۔ اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔ بہت بڑا حصہ حضرت عمر ابن الخطاب کے عہد کے مسلمانوں کا اور بھی آپ کے بعد کے زمانوں کے مسلمانوں کا حتیٰ کہ اس عہد تک کے مسلمانوں کا اس قول کی تبعیت کی بدولت امور اصولی اور فروعی میں تمسکِ اہل بیت نبوی سے کنارہ کش دیکھا جاتا ہی اور اگر اس قول کے تابعین کو تمسک اہل بیت نبوی کا دعویٰ ہی بھی تو صرف زبانی دعویٰ ہی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہی۔ اس لیے کہ جب صرف تمسک بالقرآن کی ہدایت قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" سے ظہور میں آئے تو اہل بیت نبوی سے بے سروکاری اس کا ایک فطری نتیجہ متصور ہی۔ اس کے برخلاف معاملہ اُن مسلمانوں کا ہی جو حکم نبوی کے مطابق قرآن کے ساتھ اہل بیت نبوی کے بھی متمسک ہونے کو فرض سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہی کہ ایسے مسلمانوں کو اہل بیت نبوی سے کنارہ کشی کرنے کی کیا صورت پیدا ہو سکتی ہی۔ ایسے مسلمان آج تک ہر امر میں متمسک بہ اہل بیت نبوی ہیں اور دل سے ارشاد نبوی کے بجالانے والے ہیں۔ لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد ابتدا میں بہت کم تھی اور آج بھی بہت نہیں ہی۔

مذہب امامیہ اور مذہب غیر امامیہ کی ابتدا اور دونوں کا اجمالی بیان

راقم کی دانست میں وہ امر کہ جس سے مسلمانوں میں مذہبی تفرقہ کی ابتدا ہوئی اور جو درحقیقت تفرقہ کے تخم کا حکم رکھتا ہی وہی قول الخ یعنی "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" ہی۔ اگر یہ قول حضرت عمر کی زبان مبارک تک نہ آیا ہوتا تو ہر مسلمان رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد آنحضرتؐ کے فرمودہ کے مطابق قرآن اور عترت رسولؐ کا یکساں طور پر متمسک ہوتا مگر اس قول نے بہ تعداد کثیر مسلمانوں کو عترت رسولؐ کے تمسک سے کنارہ کش کر دیا۔ بہت تھوڑے مسلمان قولِ نبوی کے متمسک ہوئے اور یہ وہ لوگ تھے جو یا خود بنی ہاشم یا بنی ہاشم کے دوستدار تھے کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ان متمسکانِ قول نبوی نے متمسکانِ قول عمری سے اپنے کو بے لگاؤ رکھا

صرف امر خلافت ہی میں متمسکانِ قولِ عمری کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ہر مذہبی معاملہ میں اُن سے کنارہ رہے۔
چنانچہ جب حضرت خلیفۂ اول کے وقت میں حضرت کے حکم سے قرآن جمع کیا جانے لگا تو یہ لوگ جامعانِ قرآن
کی مجلسوں سے علیحدہ رہے اور اسی طرح جب حضرت عمر کے وقت میں حضرت کے حکم سے اجتہادات مسائل
عمل میں لائے جانے لگے تو اجتہادات کی کمیٹی سے بھی دور رہے۔ مختصر یہ ہے کہ بہ تمسک قولِ نبوی ہونے کے
سبب سے وہ قلیل التعداد اشخاص ہر امر میں صرف پیروی عترت رسولؐ کرتے گئے۔ چنانچہ جو کچھ شرع کے
احکام حضرت علیؑ بیان فرماتے تھے انہی کی تبعیت بہ تمسکان قولِ نبی کیا کرتے تھے۔ امور بالا واضح طور پر
دکھلاتے ہیں کہ قولِ عمری نے جو پھوٹ کی راہ رسول اللہ کی وفات کے قریب نکالی تھی مرورِ ایام سے
اُس میں ترقی ہوتی چلی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ دو مذہب مسلمانوں کے پورے طور پر قائم ہو گئے۔ ایک وہ
جس کی ابتدا حدیث ثقلین سے ہوئی اور دوسرا وہ جس نے قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ سے آغاز پکڑا۔ جو
مذہب کہ تبعیت ثقلین پر مبنی ہے وہی مذہب امامیہ ہے۔ اس لیے کہ تمسک بہ اہل بیت نبوی کا فطری نتیجہ اس کے
سوا دوسرا نہیں ہو سکتا ہے کہ امامانِ خاندانِ پیغمبرؐ کے سوا کسی اور خاندان یا قوم یا مذہب کے اماموں کی
اقتدا کی جائے۔ اسی طرح جس مذہب کی بنا قول حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ پر قائم ہوئی اس کے لیے اس سے
چارہ نہ تھا کہ اُس کے پیرو غیر اہل بیت کی محکومیت اختیار کریں اور تمام امور مذہبی میں ائمہ غیر اہل بیت
کے اجتہادات پر عمل درآمد رکھیں۔ پس جیسا کہ کتب فریقین سے ثابت ہوتا ہے یہ وہی مذہب ہے جو مذہب
دوسری صدی ہجری میں مذہب اہل سنت کہلایا اور جس کو کسی طرح کا خاص برابر بھی تعلق ائمہ خاندان پیغمبرؐ کے
مذہب کے ساتھ نہیں ہے۔ ان امور کی وضاحت آئندہ ہونے کو ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب بوضع بالا
مسلمانوں میں رسول اللہ کی وفات کے قریب پھوٹ کی ابتدا ہوئی اور اشخاص غیر بنی ہاشم بعد از آں عترت
نبوی سے کنارہ کشی کر کے اجتہادات مسائل آزادی کے ساتھ کرنے لگے تب ایک مذہب حضرات اہل بیت
کے مذہب سے علیحدہ قائم ہو گیا یہ مذہب حضرت عمر کی قائم کردہ اجتہادی کمیٹی کی بدولت ظہور میں آیا مگر آپ کے وقت میں
اس نے کوئی خاص لقب یا نام نہیں حاصل کیا اور نہ اُس کو حضرت عثمان کے عہد میں کسی طرح کا امتیازی
لقب نصیب ہوا۔ اسی طرح حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں یہ مذہب بے نام رہا۔ مگر آپ کے بعد دوسری
صدی ہجری کی ابتدا میں اس مذہب کے پیروؤں نے اس مذہب کو السنت والجماعت کے نام سے
ملقب کیا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اُس سنہ کا نام جس میں آپ نے امام حسنؑ سے ترک
خلافت فرمایا تھا عام الجماعت اور جس سنہ میں آپ نے حضرت علیؑ پر تبرا جاری کیا تھا اس کا نام عام السنت
رکھا۔ پس مخالفین عترت نبوی از قسم خوارج و نواصب و معتزلہ وغیرہ جو عہد حکومت معاویہ تا زمانہ ابو العباس سفاح
برابر علیؑ کے ساتھ دلی خلاف رکھتے چلے آتے تھے دوسری صدی ہجری میں اپنے کو اہل السنت والجماعت
کہنے لگے اور یہ اس غرض سے کہ حضرت معاویہ کی صلح جو امام حسنؑ کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور علیؑ پر

تبرا کی رسم جو بعد از آں قائم ہوئی تھی اس لقب کے ذریعہ سے فراموش ہو جائے (دیکھو تاریخ ابو الفدا جلد اول صفحہ ۲۱۲) اس زمانہ کے ناخواندہ اہلِ سُنّت کو اس توجیہ سے وحشت کا پیدا ہونا خلافِ توقع نہیں مگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بالا میں بیان ہوا۔ چنانچہ اہلِ سنّت کے عالم ابن عبد ربہ کتاب العقد میں فرماتے ہیں کہ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ مُعَاوِيَةَ سُمِّيَ ذَالِكَ الْعَامُ عَامَ الْجَمَاعَةِ یعنی جب امیر معاویہ نے امام حسنؑ سے مصالحہ کیا تو اُس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ پھر تاریخ الخلفا صفحہ ۱۳۶ میں علامہ جلال الدین سیوطی رقم فرماتے ہیں کہ فَاسْتَقَرَّ فِيْهَا (فِي الْخِلَافَةِ) مِنْ رَبِيْعِ الْآخِرِ اَوْ جُمَادِي الْاُوْلٰى سَنَةَ اِحْدٰى وَ اَرْبَعِيْنَ فَسُمِّيَ هٰذَا الْعَامُ الْجَمَاعَةِ لِاجْتِمَاعِ الْاُمَّةِ فِيْهِ عَلٰى خَلِيْفَةٍ وَاحِدٍ یعنی حضرت معاویہ نے خلافت پر قرار پکڑا ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سے پس آپ نے اُس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا اس لیے کہ اب اُمّت کا اجماع خلیفہ واحد پر ہو گیا۔ اسی طرح عام السنّت کی تحقیق یوں ہوئی ہے کہ علامہ یحییٰ بن الحسن القرشی اپنی کتاب منہاج التحقیق میں تحریر فرماتے ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِيَةَ حِيْنَ سَبَّ عَلِيًّا سَمّٰى ذَالِكَ الْعَامَ عَامَ السُّنَّةِ یعنی حضرت معاویہ نے جس سنہ میں علیؑ پر تبرا جاری کیا اس کا نام آپ نے سنہ سُنّت رکھا اور اسی سنہ سُنّت سے اہلِ سُنّت نے نام پکڑا۔ اسی طرح حسن سہیل نے کتاب انوار البدایہ میں اسی تحریر کا اعادہ کیا ہے اور یہی شیخ العسکری کتاب الرواج میں فرماتے ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِيَةَ سَمّٰى ذَالِكَ الْعَامَ عَامَ السُّنَّةِ یعنی حضرت معاویہ نے اُس سنہ کا نام سنہ سنّت رکھا۔ المختصر یہ نام السنّت الجماعت حضرت معاویہ کے دو سال کا مونسہ مرکب ہو کر ہزار ہا برس بچپاس برس سے اہل السنّت و الجماعت اس وقت میں موجود ہیں جو اپنے مذہب پاک کی وجہ تسمیہ سے بالکل بے خبر ہیں۔

معاملاتِ قرآنی

واضح ہو کہ جناب رسالتمآبؐ نے حدیثِ ثقلین کی رو سے تمام مسلمانوں کو قرآن اور اہلبیتؑ کے ساتھ متمسک ہونے کے واسطے تاکید کے ساتھ فرمایا تھا مگر حضرت عمر ابن الخطاب نے صرف قرآن کے ساتھ متمسک ہونے کو کافی سمجھا۔ اب اہلِ اسلام دیکھیں کہ خود قرآن کے ساتھ متمسکان قرآن کس نہج سے پیش آئے عہدِ حضرت ابوبکر میں حکم حضرت سے قرآن جمع کیا گیا۔ اس کام کے لیے خلافت اولیٰ کی طرف سے زید بن ثابت۔ اُبی ابن کعب وغیرہ واسطے جمع کرنے قرآن کے مقرر کیے گئے۔ چنانچہ ان حضرات نے قرآن کو جمع فرمایا۔ یہی جمع کردہ قرآن حضرات بالا کا مسلمانوں میں عہد شیخین تک مروج رہا مگر جب زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کا آیا تو آپ نے چند اشخاص کے ذریعہ سے قرآن کی تصحیح و ترتیب از سرِ نو فرمائی۔ اس تصحیح و ترتیب سے نہ صرف مقدم آیتیں سابق کے نسخہ ہائے قرآن کی مؤخر میں داخل ہو گئیں یا بہت سی مدنی آیتیں مکی آیتوں میں اور مکی آیتیں مدنی آیتوں میں جا ملیں بلکہ کچھ الفاظ کے ترک سے منصوصی حیثیت علی مرتضیٰ اور آلِ محمدؐ کی بھی جاتی رہی۔ لاریب اہل بیتؑ نبوی کی حیثیت کا یہ نقصان حضرت عمر کے قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کا معین تو ہوا۔ لیکن اسے نقصانِ قرآنی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ گو کوئی شک نہیں

کہ ایسے متروکات سے قرآن کے ظاہری کمال میں نقص آگیا۔ عقلِ صحیح کے نزدیک یہ ترتیبِ عثمانی ہرگز مکمل نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔ واضح ہو کہ حضرت عثمان نے قرآن کی تصحیح و ترتیب کا حکم اس بنیاد پر دیا تھا کہ حضرت ابوبکر کے نسخہ ہائے قرآن میں جو اختلافاتِ قرأت وغیرہ پائے جاتے تھے تصحیح و ترتیب سے مٹ جائیں گے وہ اختلافات تو مٹ گئے۔ مگر حضرت علیؑ اور آلِ محمدؐ ایسی کارروائی سے بہ اسبابِ ظاہر بڑے گھاٹے میں پڑ گئے۔ قرآن کی تصحیح و ترتیب کے لیے زید بن ثابت۔ عبدالرحمٰن بن زبیر سعید بن العاص۔ اور عبداللہ بن الحارث بن ہشام مقرر کیے گئے تھے۔ اور ان حضرات کو علیؑ کے ساتھ کھلے طور پر عداوت تھی اختلافاتِ قرأت کی بنیاد پر ان حضرات نے لفظ آلِ محمدؐ اور کبھی علیؑ کے نام کو جو چند مقام پر داخلِ قرآن تھا قرآن سے خارج کر دیا۔ بلاشبہ یہ امر بھی قولِ عمری کی طرح حدیث کی تاثیر کا مٹانے والا ثابت ہوا۔ اس واسطے کہ جب علیؑ اور آلِ محمدؐ کی منصوصی حیثیت باقی نہیں رہی تو آئندہ آپ حضرات کے ساتھ کیوں کوئی متمسک ہوتے لگا چنانچہ حضرت معاویہ اور حضرت کے صاحبزادے اور دیگر اشخاص بھی جو آپ صاحبوں کے اندازِ مذہب کے تھے حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ کے کبھی متمسک نہ ہوئے۔ جائے لحاظ ہے کہ قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کی بدولت دو امرِ بزرگ میں سے ایک امرِ بزرگ یعنی تمسک بہ اہلِ بیت تو متروک ہو ہی چکا تھا۔ اب دوسرا امرِ بزرگ جو قرآن تھا اس میں اس طرح کی کتر بیونت کی گئی کہ رسول اللہؐ کے بعد علیؑ جو اہلِ بیت کے سردار تھے اُن کی منصوصی سرداری یا امامت معرضِ نزاع ہو گئی۔ عموماً اہلِ سنت یہی کہتے ہیں کہ قرآن میں تو نام کسی اہلِ بیتؑ کا نہیں دیکھا جاتا ہے۔ پھر امامت یعنی سرداری علیؑ کی یا کسی اور اہلِ بیت کی کیونکر قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اب میں دکھلانا چاہتا ہوں کہ حضرت عثمان کے وقت میں ایسے قرآنی انقلابات پیدا ہوئے کہ جو علیؑ مرتضیٰ منصوصی سرداری کو اُمتِ محمدی سے نزاعی بنانے والے ہو گئے واضح ہو کہ عہدِ آنحضرتؐ میں آیۂ بلّغ پارہ ۶ رکوع ۱۳ کی قرأت یوں ہوتی تھی يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أَنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ الخ۔ ٹکڑا أَنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ کا قرآن موجود سے خارج کر دیا گیا۔ اس ترک کا پورا پتہ تفاسیرِ قرآن سے لگتا ہے (دیکھو درِ منثور تفسیر علامہ جلال الدین سیوطی و کتاب مفتاح النجا مرزا محمد ابن معتمد خان بدخشانی) اسی طرح مفسرین لکھتے ہیں کہ قرأت ابن مسعود میں كَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ کے بعد بِعَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ کا ٹکڑا داخل تھا چنانچہ اسی درِ منثور اور مفتاح النجا میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ پھر ثعلبی اپنی تفسیر میں اپنے اُستاد ابی وائل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے مصحفِ عبداللہ بن مسعود کو جو پڑھا تو آیۂ إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ میں آلِ عمران کے بعد آلِ محمدؐ کا لفظ موجود تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصحفِ ابن مسعود کے وجود تک یہ لفظ آلِ محمدؐ کا داخلِ قرآن تھا اور قرآن کے پڑھنے والے اس کو پڑھا بھی کرتے تھے۔ مگر تعجب ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت کے کارکنان نے اس لفظ کو

نامعتبر سمجھا اور اُسے قرآن سے خارج کردیا۔ کیا علیؑ اور آلِ محمدؐ کے الفاظ کے نکال ڈالنے پر قرآن کی تصحیح موقوف تھی۔ اہلِ انصاف خود اس کی تجویز کرلیں۔ راقم کو اس سے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جو روزِ سیاہ ابن مسعود کو اس قرآنی قصہ میں پیش آیا وہ نہایت ملال انگیز ہے۔ جب اس جلیل القدر صحابی نے اپنے نسخۂ قرآن کو حضرت عثمان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو خوب اُن پر مار پڑی (دیکھو نہایۃ العقول امام فخر الدین رازی اور نجاۃ المومنین ملا محسن کشمیری کی اور بھی معارف ابن قتیبہ) اسے بیچارے ابن مسعود قرآن کا قرآن گیا اور بدن کی مرمت الگ ہوئی۔ ان ظالمانہ کارروائیوں کا جواب ابن مسعود کیا دے سکتے تھے مار کھا کر چپ ہو رہے۔ مگر جب ایسی ہی ناروا کارروائی حضرت عائشہ اُم المومنین کے والد بزرگوار کے قرآن کے ساتھ ہونے لگی تو حضرت اُم المومنین نہایت غضبناک ہوئیں اور حضرت خلیفہ کی شان میں جو کچھ ارشاد فرمایا راقم کو اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ مگر ایسی زبانی خفگی سے کیا ہوتا ہے حکمِ حضرت خلیفہ سے آپ کے والد بزرگوار کا قرآن بھی ابن مسعود اور دیگر اشخاص کے نسخہ ہائے قرآن کے ساتھ خاک کی برابر کردیا گیا۔ علامہ قوشجی نے کتاب شرحِ تجرید میں حضرت ابن مسعود کے اس قرآنی معاملہ کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اُسکے امرِ واقعی ہونے میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ رفعِ اختلافاتِ قرآنی جو عمل میں لایا گیا تو بغرض خارج کردینے نامِ علی، ولفظ، آلِ محمد، کے عمل میں لایا گیا اس سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی ساری قرآنی کارروائیوں کا مطلب یہی تھا کہ علیؑ اور آلِ محمدؐ کی منصوصی حیثیت زائل ہوجائے جس سے سردارِ بنی ہاشم یعنی علیؑ اور جانشینانِ علیؑ کی امامت رسول اللہ کے بعد کسی وقت میں قائم نہ ہوسکے اہلِ انصاف کے نزدیک یہ ساری قرآنی کارروائیاں حضرت عثمان کے مقدوح ہونے کے سوا اور کیا معلوم ہوسکتی ہیں اور حضرت عثمان پر سے رفعِ الزام کرنے کی نظر سے جو ایسے ایسے الفاظ مثلاً، قرأت شاذہ، منسوخ التلاوت، و بعنوان التفسیر گڑھے گئے ہیں۔ اہلِ انصاف کی نظر میں عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہیں۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ یہ الفاظ پاک قرآن سے بدر کردیے گئے۔ اگر حضرت عثمان اُن الفاظ کو جو پیمبرِ خدا کے وقت سے قرآن میں چلے آتے تھے اپنی اپنی جگہ پر رہنے دیتے تو مسئلہ امامت کبھی نزاعی مسئلہ نہ ہوجاتا اور پیروانِ اسلام ایک بڑی گمراہی سے مامون رہتے۔ بس اخراجِ الفاظ بالا سے جو نتیجہ اس دُنیا میں پیدا ہوا اور جسکو اہلِ انصاف اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہیں بلاشبہ نہایت افسوسناک ہے ظاہر ہے کہ قرآن سے اُن الفاظ گرامی کا نکال دینا تمامتر اہلِ خلافت کے لیے مبنی بر مصلحت تھا۔ یہ مصلحت کی راہ حضرت عثمان کو خود سوجھی ہو یا سجھائی گئی ہو اس کی راقم کو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ مگر قیاسِ راقم یہی ہے کہ یہ راہ آپ کو سجھائی گئی تھی۔ آپ کے ساتھ کچھ ایسے ذی ہوش اشخاص رہا کرتے تھے جو اہلبیت نبوی سے قطعی عداوت رکھتے تھے۔ اگر مروان کی ترکیب سے کے آدمیوں نے یہ راہ سجھائی ہو تو عجب نہیں

خیر حقیقتِ حال جو کچھ ہو مگر ایسی کارروائی خلافت ثالثہ کی بڑی مصلحت بینی سے خبر دیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ساری قرآنی کارروائیاں حضرت عثمان کے عہد کی قول "حسبنا کتاب اللہ" کی تکمیل کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں۔ حضرت عمر نے "حسبنا کتاب اللہ" فرما کر اہلِ بیتِ نبوی کے تمسک سے کنارہ کشی کی راہ سُجھائی تھی۔ مگر اہلِ بیتِ نبویؐ کے ذکر سے خود قرآن خالی نہ تھا۔ قرآن تمسک اہلِ بیت کی ہدایت کھلے طور پر صاف صاف لفظوں میں کرتا تھا۔ پس جب تک قرآن سے وہ الفاظ پاک خارج نہ کر دیے جاتے تو قولِ "حسبنا کتاب اللہ" کی تعمیل آسان طور پر عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اہلِ بیتِ نبوی کی مخصوص حیثیت مجرد قولِ حضرت عمر سے زائل ہونے والی نہ تھی۔ مگر جب لفظ آلِ محمدؐ اور نام علیؑ سے قرآن خالی کر دیا گیا تو قولِ بالا کو پورا فروغ حاصل ہو گیا۔ یعنی اس قرآنی کارروائی کی بدولت اہلِ بیتِ نبوی سے پوری کنارہ کشی کا سامان بہم ہو گیا اور واقعی امر بھی یہی ہے کہ چونکہ عترتِ نبوی اور قرآن دست و گریبان کا حکم رکھتے ہیں قرآن سے ان کو جدا کیے بغیر قول عمری کی تعمیل امکان نہیں رکھتی تھی۔ المختصر عہدِ حضرت عثمان میں حضرت عمر کی اس منشار کا تکملہ ہو گیا جو رسول اللہؐ کے وقت آخر میں الفاظ "حسبنا کتاب اللہ" سے ظاہر ہوا تھا۔ اب اہلِ انصاف خود تجویز فرمالیں کہ ان سب کارروائیوں سے شانِ اہلِ بیتِ نبویؐ کی تنقیص عمل میں آئی یا نہیں۔ راقم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کارروائیوں سے اہلِ بیتِ نبوی کی نہ صرف بڑی تنقیصِ شان ہوئی بلکہ جتنی مصیبتیں ان حضرات پر رحلتِ آنحضرتؐ کے بعد آئی گئیں اُن کا اصلی سبب وہی "حسبنا کتاب اللہ" ہوا اور جس کی پوری تائید حضرت عثمان کے قرآنی معاملات سے عمل میں آئی۔ لاریب ان قولی اور فعلی کارروائیوں سے علیؑ اور جانشینانِ علیؑ کی سرداری یعنی اُن کی امامت کا مضمون عامۂ مسلمانوں کے دماغ سے جاتا رہا۔ پس جب امامت کوئی نصّی شئے باقی نہیں رہی تو خاندانِ پیغمبر کے اماموں کے ساتھ درشتی، بے ادبی، اور بے رحمی سے مسلمانانِ وقت کا پیش آنا ہرگز تعجب انگیز متصور نہیں ہو سکتا۔ تمسک بہ اہلِ بیتِ نبوی کے مضمون کے گاؤ خورد ہو جانے اور قرآن سے آلِ محمدؐ اور علیؑ کے ذکر کو دور کر دینے کے بعد اہلِ بیتِ نبوی کے ساتھ مسلمانوں کی جانب سے ہر طرح کا سلوکِ بد امکان رکھتا تھا جیسا کہ واقعی اوقاتِ مختلفہ میں ظہور پکڑ گیا۔ یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ اگر دو ہزار حسینؑ دنیا میں ہوتے تو ایسی تعلیمات کے بعد مسلمانانِ وقت دو ہزار بار واقعہ کربلا کے مرتکب ہو سکتے۔ مگر چونکہ حسینؑ ایک ہی تھے اس لیے واقعہ کربلا بھی صرف ایک بار ظہور میں آیا۔ اگر یہ تقاضائے حدیثِ ثقلین تمسک اہلِ بیتِ نبوی ایک مؤکد امر مانا جاتا اور حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی مخصوص حیثیت میں زوال نہ ڈالا جاتا تو جو واقعات اُن حضرات اور انکے جانشینان کو مسلمانانِ وقت کے

ہاتھوں پیش آتے گئے ہرگز ہرگز پیش نہ آسکتے ساری آفتیں جو ائمۂ خاندانِ پیغمبر پر آئیں اس کا سبب یہی ہوا کہ وہ حضرات معصومین قابلِ تمسک اور ائمۂ منصوصین نہ سمجھے گئے۔ بنی ہاشم اور دوستدارانِ بنی ہاشم کے سوا اُن حضرات منصوصین کو عامۂ مسلمانان اُس زمانے کے اور مابعد زمانوں کے تقاضائے تعلیم سے لوٹے جاتے تھے اور واجب الاطاعت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آئندہ آتا ہے۔ اگر مسلمانان وقت انھیں واجب الاطاعت سمجھتے ہوتے تو حضرت معاویہ جناب علیؑ ابن ابی طالب سے صف آرائیاں نہ کرتے نہ جناب امام حسنؑ سے خلع خلافت کراتے اور نہ آپ کے صاحبزادے حضرت یزید علیہ ما علیہ جناب امام حسینؑ سے بیعت کے خواستگار ہوتے۔ لاریب اسی قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" اور حضرت عثمان کے معاملات قرآنی کی بدولت اہلِ بیتِ نبوی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی تھی۔ حتّٰی کہ علمائے اہلِ سُنّت اُن کو جائز الخطا جاننے لگے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حضرت علیؑ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے سترہ چیزوں میں خطا کی۔ مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا کو خطاوار قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں علی مرتضیٰ کی فقہی غلطی بتاتے ہیں۔ امام غزالی حسنین علیہما السلام کے ذکرِ مصائب و شہادت کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ اور ابو شکور سلمی شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱ میں لفظ لَوْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ کے حاشیہ پر یہ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ پر یزید کی بیعت واجب تھی عبارت عربی کی یہ ہے "إِنَّ طَاعَتَهُ كَانَتْ وَاجِبَةً عَلَى الْحُسَيْنِ وَجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ" اور اپنی اس تحریر پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یزید کی خلافت بہ استخلاف معاویہ تھی یعنی حضرت یزید کو حضرت معاویہ نے خلیفہ بنایا تھا اور صحابہ اور غیر صحابہ نے یزید کی متابعت کی تھی جناب صاحب کہ استخلاف غیر امامیہ کے نزدیک شروطِ خلافت سے ہے اور یہ ایک ایسی جید شرط ہے کہ اسی شرط کے مطابق حضرت عمر ابن الخطاب بہ اعتقاد اہلِ سنت حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ کے خلیفہ برحق قرار پائے تھے۔ ترکِ تمسک اہلِ بیت اور تبعیت قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ابو شکور جیسے عالمِ اہلِ سُنّت نے حضرت یزید کی بیعت کو امام حسینؑ پر واجب گردانا۔ کیوں آسمان ٹوٹ کر تارکانِ تمسکِ اہلِ بیت پر نہیں گر پڑتا۔ ہاں ظلم کی رسی دراز ہوتی ہے۔ مگر ایک وقت خدائے تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا آئے گا تب معلوم ہو جائے گا کہ حضرت یزید واجب الاطاعت تھے یا جناب امام حسینؑ۔ یوں جو کوئی جو کچھ چاہے حضرات اہلِ بیت کے حق میں کرے۔ مگر منتقم حقیقی ناپید نہیں ہو گیا ہے۔ وہ زمانہ بہت دور نہیں ہے کہ ہر شخص کو اُس کے فعل و قول کی مکافات ملے۔ اللہ اکبر یہ وہ اہلِ بیت ہیں کہ داخلِ قرآن ہونے کی وجہ سے منصوصی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی نسبت جناب پیغمبر خدا نے حدیث ثقلین میں دو امر بزرگ میں سے ایک امر بزرگ خود انھیں قرار دیا ہے اور اُن کی نسبت اُسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن و اہلِ بیت ایسے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متفرق اُس وقت تک نہ ہونگے جب تک کہ وہ دونوں حوض کوثر پر وارد نہ ہولیں۔ قول نبوی یہ ہے "إِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ"۔ اس قولِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور اہلِ بیتِ نبوی ایسے دو امرِ بزرگ ہیں

کہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونگے چہ در دُنیا وچہ در آخرت ۔ مگر فرمودۂ نبوی کی اس دُنیا میں اس طور پر تعمیل کی گئی کہ اہل بیت بالکل متروک کر دیے گئے اور صرف قرآن کے ساتھ تمسک کافی سمجھا گیا۔ پھر قرآن سے بھی لفظِ آلِ محمدؐ اور علیؑ کے نام کو خارج کر دینا قرینِ مصلحت سمجھا گیا۔ واہ کیا خوب حکم نبوی کی تعمیل کی گئی۔ اے سبحان اللہ۔ من چہ مے گویم و تنبورۂ من چہ مے سراید۔ اب سُنیے کہ تمسک بالقرآن کا سِر کہاں جا پہنچا۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ نسخہ ہائے قرآنی کے احراق کے بعد حضرت معاویہ نے قرآن کا مصرف یہ نکالا کہ اُس کے سیکڑوں نسخوں کو جھنڈوں پر آویزاں کیا اور حضرت کے بعد ولید نے قرآن مجید کو تیر باراں کیا ؎ خشت اوّل چوں نہد معمار کج * تا ثریا مے رود دیوار کج ۔ واضح ہو کہ قرآن میں دست اندازیوں کے قائل حضرت عبد اللہ ابن عمر بھی دیکھے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہت سا قرآن سے جاتا رہا ہے کما قال ابن عمرؓ لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ وَمَا يُدْرِيْهِ مَا كُلُّهٗ قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ كَثِيْرٌ۔ یہ تو قرآنِ پاک کی سرگذشت ہے۔ دست اعداء سے نہ اہل بیتِ نبوی بچے اور نہ قرآن مجید۔ مگر کیا کیا جائے جس قدر اور جس وضع پر اس وقت قرآنِ مجید موجود ہے اسی کو سنی اور شیعہ گلے لگائے ہوئے ہیں۔ راقم بھی اس قرآن کو اپنا ہادی جانتا ہے لیکن اگر علی مرتضیٰ کا جمع کردہ قرآن یا تنزیلاً ابنِ مسعودؓ ہی کا قرآن دستیاب ہو سکتا تو راقم کو قرآنِ موجود سے آزاد ہو جانا پڑتا۔ راقم کی تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن موجود میں کوئی شے افزود نہیں کی گئی ہے۔ اس وقت جس قدر قرآن وجود رکھتا ہے یہ سب کا سب قول خدا ہے قولِ بشر نہیں ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قول خدا ناتمام ہے جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ وہ حضرات جو کہتے ہیں کہ قرآن کا حافظ خود خدا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کا حافظ خدا ہے اس میں کوئی نقصان لاحق نہیں ہو سکتا اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شک نہیں کہ قرآن کا حافظ خدا ہے مگر ضرور نہیں کہ نقوش کتابی کا بھی حافظ خدا ہو اگر نقوش کتابی کا بھی بالضرور حافظ خدا ہوتا تو ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا عہد حضرت عثمان ابن عفان میں نہ جلایا جا سکتا اور نہ اُس کے بعد کبھی قرآن کے نقوش کتابی کو کسی طرح کا آسیب پہنچ سکتا۔ حال میں ایک کافر نے کسی مسجد میں گھس کر ایک نسخہ قرآن کو جلا ڈالا۔ اگر بالضرور نقوش کتابی کا حافظ خدائے تعالیٰ ہوتا تو اُس عاقبت برباد سے ایسا فعل قبیح صادر نہ ہو سکتا بس جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ قرآن کا حافظ ہے مگر ضرور نہیں کہ نقوش کتابی کا بھی حافظ ہو۔ قرآن قول خدا ہے اور علم خدا میں محفوظ ہے اور کوئی شے ماسوا ایسی نہیں ہے کہ اُس کی حفاظت میں اپنے فعل سے خس برابر بھی کمی کر سکے جس کے باعث کسی طرح کا نقص قرآنی پیدا ہو سکے۔ آخر میں راقم کا یہ عرض کر دینا خلاف محل نہ ہوگا کہ قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کس اعلیٰ درجہ کا پُر مشکل وزن رکھتا ہے۔ اللہ اکبر اس قول نے کیا کیا بوقلموں نتائج تاریخ عرب میں پیدا کیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ قول حضرت عمر ابن الخطاب کے لب مبارک تک نہ آیا ہوتا تو اس وقت عرب کی تاریخ نہ صرف تمدن بلکہ مذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے رنگ کی

دکھائی دیتی۔ حق یہ ہے کہ قابل آدمی دُنیا میں کیا نہیں کر سکتا ہے۔ امرِ واقعی یہ ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب کی پولٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان گو ایک بہت بڑے مدبر ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمر ابن الخطاب کے پولٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہؐ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی ہاشم باوجود اس کے کہ عہدِ رسول اللہ میں بہت کچھ قدر و منزلت حاصل کر چکے تھے نہایت آسانی کے ساتھ حکومت سے دُور کر دیے گئے اور پھر انھیں کبھی دُنیاوی فروغ حاصل نہ ہوا۔

معاملۂ فدک

خلافت کے قائم ہونے کے تھوڑے ہی روز کے بعد بی بی فاطمہؑ کو دار القضا میں فدک کے مقدمہ کی تقریب سے جانا پڑا۔ جاننا چاہیے کہ فدک صوبہ حجاز کا ایک ایسا علاقہ ہے جو مدینہ سے دو تین روز کی راہ پر واقع ہے صاحب صراح لکھتے ہیں کہ فدک خیبر کا علاقہ ہے۔ واضح ہو کہ خیبر داخل حجاز ہے پس اس رو سے فدک کا علاقہ حجاز ہونا نہایت درست ہے پہلے یہ علاقہ کفارِ خیبر کی مِلک تھا مگر اُن سے مصالحہ کے بعد رسول اللہ کے قبضہ میں چلا آیا اور رسول اللہ کا خالصہ قرار پایا۔ شرح ابن الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو فدک کے مالِ نبی ہونے سے انکار تھا مگر جمیع مفسرین کہتے ہیں کہ فدک رسول اللہ کا مال تھا اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے کہ یہ ایسا ہی تھا۔ آخر اتفاق مفسرین بھی کوئی شے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جمیع مفسرین کے اتفاق کی کیا صورت ہوتی۔ بہر حال یہ ایک نہایت آباد اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس میں چشمے اور باغات وغیرہ بہت تھے اور جناب رسول اللہ کو اس سے ایک اچھی صورت آمدنی کی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ رسول مقبول امیروں کی طرح زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ مگر اُس کی وافر آمدنی سے محتاجوں کے بہت سے کام نکلتے تھے رسول اللہ نے اپنے حینِ حیات اُس علاقہ کو بحکم قرآنی "وآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ" حضرت بی بی صاحبزادی صاحبہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا کو ہبہ کر دیا تھا اس رو سے حضرت سیدہ اس علاقہ پر قابض تھیں۔ تفسیر درِ منثور سیوطی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فدک کا علاقہ از روئے مصالحہ کے رسول اللہ کے قبضہ میں آیا تب جبرئیل علیہ السلام یہ آیتِ بالا لیکر نازل ہوئے اور رسول اللہ سے عرض کی کہ فدک کو اپنے عزیزوں کو دیدیجئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ عزیز کون۔ جبرئیل نے کہا کہ فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ۔ جناب رسالتمآب نے حکم خدا کی تعمیل کی اور فدک کو تحریر ہبہ کے ذریعہ سے جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں دیدیا (دیکھو معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ و حبیب السیر و روضۃ الصفا صفحہ ۱۳۵ جلد ۲)۔ مگر جب خلافت حضرت ابوبکر پر قرار پائی تو خلیفہ صاحب نے اُسے ضبط کر لیا کتب بالا کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کی ضبطی کے وقت فدک حضرت سیدہ کے قبضہ میں تھا۔ جواہر العقدین کی روایت کے الفاظ سے بھی صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قبضہ حضرت سیدہ سے فدک لیا گیا۔ بہر حال جب دار القضا میں حضرت سیدہ نے

اس بے دخلی کی نسبت یہ جتلایا کہ میرے والد ماجد نے مجھے علاقہ ہبہ کر دیا ہے تو حضرت ابوبکر جو فطرتاً ایک نیک مزاج آدمی تھے نہایت آشتی سے بولے کہ میرا یہ گمان تھا کہ آپ میراث کی حیثیت سے اس کی دعویدار ہوئی ہیں درحالیکہ قول رسول اللہ کا یہ ہے کہ "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ"، یعنی ہم گروہ انبیا میں وراثت کوئی شے نہیں ہے ہم جو ترکہ چھوڑ جاتے ہیں صدقہ کا حکم رکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ تمہارے باپ تمکو یہ علاقہ اپنی حیات میں ہبہ کے طور پر دے گئے ہیں تمہارا قبضہ اس پر ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کہکر حضرت خلیفہ ردّ فدک کے بارے میں کوئی تحریری حکم دینا چاہتے تھے کہ حضرت عمر نے حضرت خلیفہ کو ایسی تحریر سے منع کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ ایک عورت سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس طرح سب عورتیں ہیں فاطمہؑ بھی ایک عورت ہے اُس سے گواہ طلب کیجیے۔ اس پر حضرت بی بی نے اپنے شوہر حضرت علیؑ اور ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کو گواہی میں پیش کیا۔ ان شخصوں کی گواہی پر حضرت خلیفہ نے ردّ فدک کا تحریری حکم صادر فرمایا۔ جب اس کی خبر حضرت عمر کو ہوئی آپنے حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے اس تحریری حکم کو چھین کر چاک کر ڈالا (دیکھو شرح ابن الحدید جلد ۴ صفحہ ۳۰۵) اور یہ فرمایا کہ فاطمہؑ علیؑ کی زوجہ ہے۔ علیؑ کی گواہی کیونکر قابل پذیرائی ہو سکتی ہے۔ علیؑ جب کہینگے تو اپنے نفع کی کہیں گے باقی رہیں دو عورتیں اُن کی گواہی ناکافی متصور ہے۔ جب حضرت سیدہؑ نے حضرت عمر کی یہ تقریر سنی تو آپ نے فرمایا کہ اے صاحب آپ رسول اللہ سے سن چکے ہیں کہ یہ دونوں بیبیاں اہل جنت سے ہیں پس اُن سے دروغ گوئی عمل میں نہیں آسکتی ہے۔ لیکن حضرت سیدہ کا یہ جواب پذیرا نہ ہوا۔ فدک آپ سے لے لیا گیا۔ اُس وقت حضرت سیدہ نے ان لفظوں میں فریاد کی کہ "وَا اَبَتَاہُ وَا مُحَمَّدَاہُ" اور اس کے بعد آپ اپنے گھر کو واپس گئیں۔ اس قصہ کے تھوڑے ہی دن بعد آپ فرطِ شکستگی قلب سے بیمار ہوئیں اور ارباب زمانہ کی طرف سے کمال بیزاری کی حالت میں رحلت فرما گئیں۔ صحیح بخاری جزو خامس اور صحیح مسلم کے جزو ثالث میں مسطور ہے کہ اس فدک کے معاملہ کے بعد حضرت سیدہ حضرت ابوبکر سے بہت آزردہ ہو گئیں اور بالکلیہ حضرت خلیفہ سے قطع تعلق فرمایا اور اپنی بقیہ زندگی اُن سے بات نہ کی اور جب حضرت سیدہ نے ودیعت حیات فرمائی تو حضرت امیر علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نعش مبارک کو رات کے وقت دفن کیا اور اس کی خبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو نہ دی۔

لفظِ "غَضِبَتْ" پر رائے

واضح ہو کہ حدیث بخاری میں لفظ "غَضِبَتْ"، دیکھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں غضبناک ہوئیں یا سبب یہ کل غضبناک ہونے کا تھا۔ اس لیے کہ فدک آپ کے خیال کی رو سے آپ کا مال تھا جو خلافت اولیٰ کی طرف سے لے لیا گیا۔ مگر نہایت جائے شرم ہے کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے سیف المسلول میں

"غَضِبَتْ" کے معنی "نَدِمَتْ" یعنی شرمندہ ہوئیں لکھ دیا ہے۔ یہ شرمندگی کا کیا محل تھا۔ حضرت سیّدہ فدک کو اپنا مال سمجھے ہوئے تھیں اور اپنے مال کی واپسی کی نظر سے دار القضا میں دعویدار ہوئی تھیں۔ حضرت علیؑ اور دیگر گواہاں نے بھی آپ کے دعوے کو حق سمجھ کر آپ کی طرف سے گواہیاں دی تھیں۔ آئندہ بھی اہلیانِ خاندانِ پیمبر فدک کو مالِ فاطمہؑ جانتے رہے اور اسی لیے عمر ابن عبد العزیز خلیفۂ بنی اُمیّہ اور بھی چند دیگر خلفائے بنی عباس ردِّ فدک کرتے رہے ہیں۔ المختصر کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور اولادِ فاطمہؑ فدک کے چھین جانے کو امرِ حق مانتی تھی۔ ایسی صورت میں بی بی فاطمہؑ اگر حضرت ابوبکر سے ناراض ہو کر اُن پر غضبناک ہوئیں تو یہ امر خلافِ محل نہیں ہوا۔ کس واسطے کہ جب کوئی آدمی کسی سے نہایت ناراض ہوتا ہے تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے نہ کہ شرمندگی کا۔ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیّدہ نے حضرت ابوبکر سے ترک کلام کر دیا۔ اسی طرح شرح ابن الحدید جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیّدہ نے بوقت وفات یہ وصیت فرمائی کہ ابوبکر آپ کے جنازے کی نماز تک نہ پڑھنے پائیں۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر پر غضبناک ہوئی تھیں آپ حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں کسی طور پر شرمندہ نہیں ہوئیں قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایسے بد قرینہ معنی گھڑنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو چونکہ اس قولِ نبویؐ سے اطلاع تھی کہ فاطمہؑ کا ایذا دینے والا خدا اور رسولؐ کا ایذا دینے والا ہے۔ آپ کو اس کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابوبکر کے وفورِ محبت میں "غَضِبَتْ" کے معنی "نَدِمَتْ" قرار دیں۔ الامان۔ الامان اللہ تعالیٰ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے اناپ شناپ معنی گھڑنے والوں سے بچائے۔ اہلِ انصاف دیکھیں کہ یہاں "غَضِبَتْ" کے معنی "نَدِمَتْ" کیونکر ہو سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ قاضی صاحب نے "غَضِبَتْ" کے ایسے بے محل معنی گھڑنے سے مذہبِ اہل سنّت کا بڑا کام نکالنا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر "غَضِبَتْ" کے معنی "نَدِمَتْ" قرار پا جائیں تو اس سے صاف طور پر ثابت ہو سکے گا کہ حضرت سیّدہ نے فدک کی نسبت ایک دعوئے باطل پیش کیا تھا جس کے ہار جانے پر آپ کو ندامت لاحق ہوئی۔ مگر دروغ کو فروغ نہیں ہو سکتا ہر انصاف پسند یہی سمجھتا ہے کہ حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر سے غیظ و غضب کے ساتھ کنارہ کش ہوئیں اور تا دمِ آخر اُن سے بیزار اور کنارہ کش رہیں حتیٰ آنکہ اپنے پدرِ بزرگوار کی رحلت کے بعد چند مہینے کے اندر نہایت دلشکستگی کی حالت میں سفرِ آخرت اختیار کر گئیں۔ نہایت جائے حیف ہے کہ وہ حضرات علما جو ضرورتِ مذہبی سے رفوگری کا شغل رکھتے ہیں (یعنی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کی مرمت اپنے مطلب کے مطابق کیا کرتے ہیں) اکثر توہینِ آلِ محمدؐ گوارا کر جاتے ہیں۔ یہاں قاضی صاحب نے معنی "غَضِبَتْ" کو "نَدِمَتْ" بنا کر کیسی سخت بے ادبی حضرت سیّدہ کی شان میں کی ہے۔ اُس معصومہ کو ناحق شناس مدعیہ دعوئے باطل حریصہ طامعہ وغیرہ وغیرہ قرار دینا چاہا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کے معنی گھڑنے والوں کی علمائے اہلِ اسلام میں کمی نہیں ہے ایسے مضامین آفرین حضرات نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ دقّت کشی

کرتے ہیں دیدہ و دانستہ مطالب قرآنی کو فوت اور ارشادات نبوی کو غت ربود کر ڈالتے ہیں۔ ایسی ایسی کارروائیوں سے آلِ محمدؐ پر اگر حرف آئے تو آئے۔ اس کی انہیں مطلق پروا نہیں مگر کسی طرح پر خلافتِ ثلٰثہ کی خیر رہے۔ اس کی مثالیں آئندہ بھی آنے کو ہیں۔

حضرت فاطمہؑ کی آزردگی اور راقم

واضح ہو کہ حضرت فاطمہؑ کی آزردگی آپ کے مخالفین کے نزدیک جو کچھ بے وزن معلوم ہو۔ مگر راقم اس کو ایسا دہشت انگیز امر سمجھتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ فقیر آپ کی آزردگی کو خدا اور رسول کی آزردگی سمجھتا ہے۔ بلکہ خدا اور رسول کی آزردگی سے بھی اسے زیادہ ہولناک جانتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت سیدہ خدا اور رسول دونوں کی پیاری ہیں۔ ایسی محبوب اور پاک ذات کی آزردگی معاذ اللہ عقبیٰ میں کیا عالم پیدا کر سکتی ہے محتاجِ بیان نہیں ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب بھی اس آزردگی کے نتیجہ سے بے خبری نہیں رکھتے تھے تب تو غضبت کے معنی ندامت قرار دے گئے۔ ہزار شکر خدا کا ہے کہ راقم حضرت سیدہ کے عہد میں موجود نہ تھا۔ اگر اُس وقت میں ذی وجود ہوتا تو نہیں معلوم اُس سے کیا لغزش سرزد ہوتی۔ یہ بڑی خوش بختی راقم کی ہے کہ سراپا گناہ ہونے پر بھی حضرت سیدہ کی آزردگی سے بحمداللہ مامون ہے۔ الحق اس سے زیادہ خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ للہ الحمد والمنۃ۔

حضرت عمر کی کارروائیوں سے استنباطِ مضامین

حضرت عمر کے اس عجلت اور بے تکلفی کے ساتھ فیصلۂ حضرت ابوبکر کو چاک کر ڈالنے سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ خلیفۂ وقت کی کوئی عظمت حضرت عمر کے دل میں مرکوز نہ تھی حاکمِ وقت کے فیصلہ کو خواہ اُس کے سامنے اور خواہ اُس کی غیبت میں اس بے اعتدالی کے ساتھ چاک کر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی کارروائی کے اختیار کرنے والے کے دل میں اس حاکم کا کوئی وقار نہ تھا۔ وقار و عظمت نہ ہونے کی وجہ پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت عمر سمجھتے تھے کہ حضرت ابوبکر آپ کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں اور یہ کہ آپ کی اعانت کے بغیر حضرت ابوبکر کی خلافت کا کوئی کام چل نہیں سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ سمجھ آپ کی غلط نہ تھی۔ ایسی صورت میں وقار و عظمت خلیفہ کو کیونکر آپ کے دل میں دخل ہو سکتا تھا۔ یہ کوئی خیالی یا قیاسی بات نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر حضرت ابوبکر پر اپنا زور ڈالا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک بار عاجز آ کر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے ارشاد فرمایا کہ پھر ہمیں خلیفہ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر نے بے اختیار ہو کر حضرت عمر کی ریش مبارک کو پکڑ کر کمالِ غیظ میں یہ فرمایا کہ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ۔ یعنی تیری ماں تجھ پر روئے یعنی تو مر جائے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر

کے سے حلم کا آدمی کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے بہت توقع سے باہر ہے۔ گر عاجز ہو کر حلیم بھی اپنے حلم سے گزر جاتا ہے۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سب معاملات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں کم سے کم ابوالفدا کی تاریخ المختصر فی احوال البشر کو حضرات ناظرین ملاحظہ فرماویں۔ دوم یہ کہ حضرت عمر کی اس عدالتی کارروائی سے کہ فیصلہ حاکمِ وقت کا اس طرح کی بدتمیزی کے ساتھ چاک کر دیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا دارالقضا نام کا دارالقضا تھا۔ ہر چند حضرت ابوبکر مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے مگر اُن کی بحالی اور دو سمی کی باگ حضرت عمر کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مصلحۃً خلیفہ بنا رکھا تھا ورنہ درحقیقت حضرت عمر ہی خلیفۂ وقت تھے بعد دو برس کے اس پردہ داری کی ضرورت فطری طور پر خود ہی باقی نہ رہی۔ سوم یہ کہ حضرت عمر کی ایسی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا دارالقضا کسی طرح پر پابندِ ضوابط نہ تھا۔ ظاہرا حضرت عمر کو کوئی قانونی حق بلکہ کسی طرح کا حق خلیفۂ وقت کے فیصلہ کو اس طرح پر ضائع کر ڈالنے کا نہ تھا۔ سرکارِ خلافتِ اولیٰ میں حضرت عمر کا کیا عہدہ تھا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اگر حضرت عمر وکیلِ خلافت تھے تو وکیلِ خلافت کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ خلیفۂ وقت کے فیصلے کو ایسی بے عنوانی کے ساتھ چاک کر ڈالے اور اگر آپ خلیفۂ وقت سے بھی کوئی بالادست حاکم عدالت تھے تو فیصلۂ ماتحت میں اس طرح کی دست اندازی قرینِ ضابطہ نہیں معلوم ہوتی۔ چہارم یہ کہ حضرت عمر کی ایسی کارروائیوں سے آپ کا عناد حضرت سیدہ اور حضرت علیؑ کے ساتھ بیّن طور پر عیاں ہوتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کوشش معاملۂ فدک میں ابتدا ہی سے اس نہج پر ہو رہی تھی کہ رد فدک حضرت سیدہؑ کی طرف عمل میں نہ لایا جا سکے۔ حضرت عمر کا عناد حضرت سیدہ یا حضرت علیؑ کے ساتھ کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔ ہر شخص کو یہ عناد دکھائی دیتا ہے صرف اُنہی کو نظر نہیں آتا جو آنکھیں اس سے بند کیے ہوتے ہیں۔ پنجم یہ کہ حضرت عمر کی ساری کارروائیوں سے ایک نہایت نامطبوع انداز کی درشتی عیاں ہوتی ہے۔ اس درشتی کو ملحوظ رکھ کر شارح نہج البلاغۃ لکھتے ہیں کہ "اگر حق بی بی فاطمہؑ کے ساتھ نہیں تھا تو بھی خلافت کو اس کا لحاظ کرنا ضرور تھا کہ فاطمہؑ ایک آزردہ و دکھیا تھیں اُن کے باپ مر چکے تھے اور اُنہیں مرگِ پدر نے سخت صدمہ پہنچایا تھا۔" راقم کہتا ہے کہ شارحِ موصوف کو ایسی ہمدردی کے اظہار کے وقت بالیقین یہ یاد نہیں رہا کہ اس معاملۂ فدک کے پہلے رسول اللہ کے انتقال کے بعد ہی خلافت کی طرف سے بی بی فاطمہؑ کو جو پرسا دیا گیا تھا وہ اس کارروائی پر مشتمل تھا کہ حضرت اُس غمدیدہ بی بی کے گھر کو جلانے کے لیے حضرت ابوبکر کی طرف سے روانہ کیے گئے تھے (دیکھو تاریخ ابوالفدا) یا خود روانہ ہوئے تھے۔ جہاں رحلتِ رسول اللہ کے بعد ہی ایسی رحیمانہ کارروائی عمل میں لائی گئی تھی وہاں معاملۂ فدک کے انفصال کے دوران میں کسی طرح کے کریمانہ برتاؤ کی امید کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ ایک یہی معاملۂ فدک پر کیا منحصر ہے عرب کی تاریخ وسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آلِ محمدؐ کے ساتھ کسی عہد میں اُمتِ رسول اللہ خوش اسلوبی سے پیش آنا حرام جانا ہے۔ اس وقت کیا کم کشیدگی اُمتِ رسول اللہ کی سادات کرام کے ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ صرف ایسے سادات کے ساتھ جو مذہب بنی ہاشم یعنی مذہب سادات سے کنارہ کش ہو کر

داخلِ مذہبِ عوام ہوگئے ہیں اُمّتِ رسول اللہ کو کم پرخاش ہے ورنہ وہ سادات جو ابھی تک مذہبِ آبائی پر ہیں اُن سے اُمّتِ رسول اللہ کو وہی دلی خرخشہ لاحق ہے جو آنحضرت کی رحلت کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔

معاملۂ فدک پر قانونی نظر

واضح ہو کہ یہ قصۂ فدک کا اہلِ سنّت و اہلِ تشیع میں قصۂ قرطاس کی طرح ایک بڑی نزاعی شکل رکھتا ہے اہلِ فراست اس کے بارے میں اپنی رائے جس طرح چاہیں قائم کرلیں۔ مگر راقم کی یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ حضرت رسول کا "نحنُ معشرَ الانبیاء (الی آخرہ)" فرمانا کیا تھا جو توریت سے بھی مخالفت رکھتا ہے اور قرآن مجید سے بھی۔ قرآن میں تو حضرت سلیمانؑ کا وارثِ داؤدؑ ہونا صاف صاف طور پر مذکور ہے۔ اسی طرح توریت کا بھی مضمون ہے۔ بہ اسباب ظاہر یہ قول قولِ رسول نہیں ہوسکتا۔ اگر حضرت رسول خاص اپنی نسبت ایسا فرماتے تو خیر ایک بات ہوتی۔ تمام انبیا کی نسبت آپ کا ایسا فرمانا بالکل بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اس قول کی نسبت علمائے امامیہ کہتے ہیں کہ قول "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" خلافِ عربیت اور مخلِ فصاحت ہے۔ پس یہ قول رسول اللہ کا قول نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ آپ افصح عرب تھے۔ اس اعتراض کے جواب میں قاضی شاذان خاموش نظر آتے ہیں۔ قاضی موصوف کے پاس اس کا جواب ہی کیا تھا خاموش نہ رہ جاتے تو کیا کرتے۔ یہ ایک موضوع قول تھا اس لیے کہ بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۹ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے سلاح و بغلہ سفید و کچھ دل و زمینِ فدک کو ترکہ چھوڑا تھا۔ اسی طرح اور اشیاء کا ترکہ چھوڑنا کتاب اسعاف الراغبین صفحہ " وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب اشیاء متروکہ عدم ارث کا حکم نہیں رکھتی تھیں۔ اس لیے کہ واقعۂ کربلا کے وقت چند چیزیں رسول اللہ کی شلا دستار آنحضرت جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ارث کے طور پر نہ بہ سبیل صدقہ موجود تھیں۔ خیر۔ قصۂ فدک کی بنا پر جو ایک فقہی اختلاف سُنّی اور شیعہ کے درمیان واقع ہوگیا ہے وہ یہ ہے کہ امرِ شہادت میں حضرات علمائے اہلِ سنّت کے نزدیک شوہر کی شہادت اس کی زوجہ کی طرف سے یا باپ کی شہادت اس کے بیٹے کی جانب سے ناجائز قرار پاگئی ہے (دیکھو شرح مواقف نولکشوری پریس مقصد رابع از مرصد رابع صفحہ ۷۳۵) اس کے برخلاف شیعوں کے علما نے اس طرح کی شہادت کو قابلِ پذیرائی مانا ہے۔ ظاہراً اس امر میں زمانے کی قانونی ترقی علمائے شیعی کی طرفدار معلوم ہوتی ہے۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں کہ شوہر یا باپ رشتہ مندی کی وجہ سے بہ حیثیت گواہ دروغگوئی کا مرتکب ہو۔ جھوٹ گواہی ایک غیر رشتہ مند بھی اسی طرح دے سکتا ہے جس طرح شوہر یا باپ۔ مجرد رشتہ دار ہونے سے ایسے اشخاص ناقابلِ گواہی کیونکر قرار دیے جاسکتے ہیں۔ قاضی کو دیکھنا چاہیے کہ گواہ کس رنگ کا آدمی ہے۔ مجرد شوہر یا باپ ہونے سے ناقابلِ سماعت گواہ کسی کو قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ فدک کے قصہ میں عدالت کو دیکھنا تھا کہ علی کس ترکیب کے گواہ ہیں۔ علی سے دروغگوئی عمل میں آسکتی تھی یا نہیں۔ مجرد یہ امر کہ علی مدعیہ کے

شوہر تھے اس لیے اُن کی گواہی قابل وثوق نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ ایک امر ایسا ہے جو قانونی کم حوصلگی سے خبر دیتا ہے۔ عدالت کو علیؑ کی گواہی ضرور لینا تھی اسلیئے کہ علیؑ ایک ایسے شخص تھے جن سے اُس وقت کی دُنیا خوب واقف تھی ہر شخص علیؑ کے فضائل علم و عمل سے خبر رکھتا تھا اور ہر شخص یہ جانتا تھا کہ علیؑ دو ہزار فدک کے لیے بھی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ حق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں صاحب علیؑ کی راست بازی اور راست گفتاری سے پورے طور پر باخبر تھے۔ مگر حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ رد فدک حضرت بی بی کی طرف عمل میں لایا جائے یہ ایک فطری امر ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن یا مخالف کا دوستدار نہیں ہوتا ہے۔ حضرت عمر کو ایک دیرینہ خلش حضرت بی بی کے ساتھ لاحق تھی۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ کی گواہی کو بے وزن قرار دینا حضرت عمر کے لیے دور از توقع نہ تھا۔ یہ خلش کا مضمون بیان عقدِ حضرت اُم کلثوم میں درج ہوگا۔ یہاں اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔

فیصلۂ فدک کے معاونین

معاونین فیصلہ فدک فرماتے ہیں کہ "اگر فدک ناحق طور پر حضرت سیّدہ سے چھین لیا گیا تھا تو حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں فدک کو کیوں نہ واپس لے لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیّدہ کا دعوے برسر حق نہ تھا۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امام رازی کی تحقیق درست ہے تو فدک حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں حضرت علیؑ کے قبضہ میں تھا۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ کس چیز کو کس سے واپس لے لیتے۔ امام موصوف لکھتے ہیں کہ خلیفۂ اول نے باوجود شہادت اُمّ ایمن کے فدک جناب سیّدہ کو نہ دیا اور حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو دے دیا اور بوقت خلافت چہارم فدک حضرت علیؑ کے قبضہ میں تھا۔ اس سے معترض کا جواب ہو جاتا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ تجویز امام رازی کی محض خلاف قرائن ہے۔ حضرت عمر ایسا کیوں کرنے لگے۔ فدک آل محمدؐ سے برابر نکالا گیا بار اول اُسے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے آل محمدؐ کو رد کیا ہے۔ بہر حال اعتراض بالا کا جواب راقم اس طور پر دیتا ہے کہ اگر حضرت سیّدہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں زندہ رہتیں تو حضرت علیؑ حضرت سیّدہ کو ضرور فدک رد کر دیتے۔ اس لیے کہ آپ اُس سے پورے طور پر واقف تھے کہ حضرت رسولؐ نے فدک کو حضرت سیّدہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اگر آپ اس امر سے واقف نہ ہوتے تو معاملۂ فدک میں آپ حضرت سیّدہ کے گواہ مقرر قرار نہ دیے جاتے۔ اب چونکہ حضرت فاطمہؑ زندہ نہ تھیں آپ نے اپنے عہد میں فدک کی طرف اپنی توجہ مبذول نہ فرمائی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی رحلت کا غم حضرت علیؑ کے دل پر بے حد تھا۔ کبھی آپ کا دل قبول نہیں کر سکتا تھا کہ حضرت سیّدہؑ کے گذشتہ معاملات اندوہگین کو از سر نو تازہ کریں۔ جو حضرات معاملات قلبی سے خبر رکھتے ہیں میری اس تھوڑی تحریر کو بہت مان سکتے ہیں۔ سنگدل، نفس پرور شقی المزاج کیا جانے کہ معاملات قلبی کیا ہوتے ہیں اور اُن کے تقاضے کیا ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے آپ کے خلیفہ ہوتے ہی اہل زمانہ نے آپ کو نہایت تنگ کرنا شروع کر دیا۔ امیر معاویہ نے اغوا کر کے

اُمّ المومنین حضرت عائشہ کو آمادہ جنگ کرا دیا۔ حضرت زبیر اور طلحہ نکث بیعت کر کے اُمّ المومنین کی طرف جا ملے۔ واقعہ جنگ جمل کا پیش آیا۔ پھر امیر معاویہ سے آپ کی شہادت وقت تک ہنگامہ عظیم برپا رہا ان کر دوات میں مبتلا رہکر آپ فدک کی طرف کیونکر متوجہ ہو سکتے تھے۔ امر واقعی یہ ہے کہ معاملات خلافت جو قومی اور دینی کام تھے ان سے حضرت علیؑ کو اپنے چار برس اور پانچ مہینے کی خلافت میں اتنی فرصت کہاں حاصل ہوئی کہ اپنے ذاتی اور خانگی امور کی طرف رُخ کر سکتے۔ پس ان اسباب کی وجہ سے فدک جو خاندان پیغمبر سے عہد خلافت اولیٰ میں نکل گیا تھا۔ حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں بھی نکلا ہی رہا۔

بقیہ حشر فدک

بقیہ حشر فدک کا اس طور پر ہوتا رہا کہ فدک کو عمر بن عبد العزیز نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو تفویض کیا۔ جاننا چاہیے کہ خلفائے بنی اُمیہ میں بھی ایک ایسا خلیفہ گزرا کہ جس کی طرف انسانیت کی نسبت کی جا سکتی ہے۔ بقیہ خلفا تمامتر قہر الٰہی کا نمونہ تھے۔ یا ایسے تھے کہ اُن کو انسانیت چھو بھی نہیں گئی تھی۔ اس خلیفہ ثانی نے جب فدک کو امام ممدوح کے حوالہ کر دیا تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ "طعنت علی الشیخین" یعنی شیخین پر تو نے طعنہ کا کام کیا (دیکھو روایت ابو المقدام داخل شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۹۰۳) خلیفہ نے ان کے جواب میں یہ کہا "ھما طعنا علی انفسھما" یعنی شیخین نے فدک کو لے کر اپنے اوپر طعن کا دروازہ کھولا جاننا چاہیے کہ عمر بن عبد العزیز آخر کے خلفائے بنی امیہ سے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ خلفائے بنی اُمیہ میں یہ ایک نہایت انصاف پسند خلیفہ تھے۔ اس انصاف پسندی کی بدولت انہیں رد فدک کرنا پڑی مگر ان کی انصاف پسندی کے صلہ میں اُن کی قوم نے انہیں زہر دے کر ان کا کام تمام کر ڈالا معاملہ اہل بیت میں حق گوئی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانوں میں اس طرح کی حق گوئی جان کا سودا ہو جاتی تھی۔ مگر اب یعنی اس زمانہ میں کہ سلطنت انگلشیہ برسر فروغ ہے ہر چند اس سے خوف جان نہیں ہے تو بھی طرح طرح کی مضرتوں کے لاحق ہو جانے کے احتمالات سے یہ بھی پاک نہیں ہے۔ خیر۔ جب بنی اُمیہ سے خلافت نکل گئی تو خلفائے بنی عباس سے جو جو سنا اہل بیتؑ کے حقوق کا لحاظ رکھتے تھے مثلاً مامون۔ معتصم اور واثق فدک کو اولاد فاطمہؑ کو رد کرتے گئے۔ مگر متوکل ناصبی نے اولاد فاطمہؑ سے فدک کو چھینکر اپنے حجام کو دے دیا۔ بعد ازاں پھر معتضد نے رد فدک کی۔ مکتفی نے اُسے پھر چھین لیا مگر معتز نے پھر اُسے اولاد فاطمہؑ کے سپرد کر دیا۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۲۹۳ میں رد فدک کا مضمون اس طور پر واقع ہے۔ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور واپس کیا فدک کو اولاد حسنؑ پسر اور برادر واپس کیا امام زین العابدینؑ کو تو فدک برابر بنی فاطمہ کے ہاتھ میں رہا۔ لیکن اپنے عہد میں یزید بن عاتکہ نے اُسے ضبط کر لیا۔ تب سے اولاد مروان کے ہاتھ میں جا پڑا۔ بعدہ سفاح عباسی نے عبد اللہ بن حسنؑ کو واپس کیا

مگر ابو جعفر منصور نے پھر اُسے ضبط کر لیا۔ اس کے بعد مہدی عباسی نے بنی فاطمہ پر اُسے رد کر دیا۔ بعدہ موسیٰ بن مہدی اور اُس کے بھائی ہارون الرشید نے ضبط کر لیا اور تب عباسیوں کے قبضہ میں فدک رہ گیا آخر میں مامون الرشید نے اُسے بنی فاطمہؑ کو واپس کر دیا۔

مخالفین حضرت سیدہؑ کی طرف سے معاملۂ فدک کو خفیف صورت بنانے کی کوشش

معاملۂ فدک کو خفیف اور بے وزن قرار دینے کی نظر سے مخالفین حضرت سیّدہ کہتے ہیں کہ وہ فدک کا معاملہ تھا ہی کیا۔ فدک ایک باغ تھا جس میں چند درخت کھجور وغیرہ کے تھے اور اس وجہ سے اُس کی آمدنی کوئی موقر صورت نہیں رکھتی تھی۔ حال کے ایک دعویدار ہمہ دانی فرماتے ہیں کہ وہ باغ سو دیا ستر درخت کھجور اور ایک چشمہ پر مشتمل تھا اور اسکی سالانہ آمدنی چودہ آنہ فلوس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ ایسے بیانات اس غرض سے کیے جاتے ہیں کہ مردمان بے اطلاع سمجھا کریں کہ معاملۂ فدک ایک بے حقیقت امر تھا جس کی نسبت طرفداران فاطمہؑ اس وقت تک بیکار ہنگامے کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہے کہ فدک ایک علاقہ تھا جو نہایت زرخیز اور آباد تھا اور اُس میں باغات اور چشمے بھی تھے صاحب روضۃ الصفا وغیرہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی سالانہ آمدنی چار ہزار درہم طلائی تھے ایک درہم طلائی دس روپیہ کی برابر ہوتا ہے۔ اس رو سے اُس کی آمدنی اس وقت کے سکۂ مروّج کے اعتبار سے چالیس ہزار روپیہ کی برابر ہوتی ہے۔ تاریخی حیثیت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہر حال میں اُس کی آمدنی ضرور ایک حیثیت معقول رکھتی تھی۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ فدک کی آمدنی بے حقیقت صورت رکھتی تھی یا صرف چودہ آنہ سال کی تھی۔ بدلائل ذیل فدک کی مالی حیثیت غیر موقر نہیں سمجھی جا سکتی۔

اوّل اگر فدک کی آمدنی قلیل محض یا ۱۴؍ سال کی ہوتی تو فدک کا حشر یہ سبیل بالا نہوا ہوتا۔ کہ چہ خلفا اُسے آل محمدؐ کو دو کر گئے اور کچھ اُسے چھیننے گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کو ان خلفا کے نزدیک کوئی ممتاز صورت حاصل تھی۔

دوم عمر ابن العزیز نے فدک آل محمدؐ کو واپس کر دیا۔ اگر یہ جائداد ویسی ہی لاشے ہوتی۔ جیسا کہ مخالفین حضرت سیّدہ اسے قرار دیتے ہیں تو خلیفۂ حق پسند کو اپنے عہد میں ایک سو برس کے بعد اسکی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ خود اُس خلیفہ ہی کا یہ قول کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے فدک کے چھین لینے سے اپنے اوپر طعن کا دروازہ کھولا فدک کی حیثیت معقول سے خبر دیتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ اگر فدک کچھ کوئی معقول حیثیت نہ ہوتی تو نہ خلیفۂ وقت سے اُس کے وقت کے لوگ "طَعَنْتَ عَلَى الشَّيْخَيْن" کہتے اور نہ

سوم خلیفۂ وقت سے بوضع بالا جواب پاتے۔ اس سوال و جواب کا انداز ایسا ہی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک کی حیثیت ایسی تھی کہ خلیفہ اور رعیّت خلیفہ دونوں کو اسکی طرف توجہ کرنے کی حاجت پڑی ملاحظہ

معاملاتِ بالا سے عیاں ہوتا ہے کہ سو برس کے بعد بھی فدک کی روداد توجہ طلب تھی۔ تب تو خلیفۂ وقت نے اس کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی اور اُمتِ خلیفہ کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ اگر فدک کو کوئی موقر حیثیت حاصل نہ ہوتی تو خلیفہ اور اُمتِ خلیفہ کو اُس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اگر فدک کوئی علاقہ نہ تھا صرف چند کھجور کے درختوں کا ایک مختصر باغ تھا تو فطرت کی رو سے ایسا باغ حضرت ابوبکر کے وقت سے لے کر عمر ابن عبدالعزیز کے وقت تک قائم نہیں رہ سکتا تھا خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ باغ حضرت ابوبکر کے عہد کے پہلے سے خدا جانے کب سے موجود تھا۔ مخالفینِ حضرت سیدہ سوچیں کہ جب کوئی باغ اتنے عرصہ تک موجود نہیں رہ سکتا ہے تو عمر ابن عبدالعزیز نے کیا شے آلِ محمدؐ کو واپس دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک مجردِ باغ نہ تھا بلکہ کوئی علاقہ تھا جس میں مثمر اشجار اور چشمے بھی داخل تھے اور جس کو اس خلیفۂ گرامی نے آلِ محمدؐ کو تفویض کیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اُس خلیفۂ نامی کے بعد کچھ خلفائے بنی عباس فدک آلِ محمدؐ کو رد کرتے رہے اور کچھ خلفا اُن سے چھینتے رہے عمر ابن عبدالعزیز کے بعد بھی اتنے عرصہ دراز تک اُس باغ کا موجود رہتے چلا آنا اور بھی زیادہ تر خلافِ توقع ہے یہ امر کافی طور پر اس کا مثبت ہے کہ جس شے کو یہ خلفائے بنی عباس آلِ محمدؐ کو رد کرتے گئے یا آلِ محمدؐ سے چھینتے گئے وہ علاقہ تھی کوئی باغ نہ تھا۔ متوکل نامی نے جو فدک چھینکر اپنے حجام کو دے دیا۔ وہ ضرور علاقۂ فدک تھا عقل باور نہیں کرسکتی کہ متوکل نے اپنے حجام کو فقط ۱۲ اسال کی آمدنی کی بخشش کی ہو۔ بلاشبہ اس قدر قلیل آمدنی کی جگہ کو اپنے معتمد حجام کو متوکل کا بخشنا خیال سے باہر ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ جگہ دارالسلطنت بغداد سے تین مہینے کی راہ پر واقع ہو ایسا دینا نہ دینا برابر متصور ہوتا۔ اہلِ اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ خلفائے بنی عباس متمول ترین سلاطینِ زمانہ تھے۔ لکھوکھا روپیہ بمقتضائے نفسانیت اپنے ہوا خواہوں کو دے ڈالتے تھے۔ پس ہرگز یہ امر قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ متوکل نے اپنے خاص معتمد کو محض ۱۲ اسال کی آمدنی کی جگہ جو بغداد سے ایک فاصلۂ دراز پر واقع تھی آلِ محمدؐ سے چھین کر دے ڈالی ہو۔ ضرور وہ جگہ آمدنی کے اعتبار سے ایک قدر خاص رکھتی تھی۔ تب تو اُس خلیفہ نے اُسے اپنے آدمی کو دے ڈالا۔ واضح ہو کہ جو حضرات یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ فدک جس کا دعوے حضرت سیدہ نے فرمایا تھا صرف چند درختوں پر مشتمل تھا۔ اُن کی اس غلط فہمی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ علاقۂ فدک کو وہ اشجارِ ثمرہ سمجھے ہوئے ہیں جو علاقۂ فدک میں حضرت رسول اللہ کے لگائے ہوئے تھے اور اُن کی تعداد گیارہ سے زیادہ نہ تھی علامہ ابن میثم بحرینی شرح نہج البلاغہ کے صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں کہ فدک میں گیارہ درخت ایسے تھے جن کو جناب رسول خدا نے اپنے دستِ خاص سے نصب فرمایا تھا اور وہ درخت اولادِ فاطمہؑ کے قبضے میں تھے اور اولادِ فاطمہؑ اُن کے ثمر حاجیوں کو ہدیہ دیتے تھے اور حضراتِ حجاج اُن اثمار سے بہرہ ور ہوتے تھے مگر بعد بار لوگوں نے کسی شخص کو حکم دیدیا کہ اُن اشجار کو قطع کر ڈالے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ راقم کہتا ہے

کہ میری روح اُن درختانِ نصب کردہ پیغمبرؐ پر فدا ہو۔ اے کاش ایک پل کے لیے بھی ہمیں اُن درختوں کا سایہ نصیب ہوتا۔ یا رسول اللہ آپکے اُن لگائے ہوئے درختوں پر ہزار درخت ہائے طوبےٰ صدقے ہو جائیں۔ الختصر جاننا چاہیے کہ فدک ایک زرخیز علاقہ تھا۔ ہرگز اُس سے چند درختانِ مثمر مراد نہیں ہیں جیسا کہ بعض نافہموں نے قیاس کر لیا ہے۔ ابنِ عباس اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ بنی عبدالمطلب کو مالِ فدک تقسیم فرمایا کرتے تھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کثیر الحاصل تھا۔ اسی طرح روایتِ صحیحین سے ثابت ہوتا ہے کہ فدک ایک علاقہ قریب بہ خیبر ہے اور مفسرینِ معتبرین لکھتے ہیں کہ جناب رسولِ مقبولؐ بعد نفقۂ ذاتِ خاص و قرابت مندان و ازواج میں غلۂ فدک کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ تعجب ہے اُن نافہموں سے جنہوں نے علاقۂ فدک کو وہ گیارہ درختانِ مثمرہ سمجھ لیا ہے جو علاقہ فدک میں نصب کردہ آنحضرتؐ تھے۔

آلِ محمدؐ کی بے توقیری کے اسباب

واضح ہو کہ راقم الحروف کو اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ معاملۂ فدک میں بی بی فاطمہؑ برسرِ حق تھیں یا نہیں۔ یہاں صرف اسیقدر دیکھنا ہے کہ فدک کی بے دخلی سے آلِ محمدؐ پر کیا اثر پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ علاقۂ فدک سے آلِ محمدؐ کو ایک کثیر جمع وصول ہوا کرتی تھی جس کو وہ حضرات زیادہ غربا و مساکین میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ پس اس کے باقی نہ رہنے سے آلِ محمدؐ کی دُنیوی وجاہت میں بڑا فرق آگیا۔ کوئی شک نہیں کہ جس طرح حکومت کے نکل جانے سے بیلک بے توقیری آلِ محمدؐ کو لاحق ہو گئی اسی طرح فدک کے نکل جانے سے بڑا نقصانِ وجاہت بھی اُن کے لیے ہو گیا۔ بلاشبہ فدک کی بے دخلی آلِ محمدؐ کی بے توقیری کا دوسرا زینہ نظر آتی ہے۔ ان دونوں مصیبتوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسرا خوف آگین معاملہ آلِ محمدؐ کو پیش آگیا۔ وہ یہ کہ بنی اُمیہ جن کو جنابِ رسولِ خدا کی حیرت انگیز قابلیت نے بڑی مشکل سے دس برس کے عرصہ میں زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ جنابِ رسولِ خدا کی رحلت کے بعد امرِ خلافت کے طے پاتے ہی فرمانروائے ملکِ شام ہو گئے۔ شام تھا جس قدر جلد یہ ثروت بنی اُمیہ کو نصیب ہو گئی ایسی کامیابی ہر قبیلہ کی توقع سے باہر تھی اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی اُمیہ کا فروغ آلِ محمدؐ کے حق میں سم تھا۔ بنی اُمیہ نے آلِ محمدؐ سے خوب خوب بدلے لیے جیسا کہ خود قول حضرت معاویہ کے صاحبزادے کا ہے۔ حضرت یزید ابنِ معاویہ فرماتے ہیں کہ ”وہ کہاں ہیں کشتگانِ بدر وہ دیکھیں تو کہ ہم نے آلِ محمدؐ سے کیسا بدلا لیا ہے“ یہ قول اُس وقت کا ہے کہ جب واقعۂ کربلا کے بعد جناب امام زین العابدینؑ دمشق میں لائے گئے ہیں اور دربار میں مغنی نے یزید صاحب کی وہ غزل جشن میں گائی ہے جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

لَعِبَتْ ہَاشِمُ بِالْمُلْکِ فَلَا … خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

یعنی بنی ہاشم نے مخلوقِ خدا میں ایک کھیل نکالا تھا کیسی وحی اور کیسی نبوت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ تمام او بنی اُمیہ پیغمبرِ خدا کی نبوت کو ملاعبت سمجھے تھے اور در حقیقت اُس کے معترف نہ تھے۔ خیر، کوئی شک نہیں کہ بنی اُمیہ کے فروغ نے آلِ محمدؐ کی دُنیوی عزت و وجاہت کا خاتمہ کر دیا۔ بنی اُمیہ کے کمال بر خروج ہو جانے کی یہ صورت ہوئی کہ جب حضرت ابو بکر خلیفہ قرار پا چکے تو حضرت ابو سفیان ابن الحرب جو قبیلۂ بنی اُمیہ کے سردار تھے حضرت علیؑ کی حضور میں تشریف لائے اور نہایت بہی خواہی کے انداز سے حضرت علیؑ سے فرمانے لگے کہ اے علیؑ امرِ خلافت طے پا گیا اور آپ نے کوئی تدبیر خلافت کے حاصل کرنے کی نہ کی۔ اگر آپ فرمائیں تو میں صحرائے مدینہ کو سوارانِ کمک سے بھر دوں اور اس خلافت کو دم کے دم میں تہ و بالا کر دوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے ابو سفیان تم ایام جاہلیت میں بھی فسادات کیا کرتے تھے۔ اب کہ مشرف باسلام ہو چکے ہو تب بھی تمہارے مقصد سے اپنے حال پر ہیں۔ حضرت علیؑ کو ابو سفیان سے ایسے کلام کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ابو سفیان بنی اُمیہ سے تھے اور بنی اُمیہ سے رسول اللہ کو بے حد نفرت تھی۔ یہاں تک کہ اس قبیلہ پر آنحضرتؐ نے لعنت تک کی تھی۔ ایسی صورت میں حضرت علیؑ ابو سفیان سے میل جول کا رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ علیؑ ہر امر میں تمام تر رسول اللہ کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کا ابو سفیان سے کنارہ کشی کرنا بجا تھا۔ اگر ابو سفیان کی طرف کچھ بھی میلان دکھلاتے تو بلا شبہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف عامل ہوتے۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی اُمیہ دینِ خدا اور رسولِ خدا دونوں کے سخت دشمن تھے۔ آنحضرتؐ نے دس برس کے عرصہ میں اس قبیلہ کو درست کیا تھا اب اس قبیلہ میں شیطنت کی طاقت نہیں رہی تھی۔ پس اگر علیؑ ابو سفیان کے فریب میں آ جاتے تو آپ اُس فعل کے عامل ہو جاتے جو حضرات شیخین سے عمل میں آیا۔ یعنی خلافت کے بچانے کے لیے ابو سفیان شریکِ سلطنت بنائے گئے۔ جس سے بنی اُمیہ کی نہ صرف زائل شدہ قوت عود کر آئی بلکہ یہ قبیلہ تھوڑے عرصہ میں تمام بلادِ اسلام کا بادشاہ ہو گیا۔ حیف صد حیف کہ خلافت والوں کی طرف سے یہ ایک ایسی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ جو سراسر رسول اللہ کے مقاصد کے خلاف کا پہلو رکھتی تھی۔ اس ایک لغزش کے نتائج اہلِ اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خود اسلام میں جو جو فتور لاحق ہوئے اُن کو کیا کہیے۔ خاندانِ پیغمبر پر جو آفتیں پڑ گئیں بیان سے باہر ہیں۔ لاریب اگر علیؑ ابو سفیان کی سن لیتے تو تمام خرابی اسلام و واقعۂ کربلا و جمیع سادات کشی وغیرہ وغیرہ کے الزام آپ کے سر ہوتے۔ بہر حال اس طرح کا جواب حضرت علیؑ سے پا کر ابو سفیان صاحب حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرات شیخین سے فرمانے لگے کہ تم حضرات تو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے مگر ہم کو تمہاری کامیابیوں سے کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا میں ایک دم میں تمہاری خلافت کے معاملہ کو ہوا کر ڈالتا ہوں۔ حضرات شیخین ایسی تقریر سے حضرت ابو سفیان کی نہایت گھبرائے۔ دونوں حضرات جانتے تھے کہ امرِ خلافت کو تہ و بالا کر ڈالنا حضرت ابو سفیان کے لیے کوئی دشوار امر نہ تھا۔ نہایت آشتی سے فرمانے لگے کہ اے ابو سفیان تم بھی اس کامیابی کے شریک ہو جاؤ

ہماری خلافت کو درہم و برہم کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ پس مصالحہ کی رو سے یہ بات قرار پائی کہ حضرت ابوسفیان شام کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ جب شام کو جانے کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو پیر ہوگیا ہوں میں اپنے عوض اپنے بڑے بیٹے یعنی یزید ابن ابی سفیان کو حکومتِ شام پر بھیجتا ہوں۔ یہ صاحبزادے شام میں چار برس مسندِ حکومت پر جلوہ گر رہے انکی رحلت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہ علیہ ما علیہ اپنے بڑے بھائی کی جگہ حضرت عمر کی خلافت کے وقت حکومتِ شام پر قائم ہوئے۔ آپ کے برادرِ سوتی کوئی قابل شخص نہ تھے ان کا رحلت کرجانا قبیلۂ بنی اُمیہ کے لیے بُرا نہ ہوا۔ حضرت معاویہ کے عنانِ حکومت لیتے ہی اس قبیلہ کی دُنیوی ثروت تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی یہاں تک کہ ایک وقت میں حضرت معاویہ تمام بلادِ اسلام کے بادشاہ ہوگئے۔ جاننا چاہیے کہ جسقدر بنی اُمیہ قوی اور صاحبِ حکومت ہوتے چلے گئے اُسیقدر بنی ہاشم قوت اور حکومت سے دور پڑتے گئے۔ اسبابِ بالا سے بنی ہاشم داخلِ عوام ہوگئے اور اُن کی وجاہتِ ظاہری بالکل جاتی رہی۔ پھر علیؑ کی خلافت سے جو بنی ہاشم میں حکومت آئی بھی تو آلِ محمد کی گئی ہوئی وقعت عود نہ کرسکی۔ جناب علی مرتضیٰ خلیفہ قرار پاکر بھی معاویہ کو معزول نہ کرسکے۔ علیؑ سے بنی امیہ کا مقابلہ ہوتا رہا اور تمام فسادات کے بعد حضرت معاویہ ہی برسرِ اقتدار رہے۔ بنی ہاشم کی مختصر ثروت علیؑ کی شہادت کے ساتھ ختم ہوگئی۔ حضرت امام حسنؑ جو اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے تھے بھی تو چھ مہینے کے اندر ہی حضرت معاویہ کے زور اور غلبہ کی وجہ سے اُن حضرت سے خلع خلافت کی نوبت آگئی۔ ہم یہاں پر اس سے بحث نہیں رکھتے کہ علی حق پر تھے یا حضرت معاویہ یا حضرت معاویہ کا امام حسنؑ سے خلعِ خلافت کرانا امرِ حق ہوا یا امرِ ناحق۔ ہم ایسے ایسے معاملات صرف اس غرض سے دکھلاتے جاتے ہیں کہ بتدریج کیا کیا مدارج آلِ محمد کو جنابِ رسالتمآب کے رحلت کے بعد پیش آئی گئیں۔ جن سے آلِ محمد کی توقیر مسلمانوں میں روز بروز کم ہوتی چلی گئی اور آخر کار آلِ محمد کی بے توقیری اُس حد کو پہنچ گئی جس کا نام واقعۂ کربلا ہے۔ خیر۔ خلعِ خلافت کے بعد جناب امام حسنؑ حضرت معاویہ کے پنشن خوار ہوگئے۔ یہ کچھ کم بے توقیری آلِ محمد کی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اُس وقت اسلام کے تمام بلاد بنی اُمیہ کے ہاتھ میں تھے۔ حضرت معاویہ صرف بنی اُمیہ کے سردار اور شام ہی کے حاکم نہ تھے بلکہ خلیفۂ وقت ہونے کے باعث مکہ اور مدینہ بھی آپ کے زیرِ حکومت تھا۔ البتہ مدینہ میں جناب امام حسنؑ و جناب امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم رہتے تھے مگر بنی ہاشم میں سے کسی کو بھی کسی طرح کی حکومت حاصل نہ تھی۔ حکم و رقم تمامتر حضرت معاویہ کا قائم تھا۔ اس پر بھی حضرت معاویہ بنی ہاشم کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ بہر حال جناب امام حسنؑ کی شہادت نے خلیفہ صاحب کے دل کو استراحت بخشی (دیکھو تاریخ خمیس) مگر امام حسینؑ زندہ تھے یہ کچھ کم خلش کی بات ان حضرت کے لیے نہ تھی آپ جانتے تھے کہ حسینؑ میں اپنے باپ کی شجاعت موجود ہے حسینؑ کی طرف سے مطمئن رہنا خلافِ عقل ہے چنانچہ اپنے صاحبزادے یزید صاحب سے فرمایا کرتے تھے کہ اے بیٹے تو اپنی سلطنت کو مامون نہ سمجھیو

ابھی حسینؑ زندہ ہیں۔ یوں حضرت معاویہ کو حسینؑ کی طرف سے جو خطرہ ہو مگر بنی ہاشم کی حالت خراب ہو چکی تھی اُن کی دنیوی وجاہت روز بروز رو بہ تنزل تھی۔ رفتہ رفتہ مسلمانان وقت محمد مصطفےٰ کے نواسوں کو قابلِ پیروی نہیں سمجھتے تھے۔ اس عدم توقیر کی ایک مثال یہ ہے کہ جب جناب امام حسینؑ بنی اُمیّہ کے مقابلہ کو جانے کے واسطے نکلے تو شہر سے باہر نکلکر آپ کے پاس ڈیڑھ سو آدمی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ یہ حالت مسلمانوں کی دیکھکر آپ شہر کو واپس چلے آئے ظاہر ہے کہ بنی ہاشم کے ہاتھ میں زمام حکومت کے نہ رہنے سے بنی ہاشم کا ساتھ عامۂ مسلمانانِ عرب نہیں دے سکتے تھے۔ صرف وہی چند افراد بنی ہاشم تھے جو منہ نہیں موڑ سکتے تھے جن کے دل میں سچی محبت رسول اللہ کی جگہ لیے ہوئے تھی جس کے سبب سے ایسے حضرات بنی ہاشم کی توقیر کو اپنے اوپر فرضِ عین جانتے تھے۔ ورنہ بنی ہاشم اور دوستدارانِ بنی ہاشم کے سوا تمام مسلمان بنی امیہ ہی کا دم بھرتے تھے اور کیوں نہ ایسا کرتے جب حکومت تمام بلادِ اسلام کی بنی اُمیّہ کے ہاتھ منتقل ہو چکی تھی۔ دوسری مثال بنی ہاشم کی بے توقیری کی عہدِ بنی اُمیّہ میں یہ ہے کہ جب جناب امام حسنؑ شہید ہوئے تو وقت رحلت آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ یہ ایک فطری وصیت تھی اور جناب امام حسنؑ اپنے کو اس کا مستحق بھی سمجھتے تھے۔ لاریب کوئی غصبی خیال آپ کے دل میں نہ آیا تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جناب امام حسینؑ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر مدفن کی طرف بڑھے تو بدخواہانِ آلِ محمد جنازہ پر امام حسنؑ کے تیر چلانے لگے۔ نہیں معلوم کہ کتنے تیر چلائے گئے ہونگے جب حال یہ ہے کہ ساٹھ سے زیادہ تیر جنازہ پر اس معصوم کے آ لگے۔ تو جناب امام حسینؑ نے مسلمانوں کی یہ بے عنوانیاں دیکھکر تلوار کھینچنا چاہی مگر کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ جناب امام حسنؑ کی رحیم مزاجی کا خیال کر کے امام حسینؑ نے بھائی کی نعش کو جنت البقیع میں لیجا کر دفن کر دیا۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم اس وقت تک بہت کچھ دنیوی تنزل میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اُن میں اتنی وجاہت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ عوام کے مقابلہ میں ایک سردار بنی ہاشم کی ایک معقول وصیت کی تعمیل بھی کر سکتے۔ ہم جناب امام حسنؑ کی اس وصیت کو معقول اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمامتر قرینِ فطرت تھی۔ اہلِ انصاف کی نظر میں جناب امام حسنؑ سے اُن کے جد کے قریب میں دفن ہونے کا زیادہ تر مستحق کون ہو سکتا تھا۔ مگر اہلِ دنیا کی ناانصافی کا جواب ہی کیا ہے۔ اللہ اللہ۔ اب ہم بنی ہاشم کی بے توقیری کی ایک اور مثال جو بنی امیہ کے سبب سے ہوتی تھی پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دمشق میں علیؑ کے نام پر بعد ہر نماز خاص کر بعد نماز جمعہ تبرا ہونے لگا تھا اور جیسا کہ راقم نے اوپر لکھا ہے اس رسم کے موجد حضرت معاویہ علیہ ما علیہ ہوئے تھے یہ رسم ایک عرصۂ دراز تک جاری رہی یہاں تک کہ اُسے عمر ابن عبد العزیز خلیفۂ بنی اُمیّہ نے موقوف کرایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے اسی رسم کو غصہ کے باعث اختیار کر کے اُسے اپنے مذہب میں رواج دیا ہے۔ شیعوں کو خیال کرنا چاہیے کہ اس طرح کا تبرا حضرت معاویہ علیہ ما علیہ کی سُنّت ہے اس سُنّت کو شیعہ نہ اختیار کرتے تو اچھا تھا۔ تبرا کی بحث آئندہ آنیکو ہے۔ بہرحال اگر شیعہ اس طرح کے

تبرا سے اجتناب کرتے تو اُن کے مخالفین میں سے بہت اشخاص کو اُن کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی اور خود یہ امر مذہب امامیہ کی توسیع کا ایک قوی آلہ بن جاتا۔ آخر میں آلِ محمد کی دنیوی بےتوقیری کی ایک اور مثال بھی عرض کر دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آلِ محمد کی عظمت حضرت رسالت مآب کے بعد کس قدر کم ہو گئی تھی۔ قصہ یہ ہے کہ جناب امام حسنؑ نے ایک خط زیاد کو کسی امر کی نسبت لکھا۔ زیاد صاحب چونکہ مجہول النسب تھے ابن سمیہ کہلاتے تھے۔ جناب امام حسنؑ نے بھی زیاد صاحب کو ابن سمیہ کے ایڈریس سے خط بھیجا جناب امام حسنؑ کا مطلب کسی طرح پر زیاد کو برا کہنے کا نہ تھا۔ مگر زیاد نے جوابی خط جو امام علیہ السلام کو لکھا اُس میں اُس دشمنِ خدا نے جناب امام حسنؑ کو حسن ابن فاطمہؑ کے خطاب سے مخاطب کیا۔ امام حسنؑ جو ایک نادر وضع کے عمدہ مزاج بزرگ تھے اس سے مطلق برہم نہ ہوئے بلکہ نہایت متانت اور حلم کے ساتھ فرمایا کہ میرے باپ کو تو ہر شخص جانتا ہے اور میں علیؑ کا بیٹا ہوں۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ پیغمبر کی توقیر آنحضرت کے بعد اس قدر کم ہو گئی تھی کہ زیاد جیسے مجہول النسب اشخاص جناب امام حسنؑ جیسے سردار بنی ہاشم کی عزت و توقیر ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ زیاد عاقبت برباد نے مرتکب ایک سخت بے ادبی حضرت نبیؐ کے لختِ جگر کے ساتھ کی اور اُس وقت کی اسلامی پبلک کو کچھ بُرا نہ معلوم ہوا۔ واہ رے اُس وقت کی مسلمانی۔ ماشاء اللہ اُس وقت کی مسلمانی کا کیا کہنا ہے۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ کی اسی مسلمانی کو نالہ و فریاد کے ساتھ اس وقت کے مسلمان یاد کیے جاتے ہیں اور اس عہد کے مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو روکنے سے بھی نہیں رکتے۔ واقعہ کربلا کے متعلق زیاد ایسے ناظرین کو واقف ہونا ضرور ہے۔ یہ وہی زیاد صاحب ہیں جن کے صاحبزادے ابن زیاد لشکر یزید کے سردار مقرر ہو کر جناب امام حسینؑ کے مقابلہ کو بصرہ سے آئے تھے۔ خود زیاد صاحب کی یہ حقیقت ہے کہ آپ ایک بے پدر شخص تھے۔ مگر اپنے وقت کے ایسے قابل آدمی تھے کہ حضرت معاویہ کو اُن سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوئی۔ کوئی شک نہیں کہ زیاد صاحب خلیفہ صاحب کے کام کے آدمی تھے۔ آپ سے بھائی چارہ اس طرح پر پیدا کیا کہ خلیفہ صاحب نے پبلک کو اس بات کی اطلاع دی کہ زیاد صاحب حضرت ابو سفیان ابن الحرب کے صلبی بیٹے ہیں۔ مگر اس کی تصدیق کے لیے کوئی حسبِ دلخواہ گواہ دستیاب نہ ہو سکا الا ایک کلال جس نے یہ گواہی دی کہ ایک روز حضرت ابو سفیان میری کلالی میں تشریف لائے۔ میری کلالی مکہ سے بیس کوس پر واقع تھی اور وہ حضرت سفر میں تھے۔ کلالی میں پہنچ کر حضرت نے شراب طلب فرمائی۔ میں نے شراب حضرت کے آگے رکھ دی۔ جب حضرت کو نشہ ہوا تو آپ نے عورت کی خواہش کی۔ وہاں کوئی عورت نہ تھی الا میری ایک لونڈی جس کی نسبت میں نے حضرت سے یہ بات عرض کی کہ فلاں عورت تو حاضر ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ وہ عورت اچھی نہیں ہے۔ اس کا پیٹ بہت بڑا ہے مگر جب حضرت کا نشہ زیادہ ہوا تو پھر آپ نے ارشاد کیا کہ خیر اسی کو لے آؤ۔ اس پر حسب فرمودہ حضرت کے وہ عورت حاضر کر دی گئی۔ اس کلال نے جو کچھ آگے گواہی میں کہا نامہذب ہونے کے باعث وہ یہاں ترک کر دیا جاتا ہے جس کو حقیقتِ حال سے آگاہ ہونا منظور ہو وہ ابو الفدا کی تاریخ المختصر فی احوال البشر کو معائنہ کر لے۔ خیر۔

اس فحش گواہی پر زیاد صاحب نے کلال سے برہم ہو کر یہ فرمایا کہ تو گواہی دینے آیا ہے یا گالیاں دینے۔ بہر حال اُس کلال کی گواہی پر زیاد صاحب کی برادری خلیفہ صاحب کے ساتھ ثابت ہو گئی اور اُس وقت سے زیاد صاحب نسب ہو گئے۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کو بھی ایسے برادرِ گرامی کا حاصل ہونا مبارک اور جمیع مخالفانِ آلِ محمدؐ کو بھی۔

آلِ محمدؐ کو کیا کیا ایذائیں دیں اور اُنھوں نے کس کس طرح صبر فرمایا

اے اہلِ انصاف دیکھیے تو آلِ محمدؐ کو رحلت جناب محمد مصطفےٰ کے بعد ہی کیا کیا جانگزا معاملات پیش آتے گئے۔ واقعی دنیا میں کسی کی اولاد نے اتنی ایذائیں نہیں اٹھائی ہیں جتنی کہ رسولِ عربی کی اولاد نے اور وہ بھی خود آپ ہی کی امت کے ہاتھوں سے۔ یہ میرا کچھ نیا خیال نہیں ہے بلکہ جناب رسولِ خدا کے اہلِ بیت کے ماننے والے صحابہ رسولِ خدا کے بعد اہلِ بیت کی ایذاؤں کو دیکھ دیکھ کر بے تابانہ دوسروں سے کہہ بیٹھتے تھے مَا رَأَیْتُ مِثْلَ مَا اُوْذِیَ بِہٖ اَھْلُ ھٰذَا الْبَیْتِ بَعْدَ نَبِیِّھِمْ یعنی ہم نے کسی کو اتنی اذیت اٹھاتے نہیں دیکھا جتنی رسول کے بعد رسول کے اہلِ بیت نے ایذائیں اٹھائیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (دیکھو مروج الذہب تصنیف علامہ مسعودی صفحہ ۱۲۶۔ اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد پنجم) ظاہر ایذاؤں کی حد نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرح کی ایذا نہیں طرح طرح کی ایذائیں ان کے سامنے پیش آتی گئیں۔ مگر آلِ محمدؐ سب کو برداشت کرتے رہے۔ واقعی آلِ محمدؐ کے صبر کے سامنے صبرِ ایوبؑ کوئی حقیقت نہیں رکھتا جناب امام حسین علیہ السلام کا امیر معاویہ کی ظالمانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں یا اُس امام عالیمقام کے برادرِ بزرگوار کا صبر اپنے زہر کے ہلاہل سے جان دینے پر کس حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح جناب امام حسین علیہ السلام کا صبر و رضا پر ثابت قدم رہنا حوصلۂ انسانی کو پست کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ سبحان اللہ آلِ محمدؐ کے چھوٹے بڑے سب ایک طرح کے صابر و شاکر نظر آتے ہیں۔ حضرات غور کی بات ہے کہ واقعہ کربلا کے زمانہ میں سن جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا چار برس کا تھا۔ جب اہلِ حرم کے ساتھ آپ دمشق میں پہنچے اور بحکم حاکم شام یعنی حضرت یزید ابن معاویہ اہلِ حرم شہر میں تشہیر کیے جانے لگے تو حسبِ رواج ملک ایک شخص نے ایک روٹی اپنے فرزند پر وار کر جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو دینا چاہی۔ یہ ایک قدیم دستور تھا کہ اہلِ شہر اپنے بچوں پر روٹیاں وار کر قیدیوں کے حوالے کیا کرتے تھے۔ ہر چند جناب امام محمد باقر علیہ السلام چار برس کی عمر کے تھے اور یقیناً بھوکے بھی تھے۔ مگر آپ نے اُس روٹی کے لینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ ہم آلِ محمدؐ ہیں ہم پر صدقہ حرام ہے۔ اے قدر دانانِ عصمتِ آلِ محمدؐ اس طرح پر حرام و حلال کا خیال اس صغر سنی میں اُسی کو ہو سکتا ہے جو معصوم پیدا ہوا ہو اور معصوم ہی مرا ہو۔ یہ قصہ پورے طور پر حقیقی اور مصنوعی امام کا فرق دکھلاتا ہے عقل کہتی ہے کہ ایسا ہی امام جناب رسول اللہ کا سچا جانشین ہو سکتا ہے۔ جب رسول اللہ معصوم تھے تو ان کے جانشین کو بھی معصوم ہونا چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ ہرگز عقل یہ قبول نہیں کر سکتی کہ

معصوم کا جانشین غیر معصوم ہو۔ جن حضرات نے ایسا سمجھا ہے بلا گفتگو عقل سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔

آلِ محمدؐ کی دینی سرداری پر نظر

حضراتِ حق آگاہ ملاحظہ فرمائیں کہ مذکورہ بالا میں فقیر نے صرف ایسے ایسے امور آلِ محمدؐ کے لگاؤ سے درجِ رسالۂ ہذا کیے ہیں جن سے آلِ محمدؐ کی دنیوی تنزلی کی کیفیتیں مختصر طور پر ظاہر ہوتی گئی ہیں۔ اب ہم اُن امور کو دکھلاتے ہیں جن سے اُن کی دینی وجاہت میں بھی بہ اسباب ظاہر کمی لاحق ہوتی گئی جس کے سبب سے آلِ محمدؐ کی دینی سرداری سے اسلامی دنیا کا زیادہ حصّہ معترف نہیں رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیوی تنزلی اور دینی وجاہت کے زوال سے خود آلِ محمدؐ کا کچھ نہیں بگڑا اگر حیف ہے تو اُن پر جو آلِ محمدؐ کی دنیوی اور دینی منزلت کے زوال کے باعث ہونے گئے اور آج بھی ہدامہ نیتی سے خالی نہیں ہیں۔ اس وقت نہ بنی اُمیہ باقی ہیں نہ بنی عباس اور نہ ان کی گزشتہ سلطنتوں سے کسی قسم کے فائدہ کی امید کی جاتی ہے مگر دلی شغف ہزاروں اشخاص کو اُن کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ اُن کی سلطنتوں کی موجودگی کے زمانہ میں تھا۔ آج بھی ایسے لوگوں کو آلِ محمدؐ کے نام سے ویسی ہی خلش پیدا ہو جاتی ہے جیسی کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کو آلِ محمدؐ کے زمانہ میں آلِ محمدؐ کے نام سے ہوتی تھی۔ البتہ حسینؑ نہیں ہیں مگر شمر و ابن زیاد کی اس وقت بھی کوئی کمی نہیں ہے ؎ آں حسینی نیست کو گردد شہید ؛ ورنہ بسیار اند در عالم یزید۔ حال کی ایک سرگزشت یہ ہے کہ کسی اہلِ سنت کے ایک عالم نے کسی اُردو کے اخبار میں ایک تحریر چھپوائی جو حضرت علیؑ کے کچھ حالات و مناقب پر مشتمل تھی۔ اس تحریر کی اشاعت سے مخالفانِ علیؑ کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے نہایت بیزاری سے کچھ اشخاص نے اُن عالم صاحب کو اس مضمون کے خطوط لکھے کہ کیوں صاحب آپ نے تفضیلیہ مذہب کب سے اختیار کیا ہے فرمایئے تو آپ کو ایسی تحریر کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ بے چارے عالم صاحب اس کا جواب ہی کیا دے سکتے تھے وہ تو خاموش ہو رہے۔ بہرحال دوسرے دن کے پرچے میں ایک بڑی تعریفِ معاویہ صاحب کی نکلی۔ افسوس ہے کہ زمانہ معاویہ صاحب کا اس وقت نہیں ہے ورنہ تعریف نگار صاحب کو دولتِ شام سے ایک موقر بہرہ نصیب ہو جاتا۔ یہ تو نقشۂ عناد کا اہلِ بیت کے ساتھ اس وقت میں موجود ہے تو بھلا اُس وقت کیا کچھ عناد نہ ہوگا جبکہ بنی اُمیہ کی سلطنت قائم تھی۔ خیر۔ اب حضراتِ اہلِ انصاف اُن معاملات پر توجہ فرمائیں جن سے آلِ محمدؐ کی دینی وجاہت میں کمی پیدا ہوتی چلی گئی تحریرِ ذیل توجہ طلب ہے۔

قرآن کا جمع کیا جانا اور اُس سے بنی ہاشم کی دینی سرداری کا متضرر ہونا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضرت رسول اللہ کے وقت میں جمع ہو چکا تھا اور اُس کے جمع کرنے والے علیؑ تھے جیسا کہ روایتِ بخاری و سیوطی و دیگر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عہدِ رسول اللہ میں قرآن مجید لکھا جس بنا پر بروایتِ بخاری آپ اعلان کیا کرتے تھے کہ میرے پاس قرآنِ مجید ترتیب دادہ جنابِ رسولِ خدا کا ہے

مگر جب امرِ خلافت طے پا چکا جس کی وجہ سے بنی ہاشم کو حکومت سے دور ہونا پڑا تو اُس کے تھوڑے عرصے کے بعد جو خبر مشتہر ہوئی کہ علیؑ قرآن کے جمع کرنے میں مشغول ہیں اس امر سے مطلع ہونے پر حضرت ابوبکر نے قرآن کے جمع کرنے کے لیے زید ابنِ ثابت اور ابی ابنِ کعب وغیرہ کو مقرر فرمایا ان حضرات نے حسبِ حکمِ خلیفہ اس کام کو انجام دیا۔ اس میں شک نہیں کہ عہدِ رسول اللہ میں حضرت علیؑ قرآن جمع کر چکے تھے اور ہر سورہ کا نام اور ترتیبِ آیات کا نظم خود رسول اللہ سے انجام پا چکا تھا۔ لیکن علیؑ کا جمع کردہ قرآن کیا ہوا اس کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کے جمع کردہ قرآن کا کوئی نسخہ سفاح عباسی کے وقت تک موجود تھا (دیکھو تاریخ الخلفاء فی ترجمہ سفاح العباسی صفحہ ۲۶۰) یہ پہلا خلیفہ عباسیوں کا ہے اور یہ خلیفہ مذہب سے شیعہ تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے بنی اُمیہ کی سلطنت کا خاتمہ کر کے عباسیوں کی سلطنت کی ابتدا کی۔ جب عہدِ سفاح تک علیؑ کا جمع کردہ قرآن موجود تھا تو عہد حضرت ابوبکر میں اُس کے موجود رہنے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی خاص کر ایسے وقت میں کہ اُس کے جامع حضرت علیؑ بھی بہ نفسِ نفیس موجود تھے۔ تعجب ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت علیؑ سے اُن کے جمع کردہ قرآن کے طالب نہ ہوئے اُس قرآن کے موجود ہوتے زید ابنِ ثابت وغیرہ سے قرآن کے جمع کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ فریقین کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ سے تمام تر بے تعلقی رکھی۔ جمع قرآن کے لیے نہ علیؑ کے قرآن کو طلب کیا اور نہ علیؑ سے کسی قسم کا مشورہ لیا۔ حضرت خلیفہ کی اس چشم پوشی سے لاریب حضرت علیؑ کی کمی عظمت کی شکل پیدا ہوئی۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ علیؑ حدیثِ ثقلین کی رو سے قرآن سے جدا نہیں سمجھے جا سکتے ہیں اور آج تک بھی جو شخص رسول اللہ کو سچا جانتا ہے وہ اس حدیثِ نبوی کی بنا پر کہ اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ علیؑ کو قرآن سے الگ نہیں سمجھ سکتا۔ پس حضرت خلیفہ کا قرآن کو حضرت علیؑ کے ہوتے چند دیگر اشخاص سے جمع کرانا ایک طرفہ معاملہ ہے۔ تمام قرآنی معاملات کے انجام کے لیے لاریب علیؑ سے سزاوار تر کوئی دوسرا شخص نہ تھا اس لیے کہ موردِ اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ ہونے کے علاوہ فرمودۂ حضرت رسولِ خدا کے مطابق آپ بابُ العلم بھی تھے۔ مگر جب آپ کا جمع کیا ہوا قرآن رواج نہ پا سکا تو یقیناً آپ کی دینی وجاہت فطری طور پر متضرر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر علیؑ کا جمع کردہ قرآن رواج پاتا تو یہ اسباب ظاہرہ امر آپ کی رفعتِ شان کا باعث ہوتا۔ ظاہراً قرآن کے بشکلِ موجودہ جمع کیے جانے کا قصہ ایک خفیف امر معلوم ہوتا ہے۔ مگر منجملہ دیگر اسباب کے بنی ہاشم کی دینی سرداری کو زائل کرنے کا یہ بھی ایک قوی سبب واقع ہوا ہے۔ فقیر کی دانست میں یہ قرآنی معاملہ قولِ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کے بعد دوسرا امر معلوم ہوتا ہے جو دنیا میں بنی ہاشم کی دینی وجاہت کو کم کر دینے والا ہے۔ اہلِ اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قرآنی معاملہ کا اثر ہر عہد کے مسلمانوں میں پیدا ہوا کیا اور اس وقت بھی وہ اثر پورے طور پر محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً اس زمانے میں جیسا کہ سابق

میں بھی قرآن خوانی کے جلسے ہوا کرتے تھے اہلِ اسلام بڑی خوشی سے ایسے جلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں حفاظ آیتیں پڑھتے ہیں علما آیتوں کے معنی بتلاتے ہیں اور حدیث پر حدیث اُن آیات کے لگا دے زیر بحث آ کرتی ہیں مگر کبھی بھولے سے بھی یہ حدیث کہ "اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ" قرآن خوانی کے کسی شریک جلسہ کی زبان مبارک تک نہیں آتی۔ لیکن اگر یہ قرآن جمع کردہ علیؑ کا ہوتا تو چاروناچار حدیث بالا کو بھی شرکائے جلسہ یاد فرماتے۔ ایسی صورت میں قرآنِ صامت کی یاد قرآنِ ناطق کے ساتھ حفاظ اور عامۂ اہلِ اسلام میں دست گریبان ہوتی۔ قرآنِ ناطق سے مراد حضرت علی مرتضےٰ ہیں۔ آپ نے اپنے کو قرآنِ ناطق فرمایا ہے (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ۲۰۷) خیر۔ ان قرآن خوانوں کی یہ غفلت اگر بنی ہاشم کی کمی توقیر سے خبر نہیں دیتی ہے تو پھر اور کیا ہے؟ یاد اُسی کی ہوتی ہے جو قابلِ یاد سمجھا جاتا ہے۔ ناقابلِ یاد سمجھے ہوئے کی یاد ہی کیا۔ یہاں عوامِ اہلِ سنت کے ایک عقیدے کا ذکر کر دینا خلافِ محل نہ ہوگا۔ یہ عام عقیدہ عوامِ اہلِ سنت کا ہے کہ شیعہ ایسا مغضوبِ خدا ہوتا ہے کہ وہ حفظِ قرآن پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ظاہرا ایسے عقیدہ کے پیدا ہو جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ عموماً حفظِ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ میں نے دو تین حافظ شیعہ دیکھے ہیں ان میں سے ایک شخص میر مہدی حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے لووی کٹڑے میں ہر سال رمضان المبارک میں محراب سُنایا کرتے تھے۔ اس کے شاہد حافظ عبد المجید خاں صاحب حال متعائی محلہ موجود ہیں۔ خود ریاست رامپور، مقام امروہہ اور لکھنؤ میں چند حفاظ شیعہ موجود ہیں۔ نگینہ ضلع بجنور کے رئیس حافظ سید امیر کاظم صاحب ہر جگہ جانے اور ہر شخص کو قرآن مجید سُنانے کے لیے تیار ہیں مگر جسے تحقیقِ حق منظور ہو۔ اوائلِ اسلام میں تو بہت سے شیعہ حفاظ زندہ تھے مثلاً عاصم و اعمش و ابنِ عباس و ابوالاسود وغیرہ جن کو اہلِ سنت نے بھی بہترین حفاظ قرآن جانا ہے۔ المختصر یہ محض جہالت کا خیال ہے کہ شیعہ حافظِ قرآن نہیں ہو سکتا۔ شیعہ تو شیعہ اگر حفظ کی محنت برداشت کرے تو عیسائی یہودی و دہریہ تو ہے۔ ہر شخص بلا قیدِ مذہب حافظِ قرآن ہو سکتا ہے۔ تعصب ایک بری چیز ہے۔ الغرض تعصب تحقیقِ حق کے لیے مانعِ عظیم ہے۔

بنی ہاشم کی دینی عظمت کی کمی کا دوسرا سبب

دوسرا امر جو بنی ہاشم کی دینی منزلت کی کمی کا سبب واقع ہوا یہ ہے کہ جب حضرت عمر ابن الخطاب کی خلافت کا زمانہ آیا تو عہدِ حضرت میں یہ بات شائع ہوئی کہ علیؑ اجتہادِ مسائل کرتے ہیں۔ علیؑ تقاضائے وقت سے اجتہادِ مسائل کرنے لگے تھے اور بنی ہاشم اُن کی تقلید کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے جب بنی ہاشم جانتے تھے کہ علیؑ باب علم ہیں ماہر قرآن ہیں پیغمبر خدا کے گوشت خون نفس اور روح ہیں اور یہ کہ اُن کی خلقت اور پیغمبر خدا کی خلقت نورِ واحد سے واقع ہوئی ہے۔ مگر جب اس مجتہدانہ کارروائی کی خبر حضرت خلیفہ کو ہوئی تو آپ نے مصالحِ وقت کو ملحوظ رکھکر اجتہادِ مسائل کے لیے کچھ اصحاب مقرر فرمائے جن میں ممتاز اشخاص حضرت ابنِ مسعود

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور وہی حضرت زید ابن ثابت تھے۔ یہ حضرات حکم خلیفہ اکرا اجتہاد و مسائل کرنے لگے اور ان حضرات کے اجتہادات اجتہاداتِ علیؑ سے جداگانہ رنگ پیدا کرنے لگے۔ غیر بنی ہاشم نے انھی حضرات کے اجتہادات پر عمل کرنا شروع کیا مگر بنی ہاشم اپنے سردار قبیلہ و دین حضرت علی ابن ابی طالب کے اجتہادات پر استوار رہے۔ اُسی وقت سے دو مذہب مسلمانوں میں بیّن طور پر پیدا ہو گئے۔ ایک مذہب علیؑ اور دوسرا مذہب فاروقی۔ علیؑ تو خود اجتہادِ مسائل فرمایا کرتے تھے مگر حضرت عمر ابن الخطاب اپنے مامور اشخاص کے ذریعہ سے اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ ظاہراً یہ معاملہ اسلام کے لیے کچھ مفید نہ پڑا۔ اسلام کو اس پھوٹ کے پڑنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آج تک اسی پھوٹ کی بدولت جو فسادات اہلِ اسلام میں دیکھے جاتے ہیں وہ تاقیامت قائم رہیں گے۔ خیر۔ ہر چند علیؑ اجتہادِ مسائل کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ حکومت اُن کے ساتھ نہ تھی علیؑ کا مذہب صرف خاندانِ پیغمبر میں یعنی بنی ہاشم میں محدود رہا اور یہ مذہب عام نہ ہو سکا۔ لاریب حکومت کو اشاعتِ دین میں بڑا دخل ہے۔ علیؑ کے مذہب کا فروغ نہ پکڑنا کوئی امر خلافِ توقع نہ ہوا۔ اس کے برخلاف مذہبِ فاروقی نے بہت بڑا عروج پکڑا اور آج بھی یہی مذہب اسلامی دُنیا کے زیادہ حصہ پر جاری دیکھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبِ فاروقی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ عہدِ حضرت عمر میں اس کی ابتدا ہوئی مگر آپ ہی کے وقت میں یہ مذہب تمام بلادِ اسلام میں جگہ کر گیا۔ اس مذہب کو میلانِ طبعی اور مصلحتِ وقتی سے بنی اُمیہ نے اختیار کیا اور اُن کے بعد اکثر بنی عباس بھی اسی مذہب پر رہے۔ اگر خال خال کچھ اشخاص بنی عباس کے علیؑ کے مذہب کے پابند رہے تو اس کا کوئی حساب نہیں ہے۔ پھر بڑی بڑی سلطنتیں اسی کی پابند رہیں حتیٰ کہ ہندوستان کی اخیر سلطنت یعنی سلطنتِ مغلیہ بھی یہی مذہب رکھتی تھی۔ بہرحال اس اجتہادی اختلاف سے علیؑ کی دینی سرداری کو بڑا ضرر پہنچا۔ اس لیے کہ آپ کے باب العلم ہونے کا مضمون اس سے پورے پورے طور پر رخصت ہو گیا۔ حکومت سے دور ہو جانے کے باعث آپ عوام الناس میں داخل ہو ہی چکے تھے۔ اب اِن معاملات سے آپ کی دینی وجاہت بھی نہایت کم ہو گئی۔ میری دانست میں مسبوق الذکر قرآنی جھگڑے سے یہ اجتہادی جھگڑا آپ کی دینی منزلت کو زیادہ تر کم کر دینے والا نکلا۔ ذیل میں کچھ ذکر مذہبِ فاروقی اور مذہب علیؑ کا اس نظر سے کر دیا جاتا ہے کہ ناواقفوں کی اطلاع کا ذریعہ ہو۔

مذہبِ اہلِ سُنّت اور مذہبِ امامیہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ حضرات اہلِ سنّت کے نزدیک حضرات خلفائے ثلثہ علیہم ما علیہم میں صرف حضرت عمر ابن الخطاب مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان علیہما ما علیہما نے کوئی مجتہدانہ کارروائی نہیں فرمائی البتہ آپ ہر دو حضرات جامع القرآن کہے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ عہدِ حضرت خلیفہ اول میں قرآن جمع کیا گیا اور عہدِ خلیفہ ثانی میں قرآن کی از سرِ نو ترتیب دی گئی جیسا کہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ

حضرت عمرؓ کے اجتہادات حضرت علیؓ کے اجتہادات سے علیحدہ رنگ رکھتے ہیں۔ پس ایسے ہی اختلافِ اجتہادات کی بنا پر دو مذہب قائم ہو گئے۔ ایک مذہبِ فاروقی دوسرا مذہبِ علوی۔ ہرچند اختلافِ مذہب کی ابتدائی صورت حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی مگر اختلافات مرورِ ایام سے بڑھتے ہی گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی تدوین ہو کر مذہبِ فاروقی قائم ہو گیا جس کا دوسرا نام مذہب اہل السنت والجماعت ہے اور جس کی تسمیہ کی وجہ سابق میں حوالۂ قلم ہو چکی ہے۔ اسی طرح اجتہاداتِ علیؓ سے وہ مذہب پیدا ہوا جسے اہلِ سنت مذہبِ علیؓ یا مذہبِ امامیہ کہتے ہیں۔ مذہبِ علیؓ کے تکملہ کی یہ صورت ہوئی کہ جوں جوں ائمۂ خاندانِ پیغمبرؐ کا زمانہ یکے بعد دیگرے آتا گیا یہ حضرات ائمہ مذہبِ علیؓ پر قائم رہ کر اجتہادِ مسائل فرماتے گئے اور یہ مذہب علیؓ مذہبِ اثنا عشریہ کے نام سے شہرت پذیر ہوا گیا۔ واضح ہو کہ ائمۂ خاندانِ پیغمبرؐ کے اجتہادات سے مذہبِ فاروقی کے پابند حضرات ہمیشہ کنارہ کش رہتے اور اپنے اپنے طور پر حسبِ ضرورت اجتہادِ مسائل کرتے رہے۔ غرض یہ کہ مرورِ ایام سے ان دونوں مذہبوں میں اصولاً و فروعاً اختلافات روز بروز بڑھتے گئے اور اختلافات نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ دونوں مذہب ایک دوسرے سے کسی طرح کی مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ محض لاعلمی عوام کی ہے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ سنی اور شیعہ کے درمیان اختلافی امر صرف خلافت ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اصولاً و فروعاً ان دونوں مذہبوں میں کسی طرح کا اتفاق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ سنت کا خدا اہلِ التشیع کے خدا سے علیحدہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح جتنے اصولِ دین ان دونوں مذہبوں کے ہیں ایک دوسرے سے تمام تر علیحدہ ہیں اور اسی پر اُن کے فروع کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ پہلے تو مذہبِ فاروقی ایک سیدھے سادے انداز کا مذہب تھا یعنی حکمت اور فلسفہ سے بے تعلق رکھتا تھا مگر آخرکار اُس میں فلسفہ کی آمیزش ہونے لگی۔ سب سے پہلے اہلِ علم اہلِ سنت میں معتزلہ گزرے ہیں۔ حسن بصری کے وقت سے اس مذہب کی نشو و نما شروع ہوئی اور اپنے زمانہ میں مذہبِ معتزلہ ہی مذہبِ حق مانا جاتا تھا۔ پھر ابوالحسن اشعری نے اپنے اُستاد سے جو معتزلہ تھے اختلاف کر کے اپنے اُس مذہب کو جو مذہبِ اشاعرہ کہلاتا ہے رونق دینا شروع کیا۔ مذہبِ اشاعرہ کے قائم ہونے کا زمانہ سنہ ۳۰۵ ہجری ہے اُس وقت سے مذہبِ معتزلہ میں تنزل شروع ہوا اور نئے مذہبوں کے اختراع کی طرف علما کو رجحان ہونے لگا۔ جو حضرات کہ معتزلہ اُستادوں کے شاگرد تھے وہ بھی مذہبِ معتزلہ سے انحراف کرنے لگے چنانچہ ائمۂ اربعہ کہ عبارت ہے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے یہ حضرات سب کے سب معتزلہ سے کنارہ کش ہو کر خاص خاص مذہب قائم فرمانے لگے۔ پھر مذہبِ ماتریدیہ قائم ہوا۔ جاننا چاہیے کہ اہلِ سنت کے اصولی مسائل کے اجتہادات ابوالحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی سے ظہور میں آئے اسی طرح فروعی مسائل نے ائمۂ اربعہ کے اجتہادات سے صورت پکڑی ہے۔ ان حضرات ائمۂ اربعہ نے اجتہاداتِ علیؓ سے کنارہ کشی کر کے ابوموسیٰ اشعری ابن مسعود اور زید ابن ثابت کے اجتہادات کو جو مذہبِ فاروقی ہے تدوین فرمایا جیسا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں اس مضمون کو

تصریح کے ساتھ حوالۂ قلم فرماتے ہیں اور اجتہادات علیؑ سے تمامتر بے تعلقی صاف صاف طور پر دکھلاتے ہیں
الغرض کسی طبقے کے علمائے اہل سُنت کو لیجیے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب حضرات علمائے
مذہبِ فاروقی کی بُنیاد پر تمام اپنے مذاہب کی عمارتوں کو قائم کرتے گئے ہیں اور اس تعمیر میں خاندانِ پیغمبرؐ کے
کسی امام سے کسی قسم کی مدد نہیں لی ہے۔ مذہبِ اہلِ تسنن اور مذہبِ امامیہ پر نظرِ تحقیق ڈالنے کے بعد صاف
منکشف ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک مذہبِ علیؑ اور مذہبِ فاروقی میں کوئی واسطہ نہیں رہا ہے اور یہ دونوں
مذہب ایک دوسرے سے بے سروکار رہے ہیں۔ دونوں مذہب کے علما اور اماموں میں تمامتر
بے تعلقی رہی ہے جتنے ائمہ اور علما اہل سنت کے گذرے ہیں سب خاندانِ پیغمبرؐ کے اماموں اور اُن کے
طریقے پیرو علمائے کنارہ کش رہے ہیں اور یہی کیفیت خاندانِ پیغمبرؐ کے ائمہؑ اور اُن کے طریقہ کے علما کی بھی
رہی ہے۔ کتبِ اہلِ سُنت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ ما علیہ نے کسی امام اہلِ بیت
کی پیروی نہیں فرمائی۔ ہر چند خاندانِ پیغمبرؐ کے امام حضرت امام جعفر صادق موجود تھے۔ مگر امام اعظم صاحب
اپنے اجتہادات الگ فرماتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم صاحب اور امام مالک صاحب امام جعفر صادق علیہ السلام
سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ یہ بھی ایک غلط عقیدہ عوام کا ہے کہ یہ دونوں امام اہلِ سُنت کے
امام جعفر صادق علیہ السلام کی اجازت سے اجتہاد فرماتے تھے۔ جناب جعفر صادق تو خود امام تھے
آپ اجتہاد جیسے امرِ اہم کو غیر مذہب کے کسی مجتہد کو کیوں سپرد فرما دیتے۔ جناب امام جعفر صادق میں نہ علم کی
کمی تھی اور نہ آپ کو کسی طرح کی مجبوری لاحق تھی جو ایسا کرتے۔ دونوں فرقوں کے مجتہدین کا یہ عام طریقہ تھا کہ
حتی الامکان غیر مذہب کے ائمہ اور مجتہدین سے بے سروکاری رکھتے تھے۔ یہ امر عقل کے بہت خلاف ہے کہ
امام ابوحنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب جناب امام جعفر صادق کی تبعیت میں اجتہاد فرمایا کرتے ہوں اس طرح کی
بے سروکاری کے بہت سے ثبوت ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

فریقین کی باخودہا کی بے سروکاری کی مثالیں

حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ صحیح بخاری اہلِ سنت کی کتنی بڑی مستند کتاب ہے۔ اس کے جامع
حضرت اسمٰعیل بخاری نے بھول کر کبھی بھی کوئی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہیں کی ہے
حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہزاروں حدیثیں مروی ہیں اور صدہا راویوں نے امام موصوف
سے اخذِ احادیث کیا ہے۔ پھر حافظ شمس الدین نے امام ممدوح کو کتاب مغنی میں ضعفا اور مجاہیل کے ذیل میں
یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ بخاری نے کوئی حدیث آپ سے روایت نہیں کی ہے۔ بخاری کے استاد حضرت یحیٰی
ابن سعید القطان بھی فرماتے ہیں کہ میں بھی جعفر صادق کی طرف سے اپنے دل میں کھٹکا رکھتا ہوں اور یوم
تک اُن سے یعنی حضرت امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں کرتے تھے جب تک کسی دوسرے راوی کو

اُن کے ساتھ ختم نہیں کر لیتے تھے۔ عبارت عربی جو کتاب میزان الاعتدال میں موجود ہے اس طرح ہے وَقَالَ یَحْیَی ابْنُ سَعِیْدِ الْقَطَّانِ شَیْخُ الْبُخَارِیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ مِنْہُ شَیْئًا وَکَانَ مَالِکٌ لَمْ یَرْوِ عَنْ جَعْفَرٍ حَتّٰی یَضُمَّہٗ اِلٰی اٰخَرٍ۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی وہی انداز دکھایا گیا ہے جو جناب امام جعفر صادقؑ اور اُن کے آبائے کرام کے ساتھ تھا۔ عسقلانی اہلِ سنت کے علما میں بڑا پایہ رکھتا ہے۔ اپنی کتاب الضعفا میں جناب امام موسیٰ کاظمؑ کو راویانِ ضعیف سے شمار کرتا ہے اور جناب امام موسیٰ کاظمؑ کے حق میں کہتا ہے کہ حدیثیں ان کی غیر محفوظ ہیں (حَدِیْثُہٗ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ) جناب امام رضاؑ کی نسبت ابوطاہر کا یہ قول ہے کہ جناب امام رضا اپنے باپ سے عجیب باتیں نقل کرتے ہیں اور وہم کیا کرتے ہیں اور خطا کیا کرتے ہیں۔ (قَالَ اَبُوالْحَسَنِ الدَّارَقُطْنِیْ اَخْبَرَنِیْ اِبْنُ حِبَّانَ فِیْ کِتَابِہٖ فَقَالَ اِنَّ عَلِیَّ ابْنَ مُوْسَی الرِّضَا یَرْوِیْ عَنْ اَبِیْہِ عَجَائِبَ یَھِمُ وَیُخْطِیْ) اسی طرح جناب امام حسن عسکریؑ کی نسبت جو رائے سرآمد کاملین علمائے اہلِ سنت کی دیکھی جاتی ہے وہ بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ اُن کے آبائے کرام کی نسبت وہی حضرات علمائے اعلام فرما چکے ہیں۔ چنانچہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی نے اپنی اپنی تصنیفات میں جو موضوعات حدیث میں ہیں اور علی بن محمد عراقی نے اپنی کتاب تنزیہ الشریعہ اور شیخ رحمت اللہ نے اپنی مختصر تنزیہ الشریعہ میں اس امام عالیمقام کو ضعیف لَیْسَ بِشَیْءٍ تحریر فرمایا ہے۔ یعنی معاذ اللہ جناب امام حسن عسکری کوئی چیز نہ تھے لاشئے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ تحقیقاتِ بالا سے ہویدا ہے کہ ائمہ اور علما اہلِ سنت کے آلِ پیغمبر کے اماموں سے تمام تر بے سروکاری رکھتے تھے۔ حق یہ ہے کہ مذہب امامیہ اور مذہب اہلِ سنت ایسے دو چشمے ہیں جو مختلف سمتوں میں نکلے ہیں اور تا قیامت آپس میں ملنے کے عوض ایک دوسرے سے دُور ہوتے جائیں گے۔

خاندانِ پیغمبر کے ائمہ کیسے تھے

یہاں پر یہ کہہ دینا خلافِ حق نہیں ہے کہ ہر چند خاندانِ پیغمبر کے ائمہ بطریقِ بالا غیر قابلِ بیعت سمجھے گئے مگر انصاف یہی ہے کہ یہ حضرات ائمہ علم و فضل و زہد و تقویٰ و صدق و حیا و عدالت و مروت و سخاوت و شجاعت و عبادت و حلم و رضا وغیرہ وغیرہ میں نہ صرف اُمتِ محمدی ہی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے بلکہ اور نبیوں کی اُمتوں میں بھی کبھی ان کا کوئی جواب نہ دکھائی دیا۔ یہ حضرات ائمہ جنابِ رسالتمآب کا خون اپنی رگوں میں رکھتے تھے۔ جان و دلِ رسول اللہ کے تھے۔ رسول اللہ کے ہمدم۔ ہمنفس۔ ہم لحم۔ اور ہم روح تھے۔ یہ ائمہ معاذ اللہ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ بھی نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک سردارِ دین تھا۔ ان میں سے ہر ایک اعلیٰ درجہ کے مجتہد ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا اور بالیقین ان میں سے ہر ایک سچا رہنما اور ہادی تھا۔ ان میں سے ہر ایک عالمِ باعمل تھا۔ ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر آفتابِ علم و عمل تھا۔ یہ وہ ائمہ ہیں جن کا ذکر توراۃ میں آیا ہے۔ اس وقت بھی جس کا جی چاہے توراۃ کھول کر دیکھ لے۔ نسلِ اسمٰعیل سے خداوند تعالےٰ نے بارہ شہزادوں کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور وہ بارہ شہزادے یہی ائمہ اثنا عشر ہیں۔

اور سچ یہ ہے کہ اُن سے بڑھکر کون شاہزادے ہو سکتے ہیں۔ یہ حضرات شہنشاہ رسالت کے لخت جگر اور نورِ نظر ہیں۔ یوں کوئی اُنھیں (معاذاللہ) ضعفا سے شمار کرے یا لاشئے جانے یہ اُس کی سعادت مندی ہے ورنہ یہ ائمہ وہ ہیں کہ اُن کو خدا اور رسول جانتے ہیں۔ ظاہر تھا تو یہ ایسے ہی بے کس اور مظلوم معلوم ہوتے ہیں کہ جناب علی مرتضےٰ سے لے کر جناب امام حسن عسکری تک سب کے سب آسانی کے ساتھ شہید کر دیے گئے مگر باطناً یہ سب کے سب خدا کے دین کے پھاڑ کے بڑے قوی اور زبردست شیر ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

تنبیہ ضروری

اس بیانِ بالا میں اور کہیں کہیں اس کتاب کے دوسرے مقامات میں اجتہاد کا تذکرہ آیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ غیر ائمہ اہل بیت کے اجتہادات کا انداز ائمہ اہلبیت کے اجتہادات سے جداگانہ ہوتا رہا ہے۔ حضرات ناظرین خوب سمجھ لیں کہ ہم نے یہ کلمات عرف و صلح کے موافق لکھ دیے ہیں ورنہ درحقیقت اس تقابل کا کوئی موقع نہیں ہے اس لیے کہ اجتہادِ مسائل سے ائمہ اہل بیت کی شان بلند کو اجتہادِ مسائل بہت مرتبہ ہے اور علوم ائمہ معصومین کی شانِ شمل علوم جناب رسالت مآب کے انسانی ذہنوں کے احاطہ سے باہر ہے۔ اجتہادِ مسائل ائمہ وانبیا کے لیے جائز نہیں بلکہ آنحضرات کی طرف اجتہادِ مسائل کی نسبت دینا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ ان حضرات کے علوم وہبی اور لدنی تھے ان پر بارگاہِ الٰہی سے فیضانِ علوم ہوتا تھا۔ ان پر خداوند عالم نے ہر باب علوم منکشف فرما دیے تھے یہ حضرات علم کے شہر اور دروازے ہیں ان حضرات کو نہ دلیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ استدلال کی حاجت نہ قیاسات کی ضرورت نہ مقدمات کی حاجت۔ فقط خدائے عالم علیم کی طرف رجوع کرنا کافی ہے۔ تمام مشکلاتِ علوم و مسائل حل ہو جاتے ہیں یکشف و انکشاف اور نورانیت کا عالم ہے۔ اجتہاد ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو نبی و امام کی خدمت و حضوری سے محروم ہوں علم و یقین کی راہیں اُن کے لیے بند ہوں پھر اُس کے لیے بھی شرعاً ہیں ضوابط ہیں اگر وہ اجتہادات قرآن و حدیث سے مستنبط کرکے لیے ہوں تو قابلِ اعتبار ہونگے اور اگر خیالی پلاؤ ہو اور قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہوں اور اٹکل پچّو باتیں کی ہوں تو ہدایت کی شاہراہ سے کوسوں دوری ہو جائے گی پھر ان حضرات کا تو کیا ذکر ہے جو ان حضرات کی خدمتوں میں حاضرباش تھے اور حاضری سے علمی اور دینی فائدے اُٹھانے رہتے تھے اُنھیں بھی اجتہاد کی ضرورت نہ تھی اور ضرورت ہوتی تو کیوں ہوتی اس لیے کہ تحقیق حق کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس مسئلہ کی ضرورت ہوتی دریافت کرلینا کافی تھا۔ اِدھر دریافت کرتے اُدھر فوراً حق بات کا انکشاف ہو جاتا۔ یہ انتہائی توہین ائمہ معصومین کی ہوتی کہ یہ حضرات موجود ہوں اور لوگ خود اجتہاد کریں اور ان حضرات کے وہبی اور لدنی علم سے فائدہ نہ اُٹھائیں۔ خلاصہ یہ کہ ائمہ اہل بیت کے علوم کو اجتہادات سے کوئی علاقہ نہ تھا جنے جو اجتہادات کی نسبت دی ہے تو اُس کا سبب یہ ہے کہ اُس زمانے کے لوگ جو اجتہادات کے ذریعہ سے احکام حاصل کرتے ہیں ان حضرات کے بیانات و احکام کو بھی ناقدری کی وجہ سے اجتہادات سمجھتے تھے لہٰذا ہم نے بھی اُنہی کی زبان کے موافق یہ الفاظ استعمال کیے ہیں ورنہ جہاں جہاں یہ کلمات اس کتاب میں نظر آئیں اُن کا مطلب علوم خاصہ وہبیہ ہیں اور اجتہاداتِ مسائل سے مراد بیانِ احکامِ دین ہے

اختلافاتِ مذہبِ فریقین کی مثالیں

اس جگہ راقم الحروف اختلافاتِ مذہبی کی چند مثالیں دکھلاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ائمہ خاندانِ پیغمبر کا طریقہ ائمہ اہلِ سُنّت کے طریقہ سے اختلاف رکھتا ہے۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب امام مالک صاحب اور دیگر علمائے اہلِ سُنّت مسائلِ دینیہ میں قیاس کو دخل دیتے ہیں اور ائمہ اہلِ بیت اس سے انکار رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اصول کی پابندی سے اگر کوئی مذہب ابتدا میں واحد ہو بھی تو آخر کار بڑا اختلاف ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ مذہبِ ائمہ اہلِ بیت مذہبِ ائمہ اہلِ سُنّت سے تمام تر اختلاف رکھتا ہے۔ شارحِ منہاج لکھتے ہیں کہ انکارِ قیاس اہلِ بیت کا مذہب ہے جیسا کہ عمل بر قیاس مذہب امام ابو حنیفہ اور دیگر اہلِ سُنّت کا ہے۔ پس شارحِ موصوف کی تحریر سے صاف ہویدا ہے کہ امرِ قیاس میں مذہب اہلِ بیت کا دیگر ہے اور مذہب اہلِ سُنّت کا دیگر۔ اس سے یہ بھی روشن ہوا کہ مذہبِ اہلِ بیت سے مذہبِ اہلِ سُنّت علیحدہ ہے۔

دوسری مثال اختلاف کی یہ ہے کہ ملا جلال دوانی شرحِ عقائدِ عضدیہ میں فرماتے ہیں کہ تہتّر فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ فرقہ اشعریہ ہے اس لیے کہ یہ فرقہ ایسی حدیثوں کا عامل ہے جنہیں رسول اللہ سے اصحاب نقل کرتے گئے ہیں اور معتزلہ کی طرح یہ فرقہ ظواہرِ حدیث سے متجاوز ہو کر اپنی عقلوں کو دخل نہیں دیتا اور نہ غیر اصحاب سے نقل کرتا ہے جیسا کہ شیعوں نے کیا ہے جو بوجہ معتقد ہونے اُن کی عصمت کے اپنے اماموں سے روایت کیا کرتے ہیں۔ یہاں پر یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ ہر چند فرقہ معتزلہ فرقہ اشعریہ سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے مگر یہ دونوں فرقے اصحاب ہی سے نقلِ حدیث کرتے ہیں۔ برخلاف فرقہ شیعہ کے جو غیرِ اصحاب یعنی ائمہ اہلِ بیت سے روایت حدیث کیا کرتے ہیں۔ عملی طور پر اختلاف مسائل کی پانچ مثالیں راقم الحروف یہاں پیش کرتا ہے۔ ایک یہ کہ جناب علی مرتضیٰ ایسی لونڈیوں کی بیع کو جو امہات الاولاد ہیں یعنی اولاد والی ہیں زیادہ صورتوں میں جائز قرار دیتے ہیں اور مجتہدینِ اہلِ سُنّت اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ تفتازانی شرح مختصر الاصول عضدی میں فرماتے ہیں کہ "بیع امہات الاولاد کے جواز میں اصحاب نے اختلاف کیا ہے اور علی اس کو جائز جانتے ہیں یہی مذہب شیعوں کا ہے اور شیعہ علی کے مذہب کو خوب جانتے ہیں"۔ دوم یہ کہ ثعلبی ناقل ہے کہ المسح علی الخفین کو علی ناجائز جانتے ہیں اور امام ابو حنیفہ علیہ ما علیہ اُس کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ مسئلہ وراثت میں اُس عورت کے جس کا شوہر قبل وطی کے مر گیا ہو علمائے اہلِ سنت مذہبِ علی سے کنارہ کش نظر آتے ہیں۔ حضراتِ اہلِ سُنّت کے معتمد جناب شاہ عبد الحق صاحب محدثِ دہلوی شرح مشکوٰۃ میں مذہبِ علی سے اختلاف کر کے فرماتے ہیں کہ یہ مذہب علی اور اُن کے شیعوں کا ہے اور یہ مذہب ابنِ مسعود کا ہے اس لیے ہم قولِ ابنِ مسعود پر عامل ہونگے۔ واضح ہو کہ ان دونوں مثالوں بالا سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ سنت علی کے مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جاہل اہلِ سُنّت ایسا ہی سمجھتے ہیں

کہ جو اُن کا مذہب ہے وہی علیؑ کا مذہب ہے۔ حالانکہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ مذہبِ اہلِ سنّت سے مذہبِ علیؑ کو کسی قسم کی موافقت نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ خرگوش جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذہب میں حرام ہے اور امام ابو حنیفہ صاحب نے اُسے حلال فرمایا ہے۔ مُلّا جامی نے اپنی کتاب نفحات میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ توراۃ میں خدائے تعالیٰ نے خرگوش کو حرام فرمایا ہے۔ چنانچہ سُور کی حرمت کے ساتھ ساتھ خرگوش کی حرمت کا ذکر بھی توراۃ میں دیکھا جاتا ہے۔ امام اہلِ بیتؑ کا اس جانور کو حرام فرمانا خالی از علت نہیں معلوم ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے مصلحتِ خداوندی کو ملحوظ رکھکر خرگوش کی حرمت کو قائم رکھا ہے۔ پنجم یہ کہ مچھلی بے فلس کی مذہب امامیہ میں حرام ہے اور اہلِ سنّت اُسے حلال جانتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایسی مچھلی توراۃ میں بھی حرام لکھی ہوئی ہے۔ جس فہرست میں ذکر سور خرگوش وغیرہ کا توراۃ میں آیا ہے اسی فہرست میں بے فلس کی مچھلی کی بھی حرمت نفی طور پر دیکھی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہلِ بیتؑ اجتہاد کے وقت اپنی معلومات وسیع سے پورے طور پر کام لیتے تھے۔ امیر المومنین علیؑ کا لقب جو مفتیِ ہر چہار دفتر کا ہے نہایت قرینِ حق ہے آپ کے جملہ جانشین بھی وفورِ علم کے تقاضا سے آپ کی طرح اس لقب کے سزاوار نظر آتے ہیں کیونکہ مفتیِ ہر چہار دفتر کے جانشینوں کو بھی مفتی ہر چہار دفتر ہونا ضرور ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

اہلِ اسلام کو دینی موافقت کی ضرورت

افسوس ہے کہ اسلام میں آنحضرتؐ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اختلافاتِ اصولی اور فروعی بڑی کثرت کے ساتھ پیدا ہو گئے اور اب یہ حالت ہے کہ پیروانِ اسلام میں دینی موافقت کا پیدا ہونا محالاتِ عقلی سے ہے۔ دو ایسے بھاری فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا نیست و نابود ہو جانا بھی احاطۂ امکان سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اب خدا ہی مسلمانوں کے اختلافاتِ مذہبی کو دور کرے تو اسلام میں از سرِ نو موافقت کی شکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت بہت اصلاح طلب ہے مگر اصلاح کی شکل اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ خود اہلِ اسلام اصلاح میں کوشاں نہ ہوں بغیر حق جوئی اصلاح ممکن الوقوع نہیں یہ کام مناظرہ اور مجادلہ سے نہیں نکل سکتا۔ حق جوئی کی استعداد تعصبات کو دور کیے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ مگر دفعِ تعصبات کی توفیق خود ایک نہایت اہم امر ہے خدائے تعالیٰ جسے چاہے نصیب کرے۔

مذہب امامیہ مذہب اہلِ بیتؑ ہے

معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعوں کا وہی مذہب ائمہ اہلِ بیتؑ کا ہے اور مذہب اہلِ سنّت سے تمامتر علیحدہ ہے جیسا کہ شریف جرجانی صاحب شرح مواقف میں فرماتے ہیں۔ کَانَتِ الْاِمَامِیَّۃُ اَوَّلًا عَلٰی مَذْھَبِ اَئِمَّتِھِمْ حَتّٰی تَمَادٰی بِھِمُ الزَّمَانُ فَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی ابتدا میں امامیہ اپنے اماموں کے مذہب پر تھے۔ پس جب زمانہ زیادہ گذرا

تو ان میں اختلافات پیدا ہوتے گئے۔ سادات کرام بیشک اوائل میں مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ مگر مرور ایام سے اُن کے مذہب بدلتے گئے۔ اس وقت سادات سب طرح کا مذہب رکھتے ہیں۔ کوئی شیعہ ہے کوئی تفضیلی کوئی سنی۔ کوئی وہابی۔ کوئی خارجی۔ کوئی ناصبی۔ کوئی عیسائی۔ اور کوئی لامذہب۔ جاننا چاہیے کہ مذہب میں بڑا دخل صحبت اور سلطنت کو ہوا کرتا ہے۔ اس وقت بہت سے سادات جو ہندوستان میں غیر امامیہ نظر آتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی غیر امامیہ سلطنتیں ہوتی گئیں۔ معاش و روزگار کی ضرورتوں سے سادات کو ہندوستان میں ناچار شاہی مذہب کو اختیار کرنا پڑا جس کے باعث اُن کے اجدادِ کرام کا مذہب اُن کے خاندانوں سے جاتا رہا۔ اب جہالت کا ایسا زمانہ آگیا ہے کہ وہ بیچارے یہ بھی نہیں جانتے کہ اُن کے اجداد کیا مذہب رکھتے تھے اور اُن کا اس وقت کا مذہب قدیم ہے یا جدید۔ قول صاحب ملل ونحل کا بھی ایسا ہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیت ایک علیحدہ مذہب رکھتے تھے اور اُن کے پیرو اُن کا مذہب رکھنے کے باعث امامیہ کہلاتے تھے۔ مذہب امامیہ کی نسبت ابن اثیر جو اجل علمائے اہل سنت سے ہیں اپنی کتاب جامع الاصول میں یوں فرماتے ہیں "وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْآنَ الْمَذَاهِبَ الْمَشْهُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ الَّتِي عَلَيْهَا مَدَارُ الْمُسْلِمِينَ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَهِيَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ وَابْنِ حَنْبَلٍ وَمَذْهَبُ الْإِمَامِيَّةِ" یعنی اب ہم ذکر کرتے ہیں اہل اسلام کے مذاہب مشہورہ کا جس پر اطراف زمین میں مسلمانوں کا مدار ہے اور وہ مذاہب مذہب شافعی و مذہب ابو حنیفہ و مذہب مالک و مذہب حنبل و مذہب امامیہ ہیں۔ پھر عالم ممدوح نے نام بنام ہر مذہب کے مجددین کو یاد فرمایا ہے اور مذہب امامیہ کے مجددین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "صدی ثانی میں مذہب امامیہ کے مجدد علی بن موسیٰ الرضا اور صدی ثالث میں محمد بن یعقوب کلینی اور صدی رابع میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور بدیہیات جلیہ سے ہے کہ کل اہل بیت کا ایک مذہب تھا پس جس مذہب کے رواج دینے والے علی بن موسیٰ الرضا تھے وہی مذہب کل اماموں کا تھا

مذہب اہل سُنت کی حسب مراد ترقی

واضح ہے کہ اس وقت تک مذہب اہل سُنت نے جو فروغ پکڑا ہے اور جس درجہ تک ترقی کی ہے اس کا ایک نہایت موقر انداز دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے اصول و فروع میں کسی طرح کی کمی نہیں دیکھی جاتی ہے لاریب اہل سُنت کے ائمہ اور مجتہدین نے اس مذہب کو بڑی رونق اور زینت بخشی ہے۔ قرآن و حدیث و آثار و اخبار و فقہ و فرائض وغیرہ وغیرہ سے یہ مذہب تمامتر آراستہ و پیراستہ ہے۔ اس مذہب میں [illegible] کسی طرح کی قلت نہیں پائی جاتی۔ البتہ قلت ہے تو قولاً اور زیادہ تر فعلاً خاندان پیغمبر کے ساتھ ہمدردی اور ہم خیالی کی جیسا کہ راقم الحروف سابق میں دکھلا چکا ہے اور آئندہ بھی دکھلائے گا۔ مگر یہ امر کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر وہی ہمدردی اور ہم خیالی علمائے اہل سنن خاندان پیغمبر سے

رکھتے جو علمائے امامیہ رکھتے تھے تو مذہب اہل التسنن مذہب اہل التشیع سے علیحدہ ہو کر فروغ نہیں پیدا کرسکتا تھا۔ تب تو درحقیقت دونوں مذہب ایک ہو جاتے اور ایسی حالت میں مذہب اہل التسنن بے وجود ہو جاتا۔ مذہب اہل التسنن کے فروغ کے لیے ائمہ اہل بیت سے مجتہدین و علمائے اہل سنت کی کنارہ کشی ایک امر لابدی تھی۔

اصولی اختلافات متعلق واقعہ کربلا

قبل اس کے کہ ہم واقعہ کربلا کے حالات حوالۂ قلم کریں، دو تین امور اور بھی ایسے قابلِ ذکر معلوم ہوتے ہیں جن میں امامیہ اور اہل سنت اختلاف رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ تمام اصولی اختلافات جگہ پاسکیں۔ اس پر بھی واقعہ کربلا کے انکار سے کچھ اصولی اختلافات کو یہاں حوالۂ قلم کردینا ضروری ہے۔ اس کے بغیر واقعہ کربلا کا بیان نہ صرف غیر مکمل رہجائے گا۔ بلکہ اس واقعہ عظیمہ کی حقیقت ناواقفوں پر غیر منکشف بھی رہجائے گی۔ ذیل میں ہم مختصر طور پر مسئلۂ خلافت کو عرض کردینا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ اس مسئلہ کو اس واقعہ بزرگ سے ایک تعلقِ عظیم ہے اور بھی اس مسئلہ سے کچھ اصولی مسائل تعلقِ خاص رکھتے ہیں۔

خلافت کے متعلق اہلِ سنت اور امامیہ کے عقائد

ہرچند امامیہ اور حضراتِ اہلِ سنت خلافت کو ایک امرِ برحق جانتے ہیں مگر دونوں کے تمامتر دو رنگ ہیں گو دونوں فرقے بارہ خلیفہ ہائے برحق کے قائل ہیں۔ اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ حدیثِ خلفائے اثنا عشر فریقین میں صحیح مانی ہوتی ہے۔ لیکن امرِ مختلف فیہ جو ہے وہ یہ ہے کہ فریقین بارہ خلیفوں کے نام ذکر کرنے میں اختلافِ عظیم رکھتے ہیں۔ وہ حدیثِ نبوی جو مقبولہ فریقین ہے یہ ہے۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى النَّبِيِّ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقَضِي حَتّٰى يَمْضِيَ فِيهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ (دیکھو بخاری و مسلم مع نووی کتاب الامارت صفحہ ۱۱۹) ترجمہ۔ جابر ابن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ خدمتِ رسول اللہ میں گیا۔ میں نے سنا کہ پیغمبر فرماتے تھے کہ ضرور یہ امر پورا نہو گا یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ ہوں۔ جابر کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت نے ایسا کلام کہا جو مجھ پر پوشیدہ رہا۔ تب میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ آنحضرت نے کیا فرمایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ کل خلیفہ قریش سے ہونگے اس حدیث کی بنا پر علمائے اہلِ سنت نے اپنے بارہ خلیفہ یوں گنے ہیں۔ ابوبکر صدیق۔ عمرِ فاروق عثمانِ غنی۔ علی۔ معاویہ بن ابی سفیان اور سات خلیفہ از عبد الملک تا بہ عمر ابن عبد العزیز۔ کچھ علمائے اہل التسنن بعد حضرتِ معاویہ کے حضرتِ یزید کو اور حضرتِ یزید کے بعد اور خلفائے بنی امیہ کو

مسلسل طور پر خلفائے اثنا عشر میں داخل کرتے گئے ہیں۔ راقم الحروف کے اُستاد مولانا مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی بھی یزید کی خلافت حقہ کے قائل تھے اور راقم الحروف بھی اپنی طالب علمی کے زمانہ میں یہی مذہب رکھتا تھا۔ جاننا چاہیے کہ اہلِ سُنت کے جس فرقہ نے حضرتِ یزید کو فہرستِ خلفائے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے اُس کی حجت یہ ہے کہ یزید چونکہ فاسق اور فاجر تھا اس لیے اُس کو خلفائے اثنا عشر میں داخل نہیں کر سکتے۔ مگر جس فرقہ نے حضرتِ یزید کو بعد حضرتِ معاویہ کے خلیفہ مانا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اصولاً عصمت شرطِ خلافت نہیں ہے اصول کی رو سے خلیفہ برحق ہونے کے واسطے تمام شروطِ خلافت سے صرف ایک شرط کا ہونا کافی ہے۔ حضرتِ یزید میں تو بہت سی شرطیں موجود ہیں۔ حضرتِ یزید کے حسبِ حال حضرتِ ابوبکر کا اجماع موجود ہے اجماع کے لیے صرف دو آدمی کافی ہوتے ہیں۔ حضرتِ یزید کے لیے تو لاکھوں آدمی کا اجماع موجود تھا۔ علاوہ اس شرط کے حضرتِ یزید کے موافقِ حال حضرت عمر کے استخلاف حضرت عثمان کے شوریٰ اور حضرت معاویہ کے غلبہ وقہر کی شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایسی صورتوں میں حضرتِ یزید کا خلیفۂ برحق شمار کیا جانا اصولِ خلافت کے خلاف نہیں ہے اس رو سے مسلسل طور پر بارہ خلفا کا شمار عمل میں لانا چاہیے نہ کہ گنڈے دار طور پر جیسا کہ دوسرے فریق کے علمائے اہل التسنن نے کیا ہے اور اسی اصول کی پابندی سے حضرتِ یزید کو زمرۂ خلفائے اثنا عشر سے خارج کر دیا ہے یہ تقریر بے سروپا اندازکی نہیں ہے۔ لاریب کوئی پابندِ اصولِ خلافت حضرت یزید کو زمرۂ خلفائے اثنا عشر سے خارج نہیں کر سکتا ہے چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں سلسلہ وار بارہ خلفائے اہل سنت کے نام درج فرمائے ہیں اور حضرتِ یزید بھی جناب شاہ صاحب ممدوح کے خلفا میں داخل دیکھے جاتے ہیں۔ یہ تو حساب حضرات اہل سُنت کے خلفائے اثنا عشر کا تھا جو عرض ہوا۔ اب فرقۂ امامیہ کے خلفائے اثنا عشر شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کے شمار میں کسی شیعہ اثنا عشری کو اختلاف نہیں ہے۔ ان شیعوں کے خلفا یہ ہیں۔ علیؑ ابن ابی طالب۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ امام زین العابدینؑ۔ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ۔ امام موسیٰ کاظمؑ۔ امام علی رضاؑ۔ امام محمد تقیؑ۔ امام علی نقیؑ۔ امام حسن عسکریؑ۔ امام محمد مہدیؑ (صلوٰۃ اللہ علیہم) واضح ہو کہ امامیہ رسول اللہ کی خلافت کو قرآنی دلائل اور حدیث ثقلین کی بنیاد پر امر من جانب اللہ سمجھتے ہیں اور خلفا کی عصمت کے تماتر قائل ہیں۔ فرقہ امامیہ کے نزدیک خلیفہ کا معصوم ہونا ایک امر ضروری ہے امامیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ معصوم تھے۔ اس لیے آنحضرت کے جانشینوں کو بھی معصوم ہونا چاہیے معصوم کا جانشین غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ حضراتِ اہلِ سُنت معاملۂ خلافت میں اس کے برخلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ حضرات خلافت کو امر من جانب اللہ نہیں جانتے ہیں۔ راقم دکھلا چکا ہے کہ قول "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" کی تبعیت سے خلافت من جانب اللہ کا عقیدہ قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرتِ ابوبکر کی خلافت کو مجرد اجماع کی بنیاد پر قرین حق سمجھتے ہیں اور اصولاً اس کی حقیقت کے اثبات میں کوئی دلیل قرآن وحدیث سے کامیابی کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے۔ کچھ نقلی دلیلیں جو بعض حضراتِ علمائے اہل سُنت کی دیکھی جاتی ہیں وہ

اُن کے اصولِ خلافت سے مطابقت نہیں رکھتیں یعنی اگر وہ نصی دلیلیں صحیح مان لی جائیں تو خلافت حضرات
خلفائے ثلٰثہ کی ایک امرِ من جانب اللہ قرار پاجائے گی جو عین عقیدہ فرقۂ امامیہ کا ہے اور جس سے فرقۂ اہلِ سُنّت کو
تمامتر اِبا اور انکار ہے۔ ان نصی دلیلوں پر آئندہ نظر ڈالی جائے گی۔ یہاں اُس کی نسبت زیادہ عرض کرنے کی
حاجت نہیں ہے۔ اسی طرح مضمونِ معصومیتِ خلیفہ کا عقیدہ، عقیدہ حضراتِ اہلِ سُنّت سے بہت بعید ہے۔ آپ حضرات
رسول اللہ کے سوا کسی کو معصوم نہیں جانتے ہیں۔ بلکہ ایک فرقۂ اہلِ سُنّت کا ایسا بھی ہے کہ رسول اللہ کو صرف
نزولِ وحی کے وقت معصوم جانتا ہے اور بقیہ اوقات میں آپ کو معصوم نہیں جانتا۔ اُن کے ایک فرقہ کا
یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسالت کے پہلے آنحضرتؐ نعوذ باللہ کافر تھے اور آپ کے والدِ ماجد بھی کافر مرے۔ ظاہر ہے
کہ معدومیتِ معصومیت کی بنیاد پر اہلِ سنّت چہاردہ معصوم کا عقیدہ بھی نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے کہ اُن کے
اصولِ عصمت کی رو سے کوئی شخص رسول اللہ کے بعد نہ معصوم گذرا ہے اور نہ گذرے گا۔ اہلِ سُنّت کے برخلاف
شیعوں کو چہاردہ معصوم کے اقرار کا تمامتر موقع ہے اور بلاشبہ یہ چہاردہ معصوم کا عقیدہ خاص شیعوں ہی کا ہے۔
لاریب بہت سے حضراتِ اہلِ سُنّت نے بے اصولانہ یہ عقیدہ شیعوں سے کسب کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اکثر اہلِ سنّت
کے نزدیک رسول اللہ کے سوا ایک شخص بھی اُمّتِ رسول اللہ میں معصوم نہیں ہے تو یہ تیرہ معصوم کہاں سے آئے
اہلِ سُنّت کو تو کوئی موقع رسول اللہ کے سوا کسی کو معصوم ماننے کا حاصل ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر حضرات
اہلِ بیتِ نبوی سے کسی کو بھی معصوم مان لیں تو خلافتِ ثلٰثہ بدیہی طور پر باطل ٹھہر جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس اعترافِ
معصومیت سے حضراتِ خلفائے ثلٰثہ کو علیؑ پر ترجیح دینے کی پھر کون صورت باقی رہتی ہے۔ غیرِ معصوم کا معصوم پر
مرجح قرار دیا جانا ہرگز قرینِ عقل نہیں ہوسکتا۔ لاریب حضراتِ اہلِ سُنّت کی یہ بڑی دانشمندانہ کارروائی ہے
جو اہلِ بیتِ نبوی کو عوامِ اُمّت کی طرح غیرِ معصوم قرار دیتے ہیں۔ علاوہ معاملۂ خلافت کے اگر اہلِ بیتؑ کی
معصومیت کا اعتراف اُس وقت کے اہلِ اسلام کو ہوتا تو فدک کا قضیہ اور شکل سے طے پاتا۔ بےشک اعترافِ
معصومیت سے دار القضا کی کارروائیاں بی بی فاطمہؑ کے مقابلہ میں دوسرے نہج سے عمل میں لائی جاتیں۔ اہلِ فطنت
سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مقدمہ فدک میں حضرت سیدہؑ کے ساتھ ایک زنِ عامی کا سا برتاؤ عمل میں لایا گیا
چنانچہ بحث میں حضرت عمر فریقِ مخالف کی حیثیت سے یہ فرما گئے کہ فاطمہؑ ایک عورت ہے اس سے زیادہ نہیں ہے
مختصر اہلِ بیتؑ کا جائز الخطا ہونا عین عقیدہ اہلِ سُنّت کا ہے۔ چنانچہ مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم حضراتِ
اہلِ بیتؑ کی نسبت فرماتے ہیں قد یصیبون وقد یخطئون ویجوز علیھم الزلۃ ووقوعھم فی الذنب من
غیر تعمّد کما وقع من سیدۃ النساء من ہجرانھا خلیفۃ رسول اللہ حین منعھا فدک۔ اس عبارت سے
عیاں ہے کہ علمائے اہلِ سُنّت کے نزدیک عوام کے مانند اہلِ بیتؑ کبھی برسرِ صواب ہوتے تھے اور کبھی خطا
کرتے تھے اور اُن سے لغزش بھی ظاہر ہوتی تھی اور یہ لغزش وہی تھی جو اُن سے گناہ بلاقصد سرزد ہوتا تھا
جیسا کہ بی بی فاطمہؑ سے گناہ سرزد ہوا کہ آپ خلیفۂ رسول اللہ سے ہجران کیں یا اُن سے بالکل جدا ہوگئیں جبکہ خلیفۂ رسولؐ

منعِ فدک کیا تھا۔ ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہؑ حضرت خلیفہ صاحب کو رسول اللہ کا خلیفہ نہیں جانتی تھیں ورنہ حضرت خلیفہ پر بقول مولوی عبدالعلی صاحب ایسی درشت کلامی روا نہ رکھتیں۔ تمام حالاتِ بالا پر نظر ڈالنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم سب کے سب حضرت ابوبکر کو رسول اللہ کا خلیفہ نہیں جانتے تھے اور حضرت علیؑ کا بھی یہی خیال تھا جیسا کہ آئندہ آنے کو ہے۔ بہرحال اہلبیتؑ کی معصومیت کے انکار سے اہلبیتؑ کی عظمت اور وقعت میں ضرور کمی لاحق ہو گئی۔ واضح رہے کہ انہی تنقیصاتِ شانِ اہلِ بیتؑ سے رفتہ رفتہ اہلبیتؑ کو وہ معاملہ پیش آیا جس کو واقعہ کربلا کہتے ہیں۔ واقعۂ کربلا انہی تدریجی تنقیصات کے نتیجہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسی لیے مطلق قانونِ فطرت کے خلاف بھی نہیں ہے۔ میں اس جگہ کسرِ شانِ اہلِ بیتؑ کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک احراقِ خانۂ فاطمہؑ ہے۔ واقعہ احراق تاریخ ابوالفدا و تاریخ طبری و تاریخ واقدی و کتاب المرتضیٰ و کتاب سقیفہ ابوبکر جوہری و کتاب الامامت والسیاست وغیرہ وغیرہ میں درج پایا جاتا ہے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی کو بھی اس سے اعتراف ہے جیسا کہ شاہ صاحب کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ان ایشیائی تصنیفات کے اپنی اپنی تاریخی تصنیفات میں گبن۔ آسبرن اور ارونگ بھی اس واقعہ کو حوالۂ قلم کر گئے ہیں اور لاریب یہ واقعہ تاریخی پایہ رکھتا ہے کہانی اور افسانہ نہیں ہے راقم الحروف نے جب تک ایسی کتابوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا تھا تب تک اُسے اس واقعہ کے درست ہونے کا یقین ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر عہدِ طالب العلمی کے منقضی ہونے پر جو تاریخ اور علمِ کلام کی کتابیں نظر سے گذریں تو اسلامِ معروف سے بڑی بدعقیدگی پیدا ہو گئی اور اب تو یہ حال ہے کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بے اختیار شرم آتی ہے۔ افسوس ہے کہ جناب شاہ صاحب ممدوح کے تحفہ سے بھی کسی طرح کا اطمینانِ قلبی نصیب ہوا بلکہ حضرت ممدوح کے جوابات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ آپ کے جوابات عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے تو اور بھی راقم الحروف کو اسلامِ مروج سے دور کر دیا۔ خیر میں کافر یا جو کچھ ہو گیا ہو گیا۔ مگر الحمد للہ والمنۃ کہ پیغمبرِ خدا کی ناشناسی کی بلا سے محفوظ رہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ مرنے پر حضرت بی بی فاطمہؑ کے سامنے پیغمبرِ خدا کو منہ دکھانے میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ذیل میں یہ وحشت خیز واقعہ کتاب الامامت والسیاست سے بسبیلِ ترجمہ صحیح عرض کیا جاتا ہے۔

قصۂ احراق

"جب حضرت ابوبکر نے پایا کہ مخالفانِ بیعت علیؑ کے پاس ہیں تو حضرت عمر کو اُن کے پاس بھیجا پس حضرت عمر گئے اور اُن کو (یعنی مخالفانِ بیعت کو) بلایا حالانکہ وہ سب علیؑ کے مکان میں تھے۔ مگر انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ تب حضرت عمر نے لکڑیاں مہیا کیں اور فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے ہم ان کو ضرور نکالیں گے یا سب کے سب کو جلا کر مار ڈالیں گے۔ پس کسی نے کہا کہ اے ابا حفص کے

اس میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ ہوں۔ تب لوگ نکل آئے اور بیعت کی سوائے علیؑ کے جو نہ نکلے۔ اس پر حضرت عمر نے سوچا کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ ہولے گا ہم گھر سے نہ نکلینگے اور نہ دوش پر چادر رکھیں گے۔ اس کے بعد ہی بی بی فاطمہؑ دروازے کے پاس کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تم جنازہ رسول اللہ کا چھوڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اب ہم پر ظلم کرنے کے لیے آئے ہو اور ہمارے حقوق کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس کے بعد حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کیا آپ اُس مخالف یعنی علیؑ سے بیعت نہیں لینگے۔ حضرت ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو فرمایا کہ جا اور علیؑ کو بلا لا۔ تب قنفذ علیؑ کے پاس گیا علیؑ نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ قنفذ نے کہا آپ کو خلیفۂ رسول اللہ بلاتے ہیں۔ علیؑ نے چھوٹتے ہی کہا کہ کس قدر تم لوگ رسول اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتے ہو۔ اس پر قنفذ لوٹ گیا اور پیغام سُنا دیا۔ اس پر ابوبکر دیر تک روئے۔ تب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم اُس مخالف بیعت یعنی علیؑ سے بیعت نہ لوگے تب حضرت ابوبکر نے قنفذ سے فرمایا کہ پھر جا اور کہہ امیرالمومنین بیعت کے لیے بلاتے ہیں۔ تب قنفذ گیا اور جو حکم لایا تھا کہہ سُنایا۔ علیؑ بآواز غضبناک ہو کر بولے سبحان اللہ یہ کیا دعویٰ ہے جس کا انھیں یعنی حضرت ابوبکر کو کوئی حق ہی نہیں ہے۔ اس پر پھر قنفذ واپس گیا اور پیغام کہہ دیا۔ حضرت ابوبکر پھر رونے لگے۔ تب حضرت عمر اُٹھے اور اُن کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی۔ یہاں تک کہ فاطمہؑ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹ کھٹایا۔ جب بی بی فاطمہؑ نے اُن کی آواز سُنی تو بہت شور سے چلانے اور واویلا کرنے لگیں کہ اے بابا۔ اے رسول اللہ اپنی بیٹی کی خبر لیجیے۔ ہم بعد آپ کے ابنِ خطاب یعنی حضرت عمر اور ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر کے ہاتھ سے یہ کیا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ پس جب وقت قوم نے بی بی فاطمہؑ کی فریاد و زاری سُنی روتی ہوئی پھر گئی درآنحالیکہ دل اُن کے دُکھتے تھے اور جگر اُن کا پارہ پارہ تھا۔ لیکن حضرت عمر ایک جماعت کے ساتھ ٹھیرے رہے اور علیؑ کو نکال لیا اور ابوبکر کے پاس لے گئے" یہاں تک کا واقعہ خانۂ فاطمہؑ کے احراق سے تعلق رکھتا ہے یہ واقعہ کیسا ہے اس کو اہلِ انصاف خود تجویز کر لیں۔ آیا یہ سب کار روائیاں حضرت عمر کی جا تھیں یا بیجا راقم الحروف اس جگہ پر کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر لاریب اس طرح کا ہنگامہ اہلِ بیتِ نبویؑ کے گھر پر شانِ اہلِ بیت کو افزوں کرنے والا نظر نہیں آتا۔ دوسری مثال کسرِ شانِ اہلِ بیتؑ کی یہ ہے کہ جب قصۂ احراق کے بعد علیؑ حضور میں خلیفۂ وقت کے لائے گئے تو علیؑ کے ساتھ معاملۂ ذیل پیش آیا۔

قصدِ احراق کے بعد کا قصہ

ہم یہاں پھر کتاب الامامت والسیاست سے لکھتے ہیں۔ جب علیؑ کو حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس لے گئے تو علیؑ سے حضرت عمر نے کہا کہ "بیعت کرو" علیؑ نے کہا کہ اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہو۔ حضرت عمر نے جواب دیا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ اس حالت میں ہم لوگ تمہاری گردن کاٹیں گے۔ علیؑ نے کہا

کر کیا ایک بندۂ خدا اور رسول اللہ کے بھائی کو قتل کرو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بندۂ خدا تو خیر۔ مگر رسول اللہ کا بھائی غلط۔ اُس وقت ابو بکر ساکت تھے اور کچھ بولتے نہ تھے۔ تب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ کیوں اپنے کا... کے لیے علیؑ سے نہیں کہتے۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہؑ علیؑ کے پہلو میں ہیں میں کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ قبرِ رسول اللہؐ پر تشریف لائے اور نالہ و فریاد و بکا کر کے کہنے لگے: "اے ابن عم میرے یعنی رسول اللہ میری خبر لیجیے۔ قوم نے مجھے بہت ضعیف بنا دیا اور میرے قتل کو آمادہ ہیں"۔ اہلِ انصاف سمجھیں کہ اہلِ اسلام پر حضرت عمرؓ کے اس قول کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ برسرِ مجمع یعنی علیؑ کو اس ہنگامہ کے ساتھ حضورِ خلیفہ میں لیجانا اور وہاں علیؑ کی گردن مارنے کا بڑے شد و مد کے ساتھ ذکر کرنا اور علیؑ کے برادرِ رسولِ خدا ہونے سے انکار کر جانا یہ سب کے سب ایسے معاملات ہیں کہ جن سے اہلِ بیتؑ کی ترقی شان ظہور میں نہیں آسکتی تھی۔ میں حضرت عمرؓ کی اس طرح کی وحشت خیز کارروائی پر یہاں کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ مگر بجائے خود یہ باتیں اہلِ بیتؑ کی عزت افزائی کے ذرائع نہیں معلوم ہوتیں۔ راقم الحروف کو ان سب باتوں میں سے سب سے زیادہ حیرت خیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علیؑ بقولِ حضرت عمرؓ رسول اللہ کے بھائی نہ تھے یوں تو اس وقت کے ہر شخص کو معلوم تھا کہ علیؑ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو رسول اللہؐ نے مرتبۂ ہارون کے ساتھ یاد فرمایا ہے اور اخی فی الدنیا والآخرۃ کا شرف بھی آپ کو بخشا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے ارشادِ بالا کے مطابق لوگوں کے دلوں پر یہ اثر ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ علیؑ ایسے ہی ہیں تو پھر بھائی رسول اللہؐ کے ہیں کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ کی غایتِ محبت و عظمت سے علیؑ کا رسول اللہ کو بھائی کہنا گوارا نہیں فرما سکتے لاریب اس تکذیب سے علیؑ اور اہلِ بیتؑ کی کوئی عزت افزائی متصور نہیں ہو سکتی ہے یوں حضراتِ اہلِ علم سمجھ لیں۔

تنقیصِ شانِ اہلِ بیتؑ کی اصولِ اجماع کی پہلو سے

ایک تیسری مثال میں یہاں اور بھی پیش کرتا ہوں جس سے حضراتِ اہلِ بیتؑ کی تنقیصِ شان متصور ہے اور وہ یہ ہے کہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک غیر اہلِ بیت کا اجماع صرف دو آدمی کے مجتمع ہونے سے کامل ہو جاتا ہے مگر اہلِ بیتؑ کا اجماع نہ دو آدمی کے مجتمع ہونے سے قابلِ پذیرائی ہو سکتا ہے نہ دو لاکھ کے۔ علمائے اہلِ سنت اس کی توجیہ اس طور پر فرماتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ سے خطائیں سرزد ہوا کرتی تھیں مگر یہ ایسی دلیل ہے جو اہلِ انصاف کی سمجھ میں لاکھ برس بھی جگہ نہیں کر سکتی ہے۔ سائل سوال کر سکتا ہے کہ کیا سقیفہ بنی ساعدہ والے معصوم تھے جو خطا سے بری سمجھے گئے اور ان کا اجماع اجماعِ برحق قرار پایا۔ حسبِ عقیدۂ اہلِ سنت اگر اہلِ بیتؑ بری از خطا نہ تھے تو غیر اہلِ بیت بھی بری از خطا نہ تھے۔ یہ بیچارے اہلِ بیتؑ ہی کا اجماع کیوں ہر حال میں ناجائز قرار دیا جاتا ہے حضرات یہ بھی کوئی بات ہے۔ آخر ہر بات کی حد ہے۔ اس درجہ کی بے اعتدالی کوئی معنی رکھتی ہے۔ آدمی کو لازم ہے کہ کچھ تو خدا سے ڈرے۔ دنیا روزے چند آخر کار با خداوند۔ کہاں ہیں اس وقت اہلِ بیتِ نبوی پر ظلم کرنے والے

نہ بنی اُمیہ باقی ہیں اور نہ بنی عباس۔ دشمنانِ اہلِ بیتؑ اپنے ہمراہ سوا خندہ و قہقہے لے گئے۔ دنیائے غدار نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ موت انہیں آ ہی گئی۔ یوں تو مظلومانِ خاندانِ پیغمبر بھی دنیا سے چل بسے۔ مگر فرق یہ ہے کہ مظلومانِ اہلِ بیتؑ مظلوم گئے اور اُن کے اعدا ظالم۔ ؎

دورانِ بقا چو بادِ صحرا بگذشت — تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد — بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت

معاذ اللہ جس مذہب میں ایسے انصاف کُش اصول ہوں اُس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ مذہب معلوم و اہلِ مذہب معلوم بہرحال اس حیرت انگیز اجتہاد سے کوئی شک نہیں کہ غیر اہلِ بیتؑ کو بہت کچھ دنیوی فائدے مرتب ہوئے۔ اول یہ کہ غیر اہلِ بیتؑ بہت آسانی کے ساتھ اجماع کی تکمیل عمل میں لا سکے۔ ظاہر ہے کہ جب دو آدمی کے اجماع سے کوئی اجماع تکمیل پا سکتا ہے تو اس سے زیادہ آسان کوئی دوسری شے متصور ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ جب اہلِ بیتؑ ناقابلِ اجماع سمجھے گئے تو اجماعِ اہلِ بیتؑ کا کوئی حرف ہی باقی نہیں رہا۔ سوم یہ کہ اس سے شانِ اہلِ بیتؑ کی بڑی سے بڑی تنقیص پیدا ہوئی۔ کسرِ شانِ اہلِ بیتؑ سے جو دنیوی فائدے غیر اہلِ بیتؑ کے لیے مرتب ہونے کو ہیں وہ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں۔ سابق کی تحریریں راقم الحروف کی ملاحظہ طلب ہیں۔ چہارم یہ کہ یہ اجتہاد اہلِ بیتؑ کے مضمونِ معصومیت کو عامۂ مسلمانان کے دل سے مٹا دینے والا ہوا جس سے غیر اہلِ بیتؑ کو طرح طرح کے فائدے نصیب ہوتے گئے۔ لاریب ایسے ہی ایسے اجتہادات سے غیر اہلِ بیتؑ کی ثروتیں قائم ہوتی گئی ہیں اور اُن کی دینی اور دنیوی ثروتوں کے مٹا دینے کے لیے بڑے بڑے اہتمام غیر اہلِ بیتؑ کی جانب سے عمل میں لاتے گئے۔ پس کوئی شک نہیں کہ واقعۂ کربلا، و نیز اسی رنگ جھنڈا کا ہی جو جنابِ رسولِ خدا کی رحلت کے قریب گاڑا جانے لگا تھا۔ اور جو جنابِ امام حسن عسکریؑ تک اُتار چڑھاؤ کرتا رہا۔ بلکہ جنابِ امام حسن عسکریؑ کے وقت کے بعد اس وقت تک بھی اُس کا پھریرا ویسا ہی قائم ہے اور جب تک مخالفتِ اہلِ بیتؑ قائم رہے گی وہ بھی قائم رہے گا۔

تنقیصِ شانِ آلِ محمدؐ کی بہ تعلق خطابات

چوتھی مثال تنقیصِ شانِ آلِ محمدؐ کی ذیل میں جگہ پاتی ہے۔ واضح ہو کہ راقم کے نزدیک منجملہ دیگر تنقیصات و توہیناتِ آلِ محمدؐ کے یہ امر بھی ہے کہ خطابات حضرت علیؑ سے فاروقِ اعظم و صدیقِ اکبر و سیف اللہ کے خطابات منتقل ہوتے نظر آتے ہیں اور عامۂ مسلمانان بھولے سے بھی حضرت علیؑ کو ان کے ان خطابات کے ساتھ یاد نہیں کرتے۔ بلکہ یہ ایسا نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ لاکھ مسلمانوں میں شاید ایک دو ایسے ہوں جنکو اس کی خبر بھی ہوگی کہ خطاب   سے بالا حضرت علیؑ کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں یہی حال خطاباتِ صدیقہ کا بھی ہے کہ یہ خطاب خاص حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے مگر عامۂ مسلمانان نے آپ کے نام پاک سے

اس کو بھی علیحدہ کر ڈالا یہ امر بھی تنقیص و توہین آلِ محمدؐ کی خبر دیتا ہے کہ عامۂ مسلمانان نے خطابِ امام کو ایسا عوض بازار کر ڈالا کہ فخر رازی اور غزالی تک اس خطاب کے ساتھ سرفراز دیکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ خطاب یا لفظ امام کا بحض ائمہ خاندانِ پیغمبرؐ کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے اگر عامۂ مسلمانان آلِ محمدؐ کی ویسی قدر کرتے جس کے وہ حضرات مستحق ہیں تو اس خطابِ پاک کو عوام الناس کی طرف منتقل نہونے دیتے۔ مگر چونکہ ہر قدم پر خاندانِ پیغمبرؐ کی تذلیل و تنقیص و توہین عامۂ مسلمانان کو ملحوظ رہی ہے ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔

خطابِ صدیقِ اکبر پر نظر

جاننا چاہیے کہ صدیق اکبر کا خطاب خاص حضرت علیؑ کا ہے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کا ہو نہیں سکتا۔ حضرت سلمانِ فارسیؓ اور حضرت ابوذرِ غفاریؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بہ تحقیق یہ وہ شخص ہے کہ جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور اس اُمت میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ اور مومنوں کا امیر ہے۔ اور یہ شخص وہ ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے گا اور یہ صدیق اکبر ہے۔ حدیث نبوی یوں واقع ہے عَنْ سَلْمَانِ الْفَارِسِیِّ وَاَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بِیَدِ عَلِیٍّ فَقَالَ اِنَّ ھٰذَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَھٰذَا الْفَارُوْقُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَھٰذَا یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَھٰذَا اَوَّلُ مَنْ یُصَافِحُنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَھٰذَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ (اَخْرَجَہُ الطَّبَرَانِیُّ وَالذَّھَبِیُّ وَالطَّبَرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ مِنْ سَنَدِ سَلْمَانَؓ) دوسری حدیث نبوی یہ ہے عَنْ اَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِعَلِیٍّ اَنْتَ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَ وَاَنْتَ الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ (اَخْرَجَہُ الْحَاکِمُ نُقِلَتْ مِنْ رِیَاضِ النَّضْرَۃِ) یعنی حضرت ابوذرِ غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ علیؑ سے آپ فرما رہے تھے کہ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور میری تصدیق کی ہے اور تو صدیقِ اکبر ہے۔ تیسری حدیث نبوی یہ ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِیْ لَیْلٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ الصِّدِّیْقُوْنَ ثَلٰثَۃٌ حَبِیْبُ النَّجَّارِ مُؤْمِنُ اٰلِ یٰسِیْنَ الَّذِیْ قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ وَحِزْقِیْلُ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ الَّذِیْ قَالَ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَھُوَ اَفْضَلُھُمْ (اَخْرَجَہُ الْبُخَارِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ لَیْلٰی) یعنی ابن عباس اور ابولیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حسب فرمودہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صدیق تین ہیں اول حبیب النجار جو حواریین حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو نبیوں کی متابعت کرو۔ دوم حزقیل جو گروہ فرعون سے تھا مگر خدا پر ایمان لایا تھا اور جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم والو کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پالنے والا خدا ہے تیسرے علی ابن ابی طالبؑ

اور آپ ان دونوں سے افضل ہیں۔ اس حدیثِ نبوی سے ظاہر ہو گیا کہ تین حضرات کے بعد کوئی اور شخص صدیق نہیں ہے۔ یوں کہنے کے لیے جس کو جو شخص صدیق کے خطاب سے یاد کرے مختار ہے۔ چوتھی حدیث نبوی یہ ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِی قَوْلِہٖ تَعَالٰی ،، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ ،، قَالَ عَلِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ نَقْدِرُ عَلٰی اَنْ نَّرَاکَ فِی الْجَنَّۃِ۔ قَالَ یَا عَلِیُّ اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقًا اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ مِنْ اُمَّتِہٖ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِیًّا فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَنْزَلَ بَیَانَ مَا سَاَلْتَ فَجَعَلَکَ رَفِیْقِیْ لِاَنَّکَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ وَاَنْتَ الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ (تفسیر ابن الحجام) یعنی حضرت ابن عباس اس قولِ خدا کے متعلق اور جن لوگوں نے خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت کی ہے پس وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اُتاری ہے،، روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا ہم حضور کو جنت میں بھی دیکھ سکینگے؟ آنحضرتؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا رہا ہے جو اُس پر سب سے پہلے اسلام لاتا رہا ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ ،، وہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت نازل کی ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہونگے اور یہ لوگ اُن کے اچھے رفیق ہونگے ،، اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدائے تعالیٰ نے تیرے سوال کا جواب نازل فرمایا ہے اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے کیونکہ تو سب سے پہلے مجھ پر اسلام لایا ہے اور تو صدیق اکبر ہے۔ پانچویں حدیث نبوی خود بروایت حضرت علیؑ ہے جس میں آنحضرتؐ نے حضرتؑ کو ،، ہٰذا الصدیق الاکبر علی ابن ابی طالب ،، فرمایا۔ اختصار کی نظر سے راقم اس حدیث کو درج ہٰذا نہیں کرتا ہے مگر یہ حدیث نہایت مستند ہے اور اس کے اخراج کرنے والے ابوجعفر العقیلی ہیں۔ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں ہم چار شخصوں کے سوا پانچواں شخص سوار نہ ہوگا۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ چار شخص کون ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک تو وہ میں ہوں کہ براق پر سوار ہونگا اور میرے بھائی صالح نبی اُس ناقۃ اللہ پر سوار ہونگے جس کے پاؤں کاٹے گئے تھے۔ اور میرے چچا حمزہ ناقہ عضبا پر سوار ہونگے اور میرے بھائی علیؑ جنت کی اونٹنیوں سے ایک اونٹنی پر سوار ہونگے اور ان کے ہاتھ میں لوار الحمد ہوگا اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پکارتے ہونگے۔ تمام آدمی کہینگے یہ کوئی مقرب فرشتہ ہے یا نبی مرسل یا حاملِ عرش۔ عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا کہ اے اشخاص نہ یہ مقرب فرشتہ ہے اور نہ نبی مرسل اور نہ حاملِ عرش۔ یہ صدیق اکبر علی ابن ابی طالب ہے۔ بیشک تو اقوالِ نبوی درج ہٰذا ہوتے اب جاننا چاہیے کہ خود حضرت علیؑ نے اپنے کو صدیق اکبر فرمایا ہے جیسا کہ روایت ہائے ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ **روایت نمبر ۱**۔ عَنْ مُعَاذَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ

وقالت سمعت علیاً علی منبر البصرۃ یقول انا الصدیق الاکبر (الریاض النضرۃ محب الطبری) یعنی معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے بصرہ کے منبر پر جناب امیرؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ اسی طرح شرح تجرید علامہ قوشجی کے صفحہ ۴۰۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے برسر منبر مجمع صحابہ میں فرمایا کہ انا الصدیق الاکبر۔ امنت قبل ایمان ابی بکر۔ یعنی میں صدیق اکبر ہوں اور میں ایمان لایا ہوں ابوبکر کے ایمان لانے سے پہلے واضح ہو کہ آپ نے کوئی نئی بات اپنی نسبت نہیں فرمائی۔ یہ سراسر اعادہ قول جناب رسول اللہ کا ہے۔ **روایت نمبر ۲** عن عباد بن عبد اللہ قال علیؑ انا عبد اللہ و اخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و انا الصدیق الاکبر لا یقولہا ذالک غیری الا کاذب مفتر صلیت قبل الناس سبعۃ سنین (اخرجہ احمد فی المناقب والنسائی فی الخصائص والحاکم فی المستدرک و حافظ ابوبکر عثمان ابن ابی شیبہ فی سننہ و ابن عاصم فی السنۃ و حافظ ابو نعیم فی الحلیۃ والعقیلی) یعنی عباد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور خدا کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں سوائے میرے جو اپنے کو صدیق اکبر کہے جھوٹا مفتری ہے۔ میں نے سات برس سب سے پہلے نماز پڑھی ہے۔ واضح ہو کہ یہ قول بھی آپ کا قول نبوی پر مبنی ہے۔ پس کسی شخص کو حضرت علیؑ کے سوائے حق نہیں ہے کہ اپنے کو صدیق اکبر کہے یا کہلائے ایسی صورت میں لازم آتا ہے کہ حضرت علیؑ کے سوا جو شخص اپنے کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہے۔ اور سب ایسے لوگ جو علیؑ کے سوا کسی کو صدیق اکبر کہیں تمام تر جھوٹے ہیں۔ **روایت نمبر ۳** عن معاذۃ العدویۃ قالت سمعت علیاً یقول علی منبر البصرۃ انا الصدیق الاکبر امنت قبل ان یومن ابوبکر واسلمت قبل ان یسلم ابوبکر (نقلہ ابن قتیبہ فی المعارف) یعنی معاذ العدویہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ کے منبر پر حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں صدیق اکبر ہوں قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لائے میں ایمان لا چکا اور ابوبکر کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لا چکا تھا۔ واضح ہو کہ حضرت رسول خدا اور بھی حضرت علیؑ کے قول سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ صدیق اکبر ہونے کے لیے ایمان و اسلام میں سبقت کی بڑی ضرورت مقصود ہے۔ اب اہل انصاف تجویز فرمائیں کہ خطاب صدیق اکبر کے مستحق علیؑ ہیں یا کوئی دوسرا شخص۔ مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ دنیا سے انصاف اٹھ گیا ہے۔ عامہ مسلمانین یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ خاص خطاب حضرت علیؑ کا ہے اور اس میں بقول نبویؐ کسی کو شرکت کا بھی موقع نہیں ہے خاص الخاص ہو جانا اس کا کسی شخص غیر کے لیے تو خیال سے باہر ہے۔ یہی حال خطاب فاروق اعظم کا بھی ہو رہا ہے کہ حضرت علیؑ سے لے لیا گیا ہے اس خطاب کو جو تعلق حضرت علیؑ کے ساتھ ہے احادیث ذیل سے ثابت ہے

خطابِ فاروقِ اعظم پر نظر

حدیث نمبر ۱ عَنْ اَبِیْ ذَرِّ الْغِفَارِیْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِعَلِیٍّ اَنْتَ الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ (رِیَاضُ النَّضِرَۃِ فِیْ خَصَائِصِ الْعَشَرَۃِ مُحِبُّ الطَّبَرِیْ) یعنی ابوذر راوی کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ اے علی تم صدیق اکبر اور ایسے فاروق اعظم ہو کہ حق و باطل میں فرق کروگے۔ **حدیث نمبر ۲** عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ ھٰذَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَھٰذَا اَوَّلُ مَنْ یُصَافِحُنِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَھٰذَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ وَھٰذَا الْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَھٰذَا یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَالُ یَعْسُوْبُ الْمُنَافِقِیْنَ (اَخْرَجَہُ الدَّیْلَمِیُّ) یعنی سلمان فارسی سے روایت ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی کی نسبت یہ فرمایا کہ یہ شخص پہلا ہے جو ہم پر ایمان لایا اور یہ شخص پہلے ملے گا ہم سے قیامت کے دن اور یہ شخص صدیق اکبر اور ایسا فاروق اعظم ہے جو فرق کرنیوالا ہے درمیان حق اور باطل کے اور یہ شخص سردار ہے مومنین کا اور مال دُنیا سردار ہے منافقین کا۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ فاروق اعظم ہونے کے لیے بھی سبقت بالایمان درکار ہے جیسی سبقت بالایمان صدیق اکبر ہونے کے لیے۔ پس یہ خطاب فاروق اعظم کا حضرت علی کے سوا کسی دوسرے شخص کے لیے خاص الخاص ہونا تو درکنار مشترک طور پر بھی تبعاً کسی غیر شخص کے لیے جائز نہیں ہو سکتا

حدیث نمبر ۳۔ عَنْ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ فِتْنَۃٌ فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ فَالْزَمُوْا عَلِیًّا فَاِنَّہُ الْفَارُوْقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ (اَخْرَجَہُ الْخَوَارِزْمِیُّ وَالدَّیْلَمِیُّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِی الْاِسْتِیْعَابِ) یعنی ابو لیلیٰ راوی ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری اُمت میں فتنہ برپا ہوگا جب ایسا ہو تو تم ملازمت علی کی اختیار کرو بتحقیق وہ حق و باطل میں فرق کرنیوالا ہے۔ اس حدیث سے حضرت علی کا فاروق ہونا تو ثابت ہی ہے مگر اور بھی ضروری باتیں اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہیں۔ سیکون کے حرف سین سے عیاں ہے کہ رسول اللہ اس بات کو جانتے تھے کہ مسلمانوں میں فتنہ قریب میں واقع ہونے والا ہے۔ کوئی ایسا امر جو جناب رسول اللہ کے بعد ہی ایسا رنگ رکھتا ہو جس کو عام مسلمانوں سے تعلق ہو اور حضرت علی بھی اس وقت میں موجود ہوں پھر وہ امر ایسا بھی ہو کہ حضرت علی اور عام بنی ہاشم کی مخالفت کے ساتھ ہو سقیفۂ بنی ساعدہ کے اجماع کے سوا دوسرا انہیں معلوم ہوتا۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ یا فتنہ تھا کہ جس نے آج تک اسلامی دنیا کو اختلاف میں ڈال رکھا ہے۔ اگر مخالفین بنی ہاشم اس کو فتنہ نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں آلِ محمد اور عام بنی ہاشم کی نگاہ میں تو سقیفہ کا معاملہ بیشک فتنہ ہی تھا۔ اسی ہنگامہ کا فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے ساتھ نہایت سخت بے ادبانہ کارروائیاں

ظہور میں آئیں اور اُس کے بعد آلِ محمد کے ساتھ ایسے سلوک ہوتے رہے جو اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہیں ایسے معاملۂ سقیفہ کو اگر فتنہ نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ پس جناب رسول اللہ کو اپنے علمِ نبوت کی رو سے معلوم تھا کہ عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے کو ہے۔ اس علم کی بنیاد پر آپ نے یہ فرمایا کہ جب ایسا فتنہ برپا ہو اور جس کے برپا ہونے میں دیر نہیں ہے تو ایسے وقت میں تم اے سلمان تو علیؑ کا ساتھ دینا۔ مگر افسوس ہے کہ چند اشخاص کے سوا ایسے وقت میں حضرت علیؑ کا کسی نے بھی ساتھ نہ دیا اور حکمِ نبویؐ پر مطلق عامل نہ ہوئے۔ اُن چند متمسکانِ علیؑ میں سے ممتاز حضرات ابوذرِ غفاری۔ سلمان فارسی مقداد اور مالک اشتر ہیں۔ اسی معاملۂ سقیفہ کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے کہ ہزاروں مسلمان اس عہد کے بھی اگر بظاہر نہیں تو دل میں آلِ محمد سے کشیدگی رکھتے ہیں کشیدگی کی بہت سی مثالیں عرض کر سکتا ہوں منجملہ اُن کے دو مثالیں میں یہاں عرض کر دیتا ہوں **نمبر ۱** تین سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ جناب شمس العلما مولوی شبلی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کلکتہ میں تشریف رکھتے تھے ہمخانہ ہونے کے باعث میں اکثر اُن کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ایک روز مرزا حیرت دہلوی کا ذکر آگیا اہلِ ہند واقف ہیں کہ جیسی ارادت مرزا صاحب کو عموماً خاندانِ پیغمبر اور خصوصاً علی مرتضےٰ کے ساتھ ہے۔ چند منٹ تک تو مرزا صاحب کی مخالفتِ علیؑ کا ذکر پیش رہا۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مرزا صاحب نے شانِ مرتضوی کے خلاف میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ہے البتہ یہ امر ہر دوستدارِ آلِ محمد کے نزدیک مقدوح متصور رہا۔ مگر جب شمس العلماء صاحب نے یہ فرمایا کہ بہت حضراتِ اہلِ سنت مرزا صاحب کے سبِ علیؑ سے نہایت خورسند ہیں تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا اس لیے کہ میں مختلف مذاہبِ دنیا سے کم و بیش طور پر واقف ہوں اور اُن کے مختلف تقاضوں سے بالکل بے خبر نہیں ہوں۔ میں تو چپ رہا مگر جناب مولانا نے اس خورسندی کی توجیہ اُن حضرات کی زبانی یوں فرمائی کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تو شیعوں کے بزرگواروں کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور وہ بے تکلف ہمارے حضرات خلفا کو بد کہتے ہیں اب ہم لوگوں میں ایک ایسا شخص تو ہوا جو شیعوں کے بزرگواروں کو سخت و سست کہتا ہے اور ہم لوگوں کی طرف سے شیعوں کی بدگوئی کا معاوضہ کرتا ہے۔ اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ بہت سے حضراتِ اہلِ سنت اگر خود سبِ علیؑ نہ کریں تو نہ کریں مگر سبِ علیؑ سے خورسند تو ہیں ایسے حضرات ایسے فتنہ کے وقت میں جس کی نسبت جناب رسول اللہ یہ فرماتے ہیں کہ عنقریب برپا ہونے کو ہے علیؑ کا کیا ساتھ دے سکتے تھے۔ ایک مثل ہے کہ تانت باجی راگ پایا **مثال نمبر ۲**۔ ایک صاحب دلی کے رہنے والے قوم کے پٹھان جو میرے ایک عزیز کے رفقا میں سے تھے مجھے روز دیکھنے کو آتے تھے اور روز دیر تک میری صحبت میں رہا کرتے تھے میں ان کو سنی مذہب جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بڑے سخت سنی ہیں اس لیے کبھی ذکرِ اہلِ بیتِ نبوی کا اُن کے سامنے نہیں کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز میری زبان پر بلا قصد یہ مصرع سعدی کا **ع** کس را چہ زور و زہرہ کہ وصفِ علی کند پہ آگیا۔ میرا روئے سخن اُنکی جانب نہ تھا مگر اُسکو سنکر خانصاحب کی عجب حالت ہوگئی چہرہ سرخ ہوگیا غصہ کے مارے لبوں پر کف آگیا چاہتے تھے

کہ مجھے کچھ سخت و سست فرماویں مگر افراطِ غیظ سے گفتار پر قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ آخرکار جب اُن کے مزاج کو افاقہ ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ مذہب کی بات ہے اس میں تلوار چل جا سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جائے غور ہے کہ خانصاحب میرے تنخواروں میں سے تھے اور ہم نے کوئی بات تبرا کے انداز کی نہیں کہی تھی اس پر بھی ان کے غیظ کی یہ حالت تھی کہ اگر واقعی وہاں پر کوئی تلوار موجود ہوتی تو خانصاحب میرے لیے ابنِ ملجم بن جاتے۔ بہرحال میں نے خانصاحب کی بہت دلجوئیاں کیں اور آئندہ بھی اُن کی وفات تک مدارات سے اُن کو محروم نہیں رکھا یہ دو مثالیں ایسی ہیں کہ جن سے بہت سے مسلمانوں کے تولائے اہلبیت کا پتا لگتا ہے۔ ہزاروں مرزا حیرت دُنیا میں موجود ہیں۔ مرزا صاحب نے چونکہ عداوتِ اہلبیت سے اپنی شہرت پیدا کرلی ہے اس لیے ان کو اہلِ ہند مخالفِ اہلبیت جانتے ہیں ورنہ حقیقت میں آپ کے انداز کے ہزاروں ایسے اشخاص ہیں جنکے قلبی معاملات پنہاں ہیں اور پنہاں ہی رہجائینگے۔ اب مجھے دکھلانا ہے کہ سیف اللہ خطاب حضرت علی کا ہے اس کے ثبوت میں یہ حدیث حوالہ قلم ہوتی ہے۔

خطابِ سیف اللہ پر نظر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ھٰذَا عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ھٰذَا سَیْفُ اللّٰہِ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی اَعْدَائِہٖ (اَخْرَجَہٗ اَبُوْ سَعِیْدٍ فِیْ شَرَفِ النُّبُوَّۃِ) ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ علی ابن ابی طالب ہے یہ خدا کی شمشیر برہنہ ہے دشمنانِ خدا کے لیے۔ یہ خطاب بھی آپ سے منتقل شدہ نظر آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ کے سوا اس خطاب کا مستحق کوئی دوسرا شخص ہو نہیں سکتا۔ واقعی یہ خطاب اُسی کو زیبا ہے جو فاتحِ بدر و خندق و اُحد و خیبر و حُنین ہے۔ آخر میں میں خطابِ صدیقہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جاننا چاہیے کہ یہ خطاب خاص حضرتِ سیدہ خاتونِ جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ مگر یہ بھی مثل خطاب ہائے بالا کے مختص آپ کی ذات پاک کے ساتھ نہیں رکھا گیا۔ وہ حدیث جس کی رو سے آپ مستحق اس خطاب بزرگ کی ہیں یہ ہے۔ عَنْ اَبِی الْحَمْرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اُوْتِیْتَ ثَلَاثًا لَا یُؤْتِیْہِنَّ اَحَدٌ وَلَا اَنَا اُوْتِیْتَ صِہْرًا مِثْلِیْ وَلَمْ اُوْتَ اَنَا مِثْلِیْ وَاُوْتِیْتَ صِدِّیْقَۃً مِثْلَ بِنْتِیْ وَلَمْ اُوْتَ مِثْلَہَا وَاُوْتِیْتَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ صُلْبِکَ وَلَمْ اُوْتَ مِنْ صُلْبِیْ مِثْلَہُمَا وَلٰکِنَّکُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکُمْ (اَخْرَجَہُ الدَّیْلَمِیُّ) یعنی ابو حمرا روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ اے علی تجھ کو تین ایسی باتیں عطا ہوئی ہیں کہ کسیکو حتیٰ کہ مجھکو بھی نہیں ملی ہیں۔ تجھ کو خسر مجھ سا ملا ہے اور مجھ کو ویسا نہیں ملا۔ تجھکو صدیقہ میری بیٹی جیسی ملی ہے مجھ کو ویسی نہیں ملی۔ تجھ کو حسنؑ و حسینؑ تیری صلب سے عطا ہوتے ہیں۔ مگر مجھ کو ان جیسے نہیں ملے حق یہ ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ رسول اللہ کی کوئی بیٹی

حتی کہ حضرت خدیجہ بھی حضرت خاتونِ جنت کے برابر نہ تھیں۔ ایسی صورت میں صدیقہ کے خطاب کا استحقاق دنیا کی کسی بی بی کو نہیں ہو سکتا ہے عقل انسانی تو یہی کہتی ہے مگر ہٹ دھرمی کا جواب تو خدائے تعالیٰ کے پاس بھی نہیں ہے۔ حضرات اہل سنت افضل النساء ام المومنین حضرت عائشہ کو جانتے ہیں اور حضرت ممدوحہ کے بعد یا ساتھ ہی ساتھ حضرت خاتونِ جنت علیہا و ابیہا التحیۃ والسلام کو بھی افضل النساء مانتے ہیں مگر حضرت عائشہ علیہا ما علیہا کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت پیر دستگیر علیہ ما علیہ کی تحریر سے ترشح ہوتا ہے آپ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں (صفحہ ۱۹۲ نسخہ مطبوعہ) وَاِنَّ عَائِشَۃَ اَفْضَلُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ وَبَرَّاَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ قَوْلِ الْمُلْحِدِیْنَ فِیْهَا بِمَا یَقْرَءُ وَیُتْلٰی اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَکَذٰلِکَ فَاطِمَۃُ بِنْتُ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عن بعلہا و غیرہ و غیرہ الی آخرہ یعنی بہ تحقیق کہ حضرت عائشہ تمام عالم کی بی بیوں سے افضل ہیں بدیں دلیل کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ممدوحہ کو الزام ملحدین سے پاک فرمایا اُس خبر کی نسبت کہ تا قیامت پڑھی جایا کرے گی اور اسی طرح فاطمہ دختر نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم افضل النساء تمام عالم میں ہیں حضرت ام المومنین عائشہ علیہا ما علیہا کے مسبوق الذکر کرنے سے فرق مرتبہ کا اظہار عیاں ہے۔ حضرت ممدوحہ کے عالی مرتبت ہونے میں جائے گفتگو کسی صاحبِ حواس کو نہیں ہو سکتی آپ جب ام المومنین ہیں تو آپ کا مرتبہ بالیقین بہت رفیع ہونا قیاس ہے کسی مسلمان کو اُس میں خس برابر عذر نہیں ہو سکتا مگر تمام عالم میں افضل النساء ہونے کی یہ دلیل کہ آپکو خدائے تعالیٰ نے ایک بے بنیاد الزام سے پاک فرمایا۔ یہ کیونکر افضل النساء ہونے کی دلیل خاص ہو سکتی ہے اس سے صرف اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ علیہا ما علیہا پر جو طاعنین وقت نے زبانِ طعن کھولی تھی وہ اُن شامتیوں کی کمبختی تھی۔ حضرت ممدوحہ مطاعن اعدا سے تمامتر پاک تھیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن میں ارشادِ خداوندی جو اس مادے میں ہے حکم براتِ تامہ کا رکھتا ہے۔ اسکو کسی افضلیت اور معصومیت سے تعلق نہیں ہے البتہ یہ قولِ نبوی جو داخل حدیثِ بالا ہے یعنی اُوْتِیْتَ صِدِّیْقَۃً مِثْلَ بِنْتِیْ وَلَمْ اُوْتَ مِثْلَهَا۔ (اے علی تجکو صدیقہ میری بیٹی جیسی ملی ہے مجکو ویسی نہیں ملی) ایک ایسا قول ہے جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ نہ حضرت خدیجہ نہ حضرت عائشہ اور نہ آنحضرت کی کوئی اور زوجہ حضرت خاتونِ جنت کی برابر سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ صرف حضرت ابوبکر کی محبت کا تقاضا ہے کہ حضراتِ اہلِ سنت حضرت عائشہ کو حضرت خاتونِ جنت سے بھی افضل کیے دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دختر نبی تمام اسلامی بیبیوں سے اور نیز تمام عالم کی بیبیوں سے افضل اور سب بیبیوں کی مخدومہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ راقم کو حاشا و کلا کسی طرح پر تنقیصِ شان حضرت اُم المومنین منظور نہیں ہے۔ جو حضرت ممدوحہ کا مرتبہ ہے وہ خدا پر روشن ہے۔ مگر یہ کوئی مسلمانی نہیں ہے کہ حضرت ممدوحہ تمام عالم میں افضل النساء قرار دیجائیں اور حضرت خاتونِ جنت سے بھی آپ کا درجہ رفیع تر سمجھا جائے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی اور نصِ قرآنی نے اہلِ بیتِ نبوی کو مطہر ثابت کر دیا تو حضرت عائشہ علیہا ما علیہا نے جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میری لیے کیا حکم ہوتا ہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ تو اپنے درجہ پر ہی اور حق بھی یہی ہی کہ آپ اپنے درجہ پر ہیں۔ محمد مصطفےٰ جیسے نبیؐ کی بی بی ہونا کیا کوئی چھوٹی بات ہی یہ ایک بہت بڑا درجہ ہی مگر وہ ناعقبت اندیش جو بلا ضرورت حضرت ممدوحہ کی بدقرینہ محبت میں آپ کے درجہ کو اعتدال کی حد تک برقرار نہیں رکھہ سکتے ہیں اُنپر حکم دوستِ نادان کا صادق آتا ہے۔ پانچویں مثال تنقیصِ شانِ آلِ محمد کی درج ذیل ہوتی ہے۔

تنقیصِ شانِ آلِ محمدؐ کی عقدِ حضرتِ امِ کلثومؑ کی لگاوٹ سے

اُس جگہ مجھو ایک ایسے امر سے بحث کرنا ہی جو میرے لیے اور ہر صاحبِ شرم و حیا کے لیے ایک بڑا سرمایہ سوہانِ روح کا ہی۔ ناچار بضرورتِ تصنیف میں اسکا اعادہ کرتا ہوں گو روح اسکے اعادہ سے لاکھوں کوس بھاگتی ہی۔ خیر۔ جاننا چاہیئے کہ اُمِ کلثومؑ حضرت علیؑ کی بیٹی بطنِ حضرت فاطمہ زہرا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھیں۔ اُس معصومہ کی نسبت علمائے اہل سنت نیز بعض علمائے شیعہ عبرت خیز اور وحشت انگیز مضامین حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ راقم کو دونوں فرقہ کی تحقیق سے اختلاف ہے جیسا کہ آیندہ ظاہر ہوگا۔ کتاب اسعاف الراغبین میں درج ہے کہ صحیح یہ ہی کہ استدعائے عقد کی حضرت عمر نے درباب عقدِ اُمِ کلثومؑ بنت فاطمہؑ کے حضرت علیؑ سے مگر حضرت علیؑ نے حیلہ کیا اور دختر کی کم سنی کا عذر پیش کیا۔ حضرت علیؑ کی نیت میں تہا کہ اُس معصومہ کو حضرت جعفر طیار کے بیٹے سی بیاہ دیں۔ مگر حضرت عمر نے بہت منت و سماجت کی اور منبر پر جاکر یہ اعلان بیان کیا کہ میری منت علیؑ سے صرف اس غرض سے ہی کہ قرابتمندان جدی ورحمی و دامادی پر رسول اللہ کے آتشِ جہنم حرام ہے۔ پس اُمِ کلثومؑ کو بطرز عروس آراستہ کرکے حضرت علیؑ نے حضرت عمر کے پاس بہیجدیا۔ جب حضرت خلیفہ نے اُس معصومہ کو دیکھا تو اُسے اپنی گود میں بٹھلایا اور اُسکا بوسہ لیا اور اُسکی رعایت کی اور جب وہ معصومہ کھڑی ہوئی تب تہام لیا اُسکی ران کو اور کہا کہ باپ سی کہنا کہ ہم راضی ہیں اور جب اُس معصومہ نے باپ سے سب ماجرا بیان کیا تب نکاح پڑھوا دیا حضرت علیؑ نے اور پیدا ہوئے اُس معصومہ سے زید ابن عمر۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ بوسہ لینا اور سینہ سے لگانا اکرام اور تعظیم کی بناپر عمل میں لایا گیا تہا اور یہ اس سبب سے کہ وہ معصومہ صغیر سن تہیں اور حدِ بلوغ کو نہیں پہنچی تہیں۔ ابن صباغ کہتے ہیں کہ یہ ماجرا ۱۷ھ ہجری کا ہے اور اس سن کے ذیقعدہ میں حضرت عمر اُس معصومہ کو اپنے تصرف میں لائے اور دین مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا تہا۔ مؤرخ ابو الفدا اور صاحب سیرۃ المحمدیہ نے بھی حضرت عمر کے اس عقد کے مضمون کو لکھا ہی۔ اسی طرح بعض شیعہ علما بھی اس عقد کے وقوع سے اقرار کرتے ہیں بلکہ مشرح طور پر اپنی اپنی تصنیف میں اس حیرت خیز واقعہ کو جگہ دیتے گئے ہیں جیسا کہ حدیقۃ الشیعہ مصنفہ شیخ احمد اردبیلی کے صفحہ ۸۶ میں مندرج ہے

اور بھی قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین کتاب استغاثہ پر حوالہ کرکے حوالۂ قلم کیا ہے میں یہاں حدیقۃ الشیعہ کی تحریر پر اکتفا کرتا ہوں۔ صاحب کتاب مذکور لکھتے ہیں۔ (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حضرت علیؑ کی خدمت میں خواستگاری ام کلثومؑ کی بنا پر بھیجا۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ علیؑ ہمسے ننگ رکھتے ہیں۔ بخدا میں اُنکے قتل میں کوشش کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو اسکی خبر کرائی۔ حضرت علیؑ نے اسے سُنکر فرمایا کہ قتل کیا جانا اور ہے اور بیٹی دینا اور ہے۔ میں ہرگز انہیں بیٹی نہ دونگا اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم جمعہ کے دن مسجد میں حاضر ہونا تاکہ جو کچھ وہاں گذرے اُسے تم سُن سکو۔ حضرت عباسؓ روز جمعہ کو مسجد میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ کو بعد خطبہ کے یہ کہتے سُنا کہ "اَیُّھَا النَّاس" اصحاب رسول اللہؐ میں ایک شخص ہے جسنے زنا کیا ہے مگر اُسکے اس فعل کا کوئی گواہ نہیں ہے" تم سب ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ مسجد کی ہر طرف سے شور اُٹھا کہ امیر المومنین کو گواہ کی حاجت نہیں ہے۔ اگر حکم دیا جائے تو ہم اس زانی کو قتل کرڈالیں۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ منبر سے اُتر آئے۔ اور حضرت عباس سے فرمانے لگے کہ اگر علیؑ مجھو بیٹی نہیں دینگے تو جو کچھ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ ویسا ہی کرینگے۔ حضرت عباسؓ یہ سُنکر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور حقیقت حال بیان کی حضرت علیؑ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپکے کہنے کے پہلے ہم اسکو جان چکے تھے مگر ہم بیٹی نہ دینگے۔ حضرت عباس نے کہا کہ عمر ایک شخص بے شرم اور ستیزہ کار ہے اگر آپ بیٹی نہ دیجیگا ہم بضرورت اُس لڑکی کو حضرت عمرؓ کو دیدینگے اور یہ اس غرض سے کہ خصومت دور ہو جائے۔ ہم بھی سمجھینگے کہ یہ بیٹی کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ پس حضرت عباس نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر علیؑ کو بیٹی دینے سے انکار ہے تو ہمیں انکار نہیں ہے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ عباسؓ علیؑ کے چچا ہیں وہ وکالتاً علیؑ کی بیٹی مجھے دیتے ہیں۔ یہ روایت فرقۂ شیعہ کی ہے۔ عموماً ہم اس تصنیف میں شیعوں کی کسی کتاب سے سند نہیں لیتے ہیں۔ حضرات ناظرین اس روایت کو جس نظر سے دیکھیں دیکھیں مجھے یہاں پر اسکی نسبت اظہار رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ المختصر فریقین کی کتابوں میں یہ قصہ حضرت ام کلثومؑ کے عقد کا دیکھا جاتا ہے۔ مگر راقم کی دانست میں حضرت عمرؓ کا عقد حضرت ام کلثومؑ بنت فاطمہؑ کے ساتھ ہرگز ظہور میں نہیں آیا۔ اسلیے کہ حسب قول ابن صباغ اس معصومہ کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ سنہ ۱۷ ہجری میں انجام پایا۔ اُسوقت وہ معصومہ ضرور ہے کہ بہت صغیر سن ہوں۔ اگر کم عمر نہ تھیں تو حسب قول ابن حجر حضرت عمرؓ قبل از نکاح اُس معصومہ کا بوسہ کیونکر لے سکتے وغیرہ وغیرہ۔ پھر وہی ابن صباغ لکھتے ہیں کہ اس سال کے ذیقعدہ میں حضرت عمرؓ اُس معصومہ کے متصرف ہوئے۔ بلاشبہ اسقدر کم سن لڑکی کے ساتھ ہمبستر ہونا ایک امر تمامتر خلاف عقل ہے۔ ظاہرا راقم کو یہ سب باتیں بے سروپا معلوم ہوتی ہیں۔ راقم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت ابابکر کے ساتھ عقد کیا تھا۔ اُس ام کلثوم کے ماں حضرت علیؑ کی

نکاح میں آئی تھیں اور اس رو سے حضرت علیؑ کی دختر ربیبہ تھیں۔ راقم کے قیاس میں فریقین کے علماء کا اقرار عقدِ امِ کلثوم بنت علیؑ سے کسی خاص غرض پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ علمائے اہلِ سنت اس واقعہ کے قائل اس نظر سے ہوئے ہیں کہ اس عقد کی بدولت رسول اللہ کی دامادی کی بنا پر حضرت عمر قطعی جنتی ثابت ہوئے جاتے ہیں۔ علمائے امامیہ اس واقعہ سے اقرار اس مطلب سے کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کا ظالم اور غاصب ہونا ظاہر ہوتا ہے جو عقلاً قطعی جنتی ہونے کی شان نہیں ہو سکتی ہے۔ خیر۔ ہم ذیل میں اپنے خیالات علمائے اہلِ سنت کی تحریرات کی بنا پر حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

اگر حضراتِ اہلِ سنت کی تحقیق درست ہے تو یہ معاملہ عقد کا بہت سے زشت پہلو رکھتا ہے۔ واہ قطعی جنتی بننے کی حضرت عمر نے خوب راہ نکالی۔ ساٹھ برس سے متجاوز سن میں ایک نہایت صغیر سن بے مادر لڑکی سے اُسکے باپ کی مرضی کے خلاف درحالیکہ اُس غریب لڑکی کی ایک مناسب جگہ نسبت ہو چکی تھی عقد فرما لیا خدا کے واسطے اے ساکنانِ دنیا سن و سال بھی معاملاتِ عقد و نکاح میں قابلِ لحاظ امور ہوتے ہیں۔ اپنے قطعی جنتی بننے کے لئے اگر کوئی دوسرا شخص جیتے جی دوزخ میں چلا جائے تو چلا جائے ایک طرفہ مضمون ہے۔ ایسے عقد سے امِ کلثوم اس دنیا کے دوزخ میں تو ضرور پڑ گئیں گو اُنپر آخرت کا دوزخ بالیقین حرام ہے۔ لاریب ایسی حرکت کوئی خیر اندیش بنی آدم کا نہیں کر سکتا۔ ایسے فعل کے مرتکب ہونے کیلئے بڑی شقاوتِ قلبی کی ضرورت ہے۔ یہ امر کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر کی منت و سماجت پر اُس آسان طور سے جیسا کہ کتاب اسعاف الراغبین میں لکھا ہے۔ امِ کلثوم کو بطرز عروس آراستہ کرکے حضرت عمر کے پاس بھیجدیا نہایت توقع کے باہر ہے۔ ضرور ہے کہ حضرت عمر حضرت علیؑ کے ساتھ نہایت درشتی کے ساتھ پیش آئے حضرت عمر نے الزام زنا کا حضرت علیؑ پر عاید کیا یا نہیں مگر اسمیں خس ابرابر شک نہیں ہے کہ ایسی درشت کارروائی کیگئی کہ علیؑ کو اپنی مرضی کے خلاف اس معاملہ میں سکوت اختیار کرنا پڑا۔ خیر۔ اگر کتابِ بالا کا مضمون صحیح ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم اسقدر کمزور ہو گئے تھے اور اُنکی شان اسقدر کم ہو گئی تھی کہ حضرت خلیفہ اُس وقت کے سردار بنی ہاشم کی ایک نہایت صغیر سن لڑکی کو اس آسانی کے ساتھ اپنے عقد میں لے آئے مجھے اس کتاب میں اسیقدر دکھلانا ہے کہ آلِ محمدؐ کی ہر طرح کی ذلتیں کیونکر وجود میں آتی گئیں یہانتک کہ واقعۂ کربلا ظہور میں آیا اور اُسکے بعد سادات کشیاں اور طرح طرح کی آلِ محمدؐ کے ساتھ بے اعتنائیاں واقع ہوتی گئیں۔ یہ واقعہ عقدِ امِ کلثوم کا حسبِ بیانِ علمائے اہلِ سنت ایک ملال خیز واقعہ ہے۔ اور بالیقین آلِ محمدؐ کی بڑی ذلت اور کمزوری کی خبر دیتا ہے۔ اس واقعہ کے وحشت انگیز ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ ہرچند مولوی سید مہدی علیصاحب عرف نواب محسن الملک بہادر نے حضرت عمر کی اس حیرت انگیز کارروائی کی بڑی تائید کی ہے مگر چونکہ نواب ممدوح خود لاولد تھے اس عقدِ بے سروپا کی ایذا رسانیوں کو اپنے اوپر قیاس کرنے سے مجبور رہے۔ اے ساکنانِ دنیا عام اس سے کہ تم یہود ہو یا ہندو عیسائی ہو یا مسلمان لامذہب ہو

یا بامذہب - میں تمسے پوچھتا ہوں کہ تمہارا دل کیا کہیگا اگر تمہاری کوئی چار یا پانچ برس کی بیٹی ہو اور باپ کی حیثیت سے تم اُسے ایک معقول اور مناسب دولہا سے بیاہنا چاہتے ہو - لیکن کوئی ایک بوڑھا ساٹھ برس کا بیچ میں کود پڑے اور زور دکھا کر تمہاری معصوم بچی کو اپنے پاس بلوالے اور جب وہ صغیر سن بچی اُس بوڑھے کے پاس پہنچ جائے تو وہ قبل از نکاح اُسکو اپنی گود میں بٹھلائے اور پھر وہ بوڑھا اُسکا بوسہ لے اور اُسکو اُسکے گھر واپس آنیکے وقت اُسکی ران تھام لے - اے دنیا میں صغیر سن بیٹی رکھنے والو سچ کہو کیا تمکو یہ سب عمری کارروائیاں کبھی پسند آسکتی ہیں - ضرور تمہاری شرافت اور نجابت چلا اُٹھیگی کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں - جائے لحاظ ہو کہ ابن حجر صاحب نے حضرت عمر کے بوسہ لینے کی توجیہ تو اس طور پر کرادی کہ بوسہ لینا براہِ اکرام و تعظیم تھا مگر ران تھامنے کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے شاید ابن حجر کے قبیلہ میں غیر محرم عورتوں کا ران تھموانا ایک رسمی امر تھا جو اُس محقق نامی کو قابل توجیہ نہیں معلوم ہوا - المختصر حضرت عمر کا یہ سارا قصہ عجب طرح کا ایذادہ معلوم ہوتا ہے - قطعی جنتی ہونیکی تمنا میں ایک ایسی بیگناہ معصوم صغیرسن اور بے مادر لڑکی کی قربانی کو روا رکھنا کسی مذہب میں جائز نہیں ہو سکتا - تماشا ہے کہ حسب عقیدہ حضرات اہل سنت حضرت خلیفہ داخل عشرۂ مبشرہ ہونیکے باعث قطعی جنتی تو تھے ہی - پھر کیا ضرورت آپڑی جو ایسی لڑکی اور اُسکے باپ اور نیز اُسکے تمام قبیلہ پر ایسا ظلم شدید روا رکھا گیا - اے اہلِ انصاف اسے ظلم شدید نہ کہینگے تو کیا کہینگے - شیعوں کے راویوں کو تو دور کیجیے اہلِ سنت کے بیانات سے یہ قصہ عقد ام کلثوم کا کیا کم مقدوح نظر آتا ہے - حق یہ ہو کہ اگر علمائے اہل سنت کا بیان صحیح ہے تو یہ لڑکی بنی ہاشم کی چھین لی گئی ہے - ہرگز ہرگز حضرت علیؑ کی رضامندی سے اُم کلثوم کا عقد حضرت عمر کے ساتھ عمل میں نہیں آیا حضرت علیؑ بیحد حضرت عمر سے نافر تھے - نفرت کی ہزاروں وجہیں تھیں - حضرت علی حضرت عمر کو اپنا جانی اور مالی دشمن جانتے تھے جیسا کہ اہل تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہو - یہ امر خیال سے باہر ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی بیٹی حضرت عمر کو خوشی سے دی ہوگی - اس پر ایک بھاری دلیل یہ ہو کہ رسولؐ خدا نے بھی اپنی بیٹی حضرت فاطمہ درخواستِ حضرت عمر پر نہیں دی تھی پس علیؑ کہ جو قدم بقدم حضرت رسولؐ خدا کی راہ پر چلتے تھے ممکن نہ تھا کہ حضرت عمر کو اپنی بیٹی دیکر رسولؐ اللہ کی مصلحت کے خلاف عامل ہو سکتے - اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے اس انکار کے باعث حضرت عمر کو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ سے قلبی عداوت پیدا ہو گئی تھی اور یہ عداوت حضرت عمر کی آخر عمر تک قائم رہی - یہ ایک بڑا جھوٹ مسلمانوں میں مانا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمر میں محبت یا اتفاق کی صورت پیدا تھی - ان دونوں کی نااتفاقی حد درجہ کی ہو رہی تھی اور یہ کوئی خلافِ توقع امر نہ تھا خصوصاً اس حال میں کہ حضرت علیؑ اور حضرت عمر طبیعت و تعلیم سے کسیطرح کی ہم مذاقی نہیں رکھتے تھے - خیر - اگر بالفرض یہ واقعہ سچ ہے جیسا کہ اہلِ سنت کہتے ہیں تو اتنا کہدینا ضرور ہے کہ حضرت عمر ایک بڑے بھاری ارادے کے بزرگ تھے - اسلیے کہ اگر رسولؐ اللہ کے

زمانہ مین حضرت فاطمہؑ کو حبالۂ نکاح مین نہ لاسکے تو نہ لاسکے بعد رسول اللہ حضرت فاطمہؑ کی اسقدر صغیر سن بیٹی کو تو اپنے عقد مین لے آئے۔ قوت ارادہ ایک بڑی چیز ہے آخر کار اُس قوت کی بدولت کس آسانی کے ساتھ حضرت عمرؓ نے اپنے کو قطعی جنتی بنا ڈالا۔ واہ واہ واہ ماشاء اللہ۔ صاحب تدبیر ہونا بھی کیا چیز ہے۔

عقیدہ پنجتن پاک کا خاص عقیدہ شیعون کا ہے

اب راقم الحروف اُس اختلاف فریقین کو دکھلاتا ہے جو مضمون پنجتن پاک سے تعلق رکھتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ پنجتن پاک شیعون کا عقیدۂ خاص ہے۔ اس عقیدہ سے اہل سنت خس برابر بھی تعلق نہین رکھ سکتے ہین۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرات علمائے اہل سنت آیۂ تطہیر کو رسول خداؐ علیؑ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ کسی طرح پر مخصوص نہین جانتے ہین نہ آیۂ مباہلہ کو علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ سے بالتخصیص متعلق سمجھتے ہین۔ آیۂ تطہیر مین حضرت عائشہ حضرت زبیر حضرت طلحہ وغیرہ وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہین جس سے پنجتن سے زیادہ تن ہوجاتے ہین۔ ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے پنجتن پاک کا مضمون تمامتر رخصت ہوا جاتا ہے۔ بعض حضرات اہل سنت جو عقیدۂ پنجتن پاک کے پابند نظر آتے ہین وہ یقیناً بیقاعدہ اور بے اصول سُنی ہین۔ جو چیز اُنکے مذہب مین نہین ہے اُسکی پابندی اُنکی لاعلمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسے سنیون کو شیعہ ہوجانے کیلیے کس نے منع کیا ہے۔ سُنی ہوکر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد۔ یہ اُسیطرح کی بات ہے جیسا کہ بعض حضرات اہل سنت چہاردہ معصوم کا عقیدہ بھی رکھتے ہین حالانکہ مذہب اہل سنت کو عقیدۂ چہاردہ معصوم سے بھی کوئی تعلق نہین ہے۔ یہان پر یہ بھی گزارش کردینا ضرور ہے کہ حضرات اہل تسنن کے عقیدہ کے مطابق خاندان پیمبرؐ کے ائمہ اثنا عشر علیؑ مرتضےٰ اور امام مہدیؑ آخر الزمان کے سوا کسی طرح عقائد مذہبی مین داخل نہین ہین۔ جناب علیؑ مرتضےٰ چونکہ خلیفہ چہارم ہین اسلیے خلفائے راشدین مین داخل ہین اور بھی یکے از دوازدہ خلفائے اہل سنت ہین اور امام مہدی علیہ السلام حسب عقیدۂ اہل سنت قیامت کے قریب تشریف لائینگے اسلئے عقیدۂ اہل تسنن مین داخل ہین۔ ورنہ خاندان پیغمبرؐ کے بقیہ ائمہ اصول اہل سنت کے نزدیک نہ خلفائے اثنا عشر مین داخل ہین اور نہ امام یا مجتہد کا پایہ رکھتے ہین۔ اصولی اہل سنت کے نزدیک اِن ائمہ کو کسی طرح کی دینی حیثیت حاصل نہین ہے اور نہ اُنکی حدیثین قابل اعتماد ہین اور نہ اُنکے اجتہادات قابل پذیرائی ہین۔ اہل سنت کے برخلاف علمائے امامیہ خاندان پیغمبرؐ کے امامون کو از علیؑ مرتضےٰ تا امام آخر الزمان یعنی امام مہدی علیہ السلام خلیفۂ رسول اللہ جانتے ہین اور خلافت کو امامت سے علٰحدہ نہین مانتے۔

خلافت امامت سے جدا نہین ہو سکتی

علمائے اہل سنت بہی بقول علامۂ دمیری خلافت کو امامت سے علٰحدہ نہین کرتے ہین اور حقیقت حال بہی یہی ہے کہ خلافت امامت سے علٰحدہ قرار نہین پا سکتی ہے - یہ امر محض بے معنے ہے کہ خلفا اور ہون اور ائمۂ اور ہون - ضرور ہے کہ جو خلیفہ ہو وہی امام بہی ہو - حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ بہی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین (صفحہ ۱۹۶) مین حضرات خلفائے اربعہ کو لفظ ائمۂ کے ساتھ ذکر فرماتے ہین جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات علاوہ خلفا ہونیکے امام کی حیثیت بہی رکہتے تہے - پس جب اہل سنت خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کو جناب حسنؑ مجتبےٰ سے لیکر جناب امام حسن عسکری تک رسولؐ اللہ کا خلیفہ نہین جانتے تو اُن ائمۂ کو بہی ایسے ائمۂ نہین مان سکتے - جنکی اطاعت اوامر و نواہی مین قطعی طور پر فرض سمجہی جا سکے - حقیقت حال یہ ہے کہ حضرات اہل سنت خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ساتھ از جناب حسنؑ مجتبےٰ تا امام حسنؑ عسکری کسی طرح کا مذہبی تعلق نہین رکہتے - حضرات اہل تسنن کو جو کچہ مذہبی شغف یا تعلق ہے حضرات ائمۂ اربعہ مین امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبل کے ساتھ ہے - اسلیے حضرات اہل تسنن سے صوفی مشربون کے سوا شاید دس ہزار مین سے ایک ہی دو ایسے آدمی نکلینگے جو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ناموں کو ترتیب کے ساتھ زبان پر لا سکتے ہون -
ظاہر ہے کہ جب ان ائمۂ خاندان پیغمبرؐ سے کوئی مذہبی تعلق نہین ہے تو اُنکے اسمائے پاک کو یاد رکہنے سے کیا حاصل - اُن ائمۂ کرام سے حضرات غیر امامیہ کی جب کوئی غرض قرآن و حدیث و فقہ و فرائض کے لگاؤ سے نہین ہے تو اُنسے حضرات غیر امامیہ کی بے سروکاری خلاف فطرت نہین ہے - اسکے برخلاف فرقۂ امامیہ کا معاملہ ہے - اس فرقہ کے چار برس کے بچے بہی نہایت رغبت کے ساتھ مسلسل طور پر نام ائمۂ اثنا عشر کے ورد زبان رکہتے ہین - لاریب یہ صرف ضرورت مذہبی ہے جو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے نام فرقۂ امامیہ کی زبان پر جاری رہتے ہین - اگر کوئی مذہبی ضرورت حضرات اہل سنت کو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ساتھ ہوتی تو یہ حضرات بہی حضرات امامیہ کی طرح اُن اماموں کے ناموں کو ترتیب کے ساتھ یاد رکہتے - اب قبل اسکے کہ راقم واقعۂ کربلا کی طرف ناظرین کی توجہ کا طالب ہو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے معاملات بہی مختصر طور پر درج ہذا کر دے -

تحریرات مشتمل بر فضائل حضرت علی علیہ السلام و استحقاق خلافت آنجناب -

نام پاک آپ کا علیؑ ہے اور کنیت ابو الحسنؑ اور ابو تراب - آپ کے والد بزرگوار کا نام

حضرت ابوطالب ہے ۔ اسلیے آپ کو علیؑ ابن ابی طالب کہتے ہین ۔ ابوطالب پیغمبرِ خدا کے حقیقی چچا ہے
پیدایش آپکی ۲۳ برس ہجرت کے قبل ظہور مین آئی اور شہادت سنہ ۴۰ ہجری مین بمقام کوفہ بدستِ
عبدالرحمن ابنِ ملجم واقع ہوئی وقت شہادت سن شریف آپکا ۶۳ برس کا تہا ۔ آپ مان اور باپ
دونو طرف سے بنی ہاشم تھے ۔ کسواسطے کہ مان آپ کی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہین ۔ آپکے فضائل
ومحامد ذیل مین نہایت مختصر طور پر حصول سعادت کی نظر سے عرض کیے جاتے ہین ۔

(۱) ۔ آپ پیغمبرِ خدا کے محسن زادے ہین ۔ اسلیے کہ حضرت رسولؐ خدا یتیم تھے ۔ حضرت ابوطالب نے
آنحضرت کو پالا اور بے پدری کے غم کو آپکے قلبِ مبارک مین نہ آنے دیا ۔ جب تک زندہ رہے
آنحضرت کے جان و دل سے معینؔ و مددگار رہے اور کفار مکہ کے وار روکتے رہے (دیکھو کتب تواریخ)
اور اپنے عرصۂ حیات تک جناب پیغمبرِ خدا پر کسی طرح کا آسیب نہ آنے دیا ۔ اے حضرات ناظرین ۔
حضرت علیؑ کی محسن زادگی کوئی خفیف امر نہین ہے ۔ کور ازلی کو اسکی عظمت نہ سجھائی دی تو مجبوری ہے
چشمِ بینا رکہنے والے کس نظر سے اسکی بلند پایگی کو دیکھتے ہین ۔ لمؤلفہ ۔

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے ۔ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے ۔

(۲) ۔ حسب ونسب مین آپ جناب رسولؐ خدا کے ہمسر تھے ۔ آپس کا رشتہ خون محتاج بیان
نہین ہے ۔

(۳) ۔ جناب رسولؐ خدا آپکو اپنا جان وتن سمجھتے تھے جیسا کہ فرمودہ آنحضرت کا ہے ۔ لَحْمُكَ لَحْمِي وَ
دَمُكَ دَمِي وَنَفْسُكَ نَفْسِي وَرُوحُكَ رُوحِي ۔ گر لحمک لحمی یہ حدیث نبویؐ ہے ۔ بے صل علیؑ
نام علیؑ بے ادبی ہے ۔

(۴) ۔ حسب ارشاد نبویؐ یعنی انا و علیؑ مِن نُورٍ وَّاحِدٍ " جناب رسول اللہؐ کی خلقت اور آپکی خلقت
نورِ واحد سے تھی ۔

اس حدیث کو بڑے بڑے علما نے اپنی اپنی تصنیفات مین جگہہ دی ہے اور سب نے اس کو صحیح
مانا ہے ۔ اس حدیث کے صحیح ماننے والے علما کی ایک پلٹن نظر آتی ہے ۔ مگر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب
نے بہ تبعیت ملائے کابلی اس حدیث کو اپنے تحفہ مین موضوع قرار دیدیا ہے ۔ اس حدیث پر کیا موقوف ہے
شاہ صاحب کی ساری کتاب ملائے کابلی کی نقل معلوم ہوتی ہے ۔ ملائے کابلی اگر دنیا مین نہ ہوتا تو
تحفہ کا بہی وجود نہوتا ۔ یہ ملا صاحب اہل بیت کے سخت مخالف تھے ۔ پس جناب شاہ صاحب کو بہی
انکی تبعیت سی چارہ نہ تہا ۔ نعوذ باللہ کن کن تحریفات کے ذریعہ سے ملائے کابلی نے اس حدیث کو ضعیف
قرار دیا ہے ۔ مگر خاک ڈالنے سے چاند نہین چھپتا ۔ جنکو اس حدیث کی اصلیت کی تحقیق منظور ہو دیکھے
نادر حسین صاحب کی تصنیف اتحاف الاسلام کو دیکھین صفحہ ۵ ۔ واقعی سنیت کی بنا مخالفت اہل بیت ہے

اہل بیت کی کوئی خوبی اہل خلاف کی نظر مین جگہ نہین کر سکتی - اس حدیث نور کو موضوع قرار دینا ملائی کابلی اور جناب شاہ صاحب ہی کا کام تھا فقط -

(۵)- آپ داماد پیغمبر خدا کے تھے اور داماد بھی کیسے کہ حضرت خیر النسا جناب فاطمۃ الزہرا کے شوہر

(۶)- آپ داخل آل عبا ہین - یعنی انھین سے ہین جو جناب رسول اللہ کے کمل مین حکم جناب رسول اللہ صلعم در آئے تھے اور جناب رسول اللہ نے انکو کمل مین لیکر آیت تطہیر یعنی - اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً - پڑہی تہی -

(۷)۔ آپ یکے از اہل بیت نبوی ہین - خدا تعالے آپکو اور آپکی بی بی کو اور آپ کے دونون بیٹون کو لفظ اہل بیت کے ساتھ خطاب کرتا ہے - جیسا کہ آیت مذکور مین واقع ہے اور نیز احادیث نبوی سے آپکا یکے از اہل بیت ہونا ثابت ہے -

(۸)- آپ یکے از پنجتن پاک ہین - پنجتن پاک عبارت ہے جناب رسول خدا جناب علی مرتضے - جناب فاطمۃ الزہرا - اور حسنین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پنجتن پاک کا مضمون آیت تطہیر سے ثابت ہوتا ہے نیز آیت مباہلہ سے -

(۹)- آپ یکے از چہاردہ معصوم ہین - چہاردہ معصوم عبارت ہے جناب پیغمبر خدا و حضرت خاتون جنت یعنی جناب فاطمۃ الزہرا اور دوازدہ امام سے - دوازدہ امام کی نسبت ابن عباس یہ حدیث روایت کرتے ہین کہ ایک یہودی رسول اللہ کے پاس آیا - نام اُسکا نعثل تہا - اسنے کہا کہ اے محمد مین سوال کرتا ہون اُن امور سے کہ میرے سینہ مین خلش انگیز ہین - اگر اُنکا جواب دوگے تو مین تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤنگا پس مجہے خبر دیجیے کہ آپکا وصی کون ہے - ہمارے موسےٰ بن عمران نے وصی اپنا یوشع بن نون کو کیا تہا آنحضرت نے فرمایا کہ ہان وصی اور خلیفہ میرے بعد میرے علیؑ ابن ابی طالب ہین و بعدہ دونون فرزند حسنؑ اور حسینؑ اور صلب حسینؑ سے نو ائمۂ ابرار ہونگے - یہودی نے کہا کہ اُنکے نام تو آپ بتلائیے آپ نے فرمایا کہ بعد از حسینؑ علیؑ بن الحسین و بعدہ محمد باقر و بعدہ جعفر صادق و بعدہ موسیؑ کاظم و بعدہ علی رضا و بعدہ محمد جواد و بعدہ حسن عسکری و بعدہ حجت اللہ المہدی (صلوٰۃ اللہ علیہم ابداً ابدا) علی الہادی و بعدہ
پس یہ لوگ بارہ امام ہین - نقبائے بنی اسرائیل کے عدد کے برابر - یہودی نے پوچہا کہ مسکن آپکا کہان ہوگا حضرت نے فرمایا کہ جنت مین میرے ساتھ میرے درجہ مین - تب اُسنے کلمہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللّٰہ کہنا شروع کیا اور کہا کہ بیشک یہ اوصیا برحق ہین ایسا ہی مینے کتب موسےٰ مین پایا ہے کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونگے اور نام اُنکا احمد ہوگا اور بعد اُنکے پہر نبوت نہوگی اور اُنکے صلب سے ائمۂ ابرار پیدا ہونگے اس حدیث کو روایت کیا ہے شعبی نے کشف الغمہ مین اور اخطب خوارزمی و حمویہ جوینی و ابن نجار عبد اللہ بن احمد اپنی اپنی تصنیف مین اسکو داخل کرتے گئے ہین - واضح ہو کہ معصوم عبارت ہے ایسے شخص سے کہ

گناہ کبیرہ وصغیرہ سے پاک ہو۔ پس جس طرح جناب پیغمبر خدا معصوم ہین اُسیطرح حضرت خاتون جنت اور بقیہ حضرات ائمۂ اثنا عشر بھی معصوم ہین۔ راقم کا مذہب یہی ہے کہ یہ چہاردہ تن صغار و کبار سے تمامتر پاک ہین۔ لیکن غیر امامیہ جناب رسول اللہ کے سوا کسیکو معصوم نہین جانتے ہین بلکہ ایک فرقہ اہل سنت کا ایسا بھی ہے کہ جناب رسول خدا کو بھی نزول وحی کے وقت کے سوا غیر معصوم جانتا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

(۱۰)۔ آپ اول خیل ائمہ سے ہین۔ واضح ہو کہ خاندان پیغمبر کے ائمہ بارہ حضرات ہین اول امام المتقین سے علیؑ مرتضےٰ دوم امام حسنؑ مجتبےٰ سوم امام حسینؑ شہید کربلا چہارم امام سید الساجدین زین العابدین حضرت سجادؑ پنجم امام محمد باقرؑ ششم امام جعفر صادقؑ ہفتم امام موسیٰ کاظمؑ ہشتم امام علی رضاؑ نہم امام محمد تقیؑ دہم امام علی نقیؑ یازدہم امام حسن عسکریؑ دوازدہم امام محمد مہدیؑ صاحب العصر والزمان علیہم الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام۔ یہ ائمہ معصومین جناب رسول اللہ کے جانشین ہین اور بسبب وفور علم اور وہبی کمالات کے دین محمدی کے فروغ دینے والے گذرے ہین۔ جتنے سادات ہین انہی حضرات سے تعلق نسبی رکھتے ہین اور بقول علامہ ابن قتیبہ ایک وقت مین کل سادات انہی حضرات ائمہ کے طریقے کے پابند تھے۔ ان جگر گوشگان رسول اللہ کے فضائل شمار سے بیرون ہین۔ دوستداران خاندان محمدؐ اُنپر درود وسلام بھیجین۔

(۱۱) آپ آیت مباہلہ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ ۔ کے رو سے بھی داخل اہل بیت ہین۔ مسلم سعد ابن ابی وقاص سے روایت کرتے ہین کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تب جناب رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِي۔

(۱۲)۔ آپ رسول اللہ کے نزدیک سب اشخاص سے زیادہ حبیب تھے۔ جیساکہ حدیث طیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا کے آگے ایک مرغ بریان رکھا ہوا تھا اور آپ دعا مانگ رہے تھے کہ "الٰہی اُس شخص کو بھیج دے کہ ساری خلقت سے جو تیرا زیادہ محبوب ہے تاکہ وہ میرے ساتھ اس طیر کو تناول کرے۔" انس بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہین کہتے ہین کہ مین خدا سے دعا مانگتا تھا کہ ایسا شخص میری قوم انصار سے ہو مگر کچھ دیر نگذری تھی کہ حضرت علیؑ آئے اور آپنے جناب رسول اللہ کے ساتھ اُس طیر کو تناول فرمایا۔

(۱۳)۔ آپ رسول اللہ کے بھائی دین اور دنیا مین ہین۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ اَخِیْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

۱۴۔ آپ رسول اللہ کے بے مثل ہارون کی تھے جیساکہ حدیث۔ اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى ۔ اسپر دال ہے دیکھو بخاری جلد ۲۔ صفحہ ۹۰ نیز مسلم جلد ۲۔

(۱۵) - آپ کو رسولؐ اللہ کے ساتھ درجہ عینیت حاصل ہے - جیسا کہ جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا ہی کہ اِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ - اس حدیث کو عمران بن حصین سے ترمذی نے روایت کیا ہی علاوہ اسکے حدیث نور و حدیث لَحْمُكَ لَحْمِي وغیرہ سے بھی اپ کی عینیت جناب رسولؐ اللہ کے ساتھ ثابت ہوتی ہی - معلوم ہوتا ہے کہ ان حدیثون سے حضرت عمرؓ خبر نہین رکھتے تھے ورنہ مواقع بسیار مین حضرت علیؑ کے ساتھ درشتی سے پیش نہ آتے مثلاً حضرت عمرؓ کا حضرت علیؑ سے یہ فرمانا کہ مین تیری گردن مارونگا اور تو رسولؐ اللہ کا بھائی نہین ہے وغیرہ وغیرہ -

(۱۶) - آپ جمیع مومنین کے ولی و مولے یعنی آقا ہین - اس قول کی مثبت حدیث بالا اور حدیث خم غدیر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ہین - ضرورت مذہبی سے جن صاحبون نے ولی و مولے کی معنی دوست محب اور ناصر قرار دیے ہین اور اس ترکیب سے علی مرتضےٰ کے آقائے جمیع مومنین ہونے سے چشم پوشی اختیار کی ہے اُن حضرات نے درحقیقت جناب رسولؐ خدا کے آقائے مومنین ہونے سے دریدہ انکار کیا ہے - کسواسطے کہ ان حدیثون سے جو نسبت حضرت علیؑ کے ساتھ رسولؐ خدا کے پیدا ہے وہ ایسی ہی کہ محض یگانگی سے خبر دیتی ہے ایسی صورت مین ضرور ہے کہ جو مرتبہ جناب رسولؐ اللہ کا جمیع مومنین و مسلمین سمجھین اپنے مقابلہ مین وہی مرتبہ علیؑ مرتضےٰ کا بھی مانین - ان حدیثون کی بنیاد پر کبھی ایسا قیاس نہین کیا جاسکتا ہی کہ پیغمبر خدا کا آقائے مومنین ہونا تو ماننا چاہیے مگر علیؑ مجرد دوست محب اور ناصر سمجھے جائین زینہار ان حدیثون مین لفظ مولے یا ولی اس طور پر نہین استعمال کیا گیا ہے کہ پیغمبر خدا کی نسبت کے ساتھ تو آقائے مومنین کی معنی پیدا کرے - اور حضرت علیؑ کی طرف جب منسوب کیا جائے تو اسکی معنی ناصر اور محب اور دوست سمجھے جائین - ان دونون حدیثون کے الفاظ نہ مغلق ہین اور نہ ترکیب یہان کی شوار ہی فہم معمولی کے خلاف بھی کوئی امر نہین ہے - اسپر اگر ناحق کے جھگڑے پیدا کیے جائین تو یہ دوسری بات ہے - واقعی محبت علیؑ ایک امر منجانب اللہ ہے جسکو خدا تعالےٰ چاہے عطا فرمائے - ع

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ -

واضح ہو کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو ایک خاص رنگ کا جامۂ معنے پہنانے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنا مخالفت اہل بیت پر ہے اور گو حضرات اہل سنت اس طرح کی مخالفت کا اقرار نہین کرتے مگر انکی تمام تاویلات وغیرہ حقیقت حال کو ظاہر کیے دیتی ہین -

(۱۷) - آپ رسولؐ اللہ کی جانب سے ادائے حق کرنیکے تمامتر سزاوار تھے - اس قول کی مثبت یہ حدیث یعنی - عَلِيٌّ مِنِّي وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ - راوی اس حدیث کے حبشی بن جنادہ ہین معنی اس حدیث کی یہ ہین کہ علیؑ مجھسے ہے اور مین علیؑ سے ہون اور نہین کوئی حق ادا کریگا میری طرف سے مگر مین یا علیؑ - اس حدیث کا قصہ نقض عہد مشرکین مکہ سے متعلق ہے - حضرت رسولؐ خدا نے

پہلے حضرت ابوبکر کو احکام خداوندی لیکر اہل مکہ کیطرف بھیجا تھا۔ مگر کچھ منزل حضرت ابوبکر مکہ کی طرف جا چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی جسکا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ خود مکہ کو تشریف لیجائیں یا اپنے برابر کے عزیز سے احکام خداوندی کو اہل مکہ تک پہنچائیں۔ اس وحی کے آنے پر حضرت رسول خدا نے علیؑ کو مکہ کی طرف روانہ کیا اور یہ ہدایت فرما دی کہ راہ میں حضرت ابوبکر سے احکام خداوندی کو لیکر اہل مکہ کو سُنا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکر مدینہ کو واپس چلے آئے۔ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل کی صلاحیت یا حضرت رسول خدا رکھتے تھے یا حضرت علیؑ۔ حقیقت حال تو یہی ہے مگر علیؑ کے مخالفین آپ کی بلند پایگی سے تمامتر چشم پوشی کرتے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

(۱۸)۔ آپکی پیدائش کعبہ میں ہوئی اور شہادت مسجد میں۔ کعبہ میں حیات اور مسجد میں ممات۔ جو کچھ پایا خدا کے گھر سے پایا۔ یہ خاص شرف حضرت علیؑ کا ہے۔ مگر اس شرف کو ڈھا دینے کے لیے تیسری صدی میں ایک روایت حکیم بن حزام کے لیے وضع کیگئی جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شخص بھی خانۂ کعبہ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ روایت کوئی پایۂ اعتبار نہیں رکھتی ہے صرف سُنّیت کی جلوہ گری رکھتی ہے۔ خانۂ کعبہ میں حضرت مولےٰ کی پیدائش خمیس دیار بکری چھاپہ مصر صفحہ ۹، ۲ و مطالب السئول صفحہ ۷، ۳ و تذکرۂ خواص الامہ مولفۂ سبط ابن الجوزی میں مندرج ہے۔

(۱۹)۔ آپ بہ اسباب ظاہر سب سے اول اسلام قبول کرنیوالے ہیں۔ اس لیے یوں ارشاد فرمائے ہیں سَبَقْتُكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا ٭ غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِ۔ لفظ طُرًّا قابل لحاظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول فرمایا تھا۔ یہ تو عالم اسباب کی بات ہے ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ جب آپ اور جناب رسول خدا نور واحد سے ہیں تو کسی وقت میں بھی آپ کی طرف شرک و کفر کی نسبت نہیں کیجا سکتی

(۲۰)۔ آپ بڑے صاحب علم و حکمت تھے۔ اس قول کی نسبت صلعم اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ ہے راوی اسکے ترمذی ہیں۔ یہ حدیث اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ کے لفظوں کے ساتھ بھی مشہور ہے۔ آپکے اقوال خطبات اشعار اجتہادات وغیرہ وغیرہ بڑی علمی حیثیت کی خبر دیتے ہیں۔

(۲۱)۔ آپ بڑے عالم قرآن تھے جیساکہ امام کو ہونا چاہیے۔

(۲۲)۔ آپکو اور قرآن مجید کو جناب رسول اللہ نے ساتھ ساتھ یاد فرمایا ہے۔ جیساکہ فرمودہ آنحضرت کا ہے اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ۔ اس حدیث کو طبرانی نے الاوسط میں داخل کیا ہے دیکھو دراسات اللبیب صفحہ ۱۲ ۱۲۔

(۲۳) آپ قرآن ناطق تھے جیساکہ خود فرمودہ حضرتؐ کا ہے آپکو غیر صادق القول وہی سمجھیگا جو گمراہ ازلی ہوگا۔

(۲۴) - آپ عترت جناب رسول اللہ مین داخل ہونے کے باعث عظمت مین کتاب اللہ کے برابر مین - رسول اللہ فرماتے ہین - اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ - عترتی اور اہل بیتی شئے واحد ہین - اور مراد اُن سے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ ہین - جن حضرات نے عترتی اور اہل بیتی سے صرف نسب مراد لیا ہے عجب حیرت انگیز بات ہے - اسقدر عترت اور اہل بیت مصطفےٰ سے فرار کیا معنی - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب غیرامامیہ کی بنا مخالفت اہل بیت پر واقع ہوئی ہے - ہر جگہہ غیرامامیہ معاملات اہل بیت مین ایک نہ ایک نیش لگا ہی دیتے ہین - واہ واہ یہ کیا خوب تعمیل حکم خدا اور رسولؐ کی ہے -

(۲۵) - آپ حیرت انگیز قوت قضا رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ - اور واقعی آپ کے فیصلے ایسے ہوتے تھے کہ اُسوقت کی دنیا اُنہین تعجب کی آنکھ سے دیکھتی تھی - آپکے بعد لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ قَضِیَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَّهَا - یعنی مقدمہ تو ہے مگر علیؑ نہین جو فیصلہ کرین -

۲۶ - آپ نہایت - حلیم کریم رحیم متعبد نفس کش حیادار باذل سخی جواد شجاع سیر چشم قانع پاکباز منکسر حق گو خداترس مردم شناس علم دان علم پرور علم دوست صابر شاکر جفاکش صاحب ریاضت خوش جمال خوش خصال خوش خیال صادق المقال با استقلال فہیم ذکی متین اور آخر بین تھے محامد اور مناقب آپ کے ایسے نہین ہین کہ احاطۂ تحریر مین آسکین - ع - کس راچہ زور و زہرہ کہ وصف علیؑ کند - اس ناچیز نے مجرد عبادت سمجھکر اسقدر قلم فرسائی کی ہے ورنہ اس سے اوصاف گرامی کا شمار مقصود نہین ہے مسٹر کارلائل اپنی تصنیف نامی مین حضرت علیؑ مرتضےٰ کی نسبت لکھتے ہین کہ " یہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا جسے ہر ایک ضرور ہی پسند کریگا - اس کم عمری مین وعدۂ نصرت نبیؐ کے علاوہ انکے اور باتون سے جو اُس سے ہمیشہ ظہور مین آتی رہین یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا خلیق فاضل اور حد درجہ کا باوفا اور بہادر شخص تھا جسکی آگ کے مانند تیز اور تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہین ٹھیر سکتی تھی اس شخص کی طبیعت مین کچھ عجب انداز کی جوانمردی تھی " یہ لکھکر صاحب اتحاف اہل الاسلام فرماتے ہین کہ اس مقام پر یہ کہنا غیر موزون نہوگا کہ ہائی کورٹ بمبئی کے ایک یوروپین فاضل جج نے ایک مذہبی فیصلہ مین اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے " کہ علیؑ کو سب لوگ دوست رکھتے تھے اور وہ اس قابل تھے بھی " -

اُس زمانہ مین جبکہ شجاعان عرب شہرۂ آفاق تھے ضرغام آل ابوطالب اسد اللہ الغالب آپکا لقب تھا اور لوگ آپ کو اشجع عرب کہا کرتے تھے - شجاعت ہمت حکمت عدالت سخاوت اور زہد و تقویٰ آپ پر ختم اور جنکی مثال صفحات تاریخ عالم مین بہت کم نظر آتی ہے " صاحب اتحاف آگے یہ کہتے ہین کہ منقول ہے کہ عمرو بن عبدود کی بہن جب اسکی لاش پر آئی اور دیکھا کہ اسکے بدن پر بدستور اسکی قیمتی زرہ اور کپڑے موجود ہین تو اُسنے اپنے بھائی کی لاش سے کہا کہ بہ تحقیق تیرا قاتل کفو کریم تھا - اگر ایسا نہوتا تو

ہمیشہ مین تجھ ایسے شیر افگن بھائی کے لیے رویا کرتی مگر اب نہ روؤنگی۔ یہ کہکر کچھ اشعار اُسکی لاش پر پڑہے جنکا ترجمہ یہ ہے ”اگر قاتل عمرو کا کوئی اور ہوتا تو مین تمام عمر اُس پر رویا کرتی لیکن اُسکا قاتل وہ ہے جسمین کسی طرح کا عیب نہین ہے اور ایسا شخص ہے کہ جسکے باپ کا لقب عالم مین پشت بناہ شہر مشہور ہے۔

(۲۷) آپ کی محبت مومنین پر فرض ہے آپکا مخالف مومن نہین ہو سکتا۔ جناب رسول اللہ فرماتے ہین لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ۔ اس حدیث کو حضرت ام سلمہ سے ترمذی روایت کرتے ہین جاننا چاہیے کہ محبت علیؑ کی عین ایمان ہے مگر اس حدیث کی تعمیل کسقدر مفقود نظر آتی ہے۔

(۲۸) آپکی شان مین آیات قرآنی بہت ہین بعض انمین سے ذیل مین رقم ہوتی ہین۔

(۱) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ یہ آیت جناب علی مرتضےٰ کے تصدق خاتم سے متعلق ہے۔ ناسخ فرماتے ہین

انگشتر اپنی دیکے سلیمان کر دیا   طاعت مین بھی سوال سُنا گر فقیر کا

(۲) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ مراد صادقین سے علی مرتضےٰ علیہ السلام ہین بسند تفسیر امام ثعلبی وغیرہ۔

(۳) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ الخ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام و جعفر طیار و حضرت امیر حمزہ علیہم السلام کے حق مین نازل ہوئی ہے۔ اس آیت مین خدا تعالےٰ اُن حضرات کو صدیق اور شہید کے خطابون سے یاد فرماتا ہے (دیکھو مسند امام حنبل و تفسیر ثعلبی وغیرہ)۔

(۴) وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ الخ یہ آیت جناب علی مرتضےٰ کی شان مین نازل ہوئی ہے جمیع علما اسکی شان نزول مین موافق۔ ملا محتشم کاشی فرماتے ہین ؎ مقصد تنزیل بلّغ مظہر اسرار غیب + مطلع تیلوہ شاہد مقطع حبل المتین۔

(۵) وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔ حافظ ابو نعیم حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ و امام ثعلبی وغیرہ اس آیت کی شان نزول کو بالاتفاق جناب علی مرتضےٰ کیطرف منسوب کرتے ہین۔

علاوہ آیات بالا کے مشہور آیات۔ آیت تطہیر و آیت مباہلہ و آیت یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ و آیت۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ و آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ہین۔

(۲۹)۔ آپ حدود اللہ مین نفسانیت کو دخل نہین دیتے تہے بلکہ جہان نفسانیت کا خوف دیکھتے تہے وہان ایسی کارروائی فرماجاتے تہے کہ جسمین نفس کی شرکت کی صورت باقی نہ رہتی تہی۔ چنانچہ ایکبار کا یہ ماجرا ہے کہ حضرت ایک کافر قوی پنجہ سے مقابل ہوئے اور اُسے بڑی زور آزمائی کے بعد زیر کیا جب چاہا کہ اُسے فی النار کرین تو اُسنے بے ادبانہ روئے مبارک پر تھوک دیا۔ حضرتؑ فوراً اُسکو سینہ پر اُتر پڑے اس عجب خیز کارروائی کو دیکھکر اُس کافر نے پوچھا کہ یا علیؑ اس محنت و مشقت سے تو آپنے مجکو

زیر کیا اور جب وقت میرے مار ڈالنے کا آیا تو مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے یہ کیون - حضرت نے فرمایا کہ مین تجھے خدا کے حکم کے مطابق مارا چاہتا تھا کچھ اپنے نفس کی خاطر نہین - مگر جب تو نے مجھپر تھوک دیا تو اب میرا تجھے مار ڈالنا شرکت نفس کے ساتھ ہوتا - اسلیئے مین علیحدہ ہو گیا اور تجھے قتل نہین کیا - وہ کافر اس تقریر پر تاثیر سنکر ایمان لے آیا - مولانا روم اس قصہ کے متعلق فرماتے ہین - ؎

او خدو انداخت بر روئے علیؑ ‏ ‏ ‏ افتخار ہر نبی و ہر ولی

(۳۰)- آپ کو درجۂ شہادت بھی حاصل ہوا - بجائے خود یہ بڑا درجہ ہے - آپکی شہادت شہر کوفہ مین واقع ہوئی - عبد الرحمن ابن ملجم عاشق قطامہ آپکا قاتل ہے - آپکی رحیمی اور کریمی ایسی تھی کہ آپنے قاتل سے بھی اپنی خلقی رحم و کرم کو باز نہ رکھا -

(۳۱)- آپ کسب حلال کی نظر سے مزدوری کیا کرتے تھے مثلاً - اجرت پر کنوئین سے پانی نکالتے تھے -

(۳۲)- آپ کی غذا محض سادی تھی - بیشتر جو کی روٹی کھاتے تھے اور وہ بھی اسقدر کہ تن مین جان باقی رہے لباس کا بھی یہی طور تھا کہ تکلف سے تمامتر بری تھا -

(۳۳)- آپ دوسرونکی ضرورتون کو اپنی ضرورتون پر مقدم جانتے تھے - اور کبھی سوال رد نفرماتے تھے چنانچہ ایکبار آپنے نذر کے تین روزے رکھے شریک روزہ داری اپنے ہی گھر والے تھے - یعنی حضرت بی بی فاطمہؓ اور دونون صاحبزادے - اور فضہ کنیز - نقد و جنس سے پاس کچھ نہ تھا - اسلیے سامان افطار کے خیال سے امیر المومنین کچھ جو شمعون یہودی کے پاس سے قرض لے آئے - روزہ دارون نے اُسے کوٹ پیسکر روٹیان پکائین - شام کو جب حضرت روزہ دارون کے ساتھ افطار کو بیٹھے - افطار فرمایا بھی نہ تھا کہ ایک سائل نمودار ہوا اور اُسنے سوال کیا - حضرت نے جو کائنات افطاری کی شکل مین آگے موجود تھی سائل کو دے ڈالی اور خود اور گھر والے سبکے سب پانی سے افطار کر کے سو رہے - دوسرے اور تیسرے دن پھر یہی صورتین ہوئی گئین - اللہ اکبر یہ سخاوت یہ جود یہ بذل یہ کرم کہین دنیا مین نہین دیکھا جاتا ہے - یہ آپکے اور آپکے گھر والون ہی کا کام تھا - بغیر تائید غیبی کے ایسے کام انسان سے انجام نہین پا سکتے - اسی روزہ نذر کی نسبت خدا تعالےٰ نے قرآن مین آیت یوفون بالنذر الخ سے اشارہ فرمایا ہے -

(۳۴)- آپ صاحب عرفان کامل تھے اور خدا کا یقین ایسا رکھتے تھے کہ اُس سے زیادہ یقین کا امکان دشوار ہے - جیساکہ خود فرماتے ہین - لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً - یعنی اگر الٹ جا پردہ تو میرا یقین نہ بڑھتا - آپ کی خدا شناسی کا کیا درجہ تھا کیا کوئی بتا سکتا ہے -

(۳۵)- آپ دنیا کو محض بے حقیقت جانتے تھے - یہ بات آپکے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتی تھی - اسباب دنیا سے آپکے پاس کچھ نہ تھا - آپ نان جوین کھاتے تھے اور موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اکثر

زمین پر بیٹھے یاد الٰہی مین مشغول رہتے تھے - اس لیے حضرت رسولؐ خدا اور آپکے وقت کے لوگ آپکو ابوتراب کہتے تھے - آپکا زہد و فقر بہت شوار رنگ کا تھا - آپ باتین بھی جو کرتے تھے تمنا ہائے دنیا سے بے لگاؤ ہوتی تھین - ایک نقل اس جگہہ لکھی جاتی ہے جس سے آپکی اوقات بسری کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے - آپکی ایک دن کی سرگذشت یہ ہے کہ آپ مسجد مدینہ مین تشریف رکھتے تھے اور صوم سے تھے - ایک مسافر آگیا - وقت افطار آپنے اُسے اپنی جَو کی روٹی مین سے جو آدہی تھی نصف اُسے دی - اُسنے دیکھا کہ اتنی روٹی سے بھوک نجائیگی - اُس جگہہ چلا گیا جہان امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام مسکینون کو طعام تقسیم فرما رہے تھے - شاہزادون نے اُسے ایک آدمی کا حصہ مرحمت فرمایا - وہ ایک حصہ لیکر دوسرے حصہ کا بھی طالب ہوا شاہزادون نے فرمایا کہ تو ایک آدمی ہے دو آدمی کے حصہ لیکر کیا کریگا اُسنے کہا کہ ایک مسکین اور بھی مسجد مین اُترا ہوا ہے جسکے پاس کھانیکو کچھ نہین ہے - اُسکے پاس صرف آدہی نان جوین تھی اُسمین سے اُسنے آدہی مجھے دے ڈالی مین اُسی کے واسطے ایک حصہ لنگر خانے سے لیجانا چاہتا ہون - شاہزادون نے پوچھا کہ اُس شخص کی صورت بتا - جب اُسنے حسب ارشاد شاہزادگانِ عالی تبار صورت بتائی تو صاحبزادون نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ وہ شخص کوئی مسکین نہین ہے وہ ہمارے والد ماجد علیؑ مولائے کونین ہین - اللہ اکبر یہ عجیب قصہ ہے - واقعی شان مرتضوی وہم و قیاس سے بہت باہر ہے - اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

(۲۰) آپ اپنے حق کے رو سے ویسے ہی سید ہین جیسے جناب پیغمبر خدا سید ہین - اس لیئے آپ کی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہا السلام سے نہین ہے وہ بھی سید کہلاتی ہے - وہ سادات جو غیر بنی فاطمہ ہین اُنھین سادات علوی کہتے ہین - واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتن پاک کو مرحمت ہوا ہے - حضرت سیدہ سید زادی ہونیکے سبب سے ہی سیدہ نہین ہین بلکہ اپنے حق کے رو سے بھی سیدہ ہین - اسی طرح حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہما السلام اپنے ذاتی حق کے رو سے سید ہین - جاننا چاہیے کہ سیادت بڑی نعمت ہے اس سے بڑھکر دینی نعمت دوسری نہین ہے

حضرات سادات جو اس زمانہ مین موجود ہین اُنپر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کرین - اور اپنے آبائی طریقے کے پابند رہین - اپنے اجدادِ کرام یعنی ائمۂ معصومین علیہم السلام کے پوری پیرو رہین - اپنے نسب ناموں کو ضائع ہونے سے بچائین - طمع دنیاوی مین مبتلا ہو کر اپنی نسل پاک کو خراب نہ کر ڈالین

(۲۱) آپ نہایت مہمان نواز تھے اور مہمان نوازی آپ پر ختم تھی - آجتک سادات کرام مین مہمان نوازی کی صفت ممیز طور پر پائی جاتی ہے -

(۲۲) آپ کا قاتل اور مقتول دونون اہل دوزخ سے ہین - حال مین ایک مشیر ازلی نے ایک انگریزی پرچہ مین لکھا کہ علیؑ حضرت عثمان کے قتل کے شریک تھے - یہ الزام دیگر پیروان معاویہ

ویزیدبھی علیؑ مرتضےٰ پر عائد کرتے گئے ہین - چنانچہ ایک شخص اُسی یزیدی طریقہ کا مولانا شمس الدین فاخوری سے سائل ہوا کہ آپ علیؑ کی نسبت کیا فرماتے ہین علیؑ تو حضرت عثمان کے قاتل تھے - مولانا ممدوح نے اُسکے جواب مین فرمایا کہ - وائے بر عثمانے کہ علیؑ قاتل او باشد -

(۳۹) - آپ کا حارب رسولؐ اللہ کا حارب - جابرؓ روایت کرتے ہین کہ جناب رسولؐ اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے حق مین فرمایا - اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَهُمْ - یعنی ہمکو جنگ ہے اُس شخص سے کہ جو جنگ کرے ان لوگون سے اور ہمکو صلح ہے اس شخص سے جو صلح رکھے اِن لوگون سے -

لمؤلفہ

دشمن ہے علیؑ کا وہ دشمن نبیؐ کا ہے — دشمن نبیؐ کا دشمنِ اللہ پاک ہے -
پس دشمنِ علیؑ و نبیؐ و خدا جو ہو — وہ عاقبت خراب جہنم کی خاک ہے

(۴۰) آپ کے ساتھ جناب رسولؐ اللہ کو بڑا تعلق دلی تھا جیساکہ روایت عطیہ سے جو صحابیہ تھین معلوم ہوتا ہے - وہ کہتی ہین - بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِمْ عَلِيٌّ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَّدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا - راوی اس حدیث کے ترمذی ہین اور ترجمہ یہ ہے کہ روانہ کیا جناب پیغمبر خدا نے ایک فوج کو جسمین علیؑ بھی تھے پس مینے جناب رسولؐ اللہ کو دونون ہاتھ اُٹھاکر یہ دعا مانگتے سُنا کہ اللہ میرے مت مار مجکو جبتک کہ تو علیؑ کو مجھے پھر دکھلا نہ دے - واقعی جگر جگر ہوتا ہے اور دگر دگر -

(۴۱) آپنے جس طرح بیٹی رسولؐ اللہ سے پائی اُسی طرح ذوالفقار خدا سے پائی - بقول ملا کاشی علیہ الرحمہ -
ع - وز خدا و مصطفےٰ شمشیر و دختر یافتہ -

(۴۲) آپ بروز ہجرت رسولؐ - جان پر کھیل کر بستر رسولؐ اللہ پر سوئے - اس بہادری کا جواب کہین بھی نظر آتا ہے - نفس بشری کے تقاضے سے اکثر نبیونپر بھی خوف طاری ہوگیا ہے - خود حضرت موسٰیؑ اپنے عصا کو دیکھکر جو حکم خدا سے سانپ ہوگیا تھا ڈر گئے تھے - مگر علیؑ ابن ابی طالب شب بھر ایک ایسے مقام مخدوش پر لیٹے رہے - جبرئیل علیہ السلام جو خدا سے حضرت علیؑ کے پاس شب کو حاضر تھے کہتے تھے کہ بَخٍ بَخٍ لَكَ مَنْ مِّثْلُكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يُبَاهِيْ اللّٰهُ بِكَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ - یعنی مبارک ہو مبارک ہو آپکو اے فرزند ابی طالب کون آپکے برابر ہوسکتا ہے - حق سبحانہ تعالےٰ آپکے سبب فرشتگان آسمان سے مباہات کرتا ہے - اسکے بعد حضرتؑ کی شان مین خداتعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لوگون مین سے کوئی ایسا بھی ہے کہ جو خدا کی رضاجوئی مین اپنی جان بیچتا ہے اور خدا اپنے بندون کے ساتھ بیحد مہربان ہے (دیکھو خمیس دیاربکری چھاپہ مصر جلد ۱) - صفحہ ۳۲۵ و تفسیر کبیر متعلق آیت مذکورہ و روضۃ الاحباب

صفحہ ۱۲۸ و مطالب السؤل و تفسیر ثعلبی و احیاء العلوم امام غزالی و تذکرۃ خواص الامہ سبط ابن جوزی
و علامہ میبذی و معارج النبوۃ و مدارج النبوۃ وغیرہ)

(۴۳) آپنے صغیر سنی مین جناب رسول خدا کے پاس پرورش پائی اور لعاب دہن جناب رسول اللہ کا وقت پیدایش چوسا اور غسل پیدایش جناب رسول اللہ کے ہاتھ سے پایا۔ سب سے پہلے جناب رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑہی۔

(۴۴) آپ بت شکنی کی غرض سے دوش جناب رسول اللہ پر سوار ہوئے یہ شرف کیسکو حاصل نہوا

(۴۵) آپ علم مین حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ درجہ خلت حضرت ابراہیم کا رکہتے تھے ہیبت آپ کی موسیٰ کی ہیبت کے مانند تہی اور عبادت آپکی عیسیٰ کی عبادت کی طرح۔

(۴۶) آپ جناب رسول اللہ کے غسل و کفن کے متکفل ہوئے۔ اور خود آپکو غسل و کفن ملائکہ نے دیا ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کو بے غسل و کفن چھوڑکر کنارہ ہوجاتے تو ملائکہ آپکو غسل و کفن ندیتے۔

(۴۷) آپ حسب حکم رسول اللہ بحالت جنابت مسجد نبیؐ مین جانے کے ماذون تھے۔ یہ اجازت سوائے اہل بیت علیہم السلام کے کیسکو نہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور جمیع اہل بیت مورد آیت تطہیر ہونے کے باعث ہر حال مین مطہر تھے۔ اللہ اکبر کیا درجہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کا ہے۔ کسی غیر اہل بیت کو ان باتون کی ہوا بھی نہین لگی ہے۔

(۴۸) آپکا اور آپکے جگر گوشگان ائمۂ معصومین علیہم السلام کا ذکر کتب سماویہ مین آیا ہے۔ کہ آلایبقی علی اهل العلم (دیکھو تورات موسوی)۔

(۴۹) آپ مفتی چار دفتر تھے۔ اسیطرح بقیہ ائمۂ معصومین علیہم السلام بھی تھے۔

(۵۰) آپنے کبھی حق غصب نہین کیا یہ کوئی معمولی صفت نہین ہے۔

(۵۱) آپنے ناجائز رنگ پر ایک قطرہ خون کبھی نہ بہایا۔ حریف کے ساتھ مکر و حیلہ کو راہ ندیا حریف پر بلاضرورت سختی کبھی نہ کی اسیران جنگ کو یا کیسکو گالی ندی۔ اسیران جنگ کے قتل کو کبھی پسند نفرمایا اور نہ اُنکے قتل کی رسول اللہ کو صلاح دی۔ کبھی فتنہ و فساد کے گرد نہ پہرے اور جب کوئی فتنہ برپا ہوا تو اُسکے فرو کرنے مین دل سے کوشان ہوئے۔ آپ حضرت عثمان کے فتنہ کو بھی فرو کیا چاہتے تھے۔ اس سبب سے مشورۂ مناسب خلیفہ صاحب کو دیا کرتے تھے۔ مگر خلیفہ صاحب تمامتر مروان اور اُسکی طرح کے اشخاص کے ہاتھ مین پڑے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ کا مشورۂ مناسب رائگان جاتا تھا۔ آخر وہی ہوا جو مفسدونکی صحبتون کا نتیجہ عموماً ہوا کرتا ہے

(۵۲) آپ بہت حاضر طبیعت اور بڑے حاضر جواب تھے۔ انفصال قضایا مین بھی آپکا یہی انداز تھا۔ تطویل کلام کے خوف سے راقم مثالین آپ کی ان صفتونکی نہین لکھہ سکتا ورنہ مثالین

بہت سی ہین۔

(۵۳)۔ آپ کے زورِ بازو اور شجاعت استقلال اور ہمت سے اسلام قائم ہوا۔ یہ علیؑ ہی کی تلوار تھی جس نے اسلام کو مدینہ مین مضبوط کر دیا۔ مکہ کو مدینہ کے ماتحت کر دیا اور جتنے بدخواہانِ اسلام عہدِ رسولؐ اللہ کے تھے اُن سب کو زیروزبر کر ڈالا۔ بلاشبہ جناب رسولؐ اللہ کے عہد کا اسلام سو حصہ مین نوے حصہ تیغ علیؑ ابن ابیطالب کا ممنون ہے۔ سوائے ناسپاس اور ناحق شناس کے کوئی مسلمان واقفیت کی حالت مین اس سے انکار نہین کر سکتا۔ عہد محمدیؐ مین کوئی شخص علیؑ سے زیادہ مددگار اسلام موجود نہ تھا اور سچی شجاعت اور سچی بہادری کے رو سے علیؑ کا نظیر کوئی شخص اُمت محمدیؐ مین نظر نہین آتا۔ لاریب علیؑ اسلام کے ہیرو Hero of Islam. یعنی شجاع شجاعان تھے۔ اس ہیروازم Heroism. یعنی شجاعت کے ساتھ اُن صفات حمیدہ سے بھی متصف تھے جو انبیاؑ و اولیا کیلیے درکار ہین مگر تعجب ہے کہ اس عہد کے کسی سُنی مسلمان سیرت نگار نے علیؑ کی لائف Life. نہین لکھی اور اگر لکھی بھی تو ایسا پہلو لیکر کہ حق کُشی کے ذریعہ سے علیؑ کی ہر امر مین مفضولیت ظاہر ہو۔ راقم کو اُسوقت شکایت نہوتی اگر شدومد کے ساتھ سیرت نگاری کیطرف بعض ارباب تحقیق مائل نہوئے ہوتے۔ خدا کا غضب ہے کہ سیرتین مشاہیر اسلام کی لکھی جائین پھر ایک فاسق شرابخوار خونی بدکردار عیاش نفس پرور خودغرض بنی عباس کا خلیفہ ہیروز آف اسلام Heroes of Islam مین ٹھونسا جائے اور اُسکی سیرت نگاری مین زوروشور کے ساتھ دفتر کے دفتر سیاہ کیے جائین۔ مگر علیؑ ابن ابیطالب کی دو صفحہ کی سیرت بھی حوالۂ قلم نکیجائے کیون مسلمانو! یہی انصاف ہے کہ عہد محمدیؐ کا اسلام جس شخص کا ممنون در ممنون ہو وہ ہیروز آف اسلام مین شمار بھی نہو اور اُسکے احوال مین دو سطرین بھی اشاعت نہ پائین۔ اگر یہی اسلامی ارباب تحقیق کا انداز ہے تو اسلام کو ایسے مصنفین سے فائدہ پُہنچ چکا۔ خلق اللہ کو فائدہ رسانی کے لیے پابندی انصاف شرط ہے۔ اتلاف حق ایک بُری شے ہے خاص کر اتلاف حق اہلبیتؑ اسی سے اسلام کو ضرر پُہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی ضرر پُہنچا کریگا۔ اب بھی بہی خواہان اسلام ادائے حقوق اہلبیتؑ کی کوشش فرمائین۔ ورنہ اُنکی جتنی کوششین ترقی اسلام کے لیے ہونگی رائیگان جائینگی۔ خدا کی خدائی انصاف پر چل رہی ہے۔ یہ ممکن نہین کہ بے انصافی کی بنیاد پر کسی قسم کی ترقی کی عمارت قائم ہو سکے۔ خدا تعالے دوستداران اسلام کو حق بینی اور حق جوئی کی توفیق اور حق و باطل کی تمیز عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

خیر راقم اب جناب علیؑ ابن ابی طالب کے احوال درج ہذا کرتا ہے جن سے ظاہر ہوگا کہ اُس جناب کے زورِ بازو و شجاعت استقلال اور ہمت نے کس طرح پر دشمنان اسلام کے مقابلہ مین

اسلام کو غلبہ بخشا اور اسلام کو تباہ و خراب ہونے سے محفوظ رکھا۔ حق یہ ہے کہ علیؑ کی تلوار بغیر اسلام سلامت رہ نہین سکتا تھا۔ یہ امر کوئی خیالی رنگ نہین رکھتا تمامتر واقعات پر مبنی ہے۔ افسوس ہے کہ اسلامی دنیا سے بہت کم آدمی اس امرِ حق سے اطلاع رکھتے ہین۔ اس عدم اطلاع کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ علمِ تاریخ کیطرف توجہ کرنیکا موقع رکھتے ہین۔ اسکے سوا حق پوشی اور اتلافِ حق مسلمانون کا جزو ایمان بنا ڈالا گیا ہے۔ کتمانِ حق و اتلافِ حق کے بڑے بڑے سامان دکھائی دیتے ہین نہایت جائے حیرت و عبرت ہے کہ علیؑ جو اتنے بڑے خادم اور محسن اسلام کے تھے۔ بعد رسولؐ خدا کے آپ کے جانشین قرار نہ دیے گئے۔ اور حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان جو خس برابر بھی عہد رسولؐ اللہ مین اسلام کو اعدائے اسلام سے بچانے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور اس سبب سے اسلام کی حفاظت نہ کر سکے تھے بعد دیگرے رسولؐ اللہ کے جانشین یا کسی خاص وضع کے خلیفہ بنتے گئے۔ تحریر ذیل سے حضرت علیؑ اور اُن حضرات خلفا کی جہادی کارروائیون کا فرق اہل انصاف پر روشن ہو جائیگا۔ حق یہ ہے کہ عہد رسولؐ اللہ مین اسلام کے حمایتی معاملات کے متعلق حضرت علیؑ کے ساتھ اُن حضرات خلفا کو کسی طرح کی مناسبت ہی نہین دیکھی جاتی ہے۔ تعصب اور طرفداری اور شے ہے۔ ورنہ حضرت علیؑ کے ساتھ جہادی پہلو پر کوئی موازنہ کی بات ہو تو اُن حضرات خلفا کا موازنہ حضرت علیؑ کے ساتھ کیا جائے۔ تاریخ و سیر نیز احادیث کے رو سے تو صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ عہدِ رسولؐ مین بمقابلہ اعدائے اسلام کے کوئی مختصر کارروائی بھی عمل مین نہ لا سکے۔ ذیل مین وہ غزوات مندرج ہوتے ہین جنکی کامیابی کی بدولت اسلام معدوم ہونے سے بچ گیا۔ اُن غزوات پر نظر ڈالنے سے اہل انصاف کو اس سے چارہ نہین ہو کہ کہین کہ علیؑ ہی کی تلوار نے محمد مصطفےٰ کے دین کو معدوم نہونے دیا۔ ورنہ ان غزوات مین حضرات خلفائے ثلثہ کی کوئی ایسی کارروائی نظر نہین آتی ہے۔ جس سے اسلام کے سلامت رہجانیکی صورت ہوئی ہو۔

واضح ہو کہ جب کفار مکہ کے ظلمون سے جناب رسولؐ خدا کو مکہ سے ہجرت اختیار کرنی پڑی تو آنحضرتؐ مدینہ کو تشریف لائے اور اہل مدینہ نے آپ کے دین کو قبول فرمایا۔ اہل مدینہ کے اسلام قبول کرنے سے مدینہ ایک اسلامی شہر ہو گیا۔ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ جناب محمد مصطفےٰ نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ مین اپنے دین کو استحکام بخشا تو کفار مکہ اس معاملہ کو بڑے حسد اور عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اس فکر مین ہوے کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اسلام کی حکومت کو درہم برہم کر ڈالین۔ اس قصد سے سرداران مکہ لشکر کشی پر آمادہ ہو کر مدینہ کیطرف بڑھے۔ انکی پہلی لڑائی مسلمانون کے ساتھ چشمۂ بدر پر واقع ہوئی۔ اگر یہ لڑائی اہل اسلام ہار جاتے تو محمد صاحب کے دین کا خاتمہ ایک امر یقینی تھا۔

جنگ بدر کبرٰے

ماہران علم تاریخ سے پوشیدہ نہین ہی کہ پولیٹیکل پہلو سے جنگ بدر کو قسطنطین Constantine کے زمانہ کی پل والی لڑائی (Battle of the Bridge) کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ لڑائی مسیح علیہ السلام کے ایک سو برس کے بعد درمیان عیسائیون اور مخالفان دین مسیحی کے واقع ہوئی تھی۔ اگر قسطنطین کو اس لڑائی مین ناکامیابی ہوتی تو دین مسیحی کا عروج دشوار تھا۔ اسی طرح اگر جنگ بدر خلاف اسلام کے انجام پاتی تو اسلام بالکل ٹھنڈا ہو جاتا۔ جاننا چاہیے کہ بے جدال و قتال کوئی دین قائم نہین ہو سکتا ہے۔ قیام و فروغ دین کے لیے جدال و قتال ایک امر ناگزیر ہے ہر چند مسیح علیہ السلام نے خود کوئی جدال و قتال نہین فرمایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دین اُس معصوم اور برحق ہادی کا بے تیغ و سنان دنیا مین شائع نہین ہوا۔ جسقدر غزوات رسول اللہ مین خون بنی آدم کا حکم خدائے قدیر سے زمین پر بہا ہے۔ اُس سے چند در چند مرتبہ زیادہ حامیان دین مسیحی کی تلوار سے میدان ہائے دنیا لالہ زار ہو گیے ہین۔ یہ بھی اہل انصاف سے پوشیدہ نہین ہے کہ جتنے غزوات جناب رسول خدا کے وقت مین ظہور مین آئے ہین وہ زبردستی کا پہلو نہین رکھتے ہین۔ اُنکے وقوع کے اسباب ایسے ہی نظر آتے ہین کہ بے جنگ کے اختیار کیے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اسی جنگ بدر کو دیکھیے کہ کفار مکہ نے خود لشکر کشی کی۔ کیا جناب محمد مصطفےٰ اُنکو مدینہ مین داخل ہو کر اسلام کو درہم برہم کرنے کی اجازت دیتے۔ ان دشمنان اسلام سے اگر حضرت نہ لڑتے تو کیا کرتے۔ یہ لڑائی تو تمامتر تقاضائے فطرت کے قرین تھی اگر آج بھی دنیا کی کسی شائستہ ترین قوم پر ایسی چڑھائی کیجائے تو باوجود حاصل رہنے ہر طرح کی شائستگی کے اُسے اپنے دشمن سے مقابلہ کرنا ایک امر مجبوری ہوگا۔ کفار مکہ کی تعدی بھی قابل لحاظ ہے۔ پہلے تو یہ دشمنان اسلام پیغمبر صاحب کو مکہ مین طرح طرح کی ایذائین پہنچاتے رہے۔ پھر جب آپنے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا اور ایک غیر شہر مین جا کر امن پکڑا تو وہان بھی اُنکو قتل کرنے اور اُنکے دین کو برباد کرنیکی کوشش اُٹھا نہین رکھی۔ حملے پر حملے ہوتے رہے سبحان اللہ اس پر بھی دشمنان اسلام کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپنے تلوار کھینچی۔ اور خون بنی آدم بہایا۔ خیر۔ اب ناظرین با انصاف جنگ بدر کے معاملہ پر توجہ فرمائین۔ اور دیکھین کہ یہ لڑائی کہ جس پر قیام و استحکام اسلام موقوف تھا۔ کس طرح پر لڑی گئی اور اس لڑائی مین علیؑ ابن ابیطالب کی تلوار نے کیا جوہر دکھلائے۔ کتب تاریخ مین مندرج ہے کہ جب کفار قریش لشکر اسلام کے مقابلہ مین صف آرا ہوئے تو اُن کفار سے تین شخص میدان جنگ مین مبارز طلب ہوئے اُس وقت مہاجرین مین سے کوئی بھی اُنکے مقابلہ کو نہ نکلا۔ الا حضرت علی۔ حضرت حمزہ اور ابو عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب جو بنی ہاشم تھے۔ ان تینون حضرات نے خوب ہاشمیت کی داد دی

پھر جب لڑائی عام ہوگئی تو اور بھی حضرات بنی ہاشم نے بہادریان دکھلائین اور انصار بھی دلیری کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ جسب تحریر ارباب سیر ستر آدمی لشکر کفار سے اس لڑائی مین مارے گئے اور ستر آدمی اسیر ہوئے۔ منجملہ ستر کشتگان کفار کے ۳۶ نفر حضرت علیؑ کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ مقتولین کا زیادہ حصہ حضرت حمزہ کی تلوار سے طعمۂ دوزخ ہوا کشتون کی فہرست نام بنام کتب تواریخ وسیر مین مندرج ہے۔ اور اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ المختصر یہ بدر کی لڑائی وہ ہے کہ اسلام کی آئندہ کی سرسبزی تمامتر اسکی فتح پر موقوف تھی۔ اگر اس لڑائی مین اسلام کو شکست ہوجاتی تو اسلام کا کام تمام ہوچکا تھا۔ پھر نہ دین اسلام جاری ہوتا اور نہ بعد رسول اللہؐ کے حضرات خلفائے ثلثہ خلیفہ ہوتے۔ اس لڑائی مین حضرات شیخین موجود تھے مگر کسی کتاب سے ہردو حضرات خلیفہ کی کوئی کارروائی ثابت نہین ہوتی۔ حضرت ابوبکر کی نسبت علامہ سیوطی لکھتے ہین کہ آپ وقت جنگ رسول اللہؐ کے ساتھ تھے اور چونکہ آپ بڑے تلوریے تھے رسول اللہؐ کی حفاظت مین مصروف رہے۔ حق یہ ہے کہ آپ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے آپ کا شریک جنگ رہنا اور نہ رہنا برابر ہوتا۔ حضرت عمر تمامتر لڑائی سے علیحدہ رہے اور یہ اس لیے کہ تعلقات ابوجہل کے باعث آپ اپنے ماموں ابوجہل اور عزیزان ابوجہل کی خلاف نبرد آزمائی نہین کرسکتے تھے۔ بہرحال یہ تلوار علیؑ ہی کی تھی جس نے اُسوقت اسلام کی جڑ مضبوط کردی اور یہ وہی تلوار تھی کہ عہد رسول اللہؐ مین اُس جڑ کو مضبوطی بخشتی رہی حتے کہ اسلام ایک ایسا قوی درخت ہوگیا کہ جسکی بیخ کنی قیصر روم اور کسرے فارس سے بھی نہو سکی۔

جنگِ اُحد

واضح ہو کہ جب قریش مکہ نے بدر کی لڑائی مین ہزیمت سخت اُٹھائی اور اُنکے بہادران مثل ابوجہل وغیرہ کے مارے گئے تو اُنکے دلون مین اسکے معاوضہ کی سخت خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ بدر کے دوسرے ہی سال مشرکین قریش بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ اودھر سے جناب رسول اللہؐ بھی مہاجرین و انصار کو لیکر اُنکے مقابلہ کے واسطے مدینہ سے نکلے۔ کوہ اُحد کے متصل لشکر اسلام اور کفار قریش سے سامنا ہوا۔ کفاران مکہ کے سردار حضرت ابوسفیان تھے۔ چونکہ اُنکے بیٹے اور رشتہ دار جنگ بدر مین طعمۂ ذوالفقار حیدری ہوچکے تھے۔ اس سے اُنھون نے لشکر آرائی مین بڑی کد کی۔ زنان قریش بھی لشکر کے ساتھ آئین۔ یہ عورتین جلاجل بجا بجا کر اور اشعار پڑھ پڑھ کر مبارزان قریش کو تہور دلاتی تھین اور کشتگان بدر کا بدلا لینے پر اُنھین آمادہ کرتی تھین۔ اُن نسوان حبائل شیطان کی سردار ہندہ تھی یہ وہی ہندہ ہے جو حضرت

ابو سفیان کی زوجہ تھی اور جسکی نسبت حکیم سنائی لکھتے ہین۔ داستان پسر ہند مگر نشنیدی الخ۔
خیر۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو پہلے لشکر اسلام کو فتح نمایان ہوئی پھر شکست کا سبب یہ ہوا کہ اسلامی
لشکری مال غنائم کے حاصل کرنے کی فکر مین مشغول ہو گئے (دیکھو تاریخ طبری حصہ سوم صفحہ ۱۴۰۹
و سیرت ابن ہشام جزو ثانی صفحہ ۳۰ و روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ وغیرہ) اور جناب رسول اللہ نے
جو ارشاد فرمایا تھا اُسے بھول بیٹھے۔ یعنی جناب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ پچاس شخص تیر انداز پہاڑ کی
ایک گھاٹی پر موجود رہین۔ مگر جب فتح کی شکل نمایان ہونے لگی اور قریش مکہ گریزان نظر آنے لگے تو ان
تیراندازون نے اپنی اپنی جگہین چھوڑ دین اور لوٹ مین مشغول ہو گئے۔ قریش نے یہ طور دیکھکر اپنے
منتشر شدہ لشکر کو سمیٹا اور پھر قاعدہ سے لشکر اسلام کے مقابل ہوئے۔ تب تو مال غنیمت کے لوٹنے
والون پر سخت آبنی۔ لشکر اسلام کو مقاومت کی تاب نرہی۔ عوام مہاجرین مع حضرت ابوبکرؓ و حضرت
عمرؓ و حضرت عثمان ایسے بھاگ نکلے کہ نشان بھی نملا کہ کدہر غائب ہو گئے۔ (آئندہ ان حضرات ثلاثہ کی
فرار کی بحث حوالۂ قلم ہونیکو ہے)۔ صرف مہاجرین بنی ہاشم جو قرابت داران رسولؐ تھے استوار و گرم
پیکار رہے۔ اسی طرح انصار بھی شریک جانبازی رہے اور شرافت ذاتی اور شرافت قومی کی
داد دیتے گئے۔ صاحب مدارج النبوۃ جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہین کہ جب
مسلمانون نے شکست کھائی تو حضرت رسولؐ خدا کو تنہا چھوڑکر بھاگ گئے۔ (واہ کیا ایمان تھا بھاگنے
والون کا!)۔ اُسوقت آنحضرتؐ غضب مین ہوئے اور پیشانی مبارک سے پسینا گرنے لگا۔ پھر دیکھا
تو علیؑ کو اپنے پہلو پر ایستادہ پایا۔ آنحضرتؐ نے علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمنے اپنے بھائیون کا
ساتھ کیون ندیا اور اُنکے ساتھ کیون نہ جا ملے۔ اسپر علیؑ نے عرض کی کہ لَا کُفْرَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ اِنَّ لِیْ بِکَ
اُسْوَۃً۔ یعنی بعد ایمان کے کفر نہین ہو سکتا بہ تحقیق کہ مجھے آپکے ساتھ اقتدا ہے۔ (دیکھو مدارج النبوۃ
جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ اور روضۃ الاحباب صفحہ ،، اور روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ اور معارج النبوۃ) اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبیؐ کو میدان جنگ مین چھوڑکر بھاگ جانا حضرت علیؑ کے نزدیک کفر کے برابر
تھا۔ راقم کے نزدیک عقل کے رو سے یہ فرمانا آپکا نہایت قرین حق معلوم ہوتا ہے۔ ایسے افراد
جو ایسے نازک وقت مین اپنی ناپاک جانین بچانے کے لیے فرار اختیار کرین کیونکر صاحب ایمان سمجھے جا سکتے
ایسونکو کامل الایمان کہنا ایمان کا خون کرنا ہے۔ خیر۔ اُسوقت مین ایک جماعت کفار کی جناب
پیغمبر خدا کی طرف متوجہ ہوئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ مجھے اس جماعت سے
محفوظ رکھو۔ اور حق خدمت بجا لاؤ کہ یہ وقت مددگاری کا ہے۔ حسب ارشاد نبوی جناب علیؑ مرتضے
اُس قوم کیطرف متوجہ ہوئے اور اُنہین بدحال کرکے متفرق کر ڈالا اور ایک جماعت کثیر کو دوزخ مین
پہنچا دیا۔ اسکے بعد محدث ممدوح تحریر فرماتے ہین کہ جب علیؑ سے یہ نصرت ظہور مین آئی تو پیغمبر خدا نے

بحق علیؑ مرتضےٰ - اِنَّهٗ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ فرمایا اور جبرئیلؑ بولے اَنَا مِنْكُمَا (دیکھو تاریخ طبری جلد ۱ حصہ ۳ صفحہ ۱۴۰۲ و کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۶۳ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳) پھر محدث ممدوح فرماتے ہین کہ یہ آواز سُنائی دی کہ کوئی گوئندہ غیبی کہتا ہے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِيٌّ وَلَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۱۴۰۲ و سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۲ و مطالب السئول صفحہ ۱۳۱) یہ بھی محدث ممدوح لکھتے ہین کہ نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ + تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ + كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي + بِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ - (دیکھو فواتح میبذی علامہ میبذی کے صفحہ ۱۲۴) کا نزول اُسی معرکۂ اُحد مین ہوا ہے - حضرت محدث کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار مصرع وحی کا انداز رکھتے ہین یعنی کلام بشر نہین کلامِ خدا ہین کہ حضرت علیؑ کے لیے نازل ہوئے -

سُبحان اللہ کیا ذات پاک علیؑ مرتضےٰ کی تھی اور آپ کیسے سچے معاون اسلام کے اور کیسے جانثار حضرت رسولِ خدا کے تھے کہ بدر مین کسطرح اسلام کو بربادی سے بچایا اور اُحد مین کس طرح جناب رسول اللہ کی جان کے محافظ تھے - دشمنانِ رسولِ اللہ کو زیر و زبر کر ڈالا - اے حضرات حق بین سوچ فرمائیے کہ اُمت رسولؐ مین کوئی ایسا شخص گذرا ہے جس نے رسول اللہ کی اور اسلام کی ایسی بیش بہا خدمتین کی ہون - یہ کیا انصاف ہے کہ ایسا شخص جو رسولِ خدا اور دین خدا کے لیے اپنی جان کو جان نہ سمجھے وہ بمقابلہ ایسے حضرات کے جو غزواتِ نبیؐ مین فرار کے عادی تھے رسول اللہ کی خلافت کا سزاوار نہ سمجھا جائے - کیا غضب ہے کہ ایسا شخص مفضول اور فراری افضل سمجھے جائین - تعصب سے بری ہونیکے بعد صاحبان عقل بھی کہینگے کہ فراری رسول اللہ کے سچے جانشین نہین ہوسکتے - امت نے اگر ایسے حضرات کو خلیفہ یا امام قوم بنا ڈالا تو بنا ڈالا ایسے حضرات رسول اللہ کے خلیفہ یا امام نہین ہوسکتے - حضرات انصاف پرست غور فرمائین کہ کسی دوست کو کسی تہلکہ مین چھوڑ کر بھاگ نکلنا بڑی نامردی کی بات ہے - ایسے بھگوڑے کو دنیا جو کچھ کہے بجا ہے - لیکن ایسے فراری کو کیا کہینگے جو میدان جنگ سے رسول اللہ کو محل خوف مین چھوڑ کر بھاگ نکلا کرین یا رسول اللہ کے دشمنون سے مقابلہ کرنے مین جان چراتے تھین - بلاشبہ ایسے اشخاص کامل الایمان کہلائے جانیکا ذرہ برابر بھی استحقاق نہین رکھتے اسپر بھی یہ تماشا ہے کہ ایسے حضرات کے مقابلہ مین علیؑ مفضول سمجھے جاتے ہین اور آپکی حیرت خیز کمالات سے چشم پوشی کیجاتی ہے واضح ہو کہ کتب تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد کی لڑائی مین لشکر اسلام مین سے ۶۵ یا ۷۰ حضرات شہید ہوئے - انمین سے بروایت ثانی ۶۴ اور بر تقدیر روایت اول ۶۱ انصار شہید تھے مہاجرین سے شہیدون کے عدد ۳ یا ۴ نظر آتے ہین اور یہ شہدا عزیزان پیغمبرؐ سے تھے عوام مہاجرین سے نہ کوئی شہید ہوا اور نہ کوئی زخمی ہوا - اس سے عوام مہاجرین کی عقیدت و وفاداری

سمجھنا چاہیے - عوام تو عوام خواص مہاجرین اس مادّے مین کیا فضیلت رکھتے تھے - حضرات
خلفائے ثلثہ سے بڑھکر کون خواص مہاجرین تھا - مگر یہ حضرات بھی عوام مہاجرین کے طریقہ پر عامل
ہوتے تھے - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے جناب رسولؐ خدا بنی ہاشم اور انصار کے
کوئی مہاجر غزوات جناب رسول اللہ مین لڑتا بھڑتا نہ تھا - یہ تو جنگ بدر و جنگ اُحد کی سرگذشت ہے
آیندہ اور غزوات مین بھی یہی کیفیت ظاہر ہوگی - اس جنگ کے متعلق جو نہایت حسرت انگیز اور
الم خیز معاملہ ہے وہ حضرت امیر حمزہؓ کی شہادت ہے - آپ کی شہادت حضرت رسولؐ خدا کیلیے
ایک بڑے غم کی بات ہوئی - آپ لشکر خدا کے بڑے معین و مددگار تھے اور بڑی بہادری کیساتھ
آپنے اپنی جان نذر اسلام فرمائی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ٥ اس واقعۂ جانگزا سے ایک
عجیب نقل تاریخی متعلق ہے - اور وہ یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابو سفیان نے بکمال شقاوت سے اس جناب کے
جگر کو دانتون سے چبایا اور آپ کے گوش اور بینی کو جسم اطہر سے علیحدہ کر کے اور انکا ہار بنا کر اپنی گردن
ناپاک مین ڈالا اس شقاوت کو یاد کر کے حکیم سنائی فرماتے ہین - ع - مادر او جگر عم پیمبر بمکید - ہندہ کی
اس فعل قبیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی اور جس قبیلہ کی وہ عورت تھی اُس قبیلہ کے
اخلاق کس درجہ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے - یہ عورت بھی بنی امیہ تھی - بنی امیہ قریش کا ایک ایسا
قبیلہ تھا کہ جو مکاری و دغابازی زناکاری خونریزی شرابخواری وغیرہ وغیرہ مین فرد تھا - پیغمبر خدا کو اُس
قبیلے سے تمامتر نفرت تھی اور تا رحلت یہ نفرت آپکی قائم رہی چنانچہ عمران بن حصین سے مروی ہے
مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَکْرَہُ ثَلٰثَۃَ اَحْیَاءٍ ثَقِیْفٍ وَبَنِیْ حَنِیْفَۃَ وَبَنِیْ اُمَیَّۃَ - راوی اس
حدیث کے ترمذی ہین اور اسکے معنی یہ ہین کہ وفات پائی نبیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے درحالیکہ وہ حضرت
کراہت رکھتے تھے تین قبیلون سے یعنی قبیلۂ ثقیف و بنی حنفہ و بنی امیہ سے - شاہ صاحب اپنی تاریخ مین
لکھتے ہین کہ حضرت رسولؐ خدا نے خواب مین دیکھا کہ بندر آپ کے منبر شریف پر کھیل رہے ہین -
اور آپنے تعبیر اُن بندرون کی بنی امیہ سے فرمائی اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپکی رحلت کے ساتھ بنی امیہ
اپنی حرفتون سے صاحب اقتدار ہو گئے - ملک شام اُنکے زیر حکومت ہو گیا - یہانتک کہ تمام بلاد
اسلام کے مالک بن گئے اور نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ منبر رسول اللہ پر مشغول بازی رہے -
نہایت جائے افسوس ہے کہ جس قبیلہ کو رسول اللہ اپنے عہد مین بہت کمزور اور بدحال کر گئے تھے
حضرتؐ کی رحلت کے ساتھ نہ صرف اُس قبیلہ کی قوت رفتہ عود کر آئی بلکہ ہزار درجہ ترقی کر گئی کاش
اس قبیلہ کو ذی اختیار ہونیکا موقع نہ دیا جاتا - اگر یہ قبیلہ مرضی رسولؐ خدا کے مطابق حالت ابتذال مین
چھوڑ دیا جاتا تو نہ علی مرتضےٰ کی عمر تلخی مین بسر ہوتی نہ بنی ہاشم مبتلائے تکالیف جسمانی و روحانی ہوتے
نہ حضرت مقداد و دیگر دستداران علیؑ ذلتین اُٹھاتے نہ حضرت طلحہ و زبیر شکست بیعت فرماتے نہ

حضرت عائشہ جمل کی لڑائی لڑتین نہ حضرت عائشہ کنوئین مین گر اگر مار ڈالی جاتین نہ جناب امام حسنؑ کو زہر کہلایا جاتا نہ حسینؑ شہید دشت کربلا ہوتے نہ امام زادے صعوبتون کے ساتھ مارے جاتے اور نہ اہل حرم رسوا و اسیر ہوکر دمشق کی گلیون مین تشہیر کیے جاتے - لاریب قبیلۂ بنی امیہ کے صاحب اقتدار ہوجانے سے آل محمدؐ کو بڑا نقصان پہنچا اُنہنے خوب خوب کشتگان بدر و احد کے بدلے لیے گئے - اسجگہہ سائل سوال کرتا ہے کہ پہر کسنے قبیلۂ بنی اُمیہ کو سر نو قوی کردیا - اسکا صاف اور سچا جواب یہ ہے کہ حضرت شیخین نے یا خلافت اولٰے نے جیسا کہ راقم سابق مین عرض کرچکا ہے اسمین کوئی شک نہین کہ بنی امیہ کو علیؑ نے سر نہین چڑہایا - ظاہر ہے کہ رسول اللہ جس قبیلہ سے نفرت کرتے تہے - اُسکو علیؑ سر نہین چڑہا سکتے تہے - اگر سر چڑہاتے تو واقعۂ کربلا کا الزام حقاً علیؑ ہی پر عائد ہوتا کسواسطے کہ یہ واقعۂ جانگزا محض قبیلہ بنی اُمیہ کے سر چڑہانے کا نتیجۂ قریب ہے -

اس جنگ مین لشکر کفار سے صرف ۳۰ آدمی مارے گئے - اُنہین سے ۹ نفر علمبردار لشکر کفار تہے - یہ نو نفر یکے بعد دیگرے طعمۂ ذو الفقار حیدری ہوتے گئے - پہر ۱۲ - اور بہی حضرت شیر خدا کے ہاتھ سے مارے گئے - باقی رہے نو - انہین سے چند نفر کو حضرت حمزہ علیہ السلام نے فی النار کیا اور بقیہ انصار کے ہاتھ سے داخل دوزخ ہوئے - مہاجرین غیر بنی ہاشم سے کسی کافر کا مارا جانا ثابت نہین ہوتا ہے - ظاہر ہے کہ مہاجرین غیر بنی ہاشم جب لڑتے بہڑتے گرد نہین رہتے تہے تو کافر کشی اُنسے کیونکر عمل مین آسکتی تہی - خواص و عوام مہاجرین بجز بنی ہاشم کے یکسان رو بہ فرار ہوجاتے تہے - فرار ہونا اُنکے نزدیک کوئی نامردی کا فعل متصور نہ تہا - لاحول ولا قوۃ - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین نہایت دور اندیش حضرات تہے نہ مارتے تہے اور نہ مارے جاتے تہے مگر جاننا چاہیے کہ شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ تمام نیکیون کی جڑ ہے اور اُس کے برخلاف بزدلی ہے - اور واقعی شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ انسان کے لیے بہت کچھ ذریعۂ عزت ہوا کرتی ہے جیسا کہ خود اس لڑائی مین جناب رسول اللہ کے ایک صحابی نے یہ شعر پڑہا تہا - شعر

فی الجبن عارٌ و فی الاقبال مکرمۃٌ   والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

یعنی نامردی مین ننگ ہے - اور دشمن سے سامنا کرنے مین بزرگی ہے اور مرد نامردی کے ذریعے سے مقدر سے نہین بچ سکتا - ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ بہاگنے والے تو آپ لڑائی سے بہاگ نکلے مگر علیؑ کی ثابت قدمی آخر جنگ تک اپنے حال پر رہی - آپ فرماتے ہین ہر چند مجہ سولہ زخم بدن پر اُس لڑائی مین لگے تہے اور مجہے غش آتا تہا کوئی مجہے میرا ہاتھ پکڑ کر کہڑا کر دیا کرتا تہا اور مین اس طور پر برابر لڑتا رہا - جناب رسول اللہ نے یہ سنکر فرمایا کہ وہ جبرئیلؑ تہے جو تمکو اس طرح پر نظر پڑے (دیکہو روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۹۲ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ -)

یہ لڑائی حضرت علیؑ کے ہاتھ رہی اور آپکی ایسی ہی ثابت قدمی تھی جسکی نسبت خداوند تعالیٰ قرآن شریف مین فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ یعنی بہ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اُن لوگون کو جو لڑتے ہین اسکی راہ مین صف باندھکر گویا کہ وہ عمارتین ہین سیسہ پلائی ہوئی (اوائل آیت سورۃ الصف پارہ ۲۸) اسی قول خدا کے انداز کا قول رسولؐ خدا بھی ہے جس سے حضرت علیؑ کی برتری بزرگی اور رفعت کی حد سمجھ مین نہین آتی۔ جناب رسولؐ اللہ حضرت علیؑ کیطرف متوجہ ہوکر فرماتے ہین کہ اے ابوالحسن اگر تمام خلقت کے عمدہ اعمال اور ایمان ایک پلۂ ترازو مین رکھے جائین اور تمہارے اعمال روز احُد دوسرے مین تو تمہارا ہی پلہ بھاری ہوگا تمام خلائق کے اعمال پر اور بہ تحقیق خدا نے تمہارے عمل پر فخر و مباہات کی اُس روز تمام ملائکہ آسمان پر اور آسمان کے پردے اُٹھا دئیے تھے۔ اور خود جنت اور تمام چیزین تمہین شوق کی نگاہ سے دیکھتی تھین۔ اور خداوند عالمیان تمہارے فعل سے خوش ہوا اور اُس روز کا صلہ خدا تعالےٰ تمہین ایسا دیگا کہ تمام نبی اور رسولؐ اور صدیق اور شہید تک غبطہ کرینگے (دیکھو ینابیع المودۃ چھاپہ قسطنطنیہ صفحۂ ۴۴) اہل انصاف دیکھین کہ صرف یہ ایک حدیث ایسی ہے کہ جو حضرت امیرؑ کو خدا ہی جانے کہ تمام خلقت خدا کے مقابلہ مین کیا درجۂ عالی بخشتی ہے۔ رسول اللہ تو یون فرمائین مگر مخالفین علیؑ اسکے برخلاف آپکو حضرات خلفائے ثلٰثہ سے بھی مفضول قرار دین اول تو فرّار کو کوئی بھی حق غیر فرّار پر مرجح سمجھے جانیکا نہین ہے اسپر بھی ایسا غیر فرّار کہ جسکی نسبت جناب رسولؐ خدا فرمائین کہ اگر تمام اعمال نیک کا خلقت خدا کے علیؑ کی روز احُد کی خدمت کیساتھ موازنہ کیا جائے تو علیؑ کی خدمت کا پلہ گران ٹھیریگا۔ وہ حضرات جو ایسے ایسے اقوال رسولؐ اللہ کیطرف توجہ کرنیوالے نہین ہین۔ نہین معلوم کس طرح کے مسلمان ہین۔ ایسے مسلمانون نے صرف محبت حضرات خلفائے ثلٰثہ کو ایمان سمجھ لیا ہے اور اس افراط محبت مین نہ علیؑ کا مرتبہ اُنکی سمجھ مین آتا ہے اور نہ وہ خدا و رسولؐ کے ارشادات کیطرف توجہ کرنیکی صلاحیت رکھتے ہین۔

ایسے متعصبین کہتے ہین کہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید مین فرارین احُد کے قصور کو معاف فرما دیا ہے اسمین شک نہین کہ رحمت خداوندی اسکی مقتضی ہوئی ہے۔ مگر گفتگو یہ ہے کہ یہ معافی بمقابلہ ایک غیر فرار کے فرارین کو کیونکر کسی طرح کی فضیلت بخش سکتی ہین۔ اس پر فخر و مباہات کہ قرآن مین اس معاملہ کا حوالہ ہے۔ البتہ خدا کی رحیمی کا جلوہ اس سے ضرور عیان ہے۔ مگر اس سے کسی فرار کی کیا صفت حمیدہ ظاہر ہوتی ہے فہم انسانی سے باہر ہے۔ فرار فرار ہی رہتا ہے۔ بیش ازین نسبت کہ خدا تعالےٰ نے اپنی کسی مصلحت سے اُس فرار کے ایسے فعل قبیح سے درگذر فرما گیا۔ مگر ذرا اُس آیت کو پڑھکے دیکھین تو پتہ لگیگا کہ معافی صرف دنیا کی ہے۔ یعنی اُنکے اس فعل پر کہ ایسے پیغمبرؐ کو چھوڑ کر فرار

ہوئے اُنہیں بندر یا سُور نہ بنا دیا۔ آخرت کی معافی اُس سے ہرگز نہیں نکلتی۔ ثبوت یہ کہ آیت کا خاتمہ غفور حلیم پر ہوا ہے۔ اگر آخرت کی معافی ہوتی تو غفور رحیم فرماتا۔

اُحد کی لڑائی کے بعد چند غزوات و سرایا پے درپے ظہور مین آئے مگر وہ سب مشہور نہیں ہین کتب سیر و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غزوات و سرایا مین بھی حضرت علیؑ کی تلوار بیکار نہیں رہی شاہ مردان نصرت حضرت رسولؐ اور اعانت اسلام سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ غزوۂ بنی نضیر مین جو انہی غزوات غیر مشہورہ سے ہے شیرؐ خدا نے ایک بڑے کافر جری کو مارا۔ یہ شخص بنی نضیر سے تھا اور ایسا تھا کہ جسکا مقابلہ مہاجرین غیر بنی ہاشم نہیں کر سکتے تھے۔ نہیں معلوم کہ یہ مہاجرین غیر بنی ہاشم کس مرض کی دوا تھے۔ جب لڑنے بھڑنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے تو ہجرت کی زحمت ایسے حضرات نے کیون گوارا کی۔ جب دیکھیے میدان جنگ سے روانہ۔ یا اگر رہے بھی تو اس قاعدہ سے جیسے لشکر کے ساتھ بنیے بقال یا کولی وغیرہ رہتے ہین۔ غضب خدا کا ہے کہ ایک غزوۂ رسول اللہ مین بھی یہ مہاجرین غیر بنی ہاشم کسی چھوٹی سی جنگی کارروائی کا تماشا نہ دکھلا سکے اس پر یہ طرہ ہے کہ ایسے ایسے ڈرپوک افراد کو اہل تعصب شاہ مردان و شیر یزدان پر فضیلت دیتے ہین ذرہ بھر بھی شرم نہیں کرتے۔ بہرحال وہ بنی نضیر کا بل رات کو رسول اللہ پر حملہ آور ہونے کو تنہا اور اسی قصد سے اپنے قلعہ سے نکلا تھا۔ حضرت علیؑ اُسکے انداز کو سمجھکر اُسی شب کو اُسکی طرف رسولؐ اللہ کی فرمائش کے بغیر تشریف لیگئے۔ وہ عاقبت برباد قصدِ بالا سے خیمۂ رسولؐ اللہ کیطرف چلا آتا تھا کہ راہ مین شیر خدا سے اُسکا سامنا ہو گیا اور حضرت نے اُسے دم کے دم مین جہنم واصل فرمایا۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسولؐ اللہ کی فرمائش کے بغیر بھی نصرت رسولؐ اللہ اور اعانت اسلام فرمایا کرتے تھے۔ یہ تو کیفیت آپکے جہاد فی سبیل اللہ کی تھی۔ حضرات اہل انصاف آپ اسکا موازنہ فرمائین جنگ اُحد کے فرارین کی کارروائیون سے کہ وہان رسول پیچھے چیخکر فرارین کو جنگ گاہ مین ٹھہرنے کے واسطے پکار رہے تھے۔ اور کوئی بھی آپ کی نہیں سنتا تھا۔ بھاگنے والے بھاگے ہی جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ واقدی فرارین کی نسبت لکھتے ہین کہ جب مسلمان بروز اُحد پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے تو جناب رسولؐ خدا فرماتے تھے "اِلَیَّ یا فلانُ اِلَیَّ یا فلانُ انا رسولُ اللّٰہ۔ اور کوئی شخص حضرت کی آواز کیطرف توجہ بھی نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو مغازی واقدی صفحہ ۲۳۳) اس امر کی خداوند تعالےٰ نے بھی سورۂ آل عمران مین خبر دی ہے کقولہ تعالےٰ۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ۔ یعنی جسوقت کہ چڑھتے تھے تم لوگ پہاڑ پر اور بھاگتے تھے اور کسیکو مڑکر نہیں دیکھتے تھے اور رسولؐ خدا تمکو بلاتے تھے تمہاری پچھلی جماعت مین۔ حضرت عمر اپنے پہاڑ کے چڑھنے کو اور بھاگنے کو بڑی خوبصورتی سے بیان فرماتے ہین

آپ فرماتے ہین کہ ہم پہاڑ پر بزکوہی کیطرح کودتے جاتے تھے - ظاہر ہے کہ اس کود پہاندمین آپ رسول اللہ کی پکار کو کیونکر سُن سکتے تھے - خیر- موازنہ سے فرق حضرت علیؑ کی رغبت جہاد و فرارین کی ڈرپوکی کا صاف نمایان ہوجاتا ہے - کہان جناب علیؑ جناب رسول اللہ کی فرمائش بغیر اعدائے رسولؐ و اعدائے دین سے مقابلہ کرتے تھے - اور کہان فرارین رسول اللہ کے پکارنے پر بھی میدان جہاد کیطرف واپس آنے کا خیال نہ کرتے تھے - چہ نسبت است بہ رندی صلاح و تقویٰ را - سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا - سبحان اللہ شاہ مردان کی کیا شجاعت شعاری اور قوت ایمان تھی - واقعی اگر علیؑ کو خدا تعالےٰ نے پیدا نہ کیا ہوتا تو اسلام کے زور پکڑنے اور استحکام حاصل کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کو اور کوئی سامان تقویت بہم پہنچانا پڑتا - ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو جو کچھ زور اور استحکام حاصل ہوا اسمین علیؑ کی ذات کو بڑا دخل تھا - خیر ان غزوات و سرایا کے بعد وہ لڑائی وقوع مین آئی جو جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے - اِسے جنگ احزاب بھی کہتے ہین - یہ لڑائی بھی جنگ بدر و جنگ احد کی شہرت رکھتی ہے -

جنگ خندق

اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ ہجرت کے پانچوین سال مین واقع ہوئی - قریش مکہ اور چند قبائل دیگر جنمین یہودی بھی شامل تھے - حضرت ابوسفیان پدر حضرت معاویہ و جد امجد یزید کی ماتحتی مین مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور اسکا محاصرہ کچھ روزون تک کیے رہے - اُنکے حملون سے شہر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے حضرت سلمانؓ کے مشورہ کے مطابق جناب پیغمبر خدا نے شہر کے گرد خندق کھدوائی تھی - اس خندق کی وجہ سے اس جنگ کو غزوۂ خندق کہتے ہین - کفار محاصرین نے چند بار اس خندق پر حملے کیے مگر اندر شہر کے داخل نہو سکے - اس بار لشکر کفار دس ہزار آدمی پر مشتمل تہا (دیکھو خمیس دیار بکری ورق ۲۰۶ و کامل ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۲۲۳) اور اعدائے اسلام کیطرف سے بڑی بڑی سامان فوج کشی کے عمل مین آئے تھے - یون تو بڑی جانفشانی کے ساتھ شہر کے گرد خندق کھودی گئی تھی - (دیکھو تاریخ الرسل والملوک صفحہ ۲۶۷ جلد اول حصۂ سوم) مگر آخر کار عمرو بن عبدود و خالد بن عمرو بن عبدود و عکرمہ بن ابی جہل و عبداللہ بن مغیرہ وغیرہ وغیرہ گھوڑونکو مہمیز کر کے خندق کے اس پار نکل آئے (دیکھو خمیس از ورق ۲۰۶ تا ۲۰۹ و تاریخ طبری صفحہ ۱۴۷۵) اسکے ساتھ اُس پار ابوسفیان و خالد بن ولید اور دیگر سپہسالاران لشکر کفار پرے جاکر خندق کے برابر کھڑے ہو گئے - عمرو بن عبدود خندق کے اس پار اکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ لشکر اسلام سے مبارز طلب ہوا - ایسے پہلوان سے چونکہ کسی اسلامی سپاہی کو مقابلہ کے تاب نہ تھی سب کے سب دم بخود ہو رہے - صرف حضرت علیؑ

اُسکے مقابلہ کو نکلا - مگر جناب رسولؐ خدا نے روکا اور لشکر اسلام کیطرف متوجہ ہوکر تین بار فرمایا کہ کوئی تم سے ہے جو اُس کافر کے ساتھ نبرد آزما ہو مگر کسی نے بھی لڑنے کیطرف رُخ نہین کیا - یہ رنگ دیکھکر جناب رسولؐ خدا نے حقیقت حال دریافت فرمائی تو حضرت عمر نے عرض کی کہ عمرو بن عبدود ایسا ہے کہ ایک دفعہ ایک قافلے مین ہم اور یہ شخص شام کیطرف جاتے تھے ناگہان ایک ہزار قزاق نے آکر قافلہ کو گھیر لیا اور قافلہ کو لوٹنا شروع کردیا - یہ دیکھکر یہ شخص تلوار کھینچکر قزاقون پر ٹوٹ پڑا اور سبکو ایکدم مین فنا کر دیا - یہی باعث ہے کہ آج اس کے مقابلہ کو ہم مین سے کوئی بھی آمادہ نہین ہوتا - (دیکھو معارج النبوۃ رکن ۴ چھاپہ لکھنؤ صفحہ ۱۵۸ اور روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) - حضرت رسولؐ خدا نے تب حضرت علیؑ کو جنگ کی اجازت بخشی - شاہ مردان تو اسکے منتظر تھے اور اسکے پہلے ہی حضرت رسولؐ کی فرمائش کے بغیر آمادہ جنگ ہو چکے تھے اُس دیو ناپاک کا فوراً مقابلہ فرمایا - وہ کافر بڑا ہی عظیم پیکر قوی ہیکل اور نبرد آزما تھا دیر تک شیر خدا کا سامنا کرتا رہا مگر آخرکار ضربت حیدری سے فی النار و السقر ہوا - اس دیوزاد کے مارے جانے کے بعد اور بھی کچھ سرداران لشکر کفار کو شاہ مردان نے داخل جہنم فرمایا - مگر یہان ایک مضحک قصہ ہے کہ جب حضرت عمر نے دیکھا کہ میدان علیؑ کے ہاتھ رہا اور اب کسی کافر کو مقابلہ کی تاب نہین ہی تو آپ میدان وغا مین تشریف لائے اور آتے ہی ضرار بن خطاب جو علیؑ مرتضےٰ کی صورت دیکھتے ہی دور سے بے لڑے بھاگا جاتا تھا (دیکھو خمیس) اُسکے تعاقب مین دوڑے اُسنے جو دیکھا کہ حضرت عمر تعاقب کنان تشریف لا رہے ہین فوراً پلٹ پڑا اور حضرت ممدوح کو ایک خفیف سا زخم نیزہ کا دیکر روانہ ہوگیا - یہ ہونیوالی بات تھی ورنہ حضرت عمر ایک بڑے دور اندیش بزرگ تھے - ہمیشہ محل خوف سے اپنے کو دور رکھنے مین کوشان رہتے تھے - خیر - اس غزوہ مین بھی غزوۂ بدر و غزوۂ اُحد کیطرح کسی مہاجر غیر بنی ہاشم نے نہ کسی کافر کو مارا اور نہ خود مارا گیا - مارا جانا تو درکنار کسیکو (حضرت عمر کے سوا جیسا کہ قصۂ بالا مین مذکور ہوا) خراش تک نہین لگی - صرف چند شخص انصار مین سے شہید ہوئے - کفار مین سے بھی صرف تین نفر مارے گئے - لاریب یہ فتح مسلمانون کو بغیر بہت کشت و خون کے نصیب ہوئی اور سبب اسکا وہی ہوا کہ شاہ مردان نے قتل عمرو بن عبدود سے لشکر کفار مین ایک بڑا تہلکہ ڈالدیا جسکے باعث منکرین اسلام بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر اسلام کے ساتھ تاب مقاومت نہ لا سکے - واضح ہو کہ اس غزوہ مین بھی علیؑ کی تلوار نے ویسی ہی حمایت کی جیسی کہ غزوات سابقہ مین کر چکی تھی - اگر شاہ مردان عام مسلمانون کی طرح عمرو ابن عبدود کے مقابلہ سے انکار فرما جاتے تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار مکہ غالب آتے اور مدینہ والون کو خواہ مہاجرین ہون یا انصار سبکو زیروزبر کر ڈالتے اور اسلام جو حالت صغر سنی مین تھا آغوش عالم سے رخصت ہو جاتا -

مگر قتلِ عمرو ابن عبدود سے اسلام کے بازو قوی ہوگئے اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی اُس ملعون کے قتل ہوتے ہی اہلِ مکہ بیدل ہوگئے اور قبائل ابوسفیان کی سرداری مین مدینہ پر چڑھکر آئے تھے اُنمین پھوٹ پڑگئی اور وہ سب کے سب بھاگ نکلے - جاننا چاہئیے کہ جناب امیرؑ کی اس خدمتِ اسلام کی نسبت جناب رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی خندق کے دن کی ضربت میرے تمام اُمت کے اعمال سے جو وہ قیامت تک کریگی افضل ہے - یہ حدیث کتاب مدارج النبوۃ و معارج النبوۃ و کشف الغمہ و نزل الابرار و انسان العیون و سیرۃ الامین والمأثر و روضۃ الاحباب مین اور دیگر کتب علمائے اہلِ سنت مین مندرج ہے اور اُسکی صحت مین کسیکو بھی انکار نہین - حضرت علیؑ کی خدمتِ دینِ خدا کے متعلق جنگ اُحد ہی کے پیکار سے کیا کم تھی - اب اسپر جنگ خندق کی کارگذاری کو کیا کہیے ان خدمتون کے اعتراف مین جو کچھ رسولِ خدا فرماتے گئے ہین راقم حوالۂ قلم کرچکا ہے - پس اہلِ انصاف خود تجویز کرلین کہ اُمتِ رسولؐ مین اعمالِ نیک کے اعتبار سے کوئی شخص علیؑ سے افضل قرار پاسکتا ہے یا نہین - پس علیؑ کو فضائل کے اعتبار سے درجۂ چہارم مین جاننا چہ معنی دارد۔

سچ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ حضرات خلفائے ثلثہ یا کسی پیرو اسلام کا موازنہ ایک فضول در فضول امر ہے - نہایت جائے افسوس ہے کہ اس جنگ مین بھی حضرت ابوبکر سے کوئی ممتاز کارِ عمل مین نہ آسکی - بلکہ اچھی طرح یہ بھی نہین معلوم ہوسکا کہ حضرت ممدوح ہنگامۂ خندق کے وقت کہان تھے اور کس شغل مین تھے - کیون مسلمان بھائیو ان حیرت انگیز معاملات کے ساتھ بھی علیؑ درجۂ چہارم ہی مین پڑے رہینگے - واہ واہ کیا انصاف ہے - خدا اور رسول کچھ فرمائین مگر علیؑ کے مخالف مرغی کی وہی ایک ٹانگ گائے جاتے ہین۔

جنگِ خیبر

سن ہفتم ہجری مین جنگِ خیبر واقع ہوئی - فریقِ مخالف اسمین یہودیانِ خیبر تھے - اس غزوہ کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر کے یہودیون نے دس ہزار آدمی فراہم کیے تھے اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والے تھے - اُن دس ہزار یہودیون کی تعداد مین اکثر وہ قبائل یہود بھی شریک تھے جو مختلف مواقع پر خلاف اپنے عہد کے کفارِ قریش کے ساتھ ہوکر مسلمانون کے مقابلہ مین آچکے تھے اُنکے عزم حملہ کی خبر سنکر قلیل العدد مسلمانون نے خیبر کے کثیر العدد یہودیون پر چڑھائی کی - قلعۂ خیبر کا سردار مرحب اور اُسکے بھائی حارث کو مرحب ہی کیطرح اُس دیار کے اشخاص بڑا مردِ میدان جانتے تھے - الغرض یہ دونون بھائی بڑے مشہور شجاع تھے اور ظاہرا اُنکا ہم نبرد کوئی نہین دکھائی دیتا تھا - زمانۂ جنگ مین جناب رسول اللہ مبتلائے دردِ شقیقہ تھے - اس لیے اپنے خیمہ مین تشریف رکھتے تھے

مگر لشکر اسلام میدان جنگ مین تین روز پے در پے جایا گیا اور ہر بار شکست کہا کہا کر واپس آیا گیا
تین دن تک لشکر اسلام پر یہ گذرا گیا کہ جو مجاہد لشکر یہود سے مقابلہ کرنیکے واسطے جاتا حارث اُسکو
شہید کر ڈالتا۔ جب اس طرح پر دو آدمی شہید ہو جاتے تو پہر کوئی مسلمان مقابلہ کا قصد نکرتا
یہ بے آبروئی لشکر اسلام کو تین روز تک برابر نصیب ہوتی رہی روز کا یہ معمول ہو گیا تہا کہ لشکر
اسلام یہودیون کے مقابلہ کو جاتا اور بکمال ذلت کے ساتھ مار کہا کر خیمہ گاہ کو واپس بہاگ آتا۔
ایک بار حضرت ابوبکر لشکر لیکر یہودیان خیبر کے مقابلہ کو تشریف لیگئے اور شکست کہا کر چلے آئے
اسیطرح دو بار حضرت عمر تشریف لے گئے اور پورے طور پر ناکام واپس آئے۔ (دیکہو خمیس)
مرحب اور حارث کی یہ کیفیت تہی کہ لشکر اسلام کو بہگاتا ہوا رسول اللہ کے خیمہ تک پہنچا جاتا تہا
اور الفاظ لایعنی برابر قرب مین خیمۂ حضرت رسول خدا کے زبان پر لایا کرتا تہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ
مرحب اور حارث بڑے شجاع وقت تہے اسلیے کہ حضرت عمر کو تہوڑی دیر بہی اُنکے مقابلہ کا
اتفاق نہوا تہا کہ آپ اُن سے پس پا ہو کر لوٹ گئے۔ (دیکہو ازالۃ الخفا) ۔ شاہ صاحب آگے
لکہتے ہین کہ واپس چلے آنے پر حضرت عمر اپنے ہمراہیون پر نامردی کا الزام لگاتے اور آپکے
ہمراہی آپ کو نامرد کہتے تہے (دیکہو تاریخ طبری صفحہ ۹۰، ۱۵ و مستدرک حاکم) ۔ المختصر لشکر اسلام
اس طرح پر بڑی مصیبت اور آفت مین مبتلا تہا اور مسلمانون سے کچہ بہی بن نہین پڑتی تہی۔ سبب ان
تمام مصیبتون کا یہ تہا کہ اس وقت تک علیؑ اس غزوہ مین شریک نہ ہو سکے تہے حضرت امیر وقت
روانگی لشکر اسلام مدینہ مین آشوب چشم کے باعث رہ گئے تہے۔ اور اسوجہ سے بہ اسباب ظاہر
جنگ وپیکار کے قابل نہ تہے۔ مگر عقب سے جناب رسول اللہ کی حمایت اور اسلام کی نصرت کی
غرض سے لشکر خدا مین تشریف لائے۔ ارباب ایمان اور حمیت اسلام اسے کہتے ہین۔ سبحان اللہ
آپ حالت مرض مین بہی جناب رسول اللہ کی مفارقت گوارا نکر سکے اور دین خدا کی تباہی کو دیکہا
حالت مین اس جوش کے ساتھ ملحوظ رکہا کہ مدینہ سے خیمہ گاہ رسول اللہ تک پیدل ہی آئے۔ مگر دو تین
دن علالت کی وجہ سے شریک کارزار نہو سکے۔ جب تیسرے دن بہی لشکر اسلام شکست کہا کر بہاگ
آیا تب جناب رسول خدا نے فرمایا کہ کل صبح کو ہم لشکر اسلام کا علم اس شخص کو دینگے جو کرار غیر فرار ہے
یعنی جو سخت بہادر ہے اور بہاگنا نہین جانتا اور جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکہتا ہے اور خدا اور رسول
اُسکو دوست رکہتے ہین۔ نہین لوٹے گا وہ جبتک کہ خدا اُسکے ہاتہ پر فتح نہ دے۔ چنانچہ ایسا ہی
ہوا اور وہ حدیث نبوی یہ ہے۔ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ
وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ ۔ (دیکہو صحیح بخاری و خصائص نسائی
و ازالۃ الخفا و روضۃ الاحباب و تاریخ ابن کثیر و مسند امام احمد حنبل) اس ارشاد رسول اللہ کو سنکر

بہت لوگ امیدوار علم ہوئے - خاصکر سعد بن ابی وقاص اور حضرت عمر - حضرت ابوبکر کی بھی تمنا کنز العمال و خصائص نسائی اور طبری صفحہ ۹، ۵ اسے ظاہر ہوتی ہے - مگر حضرت رسول خدا نے وہ علم تو اُس شخص کو بخشا جسکی شجاعت اور بہادری کا امتحان جنگ ہائے بدر و احد و خندق وغیرہ مین ہو چکا تھا اور جو اُسوقت تک دین خدا کو تباہی سے برابر بچاتا چلا آیا تھا - خیر - صبح کو حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کی جوش کردہ آنکھوں پر لب مبارک لگایا جس سے جوش کی تکلیف جاتی رہی اور علم موعود مرحمت فرما کر اجازت جنگ بخشی - اسکے بعد بحکم خدائے عزوجل حضرت رسول اللہ نے یہ شعر پڑھا - نادِ علیاً مظہر العجائب الخ - شاہ مردان نے میدان جنگ مین پہنچکر مرحب اور حارث دونون کافرون کو بڑی شجاعت شعاری کے ساتھ واصل جہنم فرمایا - پھر در خیبر اکھاڑ ڈالا اور قلعہ خیبر کو آن کی آن مین فتح کر لیا - غلامان شاہ مردان غور فرمائین کہ تائید ایزدی کے بغیر ایسے ایسے اہم کام انسان ضعیف البنیان سے انجام نہین پا سکتے - بلاشبہ شاہ مردان مؤید من اللہ تھے - اگر تائید غیبی شامل حال باکمال نہوتی تو ایک ایسے فاقہ کش روزہ دار نفس کُش شخص سے ایسے ایسے حیرت خیز قوت و شجاعت کے کام ظہور مین نہ آتے - ایسا شخص جو جَو کی روٹی کھائے عبادت خدا مین جسم کو گھلائے وہ میدان جنگ مین ہر بار لشکر کفار کو تہ و بالا کر ڈالے - عمرو بن عبدود جیسے دیو پیکر کو کشتی مین دے مارے - مرحب اور حارث جیسے پہلوانان نامی کو دم کے دم مین فنا کر دے اور اُسپر تماشا یہ کہ سات سو من کے دروازے کو اکھاڑ ڈالے اور پھر ایسی وزنی شے سے کہ جسکے اُٹھانے کے واسطے ستر آدمی درکار ہون سپر کا کام لے - اے اہل انصاف بتلایئے کہ کیا ایسے ایسے کام تائید ایزدی کے بغیر انجام پا سکتے ہین - اہل بصیرت سے پوشیدہ نہین ہے کہ شاہ مردان کا در خیبر کو اکھاڑنا جسکے صدمہ سے خود قلعہ خیبر کو لغزش ہوئی تھی ایک تاریخی امر ہے - لیلے مجنون کی کہانی نہین ہے - یہ محض واقعہ ہے - وہ مؤرخین بھی جو مخالفین اسلام سے ہین - اس عجب انگیز معاملہ کو بحیثیت مؤرخ درج تصنیف کر گئے ہین

Washington Irving اپنی کتاب تاریخ مین اس واقع کا ذکر مؤرخانہ طور پر کرتا ہے - پس تعجب ہی تعجب ہے اگر نئی روشنی والے حضرات اس حیرت خیز کارروائی کو قصہ اور فسانہ پر محمول کرین یا اشخاص متعصب اس سے چشم پوشی کرین - راقم کی دانست مین اس معاملہ کے حق ہونے مین وہی گفتگو کریگا جو پیغمبر خدا پر ایمان نہ لایا ہوگا - کس واسطے کہ جناب رسول خدا نے جب حسب وحی خدا شاہ مردان کو مظہر العجائب و الغرائب فرمایا ہے تو جو مسلمان اس قول کو سچ نہ جانے وہ ہرگز داخل اسلام شمار نہین کیا جا سکتا ہے - المختصر اس غزوہ مین بھی حضرت علیؑ ایسی خدمت اسلام بجا لائے کہ کسی کی اسکا انجام ممکن نہوا - اسپر بھی مخالفین علیؑ آپ کی کمال شجاعت شعاری کا اعتراف نہین کرتے اور

حضرت ابوبکر کو اشجع الصحابہ اور اشجع الناس بنائے ڈالتے ہین جیسا کہ علامۂ سیوطی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے - خدارا - انصاف بھی کوئی شے ہے - حضرات شیخین کو شجاعت شعاری سے کوئی تعلق ہی نہ تھا ایسی صورت مین اشجع الصحابہ اور اشجع الناس نہ حضرت ابوبکر اور نہ حضرت عمر کہے جاسکتے ہین - عہد رسول اللہ مین تو حضرات شیخین سے کوئی ایسی کارنمائی ظہور مین نہین آسکی جسکی بنا پر معمولی شجاعت کی نسبت بھی آپ دونون حضرات کیطرف کی جاسکے - اشجع الصحابہ اور اشجع الناس قرار دیا جانا تو درکنار - حضرت علیؑ کو امر شجاعت مین مفضول سمجھنا طرفہ معاملہ ہے کیا تماشا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کبھی میدان جنگ سے نہ بھاگے اور دشمنان اسلام کا قلع وقمع کرتا رہے وہ ایسے حضرات کے مقابلہ مین مفضول سمجھا جائے جو ہمیشہ میدان جنگ سے بھاگا کیے اور دشمنان اسلام کو کبھی ایک خط بھی نہ لگا سکے - اب حضرات ناظرین غزوۂ حنین کے معاملے پر نظر توجہ ڈالین -

غزوۂ حُنین

یہ لڑائی آخری تھی جو درمیان لشکر اسلام اور کفار قریش کے واقع ہوئی - اس جنگ کی حقیقت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل عرب نے جناب رسولؐ خدا کی اطاعت اختیار کی تھی الا قبیلہ ہوازن وثقیف جنھون نے ہزارون آدمیون کے ساتھ میدان حنین مین جناب رسولؐ خدا سے مقابلہ کیا - ہرچند مسلمانون کے افراد کم نتھے مگر چونکہ دشمنون نے دھوکے سے اُنپر حملہ کیا تھا مہاجرین وانصار دونون جناب رسولؐ خدا کو چھوڑکر فرار ہوگئے میدان جنگ مین قائم رہجانیوالے ایک روایت کی روسے صرف یہ چار حضرات تھے یعنی حضرت علی مرتضےٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ - ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن مسعود - ان چار صاحبون کے نام دوسری روایت مین بھی دیکھے جاتے ہین جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹ اشخاص ایسے تھے جو اس لڑائی مین ثابت قدم رہے خیر جسوقت مہاجرین اور انصار بھاگے جاتے تھے پیغمبر خدا نے فرارین کو غیرت دلانے کی نظر سے یا اصحاب السمرہ اور یا اصحاب الشجرہ کہہ کہکر پکارا - اسکے سننے سے سو آدمی کے قریب انصار مین کے لوٹے اور پھر جنگ گاہ مین حاضر ہوگئے - فرارین کے اصحاب الشجرہ کے لقب سے پکاری جانیکی وجہ یہ تھی کہ اکثر یہ لوگ بیعت الرضوان مین شامل تھے - بیعت الرضوان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت اُسوقت ہوئی تھی کہ جب جناب رسولؐ خدا عمرہ کے ارادے سے مکہ کیطرف تشریف لے گئے تھے اور مطلب اس بیعت کا یہ تھا کہ اہل اسلام جہاد مین پوری کوشش کرینگے جہاد سے کبھی منہ نہ موڑینگے اور تمامتر جناب رسولؐ خدا کی اطاعت مین سرگرم رہین گے - اور چونکہ یہ بیعت الرضوان

ایک درخت کے نیچے وقوع مین آئی تہی اسواسطے اسے بیعت تحت الشجرہ بہی کہتے ہین جناب رسول خدانے اسلئے مغرورین کو غیرت دلانے کے لیے اصحاب السمرہ کے لقب سے پکارا۔ یعنی۔ اے درخت کے نیچے بیعت کرنیوالو۔ جاننا چاہیے کہ سمرہ ایک قسم کا سایہ دار درخت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت جسکے نیچے یہ بیعت ظہور مین آئی درخت سمرہ تہا۔ الغرض جب کچھ بہاگے ہوئے لوگ میدان جنگ مین مجتمع ہوآئے تو لڑائی شروع ہوگئی۔ ہنگام جنگ ابوجردل نامی ایک پہلوان لشکر کفار سے رجز خوانی کرتا ہوا نکلا اور مبارز طلب ہوا۔ لشکر اسلام سے کسی نے بہی اُسکے مقابلہ کا قصد نہ کیا۔ اُسکی تنومندی اور بہادری کے رعب مین سب کے سب گرفتار ہوگئے۔ مگر ذوالفقار شاہ لافتےٰ نے اس دشمن خدا کو سید ہا دیان روانہ کردیا جہان اسکے پہلے عمرو بن عبدود مرحب اور حارث وغیرہ پہنچائے جاچکے تہے۔ اس لڑائی مین کفار نے شکست فاش اٹھائی۔ اور اُنکے مقتولین کا عدد ستر ہے۔ انمین سے چالیس نفر شاہ مردان کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ کو بنی ہاشم اور اور انصار نے مارا۔ کسی مہاجر غیر بنی ہاشم کے ہاتھ سے ایک کافر کا قتل ہونا بہی کسی تاریخ کی کتاب سے نہین ثابت ہوتا۔ نہایت جائے افسوس ہے کہ اس لڑائی مین بہی حضرات خلفائے ثلثہ سے کوئی کارگزاری نمایان نہوسکی۔ آپ حضرات کا فرار تو معمولی امر تہا حضرت عمر کے فرار کی نسبت بخاری کی صحیح مین ابو قتادہ کی حدیث پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔ انھزم المسلمین وانھزمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ما شان الناس قال امر اللہ ثم رجع الناس الی رسول اللہ۔ انتھی بلفظہ المحاجۃ۔ یعنی قتادہ ناقل ہے کہ مسلمان بہاگے اور مین بہاگا۔ اُن لوگون مین عمر بن الخطاب کو مین نے دیکہا اور مینے اُنسے کہا کہ کیا حال ہوا لوگون کا۔ حضرت عمر نے کہا جو منظور خدا تہا وہ ہوا۔ اسکے بعد لوگ جناب رسول خدا کے پاس گئے اے اہل انصاف جائے غور ہے کہ لڑائیون کے دشوار وقت مین جناب رسول خدا کو محل خوف مین چہوڑکر کوئی کامل الایمان تو بہاگ نہین سکتا۔ پس ایسے بہاگ نکلنے والے حضرات کو شاہ لافتےٰ پر کیونکر ترجیح دی جاسکتی ہے یہ امر کہ حضرت علیؑ ہر جنگ مین ثابت قدم رہتے تہے اور سخت زخمی ہو ہو کر بہی جناب رسول خدا اور دین خدا کی ایسی ایسی بیش از قیاس خدمت کیا کرتے تہے تمامتر اس پر دال ہے کہ آپ کامل الایمان تہے۔ حضرات خلفائے ثلثہ کے بار بار کے فرار اور ترسندگی سے ہرگز اسکی امید نہین ہوسکتی تہی کہ جناب رسول خدا کے بعد اُن حضرات مین کوئی بہی آپ کا خلیفہ قرار پائیگا۔

جناب رسول خدا بڑے بہادر شخص تہے کسی لڑائی سے آپ ایک قدم بہی پیچہے نہ ہٹے فرار تو ایک ناپاک ورناپاک شے ہے۔ ایسے بہادر نبی کا جانشین علیؑ ہی سے بہادر کو ہونا زیب دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر کس حق سے جناب رسولؐ خدا کے جانشین قرار دیے گئے۔ یہ ایک نہایت حیرت خیز امر ہے۔ انصاف کے رو سے کسیکو بھی حضرات خلفائے ثلثہ مین سے جناب رسولؐ خدا کی جانشینی کا حق حاصل نہ تھا۔ ان حضرات علیہم ما۔ علیہم نے تو اسلام کو دشمنان اسلام سے بچانیکی کبھی کارروائی اختیار ہی نہین کی ہمیشہ اپنی جان ہی بچانیکی فکر مین رہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کبھی کا رخصت ہو چکا تھا۔ پس یہ کیا معاملہ ہے اور کون سا انصاف ہے کہ بعد جناب رسولؐ خدا کے علیؑ تو مامور اور محکوم بنا جائین۔ اور حضرت ابوبکر جنکو عدم شجاعت کے باعث خس برابر بھی جناب رسولؐ خدا کی خلافت کا حق حاصل نہ تھا وہ امیر و حاکم بنجائین۔

واضح ہو کہ اس لڑائی مین خلاف عادت انصار بھی فرار ہو گئے اور جو شریک جنگ ہوئے وہ وہی افراد تھے جو جناب رسولؐ خدا کے غیرت دلانے سے لوٹ آئے تھے حضرات مہاجرین غیر بنی ہاشم کا فرار تو ایک معمولی امر تھا۔ مگر اُنکے فرار سے زیادہ توجہ طلب خاندان ابوسفیان کی حاضری جنگ ہے۔ قبیلہ بنی امیہ کے بیشتر حضرات جو نئے مسلمان ہوئے تھے میدان جنگ مین حاضر تھے۔ مگر لشکر اسلام سے الگ کھڑے ہو کر لڑائی کے تماشے دیکھ رہے تھے اور مسلمانونکی مصیبتون پر ٹھٹھے لگا رہے تھے۔ اس لڑائی مین بنی اُمیہ کے سردار حضرت ابوسفیان حاضر تھے مگر خس برابر بھی اُن حضرت نے جناب رسولؐ خدا کی اعانت نہین کی۔ الگ سے اپنے اور عزیزونکی کی طرح تماشائے جنگ دیکھتے اور قہقہے مارتے رہے۔ یہ حضرات نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور یہ پہلا امتحان آپکے اسلام قبول کرنیکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص فتح مکہ کے وقت سے مجبوراً مسلمان بنا تھا۔ مصرع۔ کافر نتوان شد ناچار مسلمان شد۔ اُسنے جب دیکھا کہ اسلام غالب آگیا اور دین خدا سے اب مقاومت کی تاب نہین رہی ناچار دین اسلام کو قبول کر لیا۔ اگر یہ شخص دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو اس جنگ مین صرف لڑائی کے تماشے نہ دیکھتا اور یون قہقہے نہ لگاتا رہتا۔ اگر دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو مجاہدین مومنین کیطرح دین خدا کی مدد کرتا اور جناب رسولؐ خدا کا ساتھ دیتا۔ اسکے اس انداز سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانون کی شکست کا دلی خواہان تھا اور اسلام کی ہزیمت کا منتظر۔ مگر چشم بد اندیش کور باد۔ فتح نصیب اسلام ہو گئی۔ اگر اسکے برعکس کوئی معاملہ ظہور مین آتا تو یہ ظاہر صورت مسلمان مبارکباد دینے کے لیے قبیلہ ہائے ہوازن و ثقیف کیطرف دوڑنے لگتا۔ واقعی بنی امیہ کا مسلمان کہلانا ایک طرفہ معاملہ ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ابوسفیان اور اُسکے لوگ خاصے منافق تھے۔ ظاہراً مغلوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ قبیلہ ہر پہلو سے قابل نفرت نظر آتا ہے۔ اگر یہ قبیلہ نہ ہوتا تو بدر و احد و خندق کی لڑائیان ہرگز ہرگز وقوع مین نہ آئین۔ چین سے مذہب اسلام اشاعت پاتا اور اسقدر بہادران اسلام کی

جانین بیکار ضائع نہ ہوتین - ابوسفیان اور اُسکے قبیلہ والون نے اسلام کی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا - اگر علیؑ کو خدا تعالےٰ نے ناصر و معین اسلام نہ بنایا ہوتا تو ظاہرا اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی - علاوہ فتنہ انگیزیون کے اس قبیلہ کے اخلاقی مذہبی او تمدنی امور بہت کچھ پایہ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے - ایسے قبیلہ سے ہر راست باز آدمی کو کراہت کا پیدا ہونا بالکل مقتضائے فطرت ہے - پس جناب پیغمبر خدا کو اس قبیلہ کے ساتھ نفرت بے سبب نہ تھی حضرت علیؑ مرتضےٰ بھی جناب رسول خدا کی اس نفرت سے پورے پورے واقف تھے اور چونکہ آپ جناب رسول مقبول کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے آنحضرت کی وفات کے بعد بھی آپنے قبیلہ بنی اُمیہ سے کبھی مرابطت پیدا نہ کی - چنانچہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خلافت کا انتظام ہوگیا - تب حضرت ابوسفیان غرض خاص سے جناب امیرؑ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اے علیؑ تم چُپ رہ گئے اور خلافت کا معاملہ طے پاگیا - اگر تم کہو تو مین صحرائے مدینہ کو سواران ملکہ سے بھر دون اور انتظام خلافت کو درہم وبرہم کردون - اُس جناب نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیان تم ایام جاہلیت مین بھی فتنہ انگیزی کیا کرتے تھے اور اب مسلمان ہوکر بھی اپنی عادت فتنہ انگیزی سے باز نہین آتے - یہ جواب پاکر ابوسفیان صاحب نے اپنی راہ لی اور جس طرف کو بہبودی کی صورت نظر آئی اُس طرف سدھارے - حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ حضرت علیؑ کا یہ جواب کیسی بڑی مصلحت اور دور اندیشی سے خبر دیتا ہے - کسواسطے کہ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت ابوسفیان قبیلہ بنی اُمیہ کے سردار تھے - یہ قبیلہ جناب رسول خدا کے عہد مین برابر ناکامیابیان اُٹھاتا رہا تھا اور اس قبیلہ کو بڑی بڑی مضرتین خود حضرت علیؑ کی تلوار سے پہنچی تھین جیسا کہ غزوات بدر و اُحد اور خندق کے معاملات سے آشکار ہے ایسی حالت مین یہ قبیلہ نہ رسول خدا کا کسی طرح دوست ہوسکتا تھا نہ آل جناب رسول خدا کا - اگر رسول اللہ کی دوستداری اس قبیلہ کو مدنظر ہوتی تو جنگ حُنین مین ابوسفیان صاحب اپنے خاص عزیزان کے ساتھ مسلمانون کی مصیبتون کے تماشے دیکھتے اور ٹھٹھے لگاتے - پس حضرت ابوسفیان نے جو جناب امیرؑ کو انتظام خلافت کے درہم وبرہم کردینے مین مستعدی دکھلائی ہرگز یہ بات خوش نیتی پر مبنی نہ تھی - الغرض حضرت علیؑ فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارے ذریعہ سے مجرد اپنے کو اور اپنے قبیلہ کو نفع پہنچانا چاہتا ہے اُسے ہمارے سچے مذہب کی یا ہمارے قبیلہ بنی ہاشم کی کوئی منفعت مدنظر نہین ہے - اسلئے اُسے آپنے اس طرح کا جواب دیا جس سے اُسکا ایک مفسد شخص ہونا ظاہر ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ابوسفیان کو شخص مفسد سمجھکر حضرت علیؑ نہ اُسکے مشورے پر عمل کرسکتے تھے اور نہ اُسکی اعانت کو جائز رکھہ سکتے تھے - پس اُسے اس جواب کے سوا دوسرا جواب کیا دیتے -

علاوہ اسکے حضرت علیؑ خوب جانتے تھے کہ جناب رسولؐ مقبول بنی امیہ سے کراہت رکھتے تھے پس آپ ابوسفیان سے کیونکر میل جول پیدا کر سکتے تھے۔ اگر جناب امیرؑ ابوسفیان سے لطف و ملاطفت پیدا کر لیتے تو حضرتؑ کا یہ برتاؤ جناب رسولؐ خدا کے برتاؤ کے خلاف پڑتا اور جناب رسولؐ خدا کی پالیسی کے بالکل مغائر واقع ہوتا۔ پوشیدہ نہیں ہے کہ جناب رسولؐ خدا کی پالیسی بڑی عمدہ پالیسی تھی کہ قبیلۂ بنی امیہ جو ایک سرکش اور مفسد قبیلہ تھا ہمیشہ مغلوب رہے۔ چنانچہ بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ ایک عرصۂ دراز میں یہ قبیلہ مغلوب کیا گیا تھا۔ اگر حضرت علیؑ ابوسفیان کے مشورے کو سن لیتے تو یقیناً مرضی جناب رسولؐ خدا کے خلاف آپکی یہ کارروائی ہوتی۔ مگر حضرت علیؑ جو ہمیشہ تبعیت جناب رسولؐ خدا کو فرض سمجھتے تھے اور آنحضرتؐ کی مرضی کے خلاف عامل ہونیکو کفر جانتے تھے ایسا کام کر ہی نہ سکتے تھے جسمین قبیلۂ بنی امیہ کی قوتون کے عود کرنے کا گمان قوی تھا فی الواقع اگر ابوسفیان صاحب کے مغالطہ مین حضرت امیرؑ آجاتے تو آپ پر دو سخت الزام عائد ہوتے۔ اول تو یہ کہ جس قبیلہ سے جناب رسولؐ خدا کو نفرت تھی اُسکے سردار سے آپنے موافقت اور مرابطت پیدا کی۔ دوم یہ کہ جس قبیلہ کو جناب رسولؐ خدا ضعیف اور کمزور کر چکے تھے اُسکو از سر نو آپنے قوی اور پُر زور کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت علیؑ ابوسفیان کی اعانت قبول فرماتے تو اُسکے معاوضہ مین ابوسفیان کو بلاد اسلام کی کچھ نہ کچھ حکومت عطا فرماتے۔ ایسی صورت مین ابوسفیان اور اور اُسکے قبیلہ کا از سر نو قوی اور پر زور ہونا خلاف توقع نہ تھا۔ پس ابوسفیان صاحب سے بر سر احتراز رہکر حضرت علیؑ نے نہ صرف اپنے کو ان دونو الزامون سے بچایا بلکہ اُس الزام سے بھی اپنے کو محفوظ رکھا جو ابوسفیان او قبیلہ بنی امیہ کی حکومتون کے حاصل کرنیکی بنیاد پر صورت پذیر ہوتا۔ الحق ابوسفیان اور اُسکے قبیلہ کا از سر نو قوی ہو جانا خاص کر خاندان پیغمبرؐ کے واسطے کچھ بھی اچھا نہوا۔ اس قبیلے کے از سر نو قوت حاصل کرنے کے تاریخی حالات قابل ذکر ہین۔ جاننا چاہیے کہ جب حضرت علیؑ نے ابوسفیان کی اعانت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو ابوسفیان صاحب حضرت علیؑ سے دست بردار ہوکر اپنے طور پر حصول حکومت کی فکر مین کرنے لگے اور اپنی کارستانیون سے ملک شام کی حکومت حاصل کر لی اور یہ بھی حق حاصل کر لیا کہ جسقدر ملک اطراف شام مین مسلمان فتح کرین اُن کا چہارم حصہ اُنکو ملا کرے۔ الغرض جب ابوسفیان صاحب نے شام کی کل حکومت حاصل کر لی۔ تب اُنھون نے فرمایا کہ مین ضعیف و پیر ہو گیا ہون۔ مین مکہ سے باہر جانا پسند نہین کرتا۔ شام کی حکومت پر اُنکا بڑا صاحبزادہ یزید ابن ابوسفیان بھیجا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحبزادے کے حاکم شام ہوتے ہی مردمان بنی اُمیہ جو پریشان حال ہو رہے تھے شام کو روانہ ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ مین اپنے سابق کی قومی قوتون کے اعتبار سے بھی دہ چند زیادہ قوی ہو گئے۔ شام کا سارا ملک

بنی امیہ کے زیر حکومت ہوگیا - شام مین چھوٹے سے بڑے تک ہر عہدہ پر بنی امیہ ہی سرفراز
دکھائی دیتے تھے - کہین بنی ہاشم کی صورت نظر ہی نہ آتی تھی - بنی ہاشم کا شام مین کسی عہدہ
پر بحال ہونا تو محض خلاف توقع تھا جبکہ خود دار الخلافت مدینہ مین ایک کس بنی ہاشم یا نجرویہ کی
نوکری کا بھی نظر نہ آتا تھا - الغرض جو کچھ تاوان قبیلۂ بنی امیہ عہد رسول اللہ مین اُٹھا چکا تھا اُسکی
بڑی بھاری تلافی اس قبیلہ کے لیے فوراً رسول اللہ کی رحلت کے بعد مین حضرت شیخین کی توجہ
فرمائی سے ہوگئی - جاننا چاہیے کہ شام کی حکومت پر صرف چار برس یزید ابن ابوسفیان قائم
رہکر مر گئے انکے بعد اُنکے چھوٹے بھائی حضرت معاویہ ابن ابی سفیان اُنکے جانشین بنائے گئے
آپ قبیلۂ بنی امیہ کا ایک پورا نمونہ تھے - چونکہ آپ اپنے برادر متوفے سے بمراحل قابل تر تھے -
آپ کے عہد حکومت مین قبیلۂ بنی امیہ کی قوت و حشمت و شوکت وغیرہ وغیرہ احاطۂ بیان سے
باہر معلوم ہوتی ہے - آپ بہت عرصہ تک حاکم شام رہے اور اسقدر صاحب قوت و ثروت
ہوگئے کہ جب اپنے عہد خلافت مین حضرت علی نے آپکو حکومت شام سے معزول کرنا چاہا تو آپ معزول
نہو سکے اور خلیفۂ وقت سے برابر مقابلے فرماتے رہے - بلکہ خلیفۂ وقت کو کثرت جنگ سے اتنی
فرصت نہ دی کہ وہ حضرت خلافت کے اور کسی کام کیطرف اپنی پوری توجہ مبذول فرماسکتے -
حضرت علیؑ کی خلافت کا زمانہ صرف چار برس اور چند مہینے کا تھا - اسکے بعد جناب امام حسنؑ خلیفہ ہوئے
چھ مہینے کے اندر حضرت امام کو خلع خلافت کی نوبت آئی - اس عجیب معاملہ کے بعد مدینہ کی جگہہ دمشق
ہی دار الخلافہ قرار دیا گیا - واضح ہو کہ جناب رسول خدا کے بعد بنی ہاشم ضعیف تو ہوتے ہی جاتے
تھے مگر اس خلع خلافت سے اُنکی رہی سہی وجاہت مین بھی پورا پورا زوال آگیا اور بنی امیہ ہر طرح سے
منتہائی ثروت و نخوت کو پہنچ گئے - کیا تعجب ہے کہ وہ قبیلہ جس سے جناب رسول خدا کو کراہت تھی
اور جسکو بڑی کوششون سے آنحضرت اپنے عہد مین مغلوب و مجبور فرما گئے تھے آپ کی رحلت کے
ساتھ ہی ساتھ زور پکڑنے لگا - اور رفتہ رفتہ تمامتر مالک اور حاکم تمام بلاد اسلام کا ہوگیا - اور بنی ہاشم
جو جناب رسول خدا کا قبیلہ تھا اور جسکی عظمت مسلمانون پر فرض تھی مغلوب و مجبور ہوگیا - خیر جب حضرت
معاویہ خلع خلافت کے بعد خلیفۂ وقت قرار پائے - تو وہ حضرت اپنی قوت کے برقرار رکھنے مین برابر
کوشان رہے بلکہ اسکی بھی حضرت نے بڑی کوششین فرمائین کہ خلافت حضرت ہی کی نسل مین رہجائے
چنانچہ اس خیال سے حضرت نے استخلاف فرمایا جیساکہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے لیے استخلاف
فرمایا تھا اور اپنے صاحبزادے کی بیعت کے معاملہ مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا -
بنی ہاشم تو ضعیف ہو ہی چکے تھے - مگر اس قبیلہ کے دو سردار یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ ابھی تک
زندہ تھے جنکی طرف سے ان حضرت کو اطمینان حاصل نہ تھا - تھوڑے عرصہ مین امام حسنؑ کیطرف سے تو

اطمینان حاصل ہو گیا یعنی امام حسنؑ علیہ السلام کو زہر دغا پلوا کر شہید کرا دیا یہ حادثہ خود حضرت معاویہ کے عہد میں واقع ہوا اور اس واقعہ کی نسبت ابوالفدا اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ کے مسموم کیے جانیکی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے آپکو زہر دلوایا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت کے صاحبزادے یزید ابن معاویہ نے یہ کام کیا۔ خیر جو امر صحیح ہو۔ جناب امام حسنؑ کے مسموم کیے جانے سے دو سرداران بنی ہاشم میں سے ایک کی طرف سے تو حضرت معاویہ کو خرخشہ کا احتمال جاتا رہا۔ ان حضرت کی اس اطمینان پانے کی نسبت صاحب تاریخ خمیس لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؑ کی شہادت کی خبر دمشق میں حضرت کے پاس پہنچی تو حضرت نے اظہار خوشی فرمایا۔ اس پر حضرت کی بہن فاختہ نے کہا کہ اے معاویہ تو سبط رسول اللہ کی موت پر خوش ہوتا ہے۔ تب حضرت نے فرمایا کہ میں سبط رسول اللہ کے مرنے پر اظہار فرح نہیں کرتا ہوں مگر اس خبر سے میرے دل کو راحت نصیب ہوئی۔ لاریب جناب امام حسنؑ کی رحلت سے حضرت کے واسطے بڑی طمانیت کی صورت ہوئی۔ مگر اب بھی ایک سردار بنی ہاشم یعنی امام حسینؑ علیہ السلام رہ گئے تھے اور چونکہ یہ امام ہمام اپنے باپ علیؑ شیر خدا کیطرح صاحب شجاعت تھے انکی جانب کے دغدغہ لگا ہوا تھا۔ مگر اس امام عالیمقام کا خاتمہ حضرت معاویہ کے عہد میں مقدر نہ ہوا تھا اسلیے آپکی شہادت حضرت کے صاحبزادے کے وقت میں واقع ہوئی۔ المختصر خاندان جناب رسول خدا کے گرفتار مصائب ہونے کا سبب قبیلۂ بنی امیہ کا از سر نو نشو و نما پانا واقع ہوا ہے۔

اگر اس قبیلہ کو از سر نو قوت حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا تو خاندان جناب رسول خدا کو اور بنی ہاشم کو اسقدر مصیبتیں نہ جھیلنی پڑتیں۔ واقعی حضرت علیؑ نے بڑی دور اندیشی کی راہ اختیار کی تھی جو حضرت ابوسفیان کی مستعدی اعانت اور ترغیب دہی کیطرف توجہ نفرمائی تھی۔ ورنہ خاندان رسول مقبول اور بنی ہاشم کی تمام تکالیف کا الزام خود حضرت علیؑ پر عائد ہوتا۔ یہ بات روشن اور ہویدا ہے کہ اگر مولائے کائنات ابوسفیان صاحب کی امداد اور اعانت کو قبول فرما لیتے تو اسکے صلہ میں آپکو ابوسفیان صاحب کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرنا پڑتا۔ ضرور تھا کہ آپ منصب وزارت ابوسفیان صاحب کو تفویض فرماتے جسکے ذریعہ سے پھر قبیلۂ بنی امیہ کو ثروت کی صورت پیدا ہو جاتی۔ صاحب اختیار ہو کر حضرت ابوسفیان اور قبیلۂ بنی امیہ وہی سب کام کرتے جو صاحب ثروت اور صاحب اختیار ہو کر انہوں نے کر دکھلائے۔ البتہ خاندان رسول مقبول اور بنی ہاشم کو حضرت ابوسفیان اور قبیلۂ بنی امیہ کے صاحب ثروت او صاحب اختیار ہونے سے اس حالت میں کوئی ضرر نہ پہنچتا کہ جب یہ لوگ خاندان رسول خدا اور بنی ہاشم کے سچے دوستدار ہوتے۔ رسول اللہ آل رسول اللہ اور بنی ہاشم کے یہ لوگ جیسے دوستدار تھے اسکی حقیقت جنگ حنین میں ظاہر ہو چکی تھی

امر حق یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان اور اُنکے قبیلہ والے ہمیشہ سے جناب رسولِ خدا اور بنی ہاشم کے
دشمن چلے آئے تھے - ابوسفیان صاحب نے حضرت علیؑ کو امداد اور اعانت کی مستعدی
خلوص و اتحاد کی بنیاد پر نہین دکھلائی تھی - اس اظہار ہمدردی مین تمامتر ذاتی غرض پنہان تھی
جسکو حضرت علیؑ خوب جانتے تھے - اسلیے حضرتؑ نے ایسا جواب دیا کہ ابوسفیان صاحب نے
مایوس ہوکر نخلِ مرام کی نظر سے حضرات شیخین کی جانب رُخ کیا اور پورے طور پر اپنے مقاصد مین
کامیاب ہوئے - حقیقت یہ ہے کہ ابوسفیان صاحب بڑے مدبر آدمی تھے - آپنے یہ سوچا تھا کہ
حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو ساتھ لے لینے مین ایک بڑی ظاہرداری رہ جاتی ہے - مگر حضرت علیؑ
نے تمامتر بیرخی دکھلائی جس سے آپ جناب رسول اللہ کی اُس کراہت کے شریک رہے جو
آنحضرت کو قبیلہ بنی اُمیہ کے ساتھ تھی اور اُن الزامات کے عائد ہونے سے بھی محفوظ و مامون رہے
جو قبیلہ بنی اُمیہ کے ازسرِنو اختیار اور قوت حاصل کرنیکی وجہ سے حضرات شیخین پر فطری طور سے
عائد ہوتے ہین - آخر مین راقم یہ گزارش کرتا ہے کہ جناب رسولِ خدا کے تمام غزوات بالا سے چند
قابلِ لحاظ اُمور منکشف ہوتے ہین اول یہ کہ حضرت رسولِ خدا ایک ایسے دلیر اور مستقل مزاج شخص تھے
جیسا کہ ایک اولوالعزم نبی کو ضرور ہونا چاہیے - آپ تمام اُن دشوار لڑائیون مین شامل رہے اور ایک
جنرل کی قابلیت ہر لڑائی مین دکھلاتے رہے - کبھی آپنے کسی لڑائی سے مُنہہ نہ موڑا اور نہ کبھی
آپ سے بزدلی کی گھبراہٹ نمایان ہوئی - لڑائیون مین آپ پر بہت بڑے بڑے وقت آپڑے
مگر آپ کی خلقی مستقل مزاجی نے آپ کی ہر بلا کو ٹالا - آپنے اس امر کو ثابت کرکے دکھلا دیا کہ سچا نبی
بہادر اور بزدلی کے داغ سے پاک ہوتا ہے - شجاعت نبوت اور امامت کی شان ہے - نبی کو اور
اُسکے جانشین امام یا وصی کو ہرگز دل کا چھوٹا یا کھوٹا نہین ہونا چاہیے - دوم یہ کہ اسلام کی جڑ مضبوط کرنے
کے لیے خدا تعالٰے نے حضرت علیؑ کو پیدا کیا تھا - اس لیے آپ کی شجاعت غیر معمولی انداز کی تھی
تمام غزوات اور سرایا مین جو جو کام آپ سے نمایان ہوے اُن سے صاف صاف طور پر ہویدا ہے کہ
آپ مؤید من اللہ تھے - آپ واقعی سیف اللہ اور شہسوار لافتےٰ تھے - مظہر العجائب والغرائب تھے
وغیرہ وغیرہ - آپکی شجاعت کی بدولت آپسے ایسے ایسے کام ظہور مین آئے کہ آپکے ایک کام کے برابر
تمام عالم کے نیکو کارون کی نیکیان ہو نہین سکتین - لاریب آپکے سوا کسی کو جناب رسولِ خدا
کے خلیفہ ہونے کا حق نہین ہے جناب رسولِ خدا کا خلیفہ ایسے ہی شخص کو ہونا چاہیے جو رسول اللہ کا
اسطرح کا ہمدم اور دین خدا کا اسطرح کا حامی و مددگار ہو جیسا کہ حضرت علیؑ تھے سوم یہ کہ حضرات
شیخین بلکہ حضرات خلفائے ثلثہ شجاعت سے کوئی سروکار نہین رکھتے تھے - حضرات شیخین میدان جنگ
سے ایسے ہی بھاگا کرتے تھے جیسے بزدل عوام الناس جان کے خوف سے بھاگا کرتے ہین -

فرار ان دونون بزرگوارون کے لیے ایک معمولی امر تھا آپ دونون بلکہ تینون بزرگوار ونکے میدانی معاملات ایسے دکھائی دیتے ہین کہ جن سے ہر صاحب شرم وحیا کو حجاب کی صورت پیدا ہوتی ہے نہایت جائے تعجب ہے کہ صفت شجاعت کے فقدان کے ساتھ ساتھ آپ تینون حضرات ایک ایسے بہادر اور مرد میدان نبی کے خلیفہ قرار پا گئے۔ حق یہ ہے کہ عہد جناب رسولؐ خدا مین ایک حضرت بھی حضرات خلفائے ثلثہ مین سے کوئی ایسی کارروائی جس سے جناب رسولؐ خدا یا دین خدا کی سلامتی کی شکل قائم رہ سکتی عمل مین نہ لا سکے ہمیشہ یہی ہوا کہ حضرات خلفائے ثلثہ اپنی ہی جان بچانیکی کارروائی عمل مین لاتے رہے بدر احد۔ خندق۔ خیبر حنین ان سب غزوات مین کسی حضرت سے ایک معمولی طور کی کارروائی بھی ظہور مین نہ آئی۔ عہد رسول اللہ مین اعدا ے اسلام کے مقابلہ مین تو حضرات خلفائے ثلثہ اسلام کے سلامت رہنے کی کوئی صورت پیدا نکر سکے۔ مگر آپکی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے نہایت کشادہ پیشانی سے اُس مسند پر جلوہ گر ہو گئے۔ جسپر حضرت علیؑ کی تلوار نے حضرت علیؑ کو زینت بخشنی کا مستحق بنا رکھا تھا۔ محنت دگرے کردہ وعشرت دگرے برد۔ اگر مجرد خلافت نبی سے حضرت علیؑ کو محروم رکھا تھا تو رکھا تھا مسند رسول اللہ پر جلوہ گر ہو کر حضرات شیخین نے ایک ایسی قبیلہ کی نصرت کی کہ جس سے جناب رسولؐ خدا کو تمامتر نفرت تھی اور جسکو مصلحتاً جناب رسولؐ خدا نہایت کمزور کر گئے تھے۔ اُس قبیلہ کو کسی جانشین جناب رسولؐ خداے یا کسی سردار اسلام سے منتفع ہونیکا خس بھر بھی حق نہ تھا۔ اسلیے کہ وہ قبیلہ بڑا دشمن جناب رسولؐ خدا اور دین خدا کا تھا اور اُس سے طرح طرح کے صدمے جناب رسولؐ خدا او دین خدا کو پہنچ چکے تھے۔ مگر حضرات شیخین کی اس نصرت کی بدولت وہ قبیلہ بالآخر ایسا قوی ہو گیا کہ اُسکے سبب سے آلِ محمدؐ کی مصیبتون کی کوئی حد ہی نرہی حضرات شیخین کا حضرت علیؑ کو رسول اللہ کی جانشینی سے محروم رکھنا ہی ایک طرفہ امر تھا۔ اُس سے بالاتر آپ دونون صاحبون کیطرف سے قبیلۂ بنی امیہ کی سرپرستی ایک طرفہ تر مضمون ہے۔ اس سرپرستی نے آلِ محمدؐ کی پوری بیخ کنی کر ڈالی اور اسلام کو ایسے خلفا کے ہاتھ مین ڈال دیا جو در حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہین رکھتے تھے اور نفس پروری کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔

اسم ۱۵۔ آپ یعنی حضرت علیؑ کے لیے آفتاب نے رجعت کی جیسا کہ حضرت یوشع کی دعا پر آفتاب ٹھہر گیا تھا۔ آفتاب کا حضرت یوشع کی دعا پر ٹھہر جانا توریت مین مندرج ہے۔ اسیطرح رجعت آفتاب بروایت صحیح ثابت ہے۔ طحاوی کی کتاب مشکلات حدیث مین بروایت اسما بنت عمیس اور نیز کتاب منتقی مین یہ حدیث مندرج ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اُس حدیث کو کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد دوم مین شرح وبسط کے ساتھ درج کیا ہے۔ صاحب تاریخ الخمیس حسن ابن محمد ابن حسن دیار بکری نے بھی اُسے اپنی تاریخ مذکور مین داخل کیا ہے۔ اس حدیث کا منکر صرف

ابن جوزی نظر آتا ہے - ابن جوزی ایک بڑا مخالف حضرت علیؑ کا ہے - اسکا انکار قابل اعتبار نہین ہو سکتا - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر معجزہ رجعت خورشید کا علیؑ کے لئے وقوع نہوتا تو یہ شخص اس حدیث کو موضوع قرار نہ دیتا - مگر دشمنان علیؑ یا نیچریون کے انکار سے شان مرتضویؑ مین کچھ دھبا نہین لگ سکتا - چھپے ہے کہین خاک ڈالے سے چاند - آفتاب آمد دلیل آفتاب -

بہر حال - رجعت خورشید کا یہ معاملہ ہے کہ ایک دن جناب رسول خداؐ پر نزول وحی ہو رہا تھا اور سر مبارک رسول اللہؐ کا حضرت علیؑ کی گود مین تھا اور اتنی دیر تک رہا کہ غروب آفتاب ہوگیا اور حضرت علیؑ کی نماز عصر قضا ہوگئی - جب نزول وحی ہو چکا - تب جناب رسول خداؐ نے پوچھا کہ یا علیؑ تمنے نماز عصر پڑھی - آپنے جواب مین عرض کیا کہ اشارون سے ادا کی ہے - پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے میرے خدا علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت مین تھا - پس تو آفتاب کو اُسکی خاطر سے پھیر دے - اسما بنت عمیس جو راویہ ہین اور بقول آنحضرتؐ قطعی جنتی ہین کہتی ہین کہ ہمنے آفتاب کو غروب ہو جاتے دیکھا تھا اور پھر ہمنے اُسے طلوع ہوتے دیکھا اور اُسکی روشنی زمین اور پہاڑ پر پھیلتی دکھائی دی - حضرات ناظرین - اس حدیث سے علیؑ ابن ابیطالب کا بڑا درجہ معلوم ہوتا ہے اول تو وقت نزول وحی سر مبارک آنحضرتؐ کا علیؑ کی گود مین تھا - دوم یہ کہ جب آنحضرتؐ نے رجعت خورشید کی دعا فرمائی تو یہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے اللہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت مین تھا - سوم یہ کہ علیؑ کی نماز ایک ایسی اہم شے متصور تھی کہ اُسکے واسطے رجعت خورشید ظہور مین آئی - اسجگہ پر حضرات مسلمین کی خدمت مین گزارش ہے کہ حدیث بالا سے نماز کی بڑی ضرورت ظاہر ہوتی ہے جو حضرات مسلمان ہو کر نماز کو ایک غیر قابل توجہ امر سمجھتے ہین وہ اس حدیث پر نظر غور ڈالین - تب اُنکو معلوم ہوگا کہ نماز کیسی ضروری شے ہے - اگر نماز کوئی ضروری چیز نہوتی تو جناب پیغمبر خدا ایک غیر ضروری شے کے لیے رجعت خورشید کی دعا نہ فرماتے - واضح ہو کہ اسوقت مین کچھ ایسے حضرات دیکھے جاتے ہین کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہین ترکہ وغیرہ مسلمانون کی طرح بانٹتے ہین اور مسلمانون سے ساتھ معاشرت رکھتے ہین - اسکے ساتھ یہی نہین ہے کہ نماز کاہلی سے نہین پڑھتے بلکہ نماز کو ایک حقیر اور قابل نفرت شے جانتے ہین - ایسے حضرات کو لازم ہے کہ اس حدیث کو بغور ملاحظہ فرمائین - تب اُنکو از روے اسلام نماز کی پابندی فرض معلوم ہوگی - اپنے کو مسلمان کہنا اور ترک نماز پر اصرار عجب مضمون ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی مسلمان نماز کا پابند نہو مگر جو بالقصد تارک صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ کو ایک بے حقیقت شے جانتا ہے وہ کیونکر اسلام کا دعوے کر سکتا ہے - بلاشبہ نماز کا بھی مکلف ہر ایسا مسلمان ہے جو اس قدر حواس رکھتا ہے کہ اپنے نفع نقصان کو پہچانتا ہو - اگر کوئی شخص دیوانہ یا منکر اسلام ہو تو ظاہر ہے کہ اُس سے نماز کی فرمائش نہین کیجا سکتی

مگر جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور اس اقرار کے ساتھ روٹی مکھن پلاؤ قلیہ۔ سماع رقص
تیل۔ عطر۔ پان۔ حال۔ قال عرس مولود۔ مجرا ناچ۔ شال دوشالہ۔ کوٹ۔ پتلون۔ گاڑی گھوڑا
بنگلہ کوٹھی تجارت معاش اجارہ ٹھیکہ مدعی مدعا علیہ اور تمام دنیا کے امور کے مطلب کو سمجھتا ہے
اور اُن سے متمتع ہوتا ہے تو انکار صلوٰۃ کے ساتھ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ بلاشبہ ایسا شخص مرتد
یا زندیق ہے اور تمامتر دائرہ اسلام سے خارج۔ یہ تو حالت اُن اشخاص کی ہے جو اپنے کو مسلمان
کہتے ہیں یا اپنے مسلمان ہونے کا دھوکا خلق خدا کو دیتے ہیں۔ علاوہ انکے ایک فرقہ ایسے لوگوں کا بھی
ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ مگر معجزات سے انکار رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک شق القمر
یا رجعت خورشید یا جذامی کا صحت یاب ہونا وغیرہ وغیرہ امور غیر فطری متصور ہیں۔ ایسے حضرات
معجزات سے انکار اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ معاملات فطرت کے خلاف کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا
یعنی خرق عادت کوئی شے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات بیحد تنگ چشم اور کم بین ہیں
ان لوگوں نے اُسی کو معاملۂ فطرت سمجھ لیا ہے جسقدر اُنکے ذہن کو ادراک کی وسعت حاصل ہے۔
اُنکے ادراک و فہم سے جو بات بالا ہوتی ہے وہ اُنکے نزدیک احاطۂ فطرت میں داخل نہیں ہوتی۔ مگر
اس جگہہ اور معجزات انبیا علیہم السلام کو چھوڑ کر صرف رجعت خورشید کو مبحث گردانتا ہوں۔ حضرات
ناظرین راقم کی تقریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔

معجزات حضرات انبیا علیہم السلام کی نسبت منکرین معجزات برابر یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ
معجزہ کوئی شے نہیں ہے۔ اسواسطے کہ معجزہ ایک امر غیر فطری یعنی خلاف نیچر ہے۔ پس جو امر غیر فطری
یا خلاف نیچر ہوتا ہے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ ظاہرا یہ قول ایک غیر متبحر سامع کو قرین پذیرائی معلوم ہوتا ہے
مگر یہ قول قلت تدبر سے خبر دیتا ہے جیسا کہ عند التحقیق ثابت ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ یہ قول تب ہی
صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ جب تک معجزات حضرات انبیا علیہم السلام کے محالات عقلیہ سے مان لیے
جائیں۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات منکرین نے معجزات انبیا کو محالات عقلیہ سے سمجھ لیا ہے
حالانکہ جتنے معجزے حضرات انبیا کے درج کتب ہیں وہ بلا استثنائے احدے سب کے سب امکانی پہلو رکھتے
ہیں۔ ایک بھی اُنمیں ایسا نظر نہیں آتا ہے کہ محال عقلی کا حکم رکھتا ہو۔ فقیر کی اطلاع میں کسی نبی کی
طرف کوئی ایسا معجزہ منسوب نہیں کیا گیا ہے جسکے ممکن الوقوع ہونے میں کسی معقولی کو عذر ہو سکتا ہو
البتہ جتنے معجزے بیان کیے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اُنکے وقوع ہم لوگوں کے ہر روز کے تجربۂ فطرت کے
خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن محالات عقلیہ کا حکم نہیں رکھتے حضرات انبیا علیہم السلام کے جتنے معجزے
کتابوں میں پڑھے جاتے ہیں اُنمیں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ ہندسے کے علوم متعارفہ یا دیگر
مقدمات یقینیہ یا اولیات کے خلاف ہو۔ مثلاً کوئی معجزہ ایسا نہیں بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں

نبی نے کل سے جزو کو اعظم کرکے دکھایا ہی - لاریب کسی نبی سے محالات عقلیہ کی خلاف کوئی معجزہ ظہور مین نہین آیا ہے اور نہ ایسا کوئی معجزہ سنا جاتا ہے جسکے وقوع سے کسی مقدمۂ یقینیہ کے وجوب و کلیت مین ذرا بھی فساد لاحق ہوا ہو - ایسی صورت مین حضرات تجربہ کا انکار معجزہ پر اصرار اگر قلت تدبر نہین ہے تو کیا ہے - اب ہم معجزۂ رجعت خورشید کی نسبت یہ عرض کرتے ہین کہ یہ معجزہ محالات عقلیہ سے کیونکر قرار دیا جاسکتا ہی - کوئی منکر معجزہ ہمین بتادے کہ یہ معجزہ ہندسہ کے علوم متعارفہ یا کن مقدمات یقینیہ کے خلاف پایا جاتا ہے - اس معجزہ مین سوائے امکانی پہلو کے وجوب کا پہلو نظر ہی نہین آتا ہے البتہ جو کچھ اس معجزہ کے خلاف مین کہا جاسکتا ہے وہ اسیقدر ہی کہ اسکا وقوع روزانہ کے معاملۂ فطرت کے ساتھ مطابقت نہین رکھتا - یعنی جسقدر منکر کو معاملۂ فطرت کا تجربہ حاصل ہوا اسکی خلاف اس معجزہ کا وقوع معلوم ہوتا ہے - لیکن اگر اسقدر بھی معجزات تجربہ ہاے منکرین کے خلاف نہوا کرین تو پھر معجزات معجزات کیون کہلاتے - حضرات ناظرین غور فرمائین کہ رجعت خورشید کی نسبت جو کچھ اعتراض منکرین معجزات وارد کرسکتے ہین وہ اسیقدر ہے کہ ہم لوگ ہر روز آفتاب کو مغرب مین ڈوبتے دیکھتے ہین مگر اُسے رجعت کرتے نہین دیکھتے اور چونکہ یہ بات خلاف فطرت ہے اس لیے ایسا کوئی معجزہ پیغمبر خدا سے ظہور مین نہین آیا تھا - ایسے اعتراض سے ظاہر ہے کہ معترضین نے رائے بالا کو قائم کرنیکے وقت محال و ممکن کے فرق کو ملحوظ نہین رکھا تھا - ورنہ زنہار ایسی غیر معقولانہ رائے قائم نہ کرتے جائے لحاظ ہے کہ آفتاب کا ڈوب کر رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا وغیرہ وغیرہ محالات عقلیہ سے نہین ہین - یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی خاص سبب سے آفتاب ڈوب کر رجعت کرے یا ایک جگہہ کسی وقت ٹھہر جائے - یا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع ہو ایسے وقوع زینہار احاطۂ امکان سے باہر نہین ہین - ایسے وقوع ہم لوگون کے لیے حیرت انگیز اس لیے معلوم ہوتے ہین کہ ہم لوگ اپنے تجربہ کے احاطۂ تنگ کے اندر ایسے وقوع سے اطلاع نہین رکھتے ہین - اسکی مثال ایسی ہے کہ اگر ہم کسی شخص سے جو علم الافلاک سے خبر نہین رکھتا ہے یہ کہین کہ چار ہزار برس پہلے جو تارا اسوقت ہم لوگونکا قطب شمالی ہے قطب شمالی نہ تھا - اُس وقت کا قطب شمالی وہ تارا تھا - جسکا نام تھیوبن (Thuban.) ہے تو وہ ہمارے اس قول کو اپنے تجربۂ ذاتی کی بنیاد پر صحیح نہین مانیگا - اسیطرح سینکڑون انقلابات سماویہ کی نظیرین پیش کیجا سکتی ہین - جسکے سامنے آفتاب کا رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا کوئی شے ہی نہین ہے - خدا جانے کہ دنیا کب سے ہے - مگر جسقدر چار ہزار برس کے اندر کے انقلابات سماویہ ظہور مین آئے ہین - وہ کیا کم حیرت افزا ہین - یہ سب انقلابات بشکل امکان رکھتے ہین - انکو محالات عقلیہ سے وہی سمجھیگا جو محال و ممکن کی تمیز نہ رکھتا ہوگا - پس حضرات منکرین کا رجعت خورشید سے انکار کوئی معقول پیرایہ نہین

رکھتا ہے - اس سبب سے عالی نظرون کے لیے - قابل توجہ ہی نہین ہے - اسی منوال پر دیگر معجزات انبیا علیہم السلام کو بھی قیاس کرنا چاہیے - اور جاننا چاہیے کہ جتنے معجزات حضرات انبیا علیہم السلام سے ظہور مین آئے ہین وہ احاطۂ امکان سے باہر نہ تھے - اسلیے وہ سب خلاف فطرت بھی نہین کہے جا سکتے ہین - البتہ معترضین کے احاطۂ تجربہ کے اندر اُنکی گنجایش نہین دیکھی جاتی - مگر یہ امر خود تقاضاے معجزہ کے مطابق ہے - کسواسطے کہ اگر معجزات کی ایسی گنجایش ہوتی تو پھر معجزہ معجزہ نہوتا -

(۵۵) - آپکو اسد اللہ یعنی شیر خدا اور ید اللہ کا خطاب ملا - اس امتیاز کے حاصل ہونیکی یہ صورت ہوئی کہ شب معراج آنحضرتؐ نے ایک مقام پر ایک شیر کو دیکھا - حضرتؐ نے اپنی انگشتری اُس شیر کے مُنہ مین ڈالدی - پھر مقام قاب قوسین پر شیربرنج کھانے مین جب ایک ہاتھ منجانب اللہ نمایان ہوا تو وہی انگشتری اُس ہاتھ مین موجود تھی - جب صبح کو شب معراج کے بعد حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو دیکھا تو وہی انگشتری دست علیؑ مین پائی - اُسی روز سے آپ کا لقب ید اللہ اور شیر خدا قرار پایا - تنگ چشم اس واقعہ سے چشم پوشی کرین تو کرین مگر حضرت علیؑ کے ید اللہ اور شیر خدا ملقب ہونیکی وجہ یہی ہوئی ہے جو حوالۂ قلم کی گئی -

(۵۶) - آپ کو بحکم خدا آنحضرتؐ نے خرقۂ معراج عنایت فرمایا - اس خرقہ کے مرحمت ہونیکی وجہ یہ ہوئی کہ آپ صفت ستاری مین یکتا تھے - اس صفت کے صلہ مین اس خلعت سے آپ سرفراز فرمائے گئے - لمؤلفہ -

خدا کیونکر نہ دیتا خرقۂ معراج حضرتؐ کو　　گنہگارونکے عیبون کو ہمیشہ آپنے ڈھانکا

(۵۷) - شب معراج مین آنحضرتؐ نے عرش پر لکھا دیکھا - لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وایدتہ بعلیؑ - یعنی خدا کے سوا کوئی خدا نہین محمدؐ خدا کے رسول ہین اور محمدؐ کے مددگار علیؑ ہین -

(۵۸) - آپ قائل قول سلونی تھے - ملا جامی شواہد مین لکھتے ہین کہ آپنے اپنے ایک خطبہ مین فرمایا کہ جسکا جو جی چاہے مجھسے پوچھے - سوائے عرش کی بات کے - میرے سینہ مین علم کثیر ہے بسبب جناب رسول اللہؐ کے لعاب دہن کے جو مجھے وقتاً فوقتاً چٹایا گیا -

(۵۹) - آپ نے فرمایا کہ مین بندۂ خدا اور رسولؐ خدا اور وارث رسولؐ خدا ہون اور یہ بھی فرمایا کہ مین ناکح سیدۃ النسا بنت رسول اللہ ہون اور سید الاوصیا اور خاتم الاوصیا ہون - اور مین وہ ہون کہ میرے سوا جو ان فضائل کا دعوٰی کرے اُسکو خدا تعالےٰ مبتلاے بلا کریگا - (کذا فی الشواہد)

(۶۰) - آپ نے دیر کے قریب چشمہ نکالا - اِسپر اُس دیر کے راہب نے آپ سے پوچھا کہ آپ نبی ہین یا فرشتہ - آپنے جواب دیا کہ مین وصی پیغمبر آخر الزمان ہون - تب اُس راہب نے ایمان

کلمہ پڑہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ وَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ یہ بہی ملا جامی کی شواہد مین مندرج ہے۔

(۶۱)۔ آپکا وصی ہونا امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے بہی ثابت ہے۔ رباعی
عَلِیٌّ حُبُّهٗ جُنَّةٌ ✦ قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ ✦ وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا ✦ اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّةِ

(۶۲)۔ آپ راہ ہدایت بتانے والے اور گمراہی سے بچانیوالے ہین۔ حاکم نے کتاب مستدرک مین زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا نے۔ مَنْ یُّرِیْدُ اَنْ یَّحْیٰی حَیٰوتِیْ وَیَمُوْتَ مَمَاتِیْ وَیَسْکُنَ جَنَّةَ الْخُلْدِ الَّتِیْ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ فَلْیَتَوَلَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ ۵ فَاِنَّهٗ لَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ هُدًی وَّلَنْ یُّدْخِلَکُمْ فِیْ ضَلَالٍ۔ یعنی جو شخص چاہے جینا میرا سا جینا اور مرنا میرا سا مرنا اور رہنا اُس بہشت مین جسکا وعدہ مجھسے میرے رب نے کیا ہے تو چاہیے اُسکو کہ تولا کرے علیؑ ابن ابی طالب سے کہ وہ تمکو کبھی نہ نکالیگا ہدایت سے اور ہرگز داخل نکریگا گمراہی مین۔

(۶۳)۔ آپکا دوست رکھنے والا بہشتی اور آپکا جھٹلانیوالا جہنمی ہے حاکم مستدرک مین عمارؓ بن یاسر سے روایت کرتے ہین کہ حضرت رسولؐ خدا نے علیؑ سے فرمایا۔ یَا عَلِیُّ طُوْبٰی لِمَنْ اَحَبَّكَ وَصَدَّقَ فِیْكَ وَوَیْلٌ لِّمَنْ اَبْغَضَكَ وَكَذَّبَ فِیْكَ

(۶۴)۔ آپکی نسبت رسول اللہ کو وحی ہوئی کہ آپ سید المومنین امام المتقین اور قائد الغر المحجلین ہین عبد اللہ ابن عباس اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہین کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا۔ اُوْحِیَ اِلَیَّ فِیْ عَلِیٍّ ثَلٰثًا اَنَّهٗ سَیِّدُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ وَقَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ۔

(۶۵)۔ آپکا منہ دیکھنا عبادت ہے۔ مستدرک حاکم مین عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٍّ عِبَادَةٌ۔

(۶۶)۔ آپ بروز قیامت حامل لوار الحمد کے ہونگے اور تمام انبیا اُسکے نیچے ہوکر چلینگے اور اُس لوا کی چمک تاج کے طور پر آپکے سر مبارک پر ہوگی۔ دیکھو کتاب معارج النبوۃ۔

(۶۷)۔ آپکو گالی دینا جناب رسول اللہ کو گالی دینا ہے۔ کتاب مشکوۃ المصابیح کے باب مناقب علی مین بروایت اُم سلمہؓ یہ حدیث مندرج ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ۔ واضح ہو کہ شخص ناواقف کو ایسی حدیث کے سُننے سے وحشت کا پیدا ہونا خلاف توقع نہین ہے۔ یعنی وہ ضرور خیال کرسکتا ہے کہ علیؑ جیسے آدمی کو جو بہ نفس نفیس ایک قابل احترام اور واجب عزت آدمی تہے نیز ایک قریب رشتہ دار رسولؐ خدا کے تہے کوئی کیون گالی دیگا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ایک عرصۂ دراز تک علیؑ مورد لعن و دشنام رہے ہین۔ رسول اللہ کو بہ حیثیت رسولؐ ضرور اس امر کی اطلاع تہی کہ لوگ علیؑ کو گالیان دینگے۔ اسواسطے الساقول ارشاد

فرما گئے - ظاہر ہے کہ عہد رسولؐ اللہ مین کسیکو اسقدر جرأت کہان تہی کہ علیؑ کو کوئی گالی دیسکتا اور امر واقعی بہی یہی ہے کہ سب دشتم آنحضرت کی رحلت کے بعد ظہور مین آئے - سبِ علیؑ کے موجد امیر معاویہ تہے - حضرت ممدوح صرف خود ہی سبِ علیؑ نہین فرماتے تہے - بلکہ اپنے پیرووانکو بہی اس کارخیر پر آمادگی دلاتے تہے - چنانچہ حضرت ممدوح کی تبعیت مین اُس دشنام دہی کا طریقہ خوب جاری ہوا اور کیون نہ جاری ہوتا حضرت ممدوح اپنے عہد کے امیر المومنین اور خلیفہ برحق سمجے گئے تہے جیساکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے - پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت امیر المومنین معاویہ ابن ابی سفیان کو حضرت علی مرتضےٰ کے سب پر اسقدر اصرار تہا کہ حسب تحریر ابو الفدا و دیگر مصنفین جب جناب امام حسن علیہ السلام نے حضرت ممدوح کو نامہ صلح لکہا تو منجملہ اور شروط کے یہ شرط بہی حوالۂ قلم کی کہ حضرت علیؑ کو برا نہ کہا کرو - مگر حضرت امیر المومنین معاویہ ابن ابی سفیان نے اس شرط کو قابل پذیرائی نہ سمجھا - لاچار تب جناب امام حسن علیہ السلام نے یہ کہا کہ جس مجلس مین مجکو یا میرے سامنے حضرت علیؑ کو گالی نہ دو بہرکیف یہ شرط قبول ہوئی - خیر - حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کی جو رائے مبارک ہو مگر اسوقت کے آپکے پیرو ذرا اس امر پر نظر رکہین کہ جناب رسولؐ اللہ علیؑ کی دشنام دہی کو عین اپنی دشنام دہی سمجہتے تہے جیساکہ حدیث بالا مین حوالۂ قلم ہوا -

(۸)- جب آپ قبیلۂ ہوازن اور بنی ثقیف کے بتون کو توڑکر جناب پیغمبر خدا کی خدمت مین تشریف لائے تو حضرت رسولؐ نے اپنی مسرت ظاہر کی اور تخلیہ مین علیؑ مرتضےٰ سے بڑی دیر تک راز کی باتین ہوتی رہین - صحبت تخلیہ نے اسقدر طول کہینچا کہ حضرت عمر نے استعجاباً جناب رسالتمآب سے اُسکے بعد پوچہا کہ آج تو آپنے اپنے ابن عم سے بہت دیر تک تخلیہ مین باتین فرمائین - آنحضرت نے جواب دیا کہ مجہے خود باتین کرنا تہین مگر ہان کچہ راز خدا تہے جو بحکم خدا علیؑ مرتضےٰ سے بیان کیے گئے (دیکہو معارج النبوۃ رکن چہارم صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ اور نیز صحیح ترمذی) - حضرت عمر کا استعجاب بیوجہ نہ تہا - آپ شب و روز کے ساتھ رہنے پر بہی حضرت علیؑ کی بلند پائگی سے واقف نہ تہے - بہرحال اس صحبت تخلیہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ خدا اور رسولؐ خدا کے رازون کے امانت دار تہے اور آپکے سوا کسی صحابی کو اس امانت داری کا شرف حاصل نہ تہا -

(۹)- آپ ہمیشہ مراحم نبوتی کے مورد رہے - مگر مواقع ذیل مین حضرت رسولؐ خدا نے خاص طور پر آپ کو عزت عطا فرمائی اور ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ جن سے آپکی اطاعت اور فرمانبرداری جمیع مومنین پر فرض نظر آتی ہے - یہ مواقع کہے دیتے ہین کہ ان مواقع مین جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین قرار دیا تہا - یا یہ کہ حضرت کی یہ نیت یا خواہش تہی کہ حضرت علیؑ آپکے جانشین ہون اہل انصاف کو اسکے اقرار سے چارہ نہین نظر آتا - یون اہل خلاف جو چاہین وہ کہین -

موقعۂ اول - ہجرت کے قبل آنحضرت نے اپنے تمام اہالیان خاندان کی دعوت فرمائی - بعد فراغ طعام کے آنحضرت نے اُنسے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مین عام لوگونپر مبعوث ہوا ہون لیکن تم لوگونپر بالخصوص اور اِس قوم کا جو طور میرے ساتھ ہے اُسے تم دیکھتے ہو - اب تمہین لازم ہے کہ میرے ساتھ میرے بھائی ہونیکی بیعت کرو مگر اُس جماعت مین سے اس کام کے واسطے کوئی نہ اُٹھا مگر علیؑ مرتضےٰ جو ہرچند صغیر السن تھے فوراً اُٹھے - جناب رسولؐ خدا نے آپکو بیٹھ جانیکو فرمایا - بعد ازان آنحضرت نے اُسی قول کا تین بار اعادہ فرمایا اور ہربار علیؑ مرتضےٰ ہی اُٹھے تب آنحضرت نے اپنے دست مبارک کو آپکے ہاتھ پر مارکر فرمایا کہ وَرَاثَتُ ابْنِ عَمِّي دُوْنَ عَمِّي - یعنی اپنا وارث کیا مینے اپنے چچازاد بھائی کو برخلاف اپنے چچا کے اسی قصہ کی حدیث کو بروایت ربیعہ کتاب الخصائص مین نسائی نے درج کیا ہے اور اس قصہ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین شرح و بسط کیساتھ لکھا ہے نیز ابو الفدا مؤرخ نے بھی اس دعوت کے قصہ کو اپنی کتاب تاریخ المختصر فی احوال البشر مین حوالۂ قلم کیا ہے - یہ مؤرخ لکھتا ہے کہ اس دعوت مین آنحضرت نے اپنے اہالیان خاندان کیطرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا - تب کسی نے کوئی جواب نہ دیا - الا علیؑ مرتضےٰ جنھون نے بڑی خوشی کے ساتھ عرض کی کہ مین آپ کا بھائی وصی اور خلیفہ ہونگا اسپر آنحضرت نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تو میرا بھائی میرا وزیر میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے -

واضح ہو کہ اس حدیث سے کہ وَرَاثَتُ ابْنِ عَمِّي دُوْنَ عَمِّي - سے ثابت ہوتا ہے کہ نحن معشر الانبیاء کی حدیث نبوی نہین ہے اور حق بھی یہی ہے کہ غیر طبعی ہونیکے باعث دلمین جگہہ پیدا کرنیکی صلاحیت نہین رکھتی ہے دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ جسوقت حضرت علیؑ سے اس طرح کی وفاداری کا اظہار جناب رسولؐ خدا کے سامنے وقوع مین آیا اُسوقت حضرت علیؑ کا سن شریف گیارہ برس کا تہا - اس کم عمری ہی کے وقت سے حضرت علیؑ حضرت رسول اللہ کے ساتھ برابر غایت وفاداری کے ساتھ تا وفات جناب رسولؐ خدا کے ساتھ پیش آتے رہے - ہمیشہ جناب رسولؐ خدا کی تبعیت آپکو ملحوظ رہی اپنی جان تک حضرت رسولؐ خدا کے مقابلہ مین آپ کو عزیز نہین رہی - بوقت ہجرت آنحضرت آپ بلا خوف جان بستر آنحضرت پر سو رہے اور ہر لڑائی مین جانبازی کی ایسی داد دیتے رہے کہ اُسکا جواب کسی دوسرے سے ممکن نہوا - سچ یہ ہے کہ تمام عمر عجیب مردانگی کے ساتھ اپنے بچپن کے قول کی پابندی آپ فرماتے رہے - جناب رسولؐ خدا کے بعد بھی آپ مخالفان رسولؐ خدا سے نہ ملے جیسا کہ قبیلۂ بنی امیہ سے آپکا کنارہ کش رہنا ثابت کرتا ہے - حق یہ ہے کہ آپکی ساری عمر کی کارروائیان کہے دیتی ہین کہ آپ جناب رسولؐ خدا کے بھائی وصی وزیر اور خلیفہ کی حیثیتون کو پورے طور پر قائم رکھہ سکے -

موقعۂ ۲ - آپکو آنحضرت نے روز ہجرت اہل مکہ کی ادائے امانات کیلیے اپنا نائب مقرر فرمایا اور

خاص اپنے بستر پر سُلوایا اور اپنا کپڑا اُڑھایا - اس قائم مقامی کا شرف آپ کے واسطے ایک امر عظیم معلوم ہوتا ہے - یہ معاملہ کچھ ایسا سنگین تھا کہ اس کام کو وہی کر سکتا تھا جو حضرت کا بھائی وزیر وصی اور خلیفہ ہونیکی حیثیت رکھتا تھا - لاریب یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جو حضرت علیؑ کی برحق جانشینی کا پورے طور پر مثبت نظر آتا ہے - ایسے نازک وقت مین وہی ایسی جانبازی کا کام کر سکتا تھا جسکو خدا تعالےٰ نے حضرت رسولؐ کا بھائی وزیر وصی اور خلیفہ بنایا تھا ظاہر ہے کہ ایسے مشکل کام کا انجام بے تائید غیبی کے کسی آدمی سے تخیل مین نہین آسکتا - پس اس کار دشوار کے لیے حضرت علیؑ ہی مخلوق ہوئے تھے اور وہ اس لیے کہ آپ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے بھائی وزیر وصی اور خلیفہ ہونیکا درجہ تفویض ہوا تھا - اس معاملہ سے روشن ہے کہ آپ منجانب اللہ حضرت رسولؐ خدا کے خلیفہ تھے - اور آپکو منجانب الناس خلیفہ بنائے جانیکی کوئی ضرورت نتھی

موقعہ ۳ - جس سال بیعت الرضوان ظہور مین آئی اُس سال قریش کے کچھ لوگ بعض غلامونکو واپس لینے کے لیے جناب رسولؐ خدا کے پاس آئے - حضرت رسولؐ خدا نے اُن سے فرمایا کہ اے گروہ قریش خدا کی قسم ہے کہ اللہ تعالےٰ تم لوگون پر ایک مرد مبعوث کریگا جسکے ایمان قلبی اللہ تعالےٰ امتحان کر چکا ہے - البتہ وہ شخص تمکو دین پر چلائیگا - اور بعض کو تم مین سے مار یگا - جب اصحاب آنحضرتؐ نے اُس شخص کی نسبت آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ شخص وہ ہے جو اسوقت جوتا مرمت کر رہا ہے - یہ اشارہ آنحضرتؐ کا حضرت علیؑ کیطرف تھا اسوجہ سے کہ آنحضرتؐ نے آپکو اپنا جوتا مرمت کرنے کے لیے دیا تھا اور آپ نعل شریف کی مرمت فرمارہے تھے - واضح ہو کہ آنحضرتؐ کے اس فرمودے سے کہ "البتہ یہ شخص تمکو دین پر چلائیگا اور بعض کو تم مین سے ماریگا" ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص متصرف بہ امور دین و دنیا ہوگا - ظاہر ہے کہ یہی شان خلیفۂ رسولؐ خدا کی ہے کہ متصرف بہ امور دین و دنیا ہو - پس اس سے صاف طور پر حضرت علیؑ کا خلیفۂ رسول اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے - یون ارباب عناد جیسی چاہین ویسی رسولؐ خدا کے اس فرمودہ کی تاویل کرلین -

موقعہ ۴ - آنحضرتؐ نے تبلیغ سورہ برائت کے وقت حکم خداوند تعالےٰ کے مطابق حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام کر کے مکہ روانہ فرمایا اور آپ نے سورہ برائت کے احکام اہل مکہ کو سُنائے - کتاب اعلام الورےٰ اور حبیب السیر مین روایت ذیل درج ہے - وَلٰکِنَّ الْاَمِیْنَ هَبَطَ اِلَیَّ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِاَنَّهُ لَا یُؤَدِّیْ عَنْكَ اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِّنْكَ وَعَلِیٌّ مِّنِّیْ وَهُوَ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَوَارِثِیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْ اَهْلِیْ وَاُمَّتِیْ وَبَعْدِیْ یَقْضِیْ دَیْنِیْ وَلَا یُؤَدِّیْ عَنِّیْ اِلَّا عَلِیٌّ - (ترجمہ) ولیکن جبرئیلؑ امین مجھپر اس حکم کے ساتھ نازل ہوئے کہ اے محمدؐ نہین کوئی ادائے حق کریگا تجھسے الّا تو یا کوئی

مرد جو تجھسے ہو اور حال یہ ہے کہ علیؑ مجھسے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر مین اور میری اُمت مین اور میرے بعد میرے دین کو چلائیگا اور کوئی شخص اداے حق مجھسے نہین کریگا مگر علیؑ - اس معاملہ تبلیغ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا مین ذکر فرمایا ہے - اس سے حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا یعنی متصرف بہ امور دنیا و دین ہونا صاف صاف طور سے ثابت ہے - اب اس سے زیادہ واضح طور پر جناب رسولؐ خدا اور کیا فرماتے - اپنے عہد مین رسولؐ اللہ حضرت علیؑ کو اخی وارث وصی خلیفہ سب کچھ فرما گئے - اور یہ بھی فرمایا کہ علیؑ میرے دین کو میرے بعد چلائیگا - مگر آنحضرت کی رحلت کے بعد اُمت نے آپکو خلیفہ نہونے دیا - حضرت عمر آپکے برادر رسولؐ خدا ہونے سے منکر ہوئے - کسی خلیفہ من جانب الناس نے آپکو وصی رسولؐ اللہ نمانا اور حضرت ابوبکر نے رسولؐ اللہ کی نسبت ایسی ایک حدیث بیان فرمائی کہ جس سے رسولؐ اللہ کا کوئی وارث قرار نہین دیا جا سکتا تھا - واہ کیون نہو اسیکو رسولؐ اللہ کی تبعیت کہتے ہین کہ سب ارشادات نبوی بالائے طاق رکھہ دیے گئے -

موقعۂ ۵ - ایکبار آنحضرت نے علیؑ مرتضےٰ کو سردارِ عرب فرمایا - چنانچہ مستدرک مین بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ذیل مندرج ہے اور ازالۃ الخفا مین شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوْا لِيْ سَيِّدَ الْعَرَبِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْتَ سَيِّدَ الْعَرَبِ قَالَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَعَلِيٌّ سَيِّدُ الْعَرَبِ - ترجمہ - حضرت عائشہ روایت فرماتی ہین کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ سردار عرب کو میرے پاس بلاؤ تو مینے کہا کہ یا رسولؐ اللہ کیا آپ سردار عرب نہین ہین تو آپنے فرمایا کہ مین سردار اولاد آدمؑ ہون اور علیؑ سردار عرب ہین اس سردار عرب ہونے پر بھی اُمت نے آپکی سرداری کو قائم نہونے دیا - سقیفۂ بنی ساعدہ کا ہنگامہ برپا کر کے آپکو اس عالم ظاہر مین خلیفہ ہونے ندیا - واہ کیا وفادار اُمت رسولؐ اللہ کی تھی جو اس طور پر کاربند ہوئی -

موقعۂ ۶ - جناب رسولؐ خدا نے آپکو سید المومنین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین فرمایا - حضرت رسولؐ خدا تو حضرت علیؑ کے حق مین بہت کچھ اچھی اچھی باتین فرمایا کرتے تھے - مگر اُمت کب آپکے فرمودہ پر عمل کرتی تھی - اگر اُمت آپکو سید المومنین سمجھتی تو حضرت عمر بحکم حضرت ابوبکر حضرت فاطمہؑ کا گھر جلانیکو نہ جاتے اور تعدی کے ساتھ آپکو حضرت ابوبکر کے پاس نہ لیجاتے اور وہان بیٹھکر آپ کی گردن مارنے کی بات نہ کرتے اور آپ کے برادر رسولؐ اللہ ہونے سے انکار نہ کرتے - ظاہر ہے کہ کوئی مومن سید المومنین کے ساتھ ایسا وحشیانہ طریقہ رفتار و گفتار کا اختیار نہین کر سکتا -

موقعۂ ۷ - جناب پیغمبر خدا نے آپ کو یہ فرمایا کہ تو میرے بعد ہر مومن اور مومنہ کا امام اور سردار ہے

مگر رسول اللہ کے بعد حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت طلحہ و حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ وغیرہ وغیرہ نے بالیقین آپکو امام و سردار نہین مانا - بہرحال ازالۃ الخفا مین یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مندرج ہے اور وہ حدیث یہ ہے قَالَ لَہٗ (اَیْ لِعَلِیٍّ) رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ بَعْدِیْ وَمُؤْمِنَۃٍ ظاہر ہے کہ اس حدیث مین ولی کے معنی سردار و امام کے سوا دوست ناصر محبوب وغیرہ ہو نہین سکتے اسواسطے کہ من بعدی کا ٹکڑا انمین سے کسی معنی کا متحمل نہین ہو سکتا - اس پر بھی معنی لگانے والے مخالفت علیؑ کے جوش مین اسطرح کے نامربوط معنی لگانے سے باز نہین آتے - معاذاللہ خودغرضی بھی کیا بری شے ہے آدمی کو اندھا کر دیتی ہے -

موقعہ ۸ - ایک بڑے مجمع مین جناب رسول خدا نے نزول وحی کے مطابق یہ فرمایا کہ سبکا دروازہ مسجد نبوی مین علی مرتضےٰ کے دروازہ کے سوا کھلا نرہے - اسکی تعمیل کی گئی اور یہ امر بہت اشخاص کے لیے حسد کا باعث ہوا - کتاب جذب القلوب مین یہ قصہ مندرج ہے - اور اسکی حدیث صحیح بخاری مین دیکھی جاتی ہے - اسیطرح جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ یہ مسجد میرے اور تیرے سوا کسی شخص جنب پر حلال نہین ہے - پھر آنحضرت نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی مثال اس طرح پر دی کہ حکم خداوندی صادر ہوا کہ اے موسےٰ تو ایک مسجد پاک بنا اور اسمین کوئی سوا تیرے اور ہارون اور پسران ہارون کے ساکن نہو - یہ دونون فضیلتین ایسی ہین کہ سوائے حضرت علیؑ کے کسی غیر اہل بیت کے لیے نصیب نہین ہو سکتی تہین - دوسری فضیلت کہ حضرت علیؑ مرتضےٰ جناب رسول خدا کیطرح جنب ہونیکی حالت مین بھی داخل مسجد ہو سکتے تھے - اس امر پر شاہد ہے کہ جناب رسول خدا کیطرح حضرت علی بھی خلقت کی رو سے پاک پیدا ہوئے تھے - یہ ایک بڑی دلیل حضرت علیؑ کی معصومیت کی ہے بغیر معصومیت کے انسان ازلی طور پر پاک نہین ہو سکتا - پس جس طرح حضرت رسول خدا معصوم تھے اسیطرح حضرت علیؑ بھی معصوم تھے - ایسی صورت مین حضرت رسول خدا کا جانشین یا خلیفہ حضرت علیؑ کے سوا کوئی دوسرا شخص نہین ہو سکتا - یعنی ضرور ہے کہ معصوم کا خلیفہ معصوم ہو یہ فضیلت بین طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی مثبت نظر آتی ہے -

موقعہ ۹ - جناب پیغمبر خدا نے ایک بار جناب امیرؑ کو اپنا نائب اور قائم مقام اس طرح پر مقرر فرمایا کہ آپ کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستار باندھی - پھر آپ کو اپنے شتر پر سوار کرکے کفار کیجانب روانہ فرمایا اور وقت روانگی یہ ارشاد زبان مبارک پر لائے کہ اگر ایک شخص بھی علی مرتضےٰ کے ہاتھ پر ایمان لائیگا تو وہ دنیا و مافیہا سے افضل ہوگا - اسکے ساتھ آنحضرت نے یہ دعا بھی بحق علی مرتضےٰ فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَہٗ وَاھْدِ قَلْبَہٗ - اور آپکی منقبت مین اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ ارشاد

فرمایا (دیکھو جناب شیخ عبد الحق صاحب دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰) صاحبو دستار بندی کا مضمون جانشینی کی نشانی ہے۔ آجتک دنیا میں اُسیکی سر پر دستار باندہی جاتی ہے جو کسیکا جانشین قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا کا علیؑ مرتضیٰ کو دستار باندہکر بطور بالا روانہ فرمانا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کو نیابت کا درجہ بخشا گیا اور حق بہی یہی ہے کہ نیابت کی حیثیت آپکے سوا کسیکو بہی حاصل نہ تہی۔ جناب رسولؐ خدا جانتے تہے کہ علیؑ کو دستار باندہکر اعدائے دین کیطرف روانہ کرنا بیجا نہوگا۔ اسلیے کہ علیؑ اعدا کے مقابل مین ثابت قدم رہینگے ہرگز راہ فرار اختیار نکرین گے۔ اہل انصاف ہی دیکھین کہ کس توقع پر حضرت رسولؐ خدا حضرات خلفائے ثلثہ سے کسی ایک کے ساتہ ایسی کارروائی عمل مین لاسکتے۔

جب تجربہ ہائے بسیار سے اسکا امتحان ہوچکا تہا کہ ان حضرات مین سے کسی مین بہی خدا تعالےٰ نے یہ صفت ثابت قدمی کی گویا ودیعت ہی نہین فرمائی تہی۔

موقعہ ۱۰۔ جب ملک یمن کے غنائم کی نسبت حضرت خالد بن الولید نے۔ لوگون کو ترغیب دیکر حضرت علیؑ کی شکایت کی نظر سے جناب رسولؐ خدا کے پاس بہیجا تو غصہ سے آنحضرت کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ صاحب مدارج النبوۃ لکہتے ہین کہ اُسوقت آنحضرت نے فرمایا کہ علیؑ کی شان مین گمانِ بد نکرو اسلیے کہ وہ مجہسے ہے اور مین اُس سے ہون اور وہ ولی تمہارا ہے۔ جس شخص کے ہم مولےٰ ہین اُسکا علیؑ مولےٰ ہے۔ ولی اور مولےٰ سے صاف صاف مراد حاکم ہے۔ یعنی اُس کے حکم سے کسی مسلمان کو سرتابی نہین چاہیے کسواسطے کہ جیسے ہم۔ تم لوگون کے حاکم ہین ویسے ہی علیؑ بہی تم لوگون کے حاکم ہین۔ پس مال غنائم کی تقسیم مین اُسکا جو حکم ہے وہی میرا بہی حکم ہے۔ تم لوگون کو اُسکے حکم مین شکایت کی مجال نہین ہے۔ یہہ ہے معنی تو ولی اور مولےٰ کے یہی ہین جو بالا مین رقم ہوے مگر مخالفین علیؑ ان دونون لفظون کے کیا کیا اول فول معنے بتاتے ہین جس سے اُنکے دلی عناد کا اظہار بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔ یہان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچہ حضرت خالد بن الولید کے حالات بہی مختصر طور پر عرض کر دیے جائین۔ خاصکر اس مطلب سے کہ آپکا مذکور اس کتاب مین ممکن ہے کہ پہر نہ آئے۔ جاننا چاہیے کہ حضرت خالد ابن الولید علیہ ما علیہ قبیلہ بنی مخزوم سے ایک نام آور سردار گذرے ہین۔ اول اول جو اسلام کو آپسے کام پڑا وہ جنگ اُحد سے تعلق رکہتا ہے۔ آپ لشکر ابوسفیان کے ساتہ لشکر خدا سے لڑنیکے لیے آئے۔ آپ ایک بہادر آدمی تہے آپنے لشکر خدا کے خلاف مین اچہی کارروائی نمایان کی کیفیت یہ گزری کہ جب لشکر اسلام کو فتح نظر آئی تو وہ پچاس تیرانداز بہی جنکو جناب رسولؐ خدا نے پہاڑ کی ایک گہاٹی پر تعینات کر دیا تہا اپنی اپنی جگہہ چہوڑ کر مال لوٹنے والے مسلمانون کے شریک حال ہوگئے۔ حضرت خالد نے کچہ بہاگے ہوئے لشکر ابوسفیان کو جمع کرکے

اُسی گھاٹی سے اُتر کر ظفریاب مسلمانون پر حملہ کر دیا۔ آپکی حملہ آوری سے مسلمانون کو فتح کے بعد شکست ہوگئی اور اسی حملہ مین حضرت امیر حمزہ علیہ السلام دست حضرت خالد یا حربہ وحشی سے شہید ہوگئے۔ اسکے بعد کچھ عرصہ کے بعد حضرت خالد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قیام مکہ کے زمانہ مین حضرت رسولؐ خدا نے حضرت خالد کو بنی جزیمہ کے مقابلہ کو بھیجا۔ اس قبیلہ نے اسلام کی اطاعت قبول کی اور اپنے ہتھیار خالد کے آگے رکھدیے۔ مگر اُنکے اس مسلمان ہونے پر بھی حضرت خالد اُنکے ساتھ بڑی بیرحمی سے پیش آئے۔ اور بہت افراد کو اُس قبیلہ کے مار ڈالا جبکہ حضرت خالد کی اس حیرت ناک کارروائی کی خبر حضرت رسولؐ خدا کو پہنچی تو آپ خوف خدا سے کانپنے لگے۔ اور درگاہِ ایزدی مین یون مناجات کرنے لگے کہ بار الٰہا مین خالد کے اس فعل سے بری ہون اور مین تیری پناہ طلب کرتا ہون۔ اسکے بعد ہی حضرت رسولؐ خدا نے فوراً جناب علیؑ مرتضےٰ کو مال و زر دیکر روانہ کیا۔ تاکہ آپ خالد کو معزول کرکے اُس قبیلہ جفا دیدہ کی دلجوئی کردین اور اُنکے مقتولین کے خونبہا اُنکے وارثون کو دیدین۔ حضرت خالد کو حضرت مولےٰ سے خلاف تھا کیا تھا اس لیے کہ حضرت خالد کو آپسے زک نصیب ہوا کرتی تھی۔ اس معاملہ سے اور بھی حضرت خالد کی عداوت حضرت علیؑ مرتضےٰ کے ساتھ ترقی کر گئی۔ اس ترقی کردہ عداوت ہی کا سبب تھا کہ حضرت خالد نے غنائم یمن کے متعلق حضرت مولےٰ پر لوگون سے رسول اللہ کے حضور مین نالش کرائی تھی۔ جسکا نتیجہ وہ ہوا جو بالا مین عرض کیا گیا ہے۔ حضرت خالد جناب رسولؐ خدا کی بعد بھی اپنی بہادری کے ذریعہ سے مشہور دیار و امصار رہے۔ بلاشبہ آپ ایک بڑے دلیر آدمی تھے۔ مگر جو مخالفین علیؑ۔ آپ کو حضرت مولےٰ کا جواب سمجھتے ہین یا حضرت مولےٰ پر بھی آپکو شجاعت مین ترجیح دیتے ہین اُنکو جاننا چاہیے کہ حضرت خالد کی دلیری خونخوار قسم کی تھی جیسا کہ سباع درندہ کی ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت علیؑ کی شجاعت ایسی تھی کہ جس سے رحیمی اور کریمی کی صفتیں کبھی منفک ہوتی نہین۔ حضرت علیؑ کا سا تحمل صفت شجاعت کے ساتھ دنیا مین اپنا نظیر نہین رکھتا اسکے برخلاف حضرت خالد کی شدید المزاجی ایسی تھی کہ شدید المزاج ہونے پر بھی حضرت عمر حضرت خالد کی شدید المزاجی سے نالان رہتے تھے۔ نہین معلوم کہ حضرت خالد کو سیف اللہ کا خطاب کیونکر حاصل ہوا۔ حضرت رسولؐ خدا کے عہد مین تو یقیناً یہ خطاب آپ کو حاصل نہوا۔ حضرت رسولؐ خدا آپ سے مطلق خوش نہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات شام وغیرہ کے زمانہ مین آپ کو اہل اسلام اس خطاب سے یاد کرنے لگے ہونگے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ خطاب سیف اللہ کا خاص خطاب حضرت مولےٰ کا ہے جیسا کہ راقم سابق مین دکھلا چکا ہے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت نے بسبیل غصب اس خطاب کو حضرت خالد کیطرف منتقل کردیا ہے

اس زمانہ مین بہی ایسے لوگ موجود ہین جو اپنے کو حضرت خالد کی اولاد کہتے ہین اور فخریہ طور پر اپنے کو نسل سیف اللہ سے شمار کرتے ہین -

موقعہ ۱۱ - جب جناب رسولؐ خدا تبوک کو تشریف لیجانے لگے تو آنحضرت نے جناب امیرؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مدینہ مین مقرر فرمایا - حضرت علیؑ کے واسطے یہ امر نہایت موجب فخر کا تہا مگر منافقون نے عداوت سے یہ مشہور کرنا چاہا کہ جناب رسولؐ خدا کو آپکی طرف سے کدورت لاحق ہوگئی ہے - اسلیے آپ کو مدینہ مین چہوڑ کر تبوک کو تشریف فرما ہوتے ہین - حضرت علیؑ نے تب بحضور جناب رسولؐ خدا عرض کی کہ حضورؐ مجھے بچّون اور عورتون پر خلیفہ فرماتے ہین حالانکہ مین نے پانچ لڑائیون مین کبہی تخلف نہین کیا - اسپر جناب رسولؐ خدا نے حضرت ہارونؑ اور موسےٰؑ کی مثال دی اور فرمایا کہ تم میرے نزدیک ایسے ہو کہ جیساکہ ہارونؑ موسےٰؑ کے لیے تہے - واضح ہو کہ یہ مثال اُس قصہ پر مبنی ہے کہ جب حضرت موسےٰؑ میقات پر تشریف لیگئے تہے حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تہے - اس قصہ کے متعلق جو حدیث ہے وہ ذیل مین عرض کیجاتی ہے -

اَخرَجَ البُخَارِی عَن مُصعَبِ بنِ سَعدٍ عَن اَبِیہِ اَنَّ رَسُولَ اللہِ صلعم خَرَجَ اِلیٰ تَبُوکَ وَاستَخلَفَ عَلِیًّا فَقَالَ اَتُخَلِّفُنِی فِی الصِّبیَانِ وَالنِّسَآءِ - قَالَ اَلَا تَرضیٰ اَن تَکُونَ مِنِّی بِمَنزِلَۃِ ہَارُونَ مِن مُوسیٰ اِلَّا اَنَّہٗ لَیسَ نَبِیٌّ بَعدِی - شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہی مدارج النبوۃ مین اسس حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کرتے ہین - لاریب یہ حدیث علیؑ مرتضےٰ کے بڑے عالی مرتبہ سے خبر دیتی ہے - مگر جو معاندین علیؑ ہین اور جو تنقیص شان مرتضوی مین کوشان رہتے ہین اُنکا قول ہے کہ اس حدیث سے کوئی خاص عزت شاہ ولایت مآب کی ثابت نہین ہوتی کیونکہ کہ جناب رسولؐ خدا نے آپکو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ مقرر فرمایا تہا - عام اہل مدینہ پر خلیفہ نہین مقرر فرمایا تہا - اول تو اہل عناد کا یہ قول خود ہی لغو ہے - کیونکہ جناب رسولؐ خدا نے جب ہارونؑ وموسےٰؑ کی مثال بیان فرمائی تو آپ کا جمیع اہل مدینہ پر خلیفہ ہونا ظاہر ہوگیا - دوم یہ کہ جب آپ اہل وعیال رسولؐ پر خلیفہ بنائے گئے تو عوام اہل مدینہ کیا شے ہین جنپر آپ کے خلیفہ مانے جانے مین کوئی عذر کیا جاسکتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ معاندین کے خیال مین اہل وعیال رسولؐ خدا کے عوام اہل مدینہ سے افضل واشرف نہ تہے - تب ہی تو انکی طرف سے ایسی لنگڑی عذرداری پیش کیجاتی ہے - سبحان اللہ کیا اہل بیت اور عترت رسول اللہ کی قدردانی یہ اسلام کے بدنام کرنیوالے کرتے ہین - حقیقت یہ ہے کہ خود غرضی ایک بُری بلا ہے - اَللّٰھُمَّ احفَظنَا مِن ذٰلِکَ -

واضح ہو کہ سید علی ہمدانی اپنی کتاب مودۃ القربےٰ مین بہی لکہتے ہین کہ بروایت حضرت صادقؑ وآبائہ الکرام علیہم السلام جناب رسولؐ خدا دس مقامون مین حضرت علیؑ کے حق مین

اس حدیث منزلت یعنی۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ۔ کو فرماتے گئے ہین۔ اس سے حضرت علیؑ کا صرف روانگی تبوک کے وقت اہل وعیال رسولؐ اللہ پر خلیفہ ہونا ہی نہین ثابت ہوتا۔ بلکہ عام طور پر آپ کا خلیفۂ رسولؐ اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ حدیث آپکی خلافت حقہ کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ صاحب اتحاف اہل الاسلام فرماتے ہین کہ "اس حدیث کو تمام علمائے اسلام نے قبول کیا ہے بجز آمدی کے جو اپنے فساد عقیدت کے سبب دمشق سے نکالدیا گیا تھا جیسا کہ میزان الاعتدال مین ذہبی نے تفصیلاً لکھا ہے نص خلافت امیر المومنین کے واسطے عمدہ شہادت یہ حدیث منزلت ہے۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے تحفہ مین تحریر کیا ہے کہ اصل این حدیث ہم دلیل اہل سنت است در اثبات فضیلت جناب امیرؑ وصحت امامت شان در وقت خود۔ زیرا کہ ازین حدیث مستفاد می شود استحقاق آن جناب برائے امامت (انتہےٰ قولہ بقدر الحاجت) پھر شاہ صاحب اس حدیث کے متعلق لکھتے ہین کہ مخالف اس حدیث کے نواصب ہین۔ شاہ صاحب کی اس رائے سے اہل تشیع بھی متفق ہین فقط فرق اتنا ہے کہ در وقت خود کی جو قید اس امامت مین انھون نے لگائی ہے اُسکے شیعہ قائل نہین ہین بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس حدیث سے خلافت بلافصل جناب امیرؑ کی ثابت ہوتی ہے۔ اسطرح کہ حدیث شوری جو متفق علیہ ہے شیخین اور نیز دیگر احادیث صحیحین وغیرہما کی اس امر پر دلالت کرتی ہین کہ خلفائے ثلثہ کے لیے نص نہین تھی بلکہ اکثر علمائے محدثین کی بھی یہی رائے ہے جیسے کہ علامۂ نووی شارح مسلم اور ابن حجر صاحب فتح الباری اور امام مقریزی مولف نہایت العقول وغیرہ وغیرہ پس جبکہ اس حدیث کا بحق علیؑ نص ہونا ثابت ہے تو بمقابلہ ایسے شخص کے جسکے لیے کوئی نص نہین ہوئی علی مرتضےٰ افضل اور خلیفہ بلافصل قرار پاتے ہین" راقم کہتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف نے در وقت خود کی قید کیا خوب لگادی ہے گویا اتنا جناب رسولؐ خدا کو فرمانا رہگیا تھا کہ اُسے شاہ صاحب نے پورا کر دیا۔ مگر واہ ری عقل یہ نہ دیکھا جناب رسولؐ خدا نے تو کسی قسم کی قید نہین لگائی تھی۔ ہرگز یہ نہین فرمایا تھا کہ جب حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان خلیفہ ہو لین تب علی مرتضےٰ کی امامت اور فضیلت مانی جائے۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے صرف مذہب اہل سنت کے حق قرار دینے کو اپنی طرف سے ایسی قید لگا دی ہے۔ ورنہ صاف صاف طور پر جناب رسولؐ خدا کا منشا تھا کہ علیؑ کسی قسم کی قید کے بغیر آنحضرت کے بعد خلیفہ اور امام مانے جائین۔ ہرگز ہرگز جناب رسولؐ خدا کا یہ مطلب نہ تھا کہ خلفائے ثلثہ کے بعد علیؑ کو درجہ خلافت کی اور امامت کا نصیب ہو اُنکے پہلے نہین۔ یہ کس قدر خود غرضی کا خیال ہے۔ جو شاہ صاحب کی تحریر سے عیان ہوتا ہے۔ حضرت خلفائے ثلثہ کی محبت مین شاہ صاحب کو پھر کسی پہلو کا خیال

نہین رہتا - تحفہ کا تحفہ اسی خود رفتگی کا رنگ کہتا ہے - چنانچہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ
اس حدیث منزلت کی نسبت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے - شاہ صاحب لکھتے ہین کہ اسکے مخالف
نواصب ہین اور چند سطر کے بعد خود اُسکی قدح کرتے ہین - یہ بھی کوئی حواس کی بات ہے - مگر
کیا کرین غرض کے آگے حق و باطل کی تمیز نہین رہتی - غرض انسان کی بینائی کو بھی لے لیتی ہے - آنکھ
بند کرکے ملائے کابلی کی پیروی چہ معنی دارد - آخر جناب شاہ صاحب بھی تو حق و باطل کی تمیز رکھتے تھے
کچھ تو اپنی عقل سے کام لیتے ملائے کابلی کی ایسی پیروی آپکی شان رفیع سے بعید تھی - افسوس ہے کہ
جناب شاہ صاحب کا سارا تحفہ نصر اللہ کابلی کا فوٹو معلوم ہوتا ہے - ملائے کابلی ایک بڑا بھاری
مخالف موالیٔ کائنات کا تھا - ایسے مخالف علیؑ سے جناب شاہ صاحب کو احتیاط لازم تھی -
موقعہ ۱۲ - سنہ ۱۰ ہجری مین جناب رسولؐ خدا نے منادی فرما دی کہ آنحضرت حج کو تشریف لیجاتے
ہین - جس شخص کو شریک حج ہونا منظور ہو وہ مدینہ مین آئے اور ہمرکاب جناب رسالتمآب چلے
یہ خبر پاکر ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قبائل عرب سے مدینہ مین حاضر ہوگئے (دیکھو معارج النبوۃ) -
اور جناب رسولؐ خدا ایک مجمع کثیر کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف فرما ہوئے (دیکھو طبری جزو ثانی صفحہ
۵۸) - جناب امیر علیہ السلام یمن مین تھے - آپ بھی اُس دیار سے روانہ ہوکر مکہ مین جناب رسول خدا
کے حضور مین پہنچے - حضرت رسولؐ خدا نے مناسک حج ادا فرمائے اور ایک خطبہ بھی نہایت
فصاحت و بلاغت کے ساتھ پڑھا (دیکھو توضیح الدلائل سید شہاب الدین احمد کی اور نیز معرکۃ الآرا
شاہ سلامت اللہ صاحب کی) - اُس خطبہ مین یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب وفات میری بہت
نزدیک ہے اور قریب ہے کہ فرستادہ عزوجل آئے اور مین لبیک کہون - پس مین اپنے بعد تم
لوگون مین دو گرانقدر چیزین چھوڑتا ہون کہ وہ ایک دوسرے سے بڑی ہین اور وہ آپس سے جدا نہوگی
تاوقتیکہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچین - اگر تم لوگ اُنکی پیروی کروگے اور اُنکے ساتھ متمسک ہوگے
تو ہرگز ہرگز گمراہی مین نہ پڑوگے اور وہ دو نو گرانقدر چیزین قرآن مجید اور میرے اہل بیت ہین -
ترمذی جابرؓ سے جو حدیث روایت کرتے ہین وہ یہ ہے - عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم
فِیْ حَجَّتِہٖ یَوْمَ الْعَرَفَۃِ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہِ الْقَصْوٰی یَخْطُبُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ
فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ - یعنی جابرؓ روایت کرتے ہین کہ مینے دیکھا
رسولؐ اللہ کو حج مین بروز عرفہ درحالیکہ آنحضرت اپنی اونٹنی قصوی پر سوار تھے اور خطبہ فرما رہے تھے
پس ہم نے جناب رسولؐ خدا کو یہ کہتے سُنا کہ اے لوگو! ہم نے بہ تحقیق تم لوگون مین دو چیزین چھوڑی
ہین کہ اگر تم اُنکو پکڑوگے تو ہرگز ہرگز گمراہ نہوگے یعنی قرآن اور میرے اہل بیت یہ حدیث سعد ابن ابی
وقاص سے بھی مروی ہے اور تحفہ اثنا عشریہ مین بھی جناب شاہ عبد العزیز صاحب اس حدیث کو

اس طور پر مندرج فرماتے ہین - اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ اِن تَمَسَّکتُم بِھِمَا لَن تَضِلُّوا بَعدِی اَحَدُھُمَا اَعظَمُ مِنَ الآخَرِ کِتَابُ اللہِ وَعِترَتِی - اسی طرح جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا مین اس حدیث کو درج کیا ہے اور یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے اور کسیکو اس حدیث کی صحت مین جائے گفتگو نہین ہے - بہر حال جب حج سے جناب رسولؐ خدا نے فراغت پائی تو آنحضرت نے مدینہ کو معاودت فرمائی - راہ مین جسوقت مقام خم غدیر پر پہنچے کہ ذی الحجہ کی اٹھارہوین تاریخ تھی اور ظہر کا وقت تھا جبرئیل امین یہ خطاب رب العزت سے لائے - یَا اَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَّبِّکَ وَاِن لَّم تَفعَل فَمَا بَلَّغتَ رِسَالَتَہٗ وَاللہُ یَعصِمُکَ مِنَ النَّاسِ - یعنی اے رسول پہنچادے اُس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے - پس اگر تو یہ نہین کرتا تو گویا ہماری رسالت کی تبلیغ بھی نہین کرتا اور اللہ تعالے تجکو آدمیون کے شر و فساد سے محفوظ رکھیگا - اس وحی کے نازل ہوتے ہی آنحضرت وہاں پر ٹھہر گئے اور لوگون کو از سر نو مجتمع فرمایا جاننا چاہیے کہ خم غدیر ایک ایسا مقام ہے کہ جہان سے مختلف راہین نکلی ہین - جب معاودت کے وقت جناب رسولؐ خدا کے ہمراہیان حج یہان پہنچے تو بہت سے لوگ مختلف راہون سے اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے تھے - پس جناب رسولؐ خدا نے اُن لوگون کو بلانے کے واسطے آدمی بھیجے - جب گئے ہوئے لوگ واپس آچکے اور نیز جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے - وہ بھی جناب رسولؐ خدا سے آملے تب آنحضرت نے نماز پڑھی اور چار کجاوون کا منبر بنایا اور اُسپر چڑھ کر ستر ہزار آدمی کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا - اَلَستُم تَعلَمُونَ اَنِّی اَولٰی بِالمُؤمِنِینَ مِن اَنفُسِھِم یعنی کیا تم نہین جانتے کہ مین مومنون سے ذات مومنان کے اعتبار سے بہتر ہون - سامعین نے جواب مین عرض کی - بلیٰ - صاحب مدارج النبوۃ اس قول نبوی کے یہ معنی بتاتے ہین کہ مین تمکو کوئی حکم ایسا نہین دیتا ہون جو اُنکی صلاح و نجات و خیریت دنیا و آخرت کے خلاف ہو بخلاف اُنکے نفوس کے کہ اُن سے کبھی شر و فساد کا بھی احتمال ہے - مگر مختصر اور صاف صاف اس فرمودہ کے یہ معنی ہین کہ کیا مومنین سے مین بہتر اور برتر نہین ہون - اسمین شک کیا ہوسکتا تھا ساری سامعین نے ایک زبان ہو کر عرض کی کہ ہان آپ ایسے ہی ہین - نیز - بعد ازان آنحضرت نے فرمایا کہ مین تم لوگون مین دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہون کہ ایک اُنمین سے دوسرے سے بزرگ تر ہے - اور وہ قرآن اور اہل بیت ہین - اُنسے خبردار رہنا اور دیکھنا کہ اُنکے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو اور اُنکے حقوق کس طرح پر ادا کرتے ہو - اور یہ دونون امر میرے بعد ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہونگے یہانتک کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پر پہنچین - اسکے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ میرا مولا خدا ہے اور مین تمام مومنین کا مولا ہون - پھر اسکے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا - اَللّٰھُمَّ مَن کُنتُ

مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار۔ یعنی اے خدا میرے جسکا مولے مین ہون۔ پس اسکا مولے علیؑ ہے۔ اے اللہ میرے تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن ہو اسکا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اسکا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ دے اسکو جو چھوڑ دے علیؑ کو اور تو پھیر دے حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرے۔ اسکے بعد جناب رسول خداؐ نے حضرت امیرؑ کو ایک خیمہ مین بیٹھنے کے واسطے حکم دیا تا مومنین آپکو مولائے مومنین ہونیکی مبارکباد دین۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کے خیمہ مین جاکر آپکو مبارکبادین دین (تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی وسیرت محمد ابن اسحاق ومعارج النبوۃ وروضۃ الصفا وحبیب السیر) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے بھی پرجوش طریقہ سے فرمایا کہ۔ امسیت یا ابن ابی طالب مولے کل مؤمن ومؤمنۃ بلکہ حضرت عمر نے یہ بھی ارشاد کیا کہ بخ بخ یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی ومولا کل مؤمن ومؤمنۃ یہ سب صحیح مگر بہت جائے افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اجماع سقیفہ کے وقت اپنی یہ مبارکبادیان مطلق یاد نہ رہین۔ ایسا تو کیا ہوا ہوگا کہ خم غدیر کی مبارکبادیون کو آپ دونون بزرگوار بھول گئے ہونگے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ مبارکبادیان صرف پالسی کی بنا پر زبان تک لائی گئی تھین۔ اُنسے مراد آپ دونون صاحبونکی درحقیقت کچھ بھی نہ تھی۔ اگر کچھ ہوتی تو تھوڑی ہی دن کے بعد مولائیت علیؑ کو نظرانداز کر کے حضرت ابوبکر حضرت عمر کی مدد سے مولائے مسلمین نہ بن بیٹھتے۔ علاوہ مبارکباد بالا کے شعرا نے بھی تہنیت کے قصیدے لکھے۔ چنانچہ اُن مین سے مشہور قصیدہ حسان بن ثابت کا ہے۔ ذیل مین اُس قصیدہ کے چند شعر کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

؎ روز غدیر مسلمانونکو جناب رسول خداؐ نے بمقام خم پکار کر جمع کیا وہ ایسی آواز تھی جسے بگوش سُننا چاہیے۔ جناب رسول خداؐ نے اُس روز لوگون سے فرمایا کہ تمہارا ولی اور مولیٰ کون ہے۔ سب نے یہ جواب دیا اور اُس موقعہ پر اندھاپن نہین ظاہر کیا کہ خدا آپکا اور ہمارا مولے ہے اور آپ ہمارے حکمران ہین اور آپکے حکم سے آج کوئی سرتابی کرنیوالا نہین ہے۔ جناب رسول خداؐ نے علیؑ مرتضےٰ کو کھڑا کیا اور کہا کہ بتحقیق مینے تمکو اپنے بعد امام اور ہدایت کرنیوالا پسند کیا۔ پس جسکا مین مولا ہون علیؑ بھی اُسکا حکمران ہے۔ پس سب لوگ اُنکے سچے مددگار مثل غلامون کے رہو۔

یہ کہکر جناب رسول خداؐ نے دعا کی اور فرمایا کہ خدایا جو علیؑ کا دوست ہے اُسکو تو بھی دوست رکھ اور جسنے علیؑ سے عداوت کی اُسکا تو بھی دشمن رہنا۔" بیچارے حسان کو کیا معلوم تھا کہ معاندین علیؑ مولے کے معنی مین کیا کیا تراش وخراش پیدا کرینگے اور جناب رسول اللہ کی رحلت کے بعد ہی آپکی ساری کارروائیون کو جو خم غدیر سے تعلق رکھتی تھین آن کے آن مین غت ربود کر دینگے۔ حسان کے

اشعار سے بہی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنی تمام امت پر حکمران بنا دیا تہا اور اپنا ولی عہد قرار دیا تہا ہرگز ایسا نہ تہا کہ بقول حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ محبوب ناصر و محبوب قرار دیے گئے تہے۔ تعجب ہے کہ ایسے بے محل معنی بنانیوالوں کو شرم نہیں آتی ہے لاحول ولاقوۃ۔ شرم جزو ایمان ہے۔ اسقدر کی بیحیائی کس دن کے لیے۔ المختصر خطبہ خم غدیر کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ یعنی آج کے دن کامل کیا مینے دین کو تمہارے اور تمام کی تم پر نعمت اپنی اور راضی ہوا مین واسطے تمہارے دین اسلام سے۔ امام احمد حنبل جو ائمہ اربعہ اہل سنت سے ہین تحریر فرماتے ہین کہ بعد نازل ہونے آیت۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے جناب رسولؐ خدا نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِکْمَالِ الدِّیْنِ وَ اِتْمَامِ نِعْمَتِہٖ وَ رِضَائِہٖ بِرِسَالَتِیْ وَ وِلَایَۃِ عَلِیٍّ مِّنْ بَعْدِیْ۔ واضح ہو کہ اس قصہ غدیر کو صحابیوں کی ایک جماعت کثیر اور تابعین اور محدثین کے ایک جم غفیر نے روایت کیا ہے۔ ڈہائی سو علمائے شافعی نے بہی حدیث خم غدیر کو حوالہ قلم کیا ہے۔ منجملہ انکے علامہ مغربی نے ایک نہایت خوب قصیدہ تہنیت خم غدیر کا منقبت علیؑ مرتضےٰ مین تصنیف فرمایا ہے جسکا ایک شعر یہ ہے۔ وَ اَوْضَحَ بِالتَّاْوِیْلِ مَا کَانَ مُشْکِلًا + عَلِیٌّ لِعِلْمٍ نَالَہٗ بِالْوَصِیَّۃِ۔ المختصر یہ معاملہ خم غدیر کا تاریخ اسلام مین بہت کچہ ممتاز صورت کا نظر آتا ہے اور جو اسکے تمام اجزا پر غور کیجیے تو ایک بڑے اہم امر سے خبر دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنے بعد کا کوئی ضروری انتظام خود اپنے حین حیات مین انجام کرنا چاہا تہا اور زینہار اتنے بڑے اہتمام سے ایک ایسے معمولی امر کو مراد نہین رکہا تہا کہ جس سے اسیقدر ظاہر ہو کہ حضرت علیؑ ناصر اور دوستدار مومنین کے ہین جیسا کہ شیخ ابن حجر وغیرہ کا قول ہے۔ ارباب انصاف ملاحظہ فرمائین کہ اگر جناب رسولؐ خدا کو اسیقدر بیان کرنا منظور ہوتا کہ علیؑ ناصر اور دوستدار مومنین کے ہین اور انکے حاکم اور انکا متصرف بہ امور دنیا و دین نہین ہین تو اسکی کیا ضرورت تہی کہ خدا تعالے بذریعہ وحی کے جناب رسولؐ خدا سے اس موکدانہ طور پر خطاب فرماتا کہ اے رسولؐ پہنچا دے اس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے۔ پس اگر تو یہ نہین کرتا تو گویا میری رسالت کی تبلیغ ہی نہین کرتا۔ اور اللہ تعالے تجکو آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکہیگا۔ یہان پر یہ جزو آیت۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ بہی قابل لحاظ ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا اہل شر اور منافقین وغیرہ سے مطمئن نہ تہے۔ اور انکی طرف سے فساد کا احتمال غالب تہا۔ اس لیے اللہ تعالے نے آنحضرت سے وعدہ حفاظت فرمایا ہے۔ پہر اس آیت کے نازل ہوتے ہی آنحضرت کیون اسطرح پر ہمراہیان حج کو جمع فرماتے اور پالان شتر سے منبر بنا کر اسپر چڑہتے اور ان سے یہ سوال فرماتے کہ آیا ہم تم لوگونکی

تمہاری نفسون کے اعتبار سے بہتر ہین؟ پھر اُن سے جواب مین قول بلےٰ پاکر کتاب اللہ اور اپنی عترت سے متمسک ہونیکی تاکید فرماتے - پھر خدا کو اپنا مولےٰ اور اپنے کو تمام مومنین کا مولےٰ بتاکر دوست علیؑ کو پکڑتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ اے خدا میرے - جسکا مولےٰ مین ہون پس اُسکا مولےٰ علیؑ ہے - اے اللہ میرے تو دوست رکھہ اُسکو جو دوست رکھے علیؑ کو اور تو دشمن ہو اُس کا جو دشمن ہو علیؑ کا - اور تو مددگار ہو اُسکا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ دے اُسکو جو چھوڑ دے علیؑ کو اور تو پھیر حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرے - اگر اتنے اہتمامات سے خدا اور رسولؐ خدا کی مراد ایسی تھی کہ علیؑ مجرد ناصر اور دوستدار مومنین کے کہے جائین تو دُنیا مین کسی نبیؐ یا کسی بادشاہ یا کسی حاکم یا کسی مدبر نے ایسی فضول کارروائی نہین اختیار کی ہے* - اسپر سے طرہ یہ ہے کہ جب کلمات بالا آنحضرتؐ علیؑ مرتضےٰ کے حق مین فرما چکے تب آپنے تہنیت کی ہدایت فرمائی اور امہات مومنین اور حضرات شیخین نے ادائے مبارکباد فرمائی اور بقول امام حنبل علیہ الرحمۃ بعد نازل ہونے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔ کے خود جناب رسولؐ خدا نے ادائے سپاس الٰہی کے طور پر فرمایا - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى اِكْمَالِ الدِّيْنِ وَاِتْمَامِ نِعْمَتِهٖ وَرِضَائِهٖ بِرِسَالَتِيْ وَوَلَايَةِ عَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِيْ - ظاہر ہے کہ یہ مبارکبادیان اور ادائے سپاس صرف اتنی بات کی بنیاد پر ظہور مین نہین آئی تھین کہ علیؑ صرف ناصر اور دوستدار مومنین کے مانے جائین - دُنیا و دین دونو مین حق پسندی انسان کے لیے ایک نہایت مفید امر ہے - انصاف سے درگزرنا سخت بے ایمانی ہے - اناپ شناپ طور پر خدا اور رسولؐ خدا کے اقوال کی تاویلات وہی کریگا جو حیا کی صفت سے محروم پیدا ہوا ہے اور فقدان حیا کی وجہ سے خارج از ایمان ہے -

واضح ہو کہ مواقع بالا سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے - مگر تبوک کا معاملہ بہت قابل لحاظ ہے لیکن اُسسے بھی اہم معاملہ خم غدیر کا ہے جس سے پورے طور پر حضرت علیؑ کی ولیعہدی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے - یون مخالفین علیؑ اور ارباب تعصب معاملۂ غدیر کو جس نگاہ سے چاہین دیکھین - مگر اہل انصاف کی آنکھہ مین یہ معاملہ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ جس سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل مین کوئی عذر کا پہلو باقی نہین رہتا - تمام اُمور بالا سے جنکو راقم حضرت علیؑ کے لگاؤ سے داخل کتاب ہذا کرتا گیا ہے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ کے برابر کا کوئی شخص اُمت رسولؐ اللہ بلکہ امم سابقہ مین بھی نہین گذرا - جسقدر مناقب آپ کے درج ہذا ہوئے ہین اس امر کے ثابت کردینے کے لیے کافی ہین کہ خدا اور رسولؐ خدا کے نزدیک علیؑ جمیع مومنین و مسلمین سے افضل ہین - یون تو آپ کے مناقب لاتعد ولاتحصےٰ ہین مگر صرف یہ دو صفتین آپ کی یعنی شجاعت اور عبادت ایسی ہین کہ اُن صفات کا متصف

* اس سے صاف ظاہر ہو کہ یہان مطلب ہی کچھ اور تھا اور اُس مطلب کیلیے ایسے ہی اہتمام کی ضرورت تھی ۱۲۔

آپکے برابر کا کوئی شخص اُمت رسول اللہ میں نظر نہیں آتا۔ شجاعت آپکی ایسی ہی تھی کہ آپکی اس صفت کی بدولت اسلام قائم ہوسکا غزوات وسرایا میں آپکی ثابت قدمی اس درجہ کی دکھلائی دیتی ہے کہ اُس سے زیادہ ثابت قدمی صورتِ امکان نہیں رکھتی۔ اس صفت شجاعت میں آپکا موازنہ حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ ایک نہایت بے معنی امر ہے کہ کرار و فرار میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہوتی موازنہ چہ معنی دارد۔ دوسری صفت آپ کی جو عبادت کی ہے وہ ایسی ہے کہ بعد جناب رسولِ خدا تمام نیکوکاران ماضی و مستقبل و حال کی عبادت آپکی عبادت کو نہیں پہنچ سکتی ایسی صورت میں حضرات خلفائے ثلثہ یا کسی نیکوکار عالم کا موازنہ آپ کی نیکوکاریوں کے ساتھ ایک امر فضول متصور ہے۔ اب مجھے ضرور نہیں ہے کہ آپ کی ہر صفت کو عرض کروں اور اُسکا موازنہ حضرات خلفائے ثلثہ کی اُس صفت کے ساتھ کرتا جاؤں۔ یہ دو صفتیں آپکی افضلیت کے ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ دو تو صفتیں ایسی ہیں کہ آپکی خلافت بلافصل کی پوری طور پر مثبت ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص حضرت علی سے ان صفتوں میں کم ہو اور پھر حضرت علی پر افضل قرار دیا جائے۔ اور اس افضلیت کی بناپر حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے حضرت رسول خدا کا خلیفہ برحق قبول کیا جائے۔ حضرت علیؑ کے تمام معاملات اور خاصکر ان دو صفتوں کو ملحوظ رکھکر ہرگز کوئی حق پسند آپ کے سوا کسی دوسرے کو آنحضرت کا جانشین نہیں مان سکتا۔ یوں متعصب اور حق کش ہوتا اور بات ہے۔ شعر ۔ آب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد ؏ گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ۔

حضرات ناظرین با تمکین پر روشن ہو کہ راقم نے بالا میں حضرت علیؑ کے معاملات اس لیے درج کیے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ آپکے ذکر کی یہ ضرورت تھی کہ آپکے خلیفۂ بلافصل نہ قرار پانے سے امام ممدوح کی شہادت ظہور میں آئی۔ یعنی اگر آپ جناب رسول خدا کے بعد ہی رسول اللہ کی مسند خلافت پر جلوہ گر ہو جاتے تو ابوسفیان اور خاندانِ ابوسفیان اسی نکبت کی حالت میں پڑے رہجاتے کہ جس میں جناب رسول خدا انہیں چھوڑ گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت حضرت علی ہی کی حق تلفی کا نتیجہ ہے۔ اس اتلاف حق سے نہ صرف جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت ظہور میں آئی بلکہ خود حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و حضرت امام حسنؑ و جمیع بنی ہاشم و جمیع دوستداران بنی ہاشم کو انواع اقسام کے صدمے پہنچ گئے دور نہیں ہے کہ خاندان پیغمبر کے مخالفین اپنے اعمال کی سزا پائیں۔ ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو ۔ از مکافات عمل غافل مشو

واقعۂ کربلا چند معاملات غیر مطبوع کا طبعی نتیجہ ہے

جاننا چاہیے کہ واقعۂ کربلا اُن معاملات غیر مطبوع کا طبعی نتیجہ ہے جو اہل بیت کو آخر وقت آنحضرت سے برابر پیش آتے رہے - راقم الحروف مختصر طور پر دکھلا چکا ہے کہ حدیث ثقلین کا کیا تقاضا تھا اور کیونکر اُس حکم کے بطلان کی وجہ سے بنی ہاشم حکومت سے دور ہو گئے - جس سے اُنکی دُنیوی ثروت جاتی رہی اور پھر اُنکی دینی سرداری بھی اُنسے رخصت ہو گئی - جس سے اُنکی توقیر اور عظمت مین اسقدر زوال آگیا کہ وہ عوام الناس مین داخل ہو گئے - پس ایسے اسباب کے فراہم ہونیکے بعد واقعۂ کربلا کا ظہور مین آنا کوئی خلاف توقع امر قیاس نہین کیا جا سکتا - یہ بات درجۂ یقین کو پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اگر جناب رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ ہی رسول خدا کے جانشین قرار پاتے تو واقعۂ کربلا کا ظہور مین آنا توقع سے باہر تھا - یقیناً علیؑ رسول اللہ کے جانشین ہو کر بنی امیہ کو شاہی مدارج تفویض نہ کرتے - ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی جانشینی سے بنی امیہ اُسی حالت نکبت مین مبتلا رہجاتے جسمین اُنہین رسول اللہ چھوڑ گئے تھے -

لاریب علیؑ رسول اللہ کے جانشین ہو کر آپ کی راہ پر پورے پورے چلنے والے تھے - یہ ممکن نہ تھا کہ جانشین ہونے پر علیؑ رسول اللہ کی پالیسی سے سرمو بھی انحراف کرتے - اسلام کی پہلی غلطی یہی ہے کہ مسلمانون نے بنی ہاشم سے انحراف کیا - اور دوسری غلطی اُن سے یہ سرزد ہوئی کہ اُنہون نے اس انحراف کے بعد ہی بنی اُمیہ کو بیحد قوی کر دیا - ان غلطیون سے صرف بنی ہاشم ہی کا ضرر مرتب نہین ہوا بلکہ خود اسلام بہت معنی کر کے نقصانات سے مامون نرہ سکا جیسا کہ راقم الحروف کی آئندہ کی تحریرون سے ہویدا ہو گا - بنی اُمیہ کی قوت پانے کا حال ہم کاشف الحقائق کی جلد اول مین عرض کر چکے ہین - مگر مختصر طور پر یہان بھی بنی امیہ کے حصول ثروت کا ذکر کر دیا جاتا ہے - جاننا چاہیے کہ خلافت کے قائم ہوتے ہی بنی امیہ کے آگے وہ ثروتین دست بستہ ہو کر آ کھڑی ہوئین جنکو اس قبیلہ نے کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا تھا - حضرت ابو بکرؓ کی ابتدائے خلافت سے بنی امیہ مرفہ الحال ہونا شروع ہوئے اور دو برس کے اندر اندر مُلک شام اس قبیلہ کے آدمیون سے بھر گیا - مکہ اور مدینہ سے جوق جوق بنی امیہ اور اُنکے ہوا خواہ شام کو روانہ ہوتے رہے اور دنیوی پہلو سے سنبھلنے کی آرزو کو پہنچ گئے جب خلافت کی طرف سے مُلک شام حضرت ابو سفیان کو دیا گیا تو آپ نے پیرانہ سالی کی وجہ سے وہان کی حکومت پر خود جانا پسند نہین فرمایا - تب آپ کے صاحبزادے یزید ابن ابی سفیان اس حکومت پر مقرر ہو کر اپنے پدر بزرگوار کی جگہ تشریف لے گئے - یہ صاحبزادے چار برس تک

یعنی دو برس حضرت ابوبکر کے اور دو برس حضرت عمر کے عہد خلافت مین حاکم شام رہے۔
یزید ابن ابی سفیان بہت قابل آدمی نہ تھے۔ اسلیے اُنکے بھائی حضرت معاویہ اُنکے عہد مین
اُنکے مددگار کے طور پر شام مین رہتے تھے۔ اُنکی وفات کے بعد خلافت کیطرف سے حضرت معاویہ
اپنے برادر متوفی کی جگہہ پر بحال کیے گئے۔ آپ نہایت قابل شخص تھے۔ آپکو دینی مذاق تو کچھ یونہی تھا
مگر دُنیا آرائی کی عجیب و غریب صلاحیت رکھتے تھے۔ آپکے حاکم شام ہوتے ہی شام کا سواد
بدل گیا۔ تھوڑے عرصہ مین شام مسلمانون کی سلطنت کا ایک قوی اور ممتاز حصہ ہو گیا۔ ہر چند
شام خلافت کا ماتحت سمجھا جاتا تھا مگر حضرت معاویہ کے اختیارات خود مختارانہ تھے۔ اسپر
بھی خلافت سے حضرت معاویہ کا برتاؤ کسی طور پر باغیانہ نہوا بلکہ حضرت عمر کے ساتھ حضرت معاویہ
ایک بڑے خلوص کا انداز رکھتے تھے۔ اور کیون یہ انداز نہ رکھتے جبکہ آپ تمامتر ساختہ و پرداختہ
حضرت عمر ہی کے تھے۔ حضرت عمر کی خلافت کا عرصہ دس برس کا معلوم ہوتا ہے مگر در حقیقت
آپکی خلافت بارہ برس کی تھی۔ اسلیے کہ حضرت ابوبکر کی دو برس کی خلافت بھی در اصل آپ ہی
کی خلافت تھی۔ اس بارہ برس کے عرصہ مین بنی اُمیہ مالک مُلک ہو گئے۔ اور جب حضرت
عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا تب تو خلافت کی خلافت ہی بنی اُمیہ کی ہو گئی۔ اسلیے کہ خلیفہ ثالث
بھی بنی اُمیہ ہی مین سے تھے۔ اُسوقت ساری دُنیا اسلام کی بنی اُمیہ ہی نظر آتی تھی۔ اُسوقت
بنی امیہ کے تزک و احتشام خیال سے باہر تھے۔ شام کا ملک بنی اُمیہ سے بھرا ہوا تھا۔
خلافت مین بھی علے العموم عہدہ ہائے جلیلہ بنی اُمیہ اور اُنکے ہواخواہون ہی کو دیے جاتے تھے
یہ تو بنی امیہ کی ثروتون کا عالم تھا۔ اب بنی ہاشم کا حال سُنیے بنی ہاشم سے مراد خاندان پیغمبر ہی
اس خاندان کے سردار اسوقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب تھے۔ بنی ہاشم مین آپکے وقت مین
کسی طرح کی دُنیوی وجاہت باقی نہ رہی تھی۔ حکومت اُنسے بالکل جا چکی تھی۔ انکا ایک شخص حج ہی
کا عہدہ بھی تمام سلطنت اسلامی مین نہ رکھتا تھا۔ پبلک توقیر سے بنی ہاشم دور ہٹ چکے تھے۔
پرائیوٹ private مرفہ الحالی بھی اُنکی فدک کے نکلجانے سے باقی نہ رہی تھی۔ دُنیوی
ثروت کے جانے کے ساتھ اُنکی دینی ثروت کا اعتراف بھی باقی نہ تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر دکھلا چکے
ہین۔ ظاہرا بنی ہاشم کی کوئی امتیازی حالت باقی نہین رہی تھی۔ اور ظاہرا آیندہ بنی ہاشم کے
دن پھرنے کی امید بھی نہین کیجا سکتی تھی۔ ہان حضرت عثمان کی رحلت کے بعد کسیطرح علیؑ
خلافت پر قائم ہو گئے۔ مگر زمانہ حضرت علیؑ کی خلافت کا جو چار برس سے کچھ زیادہ کا معلوم
ہوتا ہے صرف لڑائیون مین طے ہوا۔ اول حضرت معاویہ کی اغوا سے حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا حضرت زبیر اور طلحہ کی معیت مین خلیفۂ وقت سے لڑین۔ اس لڑائی کا نام جنگ جمل ہے

اسکے بعد حضرت معاویہ خلیفۂ وقت سے برابر لڑتے رہے۔ حضرت معاویہ کے یہ سب
معاملات فسادی خطائے اجتہادی کہلاتے ہیں خطائے اجتہادی کیا چیز ہے۔ آج تک
راقم الحروف کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اور انشاء اللہ کبھی نہ آئیگی اسلیئے کہ حق پسند و ماغ میں
یہ مسئلہ گذرہی نہیں کرسکتا۔ راقم کی سمجھ میں اُسکے آنیکی بات ہی نہیں ہے۔ اس لیئے کہ
اس فقیر نے نہ حضرت معاویہ کا سا دماغ پایا ہے اور نہ حضرت کے اقوال وافعال کے ساتھ
اس فقیر کو کسی طرحکا شغف لاحق ہے۔ خیر۔ خلیفہ ہوکر حضرت علیؑ حضرت رسول اللہؐ کی طرح
بنی امیہ کو سرنکرسکے۔ اب بنی امیہ کا سر کرنا بعید از توقع تہا بہی۔ رسول اللہ کے وقت میں
بنی امیہ صرف ایک قبیلہ تہے۔ اور اب قوی ترین سلاطین دُنیا سے ہوگئے تہے۔ بہرحال
علیؑ کی یہ مختصر خلافت علیؑ کی شہادت کے ساتھ تمام ہوگئی۔ بنی ہاشم آپ کے وقت میں کچہ
بہی پروبال نہ سنبہال سکے۔ آپ کے بعد جناب امام حسنؑ باپ کی جگہہ پر بیٹہے۔ ادہر آپکا
جانشین ہونا تہا۔ اُدہر حضرت معاویہ ساٹھ ہزار کا لشکر لیکر کوفہ کی طرف جہاں آپ جانشین
پدر ہوئے تہے بڑہے۔ جناب امام حسنؑ نے خلع خلافت کیا اور حضرت معاویہ خلیفۂ وقت
قرار پائے۔ اس حصول خلافت سے آپ اہل سنت کے یکے از خلفائے اثنا عشر قائم ہوگئے
جیسا کہ آپکی خلافت شرط غلبہ وقہر کے روسے اہل سنت کے نزدیک برحق سمجھی جاتی ہے اہل بصیرت
سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غلبہ وقہر کی شرط اور شرطوں کیطرح اہل سنت کے نزدیک خلیفہ
کو برحق بنانیوالی مانی جاتی ہے۔ بعد خلع خلافت جناب امام حسنؑ حضرت معاویہ کی پنشن خوار
بنکر مدینہ کو چلے آئے اور یہاں اپنے بہائی حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کے درمیان خوش باشوں کی
طرح رہنے لگے۔ ہرچند بنی ہاشم میں اسوقت کوئی پولیٹیکل حیثیت باقی نہیں رہی تہی۔ مگر حضرت
معاویہ کو جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ کیطرف سے اطمینان حاصل نہ تہا۔ بہرحال
کسی طور پر زہر سے جناب امام حسنؑ کا کام تمام کرڈالا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے
جناب امام حسنؑ کو زہر دلوایا۔ مورخ ابوالفدا لکہتا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ معاویہ نے اور بعض
کہتے ہیں کہ یزید نے ایسا کیا۔ راقم الحروف کے نزدیک حضرت معاویہ نے زہر دلوایا۔ آپکے
صاحبزادے میں اتنا مادہ تدبیر کا نہ تہا کہ دمشق میں بیٹہے ہوئے مدینہ میں جناب امام حسنؑ کا کام
تمام کرڈالتا۔ یزید ایک کمزور اور بدتدبیر آدمی تہا۔ علاوہ اِسکے اُسکی عیاش طبیعت ہونیکے
باعث اسمیں کچہ بہی بیدار مغزی نہ تہی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عیاش مزاج نے کچہ بہی باپ کے
ہوش وگوش نہیں پائے تہے۔ اگر کچہ بہی اسے ہوش وگوش باپ کے نصیب ہوئے ہوتے تو
جناب امام حسینؑ سے بیعت لینے میں اسقدر جبر کو راہ ندیتا۔ یہ جابرانہ کارروائی حضرت معاویہ

کبھی اختیار نفرمانے - حضرت نے جناب امام حسنؑ سے کوئی مطالبہ بیعت کا نہین کیا - جناب امام حسنؑ سے ملک لیکر خاموش ہورہے - حضرت کو غرض ملک سے تھی جناب امام حسنؑ کی بیعت سے نہ تھی - اگر حضرت معاویہ بیعت کا قصہ پھیلاتے تو جناب امام حسنؑ حلیم ہونے پر بھی بیعت پر آپ کی راضی نہوتے اور تب آپکو جناب امام حسنؑ کے مقابلہ مین وہی شدتین اختیار کرنا پڑتین جنکے ارتکاب کی نوبت آپکے بد عقل صاحبزادے یزید صاحب کو پہنچی - خیر جب جناب امام حسنؑ کی شہادت کی خبر دمشق مین پہنچی تو حضرت معاویہ کے قلب کو حسب قول خود چین نصیب ہوا (دیکھو تاریخ خمیس) - مگر ابھی جناب امام حسینؑ زندہ تھے - یہ خلش بڑی بینڈی سی لگی ہوئی تھی - حضرت خلیفہ اپنے صاحبزادے سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا ابھی اپنی سلطنت کو محفوظ نہ سمجھنا - ابھی حسینؑ ابن علیؑ زندہ ہین - یہ شخص اپنے باپ کی شجاعت رکھتا ہے جب تک یہ شخص زندہ ہے تب تک اسکی طرف سے مطمئن نہ رہنا - لاریب یہ فرمانا حضرت کا بڑی دور اندیشی سے خبر دیتا ہے - اتنا دماغ صاحبزادے صاحب نے کہان پایا تھا - بہر حال صاحبزادے کی خلافت قوی کرنے کیلیے - پہلے حضرت معاویہ نے استخلاف کی شکل قائم کی اور اسکے بعد ہی مسلمانون سے صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت لینے کی کوشش فرمانے لگے چنانچہ ہزارون مسلمانون نے دست یزید پر بیعت بھی کی - ملک شام مین بیعت کا حاصل کرنا تو کچھ دشوار ہی نہ تھا بہت سے اہل مکہ اور مدینہ سے بھی بیعت لیلی گئی - مگر اہل بیت نبویؐ بیعت یزید سے کنارہ رہے - اگر یزید صاحب کو اپنے پدر بزرگوار کی سی سمجھ حاصل ہوتی تو بنی ہاشم سے بیعت حاصل کرنے مین اسقدر کد کو کبھی راہ نہ دیتے - بنی ہاشم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے لیکن اس کد کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے مستعدی کے ساتھ بیعت یزید سے انکار کیا اور اس انکار کی بدولت آپ کو واقعۂ کربلا پیش آیا - جسکے باعث آجتک یزید صاحب دنیا مین بہت سے اہل سنت کے نزدیک بھی برائی کے ساتھ یاد کیے جاتے ہین -

قبل اسکے کہ ہم حالات کربلا کو حوالۂ قلم کرین ہم دکھلانا چاہتے ہین کہ یہ واقعہ کن کن نگاہون سے دیکھا جاسکتا ہے - ہماری تحقیق مین اسلامی نگاہ سے یہ واقعہ صرف دو پہلو رکھتا ہے - اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ جناب امام حسینؑ برسرحق تھے - اور اسلیے مظلوم و شہید مارے گئے - دوسرا پہلو یہ ہے کہ (معاذ اللہ) جناب امام حسینؑ باغی تھے اور انکا مارا جانا خلافت کیطرف سے کوئی ناجائز کام نہین ہوا - اسلیے حضرت امام نہ مظلوم تھے اور نہ شہید مارے گئے - جو فرقہ اسلام کا جناب امام حسینؑ کو برحق جانکر انکی مظلومیت اور شہادت کا اعتراف رکھتا ہے بلکہ مظلومیت اور شہادت کو جزو ایمان جانتا ہے لازم ہے کہ وہ فرقہ رسول اللہ کی جانشینی کو ایک امر منجانب اللہ

اور جانشین رسول خدا کی عصمت کا قائل ہو - اس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے سے لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) جناب امام حسینؑ باغی خلافت قرار دیے جائیں - اور انکی مظلومیت اور شہادت ہرگز نہ مانی جائے - پس اس رو سے صرف امامیہ ہی جناب امام حسینؑ کی شہادت کی معترف ہونے کا حق رکھتے ہیں - غیر امامیہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ جناب امام حسینؑ کو مظلوم و شہید مانیں اکثر غیر امامیہ جو ہندوستان میں جناب امام حسینؑ کی مظلومیت اور شہادت کے قائل نظر آتے ہیں اور نیز انمیں کچھ لوگ جناب امام حسینؑ کی عزاداری کرتے ہیں وہ ایک بے اصول کارروائی کی پابندی کرتے ہیں - ایسے حضرات کے اصول خلافت کے رو سے تو یزید خلیفہ برحق تھا خلیفہ برحق کے خلاف میں خروج کرنے سے جناب امام حسینؑ باغی خلافت ثابت ہوتے ہیں اور اسوجہ سے انکا فعل انکو شہید نہیں بنا سکتا - لاریب یہ حق صرف شیعیان خاندان پیغمبر کا ہے کہ جناب امام حسینؑ کو برحق جانشین رسولؐ کا سمجھکر آپ کی شہادت کو مانیں اور آپکی مظلومیت پر اشک ریز ہوں - اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں رہی تو یزید کے خلیفۂ برحق ہونے میں کونسی بات باقی رہجاتی ہے کیا یزید کو دو غیر بنی ہاشم بھی شرط اجماع کو پوری کر دینے کے نہلے تھے؟ اجماع کی شرط تو یزید کے لیے نہایت ہی موافق حال ہے - دو کیا دو لاکھ غیر بنی ہاشم کے اجماع کے رو سے یزید کو خلافت ہوئی ہے - علاوہ اسکے غلبہ و قہر کی شرط بھی یزید کی خلافت کے حسب حال ہے - جس غلبہ و قہر سے یزید صاحب کے باپ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے جناب امام حسنؑ کے مقابلہ میں خلافت حاصل کی تھی - وہی غلبہ و قہر کی شرط صاحبزادے صاحب کو بھی حاصل تھی - ان دونوں شرطوں کے علاوہ شرط استخلاف بھی یزید صاحب کی خلافت کے حسب حال معلوم ہوتی ہے - حضرت معاویہ نے کھلم کھلا یزید کے حق میں استخلاف کی نسبت ادا فرمائی ہے - جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا - حضرت نے یزید کو خلیفہ مقرر کرکے تمام بلاد اسلام میں دست یزید پر بیعت حاصل کرنیکی کوشش بلیغ کو راہ دی ہے اور اسمیں بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے - شورے کی شرط بھی یزید کے حسب حال نظر آتی ہے - حضرت عثمان کی خلافت تو صرف چھ آدمی کے شورے پر چھوڑی گئی تھی - یزید کے لیے تو سارا شام اہل شوری بنا بیٹھا تھا - الغرض ان شروط میں سے کسی ایک شرط کے بھی موجود رہنے سے بلا شبہ یزید صاحب خلیفہ برحق ایسے لوگوں کے ہیں جو عصمت کو شرط خلافت نہیں مانتے - راقم کے استاد جناب مولوی سید محمد گل صاحب جلال آبادی - اپنے تقاضائے علم سے یزید کی خلافت حقہ کے قائل تھے - اور نہایت ہی بجا قائل تھے - اور اس اعتراف سے جناب امام حسینؑ کی شہادت کو شہادت نہیں جانتے تھے - اسی طرح اور بھی کچھ علما صوبۂ بہار میں بعلم راقم ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے اور ممکن ہے کہ

اب بھی رکھتے ہون - مگر کابلستان مین ہزارون ایسے اہل تسنّن ہین کہ اس عقیدہ کے پورے طور پر پابند ہین - راقم کی دانست مین ایسے حضرات ہرگز قابل اعتراض نہین ہین - اس لیے کہ جب عصمت شرط خلافت نہین مانی جاتی اور شروط خلافت یزید مین ہرطرح موجود ہین تو یزید بیچارا کیون خلیفہ برحق نہ مانا جائیگا - یہ ظلم ہی ظلم ہے کہ شروط خلافت حاصل رہنے پر بھی یزید خلیفہ برحق نمانا جائے - مین بھی جب عصمت کو شرط خلافت نہین مانتا تھا تو یزید کو خلیفہ برحق مانتا تھا اور بلاشبہہ نہایت بجا کرتا تھا اور ہر عالم جو عصمت کو شرط خلافت نہین مانتا ہے - نہایت پابندی اصول کے ساتھ یزید کو خلیفہ برحق مانتا ہے - راقم کی دانست مین ایسے عقیدے کے اشخاص جو یزید کو خلیفہ برحق جانتے ہین - بہت ہی قابل قدر ہین اس لیے کہ اپنے اصول کی پابندی کے ساتھ وہ حضرات ایسا کرتے ہین - معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے - اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگون سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے - اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی مرد دانا اور فہیم ہوکر ایک فعل لغو کے مرتکب نہین ہوسکتے تھے - یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے - اور کیون نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے مین شروط خلافت کے روسے کوئی عذر نہین کیا جاسکتا ہے - حضرت عبد اللہ بالیقین عصمت کو شرط خلافت نہین سمجھتے تھے - اگر ایسا سمجھتے تو خلافت خلفائے ثلثہ اور خلافت حضرت معاویہ کو کہ اصولاً مقبولۂ جمیع اہل سنت سے ضرور ناجائز اور لغو خیال فرماتے - البتہ جناب حسین ابن علی عصمت کو شرط خلافت جانتے تھے - اس لیے یزید کو خلیفہ برحق نہ مانکر یزید سے آپ نے مخالفت فرمائی اور اپنی شہادت سے مُنھ نہین موڑا -

بیعت یزید و واقعۂ کربلا

واضح ہو کہ حضرت معاویہ نے جب رحلت فرمائی تو ملک شام و حجاز وغیرہ مین کوئی شخص اتنی قوت نہین رکھتا تھا کہ بنی اُمیہ کی حکومت مین کسی طرح بھی خلل انداز ہوسکے یا یزید کو جانشین پدر ہونے سے باز رکھ سکے - حضرت معاویہ یزید کی جانشینی کا پورا بند و بست اپنے حین حیات کرچکے تھے - بس یزید صاحب بلاخرخشہ مسند آرائے خلافت ہوئے - اُسوقت دمشق جو ملک شام مین واقع ہے اسلامی دُنیا کا دار السلطنت ہوچکا تھا - خلفائے راشدین کے بعد اس شہر کو حضرت معاویہ نے دار السلطنت قرار دیا تھا - اور تمام خلفائے بنی امیہ کا یہی شہر دار السلطنت رہا - اسکے بعد جسطرح سے مدینہ سے دار الامارت منتقل ہوکر

اس شہر کو اُٹھہ آیا تھا - بعد بنی امیہ کے بنی عباس کے زمانہ مین دار الامامت اس شہر سے منتقل ہوکر بغداد کو چلا گیا - بعد بنی عباس کی سلطنت کے عرب کی سلطنت ہی معدوم ہوگئی اور بغداد بھی مدینہ اور دمشق کیطرح پولیٹیکل حیثیت سے ایک معمولی شہر ہوگیا - بہر حال خلیفہ وقت ہوکر یزید نے جامۂ مسلمانان سے بیعت لینا شروع کی - دمشق اور شام کے دیگر شہرونمین یزید کو حصول بیعت کرنا تو کوئی دشوار امر نہ تھا ہزارون اشخاص مدینہ نے بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلی - مگر یزید کو سردار بنی ہاشم یعنی جناب حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے جو بے اطمینانی تھی اس کیلیے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو حکم بھیجا کہ جناب امام حسینؑ سے بیعت لے - اسکے بعد سخت احکام ولید کے پاس آتے گئے کہ اگر حسینؑ بیعت کرنا قبول نہ کرین تو انکا سر کاٹکر دار الامارت دمشق مین بھیجدے - ولید اس سخت کارروائی سے اغماض کرتا رہا - مگر مروان صاحب ولید کو تعمیل حکم خلیفہ کے لیے برابر صلاح دیتے رہے - یہ حضرت مروان وہی بزرگ ہین جنکی نسبت رسول اللہ کا یہ حکم تھا کہ بلاد اسلام مین آپ کہین بھی رہنے نہ پاوین مگر آپ حضرت عثمان کے سالے اور بنی امیہ سے بھی تھے - جب حضرت عثمان مسند آرائے خلافت ہوگئے تو یہ حضرت بھی مدینہ مین طلب کرلیے گئے - (دیکھو کتاب طبری عبارت یہ ہے - وَقَدْ کَانَ نَفَی النَّبِیُّ مَرْوَانَ ابْنَ الْحَکَمِ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ فَاَدْنَاہُ عُثْمَانُ وَاتَّخَذَہٗ کَاتِبًا لَّہٗ - آپ ہی کے مدینہ تشریف لانیکی نسبت یہ کہاجاتا ہے کہ "آمدن مروان در مدینہ خالی از مفسدہ نیست" - مروان صاحب کے طلب کیے جانیکی یہ وجہ بتلائی جاتی ہے کہ چونکہ آپ حضرت خلیفہ ثالث کے رشتہ دار قریب تھے آپ کی طلبی سے غرض اس حکم خداوندی کی تعمیل کی تھی جسکی آیۂ ذوی القربےٰ والیتٰمےٰ مین تاکید ہے - فطرت سے مروان صاحب ذہین فطین اور اپنے قبیلۂ بنی امیہ کا پورا نمونہ تھے آپ مدینہ مین آکر حضرت عثمان کے خاص مشیر اور صلاح کار ہوگئے - مگر حضرت خلیفہ کو ایسی ایسی صلاحین دیتے رہے کہ بالآخر حضرت خلیفہ کی جان پر آبنی - ع اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ سَیَھْدِیْھِمْ طَرِیْقَ الْھَالِکِیْنَ - بہر حال اب خلافت یزید کے زمانہ مین حضرت مروان صاحب مدینہ مین تشریف رکھتے تھے - جب جب خلیفۂ وقت یعنی یزید کے احکام جناب امام حسینؑ کی نسبت پہنچتے گئے تو آپ برابر اسکے کوشان رہے کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل کیجائے مگر ولید نے جناب امام حسینؑ کا سر کاٹنا پسند نہین کیا اور حسینؑ سر سلامت لیکر مکہ معظمہ کو چلے گئے - حضرت امام کا مکہ چلا جانا - آپ کے واسطے بُرا نہوا - سر دست تو مروان صاحب کی شرارتون سے آپکو نجات کی صورت نکلگئی - آپ جمعہ کی رات چوتھی شعبان ۶۰ھ ہجری مین مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے - سب اہل و عیال خدم و موالی کو ساتھ لے لیا تھا - سب کو -

لیے دیے آپ مکہ جا پہنچے - اہل مکہ نے بہت کچھ ہمدردی دکھلائی - حاکم مکہ سعید بن عاص اہل مکہ کا یہ رنگ دیکھکر مکہ سے مدینہ کو بھاگ نکلا - مدینہ پہنچکر اُسنے ایک عرضی اطلاعی اس مضمون کی کہ جناب امام حسینؑ مکہ کو چلے گئے ہین اور اہل مکہ اُنکے ساتھ ہمدردی دکھلا رہے ہین حضور مین خلیفۂ وقت کے دمشق کو بھیجی - خلیفۂ وقت کو جب حقیقت حال سے اطلاع ہوئی تو اُسنے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو اس جرم پر کہ اُسنے جناب امام حسینؑ کی گرفتاری مین تساہل کیا حکومت مدینہ سے معزول کرکے اُسکی جگھہ پر ابن الاشدق کو بحال کیا - ہرچند ابتدا مین اہل مکہ نے جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ ہمدردی دکھلائی تھی - مگر خلیفۂ وقت کی حکومت سے مکہ باہر نہ تھا - یہان بھی خلیفہ کیطرف سے بیعت لینے کا حکم آہی گیا - انکار بیعت کی حالت مین آپکے قتل کا حکم صدور پایا تھا - اب مکہ مین آپ کے مخالفین نے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور ہر طرح کر حملے پر آمادہ ہوگئے قریب تھا کہ مکہ مین دشت کربلا کا سمان بندھ جائے - ایسی صورت مین آپ نے مناسک حج کے ادا کرنیکا موقع نہ دیکھکر حج کو عمرہ سے بدلا اور نہایت مجبوری کی حالت مین مکہ سے کنارہ ہونیکے واسطے مستعد ہوگئے - اس عرصہ مین بہت سے خط کوفیون کے آچکے تھے پس مصلحت وقت دیکھکر آپنے کوفہ جانے کا ارادہ مصمم کرلیا - مگر عند الشورے یہ بات قرار پائی کہ پہلے آپ کے چچازاد بھائی مسلمؑ بن عقیل کوفہ جاکر وہان کی حالت سے خبر دین تب آپ کوفہ کا قصد فرمائین - حضرت مسلمؑ بڑی دشواریون کے ساتھ اپنے دو کم عمر بیٹون کو ساتھ لیے ہوئے کوفہ پہنچے - اہل کوفہ حضرت مسلمؑ کے ساتھ نہایت مدارات سے پیش آئے اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمیون نے حضرت مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی - یہ حالت دیکھکر حضرت مسلمؑ نے نہایت اطمینان کا خط کوفہ سے جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھہ بھیجا کہ آپ بیکھٹکے کوفہ کو تشریف لے آئین - کوفیون کے ڈیڑہ سو سے زیادہ خط طلبی کے آہی چکے تھے اور آئندہ مکہ مین اطمینان کے ساتھ قیام رکھنے کی کوئی صورت بھی معلوم نہوتی تھی حضرت مسلمؑ کا ایسا خط پاکر آپنے سفر کے سامان درست کیے - اور عزیزان اقربا کو ہمراہ لیکر نوین تاریخ ذی الحجہ سنہ ہجری کو منگل کے دن کوفہ کو روانہ ہوگئے - تمام آپکے اہل و عیال عزیز و رفیق جو اس سفر مین شریک حال تھے وہ تھوڑے آدمی تھے - اور اگر کچھ زیادہ تھے وہ برابر ساتھ چھوڑتے گئے یہانتک کہ کربلا مین پہنچکر بالکل تھوڑے رہگئے پھر روز شہادت تو ۷۲ ہی رہگئے تھے اور اگر زیادہ تھے تو بیاسی تن سے زیادہ نہ تھے - جب منزل بمنزل آپ موضع رملہ مین پہنچے تب آپنے اپنے برادر رضاعی کو اُس مقام سے اپنا نامہ دیکر اہل کوفہ کے پاس بھیجا - مگر آپ کے قصد کوفہ کی خبر ابن زیاد کو ہوچکی تھی - اسلیے راہونکا انتظام اُسنے پہلے سے کر رکھا تھا یہ رضاعی بھائی آپ کے گرفتار ہوگئے -

اور

ابن زیاد نے انہین شہید کر ڈالا۔

واضح ہو کہ جناب امام حسینؑ کو خط لکھنے کے بعد حضرت مسلمؑ پر آفتین نازل ہونا شروع ہو گئین۔ عجب عجب ظلم ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ اور اُنکے دونون بیٹون پر کیے۔ اور ایک طرح کچھ بھی ظلم نہین۔ اسلیے کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل کی۔ بہر حال شیعون کے خیال کے مطابق بڑی مصیبتون کے ساتھ حضرت مسلم شہید کیے گئے اور انکے دونون بیٹون کو بھی ایک کوفی کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ ملا۔ ہر چند کوفیون نے ابتدا مین حضرت مسلمؑ کی خاطر داریان کی تھین مگر جب مردمان خلافت کیطرف سے تشدد شروع ہوا تو حضرت مسلمؑ کا ساتھ ندے سکے ایسا ہوتا ہی ہے یہ امر کسیطرح خلاف فطرت وقوع مین نہین آیا۔ سلطنت کا زور بہت ہوتا ہے عوام الناس سلطنت کا مقابلہ نہین کر سکتے۔ المختصر پھر حضرت مسلمؑ کو اس کا موقع نہین ملا کہ جناب امام حسینؑ کو اہل کوفہ اور حاکمان یزید کے معاملات سے خبر دے سکین۔ چنانچہ جناب امام حسینؑ منزل بمنزل کوفہ کے قریب آہی گئے۔ جب منزل ثعلبیہ مین پہنچے بکر اسدی نے جو کوفہ سے آرہا تھا ساری حقیقت ابن زیاد کے تشدد اور حضرت مسلمؑ کی اور اُنکے بیٹون کی شہادت کی امام حسینؑ سے بیان کی۔ یہ واقعۂ حضرت مسلم کی شہادت کا اُسی روز کا ہے کہ جس روز مکہ سے آپ نے کوفہ کے طرف کوچ فرمایا تھا۔ جناب امام حسینؑ اس خبر وحشت اثر کو پاکر سخت متردد ہوئے۔ ساتھیون نے صلاح دی کہ اب آپ وطن کو معاودت فرمائین۔ اول تو یہ کہ وطن مین کیا دھرا تھا۔ وطن بھی تو یزید ہی کا ملک تھا۔ دوم یہ کہ عزیزان مسلمؑ نے کہا کہ اب ہم لوگ جی کر کیا کرینگے۔ جب تک کہ ہم لوگ حضرت مسلمؑ کا بدلا اہل شام سے نہ لے لینگے ہرگز آسودہ نہون گے۔ ان دونون امرونکو نظر انداز کر کر حضرت امامؑ نے پھر کوفہ ہی کی راہ اختیار فرمائی۔ راستے مین حُر ابن ریاحی جو ابن زیاد کیطرف سے جناب امام حسینؑ کو روکنے اور گرفتار کرنیکے واسطے مامور ہوئے آپکو آگے بڑھنے سے مزاحم ہوئے۔ حُرؒ آپکی گرفتاری ہرگز پسند نہین کرتے تھے۔ مگر ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھے۔ ناچار حضرت امامؑ کو کوفہ کیطرف لے چلے۔ حُر نے حضرتؑ سے کہہ رکھا تھا کہ جب رات بسر کرنیکے واسطے اعدا کا لشکر کسی منزل مین قیام کرے تو آپ کسی طرف کو چلے جائیےگا۔ جب رات ہوئی آپ نے ایسا ہی کیا۔ مگر ناچار صبح کو اُس دشت مین جو دشت کربلا تھا آپ کو قیام کرنا پڑا۔ حضرتؑ نے وہان اپنے خیمے نصب کیے اور حفاظت کی نظر سے خیمون کے گرد ایک خندق کھودی۔ اتنے مین ابن زیاد کا لشکر بھی آپہنچا۔ اور مخیم اہل بیت سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہوا۔ پہلے آپ سے اور ابن زیاد سے مصالحت کی باتین شروع ہوئین۔ مگر یزید کی بیعت کے بغیر جب مصالحے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تب آپ سر کٹانیکے واسطے مستعد ہو گئے۔ جب لڑائی

شروع ہوگئی تو خود آپ اور آپ کے عزیزان واحباب جناب امام زین العابدین کے سوا یکے بعد دیگرے بے آب ودانہ سب کے سب شہید ہوتے گئے۔ آپ نے طرح طرح کی ایذائین گوارا کین مگر کسی صورت سے یزید کی بعیت پر راضی نہین ہوئے۔ آپ کے سامنے آپ کے بھائی عباسؑ علمدار۔ حضرت قاسمؑ آپ کے بھتیجے۔ حضرت علیؑ اکبر آپ کے صاحبزادے۔ حضرت عونؑ و محمدؑ آپکے دو بھانجے۔ حضرت علیؑ اصغر آپ کے شیرخوار بیٹے۔ سب کے سب شہید کیے گئے۔ حُر بھی جو تائب ہوکر حضرت امامؑ کے معاون ہوگئے تھے راہ خدا مین شہید ہوگئے۔ صرف جناب امام زین العابدین جو اسوقت علیل و زار تھے زندہ رہکر اہل حرم کے ساتھ بحالت اسیری دمشق کو خلیفۂ وقت کے پاس روانہ کیے گئے۔ یہ واقعہ جناب امام حسینؑ کی بڑی بڑی خوبیون سے خبر دیتا ہے۔ اس واقعہ سے پورے طور پر ہویدا ہوتا ہے۔ کہ آپ دنیا طلبی سے کوئی علاقہ نہین رکھتے تھے۔ آپ کے صبر و استقلال و رضا کی نظیر دنیا مین ڈھونڈنے سے نہین مِلسکتی۔ لاریب آپ مین وہ ساری صفتین موجود تھین جو امام معصوم اور جانشین رسول اللہ کے لیے درکار ہین۔ یون دشمنان آل محمدؐ آپ کی نسبت جو چاہین کہین۔ مگر انصاف یہی ہے کہ آپ کی صفات حمیدہ کہے دیتے ہین کہ آپ ایک سچے جانشین حضرت رسالتمآب کے تھے۔ چنانچہ ہم یہان پر حُر کے ساتھ آپ کے ایک ایسے معاملہ کی طرف رجوع کرتے ہین کہ جس سے آپ کی حیرت خیز نیک نفسی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ حال یہ ہے کہ جسوقت حُر نے آپکو کوفہ کیطرف آتے ہوئے راہ مین روکا اُسوقت وہ اور اُسکے ہمراہی تشنہ ہورہے تھے۔ حُر آپ سے پانی کے طالب ہوئے۔ پانی بہت سا ساتھ تھا اُنکی درخواست کے مطابق آپ نے اُنھین اور اُنکی ہمراہیونکو پانی سے سیراب کردیا۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ حُر کے گھوڑے بھی تشنہ ہین اُنکو بھی سیراب کردینا چاہیے۔ ہواخواہان امامؑ نے یہ عرض کی کہ آیندہ پانی نہین ملیگا پانی کا اسوقت خیال ضرور چاہیے۔ اِسپر آپ نے فرمایا کہ آدمی پانی پئین اور حیوان تشنہ رہجائین یہ ہرگز مناسب نہین ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نے لشکر دشمن اور حیوانات دشمن سب کو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ پانی عطا فرمایا اور اپنی آیندہ کی ضرورتون کو مطلق ملحوظ نہ رکھا۔ اللہ اللہ کیا جائے حسرت ہے کہ اُنھی رحیم و فیاض حسینؑ اور اُنکے عزیزان و احباب پر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اعدا کی طرف سے پانی بند کیا گیا۔ کیون نہو آپ تو امام معصوم تھے۔ سوائے معصوم کے اور کسی سے کب ایسی کارروائی عمل مین آسکتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپکو ایسا ہی کرنا زیبا تھا اور آپ کے اعدا کو اسکے برعکس عامل ہونا ضرور تھا۔ ایسا ہی معاملہ جناب امام حسینؑ کے والد ماجد جناب علی مرتضےؑ کو پیش آچکا تھا۔ اور وہ واقعہ عجیب یہ ہے کہ جب معاویہ سے جناب امیر المومنین

علیؑ کو لڑائی کا سابقہ پڑا تو حضرت علیؑ کا لشکر ایک ایسے بےموقع جگہہ مین پڑگیا کہ جہان پانی میسر نہین ہوسکتا تہا - دریاے فرات اُسوقت چونکہ معاویہ کے قبضہ مین تہا - جناب امیرالمومنین نے معاویہ سے پانی لینیکی اجازت چاہی - معاویہ جو اپنے مخالف کے ساتہہ کرم کرنا جانتے ہی نہ تہے - امیرالمومنین کی اس استدعا کو قبول نکرسکے - اسکے بعد جناب امیرالمومنین نے معاویہ کو بزور شمشیر مجبور کرکے فرات کو اپنے قبضہ مین کرلیا - تب معاویہ نے جناب امیرالمومنین سے مجبوری کی حالت مین پانی کی درخواست کی - جناب امیرالمومنین نے فوراً اجازت دی اور یہ فرمایا کہ دریا ایسی چیز ہے کہ جس سے وحوش وطیور و مور و مردم سب کے سب اپنی حاجتون کے رفع کرنے کا حق رکہتے ہین - اس سے کسیکو ممانعت نہین کیجاسکتی - اہل انصاف حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے بخوبی تجویز کرسکتے ہین کہ آپ کسقدر دنیا سے دور تہے ہرگز دنیاطلبی کے تقاضہ سے معاویہ کے مخالف نہین بنے تہے لاریب ایسی کارروائی کا عامل غیر معصوم نہین ہوسکتا ہے ایسے معاملات جو علیؑ اور حسینؑ ابن علیؑ کو پیش آئے گئے ہین دنیا مین اُنکی نظیر کہین نہین ملسکتی - اور یہ ایسے معاملات ہین جو ائمہ خاندان پیغمبرؐ کی معصومیت کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتہہ ثابت کیے دیتے ہین - اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وّ اٰلِ محمّدٍ - تماشا ہے کہ علیؑ اور حسینؑ ابن علیؑ جن کارروائیونکے عامل ہوئے اُنکے برعکس کارروائیان معاویہ اور اُنکے صاحبزادے کی طرف سے ظہور مین آگئین - یہ کارروائیان امام وخلیفہ معصوم وغیر معصوم کا فرق نہایت وضاحت کے ساتہہ دکہلاتی ہین - خیر - اگر حسینؑ نے لشکر اعدا کو پانی پلادیا تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے - آپ اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تہے - آپ اگر ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے واقعی اہل بیت نبوی سے کسی بنی امیہ یا کسی غیر اہل بیت کو کیا برابری ہوسکتی ہے - دونون مین سفید وسیاہ کا فرق ہے - قدم قدم پر اہل بیت نبوی سے ایسے ایسے نیک کام ظہور مین آتے رہتے ہین کہ جن پر تہوڑا سا تامل کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اہل بیت اُدہر ہین اور غیر اہل بیت اُدہر - معصوم اور غیر معصوم کا فرق فوراً روشن ہوجاتا ہے - اس فرق کو دریافت کرنے کیلیے صرف تہوڑی سی قلب کی صفائی درکار ہے - البتہ ایسے لوگون پر یہ امر منکشف نہین ہوسکتا ہے - جنکے دل عداوت اہل بیت سے سیاہ ہورہے ہین - اس وقت ہزارون ناکس ایسے ہین جنکی آنکہین حضرات اہل بیت کے محاسن کو ادراک نہین کرسکتین یہ اپنا اپنا نصیب ہے خدایا کیا تیری قدرت ہے - اُنہی گروہ اشقیا سے حرؑ بہی تہے - ایسے سعید ازلی کو امام معصوم ومظلوم جو برسر حق نظر پڑے تو انہون نے - تمام دنیا کی ثروتون پر لعنت کرکے راہ حق اختیار کی - مگر غفلت کا پردہ ابن زیاد و ابن سعد و شمر و خولی و حرملہ وغیرہ وغیرہ کی آنکہون پر پڑا رہا اور یہ گروہ کے گروہ اندہون کی طرح قعر جہنم مین جاگرے - سچ یہ ہے کہ بشر دوستدار اہل بیت

تب ہی بنتا ہے کہ جب خدا تعالےٰ اُسے دوستداری اہل بیت کی توفیق بخشتا ہے - خود راقم اپنے اُس زمانے کو یاد کرتا ہے کہ جب بتقاضائے تعلیم سے جناب امام حسینؑ کو باغی خلافت جانتا تھا - اور جب سے تائید خداوندی شامل حال ہوئی اُس امام عالیمقام کو اور اُسکے بدر بزرگوار اور اُسکے برادر نامدار کو اور اُسکے فرزندان حق آگاہ اور امامت پناہ کو معصومان ازلی اور برحق جانشینان جناب رسالتمآب سمجھتا ہے - این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ - کیا راقم الحروف کا معاملہ حُرؓ کے معاملہ کا رنگ نہیں رکھتا ہے ؟ راقم کے لیے تو اور بھی یہ زیادہ شامت کا معاملہ تہا کہ بنی ہاشم اور سید حسینی الحسنی ہوکر خاندان پیغمبرؐ سے گریز کرتا تہا - لعنت خدا کی اِس تعلیم پر جسنے ہم پر حقوق اہل بیت کو ظاہر ہونے دیا تہا - الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ خدائے رحیم وکریم نے ہمیں تحقیق حق کی توفیق عطا فرمائی جسکی بدولت ہم بنی امیہ اور معاونان بنی امیہ اور دیگر دشمنان خاندان پیغمبرؐ کے ساتھ محشور ہونے سے محفوظ ومامون رہے - خیر - واقعہ کربلا ایک عجب حیرت خیز واقعہ ہے - لاریب اسلام کو اس واقعہ کی بڑی ضرورت تہی اس واقعہ نے اسلام کو سچا ثابت کردیا - اس واقعہ نے دکھلا دیا کہ قرآن مین جو صبر ورضا کی تعلیم ہے اسکا عملی طور کیا ہوسکتا ہے - قرآن مین جو دنیا طلبی کی مذمت ہے تو دنیا طلبی سے کیونکر دور رہنا چاہیے - قرآن شریف کی ساری خوبیان اس واقعۂ عظیمہ سے بدیہی طور پر ظاہر ہوگئیں - اس واقعہ نے بتلا دیا کہ دین داری کسکو کہتے ہین اور دینداری اور دنیا داری مین کیا فرق ہے - اس واقعہ سے ہویدا ہوگیا کہ دینداری ایسی شجاعت ہے کہ دنیا دار کو نصیب نہین ہوسکتی - اس واقعہ سے روشن ہوگیا کہ راہ خدا مین تلوار کا کھینچنا اور ہوا وآرزوی ملک کے لیے صف آرائی دوسری شے ہے - اسی طرح یہ بھی آشکارا ہوگیا کہ دیندار کس طرح پر خدا کی راہ مین ثابت قدم رہ سکتا ہے کس طرح پر مرضی مولے کو ادا سمجھتا ہے اور کسطرح پر حیات دنیا کو بے حقیقت جانتا ہے - مختصر یہ ہے کہ جناب امام علیہ السلام نے عملی طور پر قرآن کی خوبیون کا اعتراف اہل فہم سے کرا دیا - اگر کوئی شقی اسکا معترف نہو تو اُسکی تقدیر -

توجیہ شہادت حسنینؑ علیہما السلام

اہل علم سے بعض نے لکھا ہے کہ حسنینؑ علیہما السلام کی شہادت کا یہ سر ہے کہ پیغمبر خداؐ کو خدا تعالےٰ نے ہر طرح کا شرف بخشا الا آنحضرت شرف شہادت سے محروم رہتے تھے اِسی محرومی کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اگر آنحضرت شہید کیے جاتے تو اسمین آنحضرت کی توہین متصور تھی اسلیے یہ شہادت صاحبزادون کے لیے - اُٹھا رکھی گئی - راقم کے دانست مین یہ عجب طرح کا

ایک کمزور خیال معلوم ہوتا ہے - اول تو شہادت سے کسی نبی کی توہین کیونکر امکان رکھتی ہے -
دوم یہ کہ اگر شہادت کو کسی طرح کا لگاؤ توہین کے ساتھ ہو بھی تو کیا معنی کہ جو امر موجب توہین کا نبی کے
لیے ہو وہی امر اسکے نواسون کے لیے توہین کی شکل نہ رکھتا ہو - اگر شہادت کوئی توہین کی بات تھی
تو جیسے رسول اللہ کے لیے موجب توہین تھی ویسی ہی یہ آپ کے نواسون کے لیے بھی باعث توہین ہوئی
راقم کی دانست مین شہادت امام حسنینؑ علیہما السلام کی یہ کوئی مطبوع توجیہ نہین معلوم ہوتی
بلکہ حقیقت اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونون صاحبزادون کی شہادت سے منظور الٰہی یہ تھا کہ
قرآن مجید تمامتر قرین حق ثابت ہوجائے - چنانچہ اس شہادت سے آنحضرت کا دعوے
نبوت حق ثابت ہوگیا - جناب امام حسنؑ علیہ السلام نے قرآنی صبر جمیل کا تماشا عالم کو دکھلادیا
اور جناب امام حسینؑ علیہ السلام نے تعلیمات قرآنی کو اپنے حسن عمل سے پورے طور پر جلوہ بخشا -
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ -

معصومیت و غیر معصومیت امام حسینؑ علیہ السلام

واضح ہو کہ قصہ واقعۂ کربلا کا ایسا ہی ہے جیساکہ اوپر گزارش ہوا - اب اہل نظر اس
واقعہ کو جس نظر سے چاہین دیکھین - امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہوسکتے
ہین جو آپکو معصوم اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہین - مگر جو حضرات آپکو معصوم اور برحق
جانشین پیغمبر خدا کا نہین سمجھتے وہ آپکی شہادت کے قائل ہی نہین ہوسکتے - اور ایسی صورت مین
آپکو مظلوم بھی نہین مان سکتے - پس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لیے اور آپ کی
شہادت سے اعتراف رکھنے کے لیے ضرور ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپکی خلافت حقہ کا
عقیدہ رکھے - ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہین مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے مین
کیا انکار ہوسکتا ہے - ایسی صورت مین جناب امام حسینؑ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے
ہین - پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمین نہایت تعجب ہے
ایسے لوگون سے جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بھی قائل ہین اور آپکی عصمت سے انکار بھی
رکھتے ہین - یہ عجیب ناعاقبت اندیش فرقہ ہے جناب امام حسینؑ کی مصیبتون پر انکا رونا ایک
بیمعنے فعل ہے - ایسے لوگ یون اپنی بدنصیبی پر زار زار رویا کرین مگر انکو حسینؑ پر رونے کا کوئی حق
حاصل نہین ہے - کچھ حضرات ایسے بھی دکھائی دیتے ہین کہ امام حسینؑ اور دیگر ائمہ اثنا عشر و حضرت
بی بی فاطمہؑ اور جناب رسول مقبول علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معصوم جانتے ہین اور ولاے چہاردہ
معصوم مین بھی اہل تشیع کے پورے طور پر شریک حال معلوم ہوتے ہین - مگر خلافت کے معاملہ مین

تمامتر اہل سنت کا عقیدہ رکھتے ہین - یہ حضرات حضرات خلفائے ثلثہ علیہم ما..... علیہم کو خلفائے
برحق جانتے ہین - اور فقہ و فرائض کی تعمیل مذہب اہل سنت کے مطابق کرتے ہین - یہ عجیب فرقہ ہے
کہ نہ پورے طور پر شیعہ ہے اور نہ پورے طور پر سُنّی - یہ حضرات نہین سمجھتے کہ اگر چہاردہ معصوم
کا مضمون صحیح ہے تو حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت ایک امر ہیچ ہو جاتی ہے - ایسی صورت مین
علیؑ مرتضےٰ معصوم ہین جنکو باعث رسول اللہ کے خلیفۂ بلافصل ٹھہر جاتے ہین - اسلیے کہ حضرات
خلفائے ثلثہ جب معصوم نہین مانے گئے - جیسا کہ حضرات اہل تسنن کا مذہب ہے تو ان حضرات
کی افضلیت علیؑ مرتضےٰ کے مقابلہ مین قائم نہین ہو سکتی - ظاہر ہے کہ معصوم مفضول نہین ہو سکتا
پس جب عصمت کی بنیاد پر علیؑ مرتضےٰ - حضرات خلفائے ثلثہ کے مقابلہ مین افضل قرار پائے تو
علیؑ مرتضےٰ کے مقابلہ مین حضرات خلفائے ثلثہ کیونکر خلفائے برحق قرار پا سکتے ہین - تعجب ہے کہ
کسیکا یہ عقیدہ ہو کہ علیؑ مرتضےٰ معصوم ہین اور حضرات خلفائے ثلثہ غیر معصوم مگر امر خلافت مین
یہ حضرات ثلثہ کو علیؑ پر ترجیح دیتے ہین - غیر معصوم کا مرجح ہونا معصوم پر تمامتر خلاف عقل ہے
یہ امر نہایت بعید از عقل معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا جیسے معصوم کی خلافت کے بارے مین غیر
معصوم مین کسی معصوم پر ترجیح رکھین پھر اس عقیدۂ عصمت کے رو سے افضلیت شیخین کا مضمون
تمامتر ہوا ہو جاتا ہے - حالانکہ اس افضلیت کے عقیدہ سے کسی اہل سنت کو گریز ممکن نہین ہے
لاریب اہل سنت کا یہ فرقہ جو چہاردہ معصوم کی عصمت کا قائل ہے - ایک نہایت ضعیف فرقہ ہے
بلاشبہ کسی حال مین اس اقرار عصمت کے ساتھ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت برحق قرار نہین پا سکتی
شیعون کا عقیدہ عصمت اہل سنت کے عقیدۂ خلافت کے ساتھ تال میل نہین رکھتا - یہ فرقہ
اہل سنت کا جو چہاردہ معصوم کا قائل ہے گو ظاہراً دوستدار اہل بیت کا معلوم ہوتا ہے - مگر
اہل بیت کے فقہ و فرائض و عقائد کی پابندی مطلق نہین کرتا ہے - تمام اصولی اور فروعی مسائل مین
ذرہ بھر بھی خاندان پیغمبر کے اماموں اور مجتہدون کا پیرو نہین ہے - یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے
کہ ولائے اہل بیت تو اس فرقہ کی نہایت بڑھی چڑھی دکھائی دیتی ہے مگر اسکو اہل بیت کی تبعیت
معاملات و عبادات مین نام کو نہین - یہ فرقہ اکثر مذہب حنفی رکھتا ہے مگر کچھ لوگ اس فرقہ کے
شافعی مذہب بھی ہین - اہل دانست سے پوشیدہ نہین ہے کہ تمام اصولی اور فروعی امور مین
اس فرقہ کو ائمۂ اثنا عشر سے کسیطرح کا تعلق نہین ہے - گو یہ فرقہ ہمیشہ ائمۂ خاندان پیغمبر کا دم بھرتا ہے
اور مصائب اہل بیت نبوی پر شیعون کیطرح واویلا مچایا کرتا ہے - جاننا چاہیے کہ مسلمان یا سُنّی
ہو سکتا ہے یا شیعہ مگر ان دونون کے بین بین کوئی مذہب نہین رکھ سکتا - سُنّی مذہب کے
اصول ایک خاص رنگ رکھتے ہین اور یہی حال شیعون کے مذہب کا بھی ہے - دونون مذہب

اپنے اپنے اصول کی پابندی رکہتے ہین - مگر یہ فرقہ ایک عجب درمیانی رنگ رکھتا ہے - یعنی عصمت چہاردہ معصوم کا عقیدہ تو شیعون کا سا ہے اور امر خلافت مین عقیدۂ اہل سنت کا پابند ہے یہ دو متناقض عقیدے شخص واحد کے دماغ مین کیونکر جگہہ پا سکتے ہین - راقم کے فہم سے باہر ہے

حضرات تفضیلیہ کا بے تکاپن

مذہب تفضیلیہ کے پابند وہ حضرات اہل سنت ہین جن پر پورے طور پر یہ مثل صادق آتی ہے - کہ ازین سو رانده و ازآن سو درمانده - شیعہ تو انکو شیعہ نہین کہہ سکتے - سُنّی بہی انہین سُنّی کہنے سے بیزار معلوم ہوتے ہین حضرات تفضیلیہ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر تفضیل دیتے ہین - یعنی علیؓ کو افضل اور شیخین کو مفضول جانتے ہین - اس عقیدہ کے ساتھ شیعون کی طرح یہ حضرات جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا پنجتن پاک اور چہاردہ معصوم کا عقیدہ بہی رکہتے ہین ظاہر ہے کہ یہ مذہب ایک نہایت کمزور مذہب ہے - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ مذہب تشیع اور مذہب تسنن اپنے اپنے طور پر پابند اصول ہین مگر مذہب تفضیلیہ کسی اصول کا پابند نظر نہین آتا - مین اس مذہب کے بے تکاپن کی ایک مثال پیش کرتا ہون - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرات تفضیلیہ حضرات اہل سنت کی طرح حضرت پیر دستگیر جناب شیخ عبد القادر جیلانی سے عقیدت خاص رکہتے ہین - حضرات اہل سنت وہی ارادت حضرت غوث پاک کی جناب مین رکہتے ہین جو شیعہ حضرت علیؓ کے ساتھ - وقت مشکل مین حضرات اہل سنت حضرت پیران پیر کو اُسی طرح یاد کرتے ہین جس طرح شیعہ علیؓ مرتضے کو - حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ معراج مین حضرت پیر دستگیر جناب رسولؐ خدا کے ساتھ تہے - اُس شب مین جناب رسولؐ خدا نے آپکے دوش پر قدم رکہکر آپکے حق مین یہ فرمایا تہا کہ میرا قدم تیرے دوش پر اور تیرا قدم کلّ اولیا کے دوش پر ہے - ظاہر ہے کہ اس قول سے آپکی افضلیت علیؓ مرتضے پر بہی ثابت کیجاتی ہے - اس لیے کہ کعبہ کے بتون کو توڑنے مین پیغمبر خدا نے علیؓ مرتضے کو اپنے دوش پر اسوجہ سے سوار فرمایا تہا کہ حضرت علیؓ کو بار نبوت کے اُٹھانے کی طاقت نہ تہی - مگر معراج مین جناب رسولؐ خدا نے حضرت پیران پیر کے دوش پر قدم رکہا - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت پیران پیر کو بار نبوت کے اُٹھانیکی قدرت حاصل تہی - علاوہ اسکے آپ کے محامد مین شب معراج حضرت پیران پیر کا براق لیجانا بیان کیا جاتا ہے - پہر آپ کی فضیلت خاص کے ثبوت مین یہ معاملہ حوالۂ قلم دکہایا جاتا ہے کہ ایک روز عالم رویا مین جناب امام حسن علیہ السلام نے اپنے بہائی امام حسینؑ کی اولاد کو دیکہا کہ انہین نو امام ہونیوالے ہین - اور آپکی نسل مین ایک امام کا بہی

نشان نہین دکھائی دیتا اس حقیقت کو دریافت کرکے آپ بہت دل تنگ ہوئے مگر فوراً۔ خدائے پاک کی طرف سے جناب امام حسنؓ کے دل مین یہ امر القا ہوا کہ اے حسنؓ دل تنگ نہو۔ تیری نسل مین ایک شخص ایسا ہوگا کہ جو حسینؓ کے نواسون سے بڑھکر ایک اسکی ذات ہوگی اور وہ جناب یہی حضرت پیران پیر تھے۔ جاننا چاہیے کہ یہ فرقہ تفضیلیہ حضرات کا حضرت پیران پیر کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر امر تفضیل مین آپکے ارشادات سے تمامتر اعتراف ورزی کرتا ہے۔ حضرت پیران پیر غنیۃ الطالبین مین فرماتے ہین کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اُمت جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع اُمت ہائے عالم سے بہتر ہے۔ پھر اُمت محمدی سے بہتر وہ لوگ ہین جنہون نے جناب رسول خدا کو دیکھا اور آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور آپ کی تبعیت کی اور آپکی پیروی کی اور آپ کے ساتھ کفار سے لڑے بھڑے اور اپنی جان اور اپنے مال کو آپ پر فدا کیا اور آپکی تعظیم کی اور آپ کی مدد کی۔ پھر انلوگون سے بہتر اہل حدیبیہ ہین جنہون نے جناب رسول خدا کے ہاتھ پر وہ بیعت کی جو بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حضرات ایک ہزار اور چار سو آدمی تھے پھر ان بیعت الرضوان والون مین سے بہتر وہ لوگ ہین جو اہل بدر کہے جاتے ہین۔ اور یہ تین سو اور تیرہ ۳۱۳ اشخاص ہین جو عدد مین اصحاب طالوت کے برابر تھے۔ پھر انمین سے بہتر چالیس آدمی ہین جو اہل دار الخیزران کہلاتے ہین اور جنمین حضرت عمرؓ کے داخل ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوجاتا ہے۔ پھر انمین سے بہتر دس شخص ہین کہ جنکی شہادت کی پیغمبر خدا نے خبر دی اور یہ دس حضرات۔ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبد الرحمن ابن عوفؓ سعدؓ سعیدؓ اور ابو عبیدہ بن الجراح ہین۔ پھر ان دس سے بہتر چارون خلفائے راشدین ہین۔ پھر ان چارون مین افضل ابوبکر ہین پھر عمر ہین پھر عثمان ہین پھر علیؓ ہین۔ راقم نے اختصار کی نظر سے عربی عبارت کو رقم کرنے کے عوض اسکے ترجمہ ہی پر قناعت کرنا مناسب جانا۔ جنکو اصل عبارت کو دیکھنا ہو غنیۃ الطالبین کے صفحہ ۱۰۶ کو ملاحظہ فرمالین۔ واضح ہو کہ یہ عقیدہ پوری طور پر اہل سنت کا ہے اور حضرت پیر دستگیر بھی جیسا کہ اوپر عرض ہوا اس عقیدہ کے پابند تھے اب حضرات تفضیلیہ بتلائین کہ جناب غوث اعظم کے متبع ہوکر جناب شیخین کو مفضول اور علیؓ کو افضل سمجھنا چہ معنی دارد۔ اسی طرح مین سینکڑون امور ایسے دکھلا سکتا ہون کہ باوجود حصول زمرہ بڑی ارادتمندیون کے حضرات تفضیلیہ جناب غوث اعظم کے ارشادات سے انحراف ورزی کرتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات تفضیلیہ کے بے تکاپن کی کوئی حد ہی نہین ہے۔ منجملہ دیگر بے تکاپن کے ایک یہ بھی ہے کہ جب مناظرہ مین مجبور ہوجاتے ہین تو نہایت پیچ وتاب کھاکر

کہنے لگتے ہین کہ غنیتہ الطالبین حضرت غوث اعظم کی تصنیف ہی نہین ہے۔ مگر ثبوت اس بات کا کہ یہ کتاب جلیل حضرت پیر دستگیر کی تصنیف ہے خود اہل سنت کی کتابون سے خوب ملتا ہے۔ یون جہال تفضیلیہ اور کم خواندہ صوفی مشرب اسکی نسبت تصنیف سے انکار کیا کرین۔ مگر اہل سنت کی کتب معتبرہ مثلاً کشف الظنون و شرح فقہ الاکبر و ترجمہ فتوح الغیب و مکتوبات مجدد الف ثانی و تفہیمات الٰہیہ وغیرہ سے یہ بات زور ون کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ غنیتہ الطالبین کے مصنف حضرت پیر دستگیر ہی ہین کوئی دوسرا شخص نہین ہے۔ واضح ہو کہ یہ کتاب تصنیف کا ایک نہایت عالمانہ پیرایہ رکھتی ہے۔ ہمنے جو اسے لفظ جلیل کے ساتھ یاد کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب اہل سنت کے لیے ایک مذہبی کارنامہ کا حکم رکھتی ہے۔ حضرت غوث پاک کی یہ تصنیف پورے طور پر سنی مذہب کے تقاضون سے خبر دیتی ہے اسلیے عقائد حضرات تفضیلیہ کے تمامتر مخالف ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ کتاب پورے طور پر ایسی ہے جیسا کہ سُنّی مذہب کی ایک عالمانہ تصنیف کو ہونا چاہیے۔

حضرت پیران پیر اور سادات حسنی

حال مین ایک صاحب اہل سنت نے اپنے رسالہ زجر العوام مین ایک خاص کرامت حضرت پیر دستگیر کی ظاہر فرماتے ہین وہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت پیر دستگیر حسنی سید ہین یہ اثر آپکی ہوجہ فتوح کا ہے کہ جسکے باعث حسنی سادات سنی ہی ہوا کرتے ہین۔ بخلاف اولاد جناب امام حسین کے جو شیعہ دیکھے جاتے ہین۔ حقیقت حال یہ ہے کہ تعصب انسان کی آنکھہ پر پردہ ڈال دیتا ہے تعصب کی بدولت متعصب کو حق و باطل کی تمیز باقی نہین رہتی۔ آنکھہ کان سب کے سب رخصت ہو جاتے ہین۔ متعصب پورا مصداق صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ۔ کا ہو جاتا ہے۔ تعصب کی بدولت جو کچھ اسکے دل مین آتا ہے بے محابا بول اُٹھتا ہے۔ لاریب کرامت بالا کا یقین بھی اُسکو ہو گا جو ایسی کرامت کے بیان کرنیوالے کی طرح خود بھی تعصب زدہ ہو گا۔ اہل انصاف ملاحظہ فرمائین کہ اول تو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سید ہی نہ تھے۔ کہین سے آپکی سیادت ثابت نہین ہوتی۔ آپ کی طرف سیادت کی نسبت متعصبین کا ادعا ہی ادعا ہے۔ محققین اہل سنت ہرگز آپکی طرف سیادت کو منسوب نہین فرماتے۔ یون جہان جیسا چاہین کہین۔ صاحب زجر العوام نے بیشک طریقۂ عوام کو اختیار فرمایا ہے بے محابا حضرت پیر دستگیر کو حسنی سید فرما گئے اور دنیا بھر کے موجودہ اور گذشتہ سادات حسنی کو سنی قرار دے گئے۔ اگر اور کچھ نہین مجرد سید جمال الدین حسنی سنی المذہب کی تصنیف عمدۃ الطالب فی انساب ابیطالب " ہی پر نظر ڈالتے تو ظاہر ہو جاتا کہ حضرت پیر دستگیر

نہ سید حسنی تھے اور نہ آپکو سیادت کا کوئی دعوےٰ تھا اور نہ سیادت کا دعویٰ آپکی کسی صاحبزادے نے کیا۔ البتہ آپ کے پوتے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبد القادر نے پہلے پہل سید ہونیکا دعوےٰ کیا مگر اپنی سیادت کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے ۔ دوم یہ کہ بالفرض اگر حضرت پیر دستگیر سید بھی ہوتے تو بنی آدم کے سنی یا شیعہ بنانے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے ۔ ہدایت کا معاملہ تمامتر خدا تعالےٰ کے ہاتھ ہے ۔ کسیکی مجال نہیں کہ کسی کافر کو مومن بنا سکے یا کسی گمراہ کو راہ پر لا سکے ۔ لاریب جناب رسول خدا باوجود اقتدار نبوت حاصل ہونیکے بھی یہ قدرت آپکو درگاہ ایزدی سے نہیں تفویض ہوئی تھی کہ کسی کافر کی ہدایت فرما سکتے ۔ جیساکہ خود خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" یعنی اے محمد تجھے اسکا اختیار نہیں ہے کہ جسکو تو حبیب رکھے اُسکی تو ہدایت بھی کر سکے ۔ پس جب ہدایت ایک امر منجانب اللہ ٹھیرا تو حضرت پیر دستگیر سید حسنی ہونے پر بھی اولاد جناب امام حسن علیہ السلام کو سنی نہیں بنا سکتے تھے ۔ ایسے لغو خیالات اہل تعصب اور اہل شغف کے دماغ ہی میں جگہہ کیا کرتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جب تک کوئی مصنف اپنے کو تعصب اور شغف سے مامون نرکھیگا حق نگاری کی دولت سے ہمیشہ محروم رہیگا ۔ یہ صاحب زجر العوام کے کمال تعصب و شغف کا نتیجہ ہے جو آپ فرماتے ہیں کہ حضرت پیر دستگیر سید حسنی تھے اور حسنی سادات آپ کے تصرف خاص کی بدولت سنی ہی ہوا کرتے ہیں ۔ بلا قید زمانہ ۔ یعنی حضرت کے پہلے کے سادات حسنی بھی سنی تھے ۔ آپکے وقت کے سادات حسنی بھی سنی تھے اور آپکے بعد کے بھی سادات حسنی سنی ہی ہوتے گئے اور آیندہ بھی سنی ہی ہوتے جائینگے ۔ اگر دم بھر کے لیے بھی صاحب زجر العوام تعصب و شغف سے علحدہ ہو جاتے تو ہرگز ایسی بے سروپا تحریر پر قادر نہو سکتے ۔ تعصب اور شغف سے بری ہو کر حضرت مصنف دریافت کر سکتے تھے کہ حضرت غوث اعظم سید نہ تھے اور یہ ضرور نہیں کہ حسنی سادات سنی ہی ہوں ۔ مگر چونکہ تعصب و شغف سے مصنف ممدوح کو دم بھر بھی نجات کی صورت حاصل نہو سکی ۔ زجر العوام کو مذاق عوام سے رستگاری بھی نصیب نہو سکی ۔ اب اہل نظر حسنی سادات کی افتاد مذہب پر توجہ فرمائیں ۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ضرور نہیں کہ حسنی سادات سُنی ہی ہوں اور حسینی سادات شیعہ ۔ اسوقت بہت سے حسینی سادات سنی ہیں اور بہت سے حسنی سادات شیعہ ۔ یہی طور سابق میں بھی رہا ہے کہ ہر قسم کے سادات سُنی یا شیعہ ہوا کرتے تھے ۔ جب سے علویین یعنی سادات میں پھوٹ پڑ گئی ۔ تب سے انکا ایک مذہب نرہا ۔ جیساکہ ہم اوپر دکھلا چکے ہیں ۔ اسوقت میں حسنی سادات کے شیعہ ہونیکی مثال وہ اولاد جناب امام حسن علیہ السلام کی ہے جو شہر مدینہ کے باہر رہتی ہے ۔ یہ ایک قبیلہ کا

قبیلہ ہے جو شیعہ مذہب رکھتا ہے - انمین ایک شخص بھی سُنّی نہین ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے وجود سے صاحب زجر العوام کو خبر نہین ہے - ورنہ ایسی بے سر وپا تحریر کو اپنی تصنیف مین جگہہ ندیتے - خیر - تعجب ہے کہ حضرت پیر دستگیر کی توجہ خاص سے یہ قبیلہ محروم رہگیا یہ قبیلہ وقت جناب امام حسنؑ سے اپنے مذہب آبائی پر استوار ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تا قیامت اپنے مذہب آبائی سے کنارہ کش نہوگا - ہر چند مدینہ کے سنی ان سادات حسنی کو خلاف مذہب ہونیکی وجہ سے طرح طرح کی ایذائین دیتے رہتے ہین مگر یہ سادات دنیا کے لیے دین کو برباد کرنا گوارا نہین کر سکتے - یہ سادات حسنی مدینہ کے باہر نہایت مفلوک الحالی سے بسر کرتے ہین - انمین کسی طرحکی وجاہت باقی نہین رہی ہے - انکے شیعہ ہونیکی باعث مدینہ کے اہل سنت انپر طرح طرح کے ستم روا رکھتے ہین - ترکی سلطنت کا بھی یہ طور ہے کہ انکی سیادت کا مطلق لحاظ نہین کرتی - یہ بیچارے سادات حمالی اور مزدوری کے سوا اور روزگار کے اختیار کرنیکی اجازت نہین پاتے جسکے باعث نہایت ذلیل طور سے اوقات بسر کرتے ہین - مگر اسپر بھی مدینہ سے کہین چلا جانا گوارا نہین کرتے مزار جد یعنی مزار پاک سے حضرت امام حسنؑ کے کسی حال مین مفارقت پسند نہین کرتے - سب طرحکی بلائین سہتے ہین مگر مدینہ اور جنت البقیع سے کنارہ ہونا منظور نہین کرتے - اور کسیطرحکا سلوک نیک تو درکنار ان بیچارے سادات کو کوئی خمس دیتا بھی ہے تو اَنَا مدعی کہنے والے اُنسے چھینکر چکھہ جاتے ہین - اور ترکی سلطنت بیٹھی منہ دیکھا کرتی ہے - کیون آسمان ٹوٹکر سادات کے ستانے والون پر نہین گر پڑتا - ہان ظلم کی رسّی دراز ہوتی ہے - معاملہ حشر کچھ دور نہین ہے ع از مکافات عمل غافل مشو - اے حضرات اہل انصاف یہان بھی اُسی قول پاک عِنْدَنَا کِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا کا جلوہ ہے - جب امام حسنؑ زندہ تھے تب بھی اس قول گرامی کی جلوہ گری تھی - امام ممدوح کی شہادت کے بعد بھی اسکی جلوہ گری کم نہوئی اور اب انکی اولاد اسی جلوہ گری کا تماشا دیکھہ رہی ہے - اللہ تعلےٰ فرماتا ہی رہگیا کہ قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ - یعنی کہو اے محمدؐ مین تمسے اجر رسالت کچھ نہین چاہتا ہون مگر چاہتا ہون کہ میرے عزیزون کی محبت تم اختیار کرو - اور جناب پیغمبر خدا - اِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ... فرماتے ہی رہے - مگر اللہ و رسولؐ دونون کے ارشاد بالائے طاق ہوگئے اسلامی دنیا مین بول بالا اس قول پاک عِنْدَنَا کِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا کا رہگیا اب مین صاحب زجر العوام کی خدمت بابرکت مین یہ عرض کرتا ہون کہ آیا ایسی رکیک باتین جو تصنیف جناب ممدوح مین دیکھی جاتی ہین کسی محقق کے قلم سے نکلنے کا استحقاق رکھتی ہین ؟ حقیقت حال یہ ہے کہ سنی یا شیعہ ہونا کسی سید کا کسی کرامت پر موقوف نہین ہوسکتا - دنیا مین سُنّی یا شیعہ

ہونے کے اسباب ہوا کرتے ہین - البتہ سید کا سُنّی ہونا خلاف توقع معلوم ہوتا ہے مگر جب سُنّی ہونیکے اسباب مجتمع ہوجاتے ہین تو سید بہی سُنّی ہوجاتا ہے - سید کے سُنّی ہونیکے تین بڑے بڑے سبب ذیل مین مذکور ہوتے ہین -

نمبر ۱ - پہلا بڑا سبب جس سے سید مذہب اہل سنت والجماعت کا پابند ہوسکتا ہے - جہالت ہے - جہالت سے مراد یہ ہے کہ اُسکو اسکی خبر ہی نہین کہ مذہب علیؑ مرتضےٰ کیا تہا اور مذہب زید ابن ثابت کیا ہے - وہ عموماً یہی جانتا ہے کہ جس مذہب کا وہ متمسک ہو رہا ہے وہی مذہب اُسکے دادا جناب علیؑ مرتضےٰ کا بہی تہا - اور جتنے بنی ہاشم تہے انہی خیالات کے بہی کے پابند تہے - ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ بڑے اہتمام کے ساتہ وہ اپنی غلط خیالی مین گرفتار رکہا جاتا ہے - جس سے کسیطرح پر اسپر حقیقت حال روشن ہی نہین ہونے پاتی - لیکن اگر اس جاہل پر یہ بات ظاہر ہوجاسکے کہ اسکے دادا کا مذہب مذہب فاروقی سے جدا تہا یا یہ کہ اسکے دادا کا نام قرآن سے نکالدیا گیا ہے - جیسا کہ اوپر دکہلایا جاچکا ہے تو اس یقین کے پیدا ہونیکے بعد بعوضِ باقی رہنے حمیت ہاشمیہ کے وہ ایک منٹ کے واسطے بہی سُنّی نہین رہ سکتا یہی حال راقم کا ہوا کہ کتب صحیحہ کے ذریعہ سے دریافت حقیقت کے بعد اسے مذہب مُروّج سے کنارہ ہونا پڑا -

نمبر ۲ - دوسرا سبب جو سبب اول سے اپنے فعل مین کم نہین ہے تملق دنیاوی ہے - سُنّی سلطنتون مین شیعہ سادات کو جو تقیہ کی ضرورت لاحق ہوئی - تو اُنہون نے اپنے کو سُنّی دکہلایا پہر اُنکی اولاد دو تین پشت مین واقعی سُنّی ہوگئی اور سُنّی ہوتی چلی آتی ہے -

نمبر ۳ - تیسرا سبب جو دونون سبب ہائے بالا کے ہم پلہ ہے - تاثیر صحبت اور تقاضائے تعلیم و تربیت ہے - اکثر کم عمر اور کم استعداد اشخاص گو کیسے ہی سید السادات اور خاندانی شیعہ ہون صحبت اہل خلاف کی تاثیر سے مذہب اہل سنت والجماعت کا اختیار کرلیتے ہین انکا مذہب آبائی کا ترک کرنا تحقیق کی بنیاد پر کبہی نہین ہوتا - ایسے لوگ کوئی تعجب نہین کہ صحبت کی تاثیر سے عیسائی یا دہریہ بہی ہوجائین - اسیطرح تقاضائے تعلیم و تربیت کی بناپر خاندانی مذہب سے علحدگی نصیب ہوجاتی ہے - اسکی مثال جناب نواب سید مہدی علیخان صاحب محسن الملک تہے - آپ سادات عظام مین سے تہے - ایک وقت مین آپکا خاندان بہت عروج پر تہا - خاندانی مذہب آپکا امامیہ تہا - مگر اس مذہب سے آپ بے تعلق ہوگئے - اور آپکا خاتمہ بہی مذہب اہل سنت پر ہوا - مجہے آپکے مذہب آبائی کے ترک کرنے پر تعجب گذرتا تہا - مگر ایک دن جب آپنے بانکی پور مین میرے ایک عزیز کے مکان مین اپنی سرگذشت

اعادہ اپنی ایک اسپیچ کے ذریعہ سے فرمایا تو میرا استعجاب بالکل زائل ہوگیا۔ آپکی بیان کیے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے بزرگان جنت نشان (شاید دادا کے اوپر) نہایت صاحب ثروت تھے سیادت کیو جسے دین کی سرداری تو ان حضرات کو حاصل ہی تھی دنیا کی وجاہت بھی انہیں واہب العطایا نے بخشی تھی۔ مگر آپکے والد ماجد کے وقت مین کچھ ایسے دنیاوی انقلابات لاحق ہوئے کہ بڑی تنگی سے بسر ہونے لگی۔ خود بقول نواب صاحب ممدوح اتنا بھی مایہ گھر مین نرہا کہ آپ کی تعلیم کسی پانچروپیہ ماہانہ کے معلم کے ذریعہ سے بھی کیجا سکتی۔ ایسی تنگدستی کی حالت مین (حسب بیان نواب صاحب ممدوح) آپکا جانا آٹھہ برس کے سن مین دیوا ضلع بارہ بنکی کو ہوا۔ دیوا مین ایک خوشحال تعلقدار رہتے تھے۔ اُن صاحب نے آپ کی تعلیم و تربیت بلکہ آپ کی ہر طرح کی کفالت اپنے ذمہ کرلی۔ دیوا مین آپ برابر علم اندوزی فرماتے رہے حتے کہ کسی انگریزی نوکری پر سرفراز ہوگئے۔ اور چونکہ فطری طور پر انجام کار کی بڑی قابلیت رکھتے تھے جلد جلد ترقیان کرتے گئے۔ حتے کہ تحصیلدار ہوگئے۔ اور تحصیلدار سے ڈپٹی کلکٹر۔ ظاہر ہے کہ اگر نواب صاحب اپنے خاندان مین تعلیم و تربیت پاتے تو تعلقدار صاحب کے مذہب کو اختیار کرنے کا موقع آپ کو نصیب نہوتا۔ آپ تعلقدار صاحب کا مذہب اختیار نفرماتے تو کیا کرتے گھر پر خاندانی مذہب کی تعلیم کا تو موقعہ حاصل ہی نہ تھا۔ اس کم عمری مین جیسی مذہبی تعلیم پائی اُسکے ہوکر رہگئے۔ اس سن مین اگر کسی پادری صاحب سے تعلیم پاتے تو عیسائی ہوجاتے۔ کوئی شک نہین کہ خاندانی مذہب آپ کا شیعہ تھا۔ مگر شیعہ مذہب کی آپ نے ایک دن بھی تعلیم نہ پائی مذہب حنفی کی برابر تعلیم پاتے رہے۔ نقش اول نفس ذہن پر فطرت سے پڑ رہا ہوا ہی کرتا ہے۔ آپکا مذہب حنفی کے ساتھ متمسک ہونا خلاف توقع نہ تھا۔ اب مذہب شیعہ کے نقش اول کی جگہہ ہی کہان باقی رہی تھی جو آپ آیندہ مذہب امامیہ کی پابندی فرماسکتے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ ہر چند ایک شیعہ خاندان کے لڑکے تھے۔ مگر حضرات اہل سنت کے درمیان مذہب اہل سنت کی تعلیم پاکر سُنی المذہب ہوگئے۔ آپ کے عزیز آپکو تعجب کی نظر سے دیکھا کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کوئی خلاف توقع بات نہین کی۔ آپ نے جس مذہب کی تعلیم پائی تھی اُسی مذہب کو اختیار کیے رہے اور وہ مذہب بھی کس کا تعلقدار صاحب جیسے محسن کا جنھون نے آپکو شریف زادہ سمجھکر آپ کے ساتھ سلوک نیک مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا مجھے یاد ہے کہ نواب صاحب ممدوح اُن تعلقدار صاحب کو بڑی عظمت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور کیون نہ اُنکے وفور احسانات کو یاد نفرماتے ؎ دوست آن دانم کہ گیرد دست دوست ٭ در پریشان حالی و درماندگی۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ جب نواب محسن الملک صاحب عہدۂ تحصیلداری کو پہنچکر مرزاپور مین

تشریف رکھتے تھے اُسوقت کچھ سُنی حکام اعلےٰ مثلاً مولوی امداد العلی خان ڈپٹی کلکٹر وغیرہ بھی خدمت سرکاری مین سرفراز تھے - نواب صاحب ممدوح ہرچند مذہبی آدمی نہ تھے مگر ضرورت وقت کو ملحوظ رکھکر قیام مرزاپور کے زمانہ مین آپنے اپنی کتاب آیات بینات لکھی یہ کتاب کس درجہ کی ہے عالم علم کلام سے پوشیدہ نہین ہے - یہان اُسکے نیک و بد سے گفتگو نہین ہے یہان اسیقدر مجھے عرض کردینا تھا کہ تاثیر صحبت و تقاضائے تعلیم و تربیت سے شیعہ خاندان کا سید بھی سُنی ہوجاتا ہے -

خلافت منجانب اللہ و خلافت منجانب الناس کو مرثیہ نگاری سے تعلق

واضح ہو کہ اہل سنت خلافت کو جس مین امامت بھی داخل ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ امامت خلافت سے منفک ہو نہین سکتی - ایک امر منجانب الناس جانتے ہین برخلاف اسکے اہل تشیع خلافت کو ایک امر منجانب اللہ جانتے ہین - میر انیس بھی شیعہ ہونیکے باعث امر خلافت کی نسبت اسی خیال کے پابند تھے کہ خلافت جس مین امامت داخل ہے ایک امر منجانب اللہ ہے اور ہرگز کوئی امر منجانب الناس نہین ہے - میر صاحب مرحوم کے سارے مراثی اسی عقیدہ پر مبنی ہین اور تمام شیعہ مرثیہ نگار اس عقیدہ کے پابند تھے اور ہین - اگر شیعون کے مراثی کا پڑھنے والا اس امر سے واقف نہین ہے کہ اہل شیعہ خلافت کو ایک امر منجانب اللہ جانتے ہین جسکا مطلب یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا کا خلیفہ آدمی کا بنایا ہوا نہین ہوسکتا - اسلیے کہ خلیفہ رسول اللہ کو رسول اللہ کی طرح صاحب عصمت ہونا چاہیے تو ایسے ناواقف شخص کو ان شیعہ مراثی نگارون کے کلام سے کوئی حظ حاصل نہین ہوسکتا - اسکی مثال یہی ہے کہ اگر کوئی شخص مذہب عیسائی کے عقیدہ تثلیث سے باخبر نہین ہے تو ملٹن کی پیرڈائز لاسٹ سے مطلق لذت یاب نہین ہوسکتا - پس شیعہ مراثی کے پڑھنے والے کو اس امر کو ملحوظ رکھہ لینا ضرور ہے کہ جب عقیدۂ اہل تشیع چہاردہ تن سے جس تن کا مرثیہ اسوقت اسکے زیر ملاحظہ ہے وہ تن معصوم ضرور ہے اُسکی عصمت منجانب اللہ صورت پذیر ہوئی ہے - یعنی خدا ہی نے اُسے معصوم بنایا ہے - اور اگر وہ ائمۂ اثنا عشر سے ہے تو وہ خلیفہ اور امام منجانب اللہ ہے منجانب الناس نہین ہے - شیعہ مرثیہ نگارون کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ مذہبی کی پابندی سے یہ سب کے سب شیعہ شعرا جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو برحق امام اور جناب

رسولؐ خدا کا برحق خلیفہ جانتے ہین - آپکی معصومیت سے تمامتر اعتراف رکھتے ہین - آپ کی جنگ آرائی کو جہاد سمجھتے ہین - اور آپکی ہلاکت کو شہادت مانتے ہین - ظاہر ہے کہ مذہب اہل سنت کے ساتھ ان خیالات کو کسی طرح کا اتفاق نہین ہو سکتا - اہل سنت کے اصول عقائد کے رو سے جناب امام حسینؑ علیہ السلام نہ خلیفۂ رسول اللہؐ تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم - آپکی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ مین خروج تھی - اور اسی لیے آپ کی ہلاکت شہادت نہین مانی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خَرَجَ الْحُسَیْنُ فَقُتِلَ عَنْ سَیْفِ جَدِّہٖ - مشہور عام یہ ہے کہ یہ قول حضرت پیر دستگیر شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کا ہے اور غنیۃ الطالبین مین داخل ہے - مگر اس کتاب کے چھپے ہوے نسخہ مین دیکھا نہین جاتا ہے - لیکن اسکے ابوبکر ابن العربی کے قول ہونے مین کوئی شبہہ نہین ہو سکتا جیسا کہ نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالی اپنی کتاب حجج الکرامہ مین رقم طراز ہین - عبارت اس کتاب کی یہ ہے "ابن العربی گفت کشتہ شد حسینؑ را مگر بسیف جد وے یعنی بیعت برائے یزید گردیدہ بود - پس حسینؑ بروی باغی شد - زیرا کہ کسان بسیار اقدام بر بیعت وے نمودند و استخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند و باوجود استخلاف اینہمین اجماع وست کہ حسینؑ کرد شرط نباشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفۂ حق بود و اجماع مردم بروے بعد نزول امام حسنؑ واقع شد - کوئی شک نہین کہ تقاضائے مذہب اہل سنت کی رو سے ابوبکر ابن العربی کا قول نادرست نہین ہے - یہ ضروری بات ہے کہ اصول عقائد کے رو سے اہل سنت کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے - مگر جو حضرات اہل سنت سے اسکے برخلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہین وہ یقیناً بے اصول سنی ہین - المختصر شیعون کے مراثی کے ملاحظہ کے لیے درکار ہے کہ اُن مراثی کا پڑھنے والا اہل تشیع کے اصول عقائد سے باخبر ہو - ورنہ شیعون کے مراثی نہ حسب مراد سمجھ مین آینگے اور نہ اُنسے بامراد طور پر کوئی تلذذ حاصل ہو سکیگا - واضح ہو کہ صوبہ بہار کے اہل سنت جو حنفی مذہب رکھتے ہین اور غیر مقلدین یعنی وہابی حضرات کے اثر سے محفوظ رہے ہین واقعۂ کربلا کو قریب قریب اہل تشیع کی آنکھ سے دیکھتے ہین جناب امام حسینؑ کو مظلوم سمجھتے ہین اور انکی ہلاکت کو شہادت جانتے ہین رسوم عزاداری مین جو کچھ ان حضرات اہل سنت کو اہل تشیع کے ساتھ اختلاف ہو مگر نفس عزاداری مین کہ عبارت ہے جناب امام حسینؑ کے اقرار مظلومیت اور انکی ہمدردی سے یہ حضرات کچھ بھی اختلاف نہین رکھتے حسب عقیدہ اہل تشیع جناب امام حسینؑ اپنے جد گرامی یعنی جناب رسولؐ خدا کی طرح معصوم اور اُنکے باپ مان اور بھائی بھی حضرات رسولؐ خدا ہی کی طرح معصوم تھے اور آپ کے جانشینان از جناب امام زین العابدین تا جناب امام صاحب العصر معصوم شمار کیے جاتے ہین - امامیہ ان چہاردہ تن کو صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور

جزاے عمل سے بے باک جانتے ہین - واضح رہے کہ حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ نہین ہی۔ مگر شیعہ مرثیہ نگاری چونکہ شیعہ عقائد پر ہے - اسلیے جناب امام حسینؑ اہل تشیع کے مراثی مین معصوم بیان کیے جاتے ہین - اور اُنکی امامت ایک امر منجانب اللہ قرار دیجاتی ہی۔ اس عصمت اور امامت منجانب اللہ کی بنیاد پر آپکی مظلومیت کا اعتراف کیا جاتا ہے اور اُنکی ہلاکت شہادت مانی جاتی ہے - پس اگر عصمت اور امامت منجانب اللہ کا مضمون درمیان سے اُٹھہ جائے تو شیعون کے شہید کربلا کی مظلومیت و عصمت کے عدم پذیر ہونیکی حالت مین اُنکی ساری عمارت مرثیہ نگاری کی جڑ سے کمزور ہوکر گر پڑتی ہی۔ مختصر یہ ہے کہ شیعون کے مراثی سے مستفید ہونیکے لیے ضرور ہے کہ انکا پڑہنے والا اہل تشیع کے عقیدۂ عصمت و امامت سے بے خبر نہو - اس بےخبری کے ساتھ اُن شعراے مرثیہ نگار کی طباعی کسی قسم کا لُطف اُنکے مراثی کے پڑہنے والے کے دل مین نہین پیدا کر سکتی ہے - کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کتاب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی چھپکر شائع ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف صاحب عقیدۂ عصمت سے تمامتر بری ہین - یعنی رسول اللہ کی عصمت کے بھی معترف نہین معلوم ہوتے ہین -

شمس العلما نذیر احمد صاحب کی پیغمبر خدا اور خاندان پیغمبر کے ساتھ عقیدت مندی

تحریر کے عنوان سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے - چنانچہ آپ فرماتے ہین کہ ہم پیغمبر صاحب کو تمام لوازم ضعف بشریہ کے ساتھ بشر مانتے ہین اور وہ خود اسکے معترف تھے - (دیکھو شمس العلما صاحب کی امہات الامہ صفحہ ٣٣ سطر ٢) اگر مولوی صاحب کا یہ قول صحیح ہے تو محمد صاحب حضرت عیسٰیؑ سے کسی طرح افضل نہین مانے جاسکتے - ظاہر ہی کہ اس قول سے محمد صاحب کی معصومیت ہوا ہوجاتی ہے - لاریب نبی ہونیکے باعث حضرت عیسٰیؑ معصوم تھے جیساکہ اُنکی امت بھی اُنکی معصومیت کا تمامتر اقرار رکھتی ہے - اور اس معصومیت کی بنا پر تمام ضعف بشریہ سے بھی دور تھے - پس ایسی صورت مین معصوم پر غیر معصوم کو فضیلت حاصل نہین ہوسکتی - اب عیسائیون کو مژدہ ہو کہ اہل سنت کے ایک مشہور عالم نے ایک ایسی بات کا اقرار کیا جس سے مسیحی دین والون کا دعوے صحیح اور محمدی دین والون کا دعوے غلط ثابت ہوتا ہے یہ قول درست ہے کہ الناس علے دین ملوکہم

اگر شمس العلما صاحب نے کوئی ایسی بات محمدؐ صاحب کی نسبت حوالہ قلم فرمادی کہ جس سے
عیسائی مذہب والون کی تائید متصوّر ہے تو خلاف توقع کوئی امر ظہور مین نہین آیا - ارباب وقفیت
سے پوشیدہ نہین ہے کہ شمس العلما صاحب کے بڑے سرپرست سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر سابق
اسلام کے ایک دشمن صعب تھے جیسا کہ اُنکی تصنیف سے ہویدا ہے - بلاشبہ شمس العلما
صاحب کی یہ تحریر سر ولیم کی بڑی معین نظر آتی ہے - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما
صاحب نے ایسی تحریر سے حق نمکخواری ادا فرمایا ہے - خیر شمس العلما صاحب حضرت خاتونِ
جنت کی نسبت بھی ایسے ہی الفاظ ناشائستہ داخل تصنیف فرما گئے ہین - جنسے معلوم ہوتا ہے
کہ آپ کو اُس معصومہ کی عظمت ذرہ برابر بھی مد نظر نہ تھی - آپ اپنی امہات الامہ کے
صفحہ ۹۹ مین تحریر فرماتے ہین کہ باوجودیکہ فاطمہؓ کے حق اور حصے مین جو کچھ بھی اُنکا فدک مین رہا ہو
کسیوقت کسی طرح کی کمی نہین کیگئی تاہم اُنھون نے اگلی کدورتون کی وجہ سے اپنی درخواست کے
منظور نہ کیے جانے سے بڑا بُرا مانا - ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی
مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے
پائین - کس بلا کا غصہ ہے خدا کی پناہ - شمس العلما صاحب - خدا سے ڈریے - خاتون جنت
اور آپکا یہ انداز تحریر - آپ اور کہین کہ "کس بلا کا غصہ ہے خدا کی پناہ" - آیا یہ زبان کبھی فاطمہ جیسی
بنت رسول اللہ کے لیے کسی حال مین جائز ہو سکتی ہے ؟ ازلی بدنصیب کے سوا کسی سے
ایسی بے ادبی سرزد نہین ہو سکتی - حضرت بی بی فاطمہؓ نے حق طور پر جناب شیخین سے بیزاری
ظاہر فرمائی یا ناحق طور پر یہ امر اس جگہہ خارج از بحث ہے - یہان شمس العلما صاحب کا بے ادبانہ
انداز بیان پیش نظر ہے - لاریب ایسی بے ادبانہ گفتگو حضرت خاتون جنت کے مقابلہ مین وہی
کریگا جو دل سے مخالف اہل بیت نبوی کا اور بے ادب اور بے نصیب کا مصداق ہوگا - معلوم
ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب مین بے ادبانہ تحریر کا ایک بڑا مادہ ودیعت ہے - ظاہرا ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب اپنے اس انداز تحریر کو سرمایۂ آزاد مزاجی سمجھتے ہین لاحول ولا
قوۃ الا باللہ - اسی طرح شمس العلما صاحب کی بے ادبانہ تحریر کی بہت سی مثالون مین سے ایک
مثال اور بھی پیش کیجاتی ہے - آپ فرماتے ہین کہ "اسلام کے حق مین یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ پیغمبر
صاحب کی اولاد ذکور اُنکے بعد زندہ نہ رہی - بیٹیون مین ایک بیٹی رہین تو اُنکی نسل کی بدولت
اسلام مین یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سُنی اور شیعہ دو فریق ہو گئے جن مین ہمیشہ جوتیون مین دال
بٹتی رہتی ہے - بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا" - اے حضرات اہل اسلام کیا بے ادب
ہونا شعائر اسلام سے ہے - اول تو یہ زبان جو شمس العلما صاحب کی ہے ہرگز اہل تہذیب

اور اعلیٰ درجہ کے شرفا کی ہو نہین سکتی۔ دوم یہ کونسی مسلمانی ہے کہ کوئی مسلمان پیغمبر صاحب کے بے پسر ہونے پر اظہار خرسندی کرے۔ اور مستزاد برآن یہ کہے کہ "اگر کوئی پسر زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا"۔ پھر جو بیٹی زندہ رہکر صاحب اولاد ہوئین تو اُس سے ملال ظاہر کرے کہ کیون صاحب اولاد ہوئی ہوئین۔ خدارا یہ کیا تحریر ہے۔ کیونکر کوئی مسلمان ایسی تحریر پر قادر ہو سکتا یا ایسی تحریر سے خوش ہو سکتا ہے۔ ایسی بے ادبانہ تحریر کو اگر شامت اعمال نہ کہین تو کیا کہین ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما صاحب جسقدر پیغمبر صاحب کے بے پسر ہونے پر خرسند ہین اُسیقدر جناب بی بی فاطمہؑ کے صاحب اولاد ہونے سے رنجیدہ ہین۔ لاریب اگر شمس العلما صاحب پیغمبر صاحب کے زمانہ مین موجود ہوتے تو ضرور آپ پیغمبر صاحب کی بے پسری پر پیغمبر صاحب کو مبارکباد دیتے۔ اور پیغمبر صاحب کے نواسون کی پیدایش پر رسم تعزیت ادا فرماتے۔ شمس العلما صاحب کی تحریر سے صاف صاف یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ کو سادات سے نفرت قلبی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہین کہ تمام سادات صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائین۔ مگر جب شاہان جابرین جیسے معاویہ و یزید وغیرہ قوم سادات کا استیصال نہ کر سکے تو شمس العلما صاحب کی قوت ارادیہ کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ کفار نابکار جب آنحضرت کو بے اولاد کہنے لگے تو حکم خداوندی سے جیسا کہ سورہ انا اعطینا کے فحوے سے معلوم ہوتا ہے اسقدر آنحضرت کی نسل پھیلی کہ معاویہ و یزید و جمیع خلفائے بنی امیہ و بنی عباسیہ حضرات سادات کو نیست و نابود نہ کر سکے تو اب ایک بیچارے شمس العلما صاحب۔ کس حساب مین ہین اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑیگا۔ خیر شمس العلما صاحب یہ جو فرماتے ہین کہ پیغمبر صاحب کا کوئی بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا" یہ عجب طرح کا قول دکھائی دیتا ہے۔ ہر نبی کا بیٹا ضرور نہین ہے کہ پسر نوح نکلے۔ پھر پیغمبر صاحب کا بیٹا پسر نوح کیون نکلتا۔ اسکی کوئی توجیہ شمس العلما صاحب نہین فرماتے۔ لیکن اتنا تو قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر صاحب کوئی بیٹا چھوڑ جاتے تو اُس کے ساتھ وہی سب سلوک شمس العلما صاحب جیسے مسلمانون کے ہاتھ سے برتے جاتے جیسا کہ پیغمبر صاحب کے خاندان والون کے ساتھ برتے گئے ہین اور اب بھی برتے جاتے ہین۔ اب مین کچھ اور شاہد بھی شمس العلما صاحب کی بے ادبانہ تحریرات کی پیش کرتا ہون۔ لاریب شمس العلما صاحب کو اس طرح کی تحریر کی ایک خاص صلاحیت حاصل ہے۔ آپ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۹۹ مین فرماتے ہین کہ "اُدھر فاطمہؑ ایک سیر کی تھین کہ مرتے مر گئین اور اپنی آن نہ چھوڑی تو اِدھر عائشہ سوا سیر کی" پھر اُسی صفحہ مین رقم فرماتے ہین کہ "یہ ہمارے مُلک مین عورتون کا ایک طبعی خاصہ تریا ہٹ اور تریا چرتر بھی مانا گیا ہے تو وہی بات ہم فاطمہؑ اور عائشہ مین پاتے ہین" خدارا یہ کیا تحریر ہے۔ تحریر ہے

اس سے زیادہ کیا بے ادبانہ انداز بیان ہو سکتا ہے۔ بی بی فاطمہ کو جو کچھ شمس العلما صاحب لکھہ گئے ہین اُسکا اجر اُنہین سرکار مصطفوی سے ملیگا مگر حضرت عائشہ صاحبہ کی شان مین جو بے ادبی اُنسے ظہور مین آئی ہے اِسنے ایک شورش حضرات اہل سنت مین پیدا کر دی ہی اور جسکا جو جی چاہتا ہے شمس العلما صاحب کو کہتا ہے۔ ظاہرا امامیہ کچھ نہین بولتے۔ یہ فرقہ خاندان پیغمبر کی توہین کی باتین سُننے کا عادی ہو گیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہین ہے۔ پہلے ہی سے ہوتی آئی ہے اور آیندہ بہی ہوتی رہیگی۔ اب مین آخر مین ایک اور بیان بہی شمس العلما صاحب کا حوالۂ قلم کرتا ہون۔ جس سے شمس العلما صاحب کے اس حُسن عقیدت کا اظہار متصور ہے جو شمس العلما صاحب کو خاندان پیغمبر کے ساتھ ہے اور جس سے خاصکر جناب امام حسین علیہ السلام کے معاملۂ کربلا کی نسبت شمس العلما صاحب کا انداز خیال ہویدا ہوتا ہے۔

شمس العلما صاحب اپنی اُسی تصنیف کے صفحہ ۹۴ مین تحریر فرماتے ہین کہ "پیغمبر صاحب نے باختیار خود فقر و فاقہ مین زندگی بسر کی اور وہ اسیکو دوست بہی رکہتے تہے اور اپنے حق مین ایسی ہی زندگی کی دعا کیا کرتے تہے کہ۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ اور اپنی نسل کے حق مین فرمایا کرتے تہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا۔ نسل سے قناعت نہو سکی۔ لگے سلطنت کے خواب دیکہنے اپنا ادب بہی کہو بیٹہے۔ این ہم رفت و آن ہم رفت۔ در پے جانان جان ہم رفت۔ حضرت علیؑ ہی کو خلافت کی کرسی پر بیٹہکر کتنی فتوحات حاصل ہو گئین۔ بیچارے صرف چار برس نو مہینے خلافت کے ساتھ نام زد رہے اور شروع ہی مین اندرونی خانہ جنگیون کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے خلافت پر قبضہ کیا اور اب وہ برائے نام خلیفہ باقی رہگئے۔ اُنکے انتقال کے بعد اُنکے بڑے فرزند حسنؑ نے خلافت پر بہت زور دیا۔ مگر چہ مہینے کے اندر ہی اندر اُنکو بہی خلافت سے دست بردار ہونا پڑا اب سلطنت کی باگ معاویہ کے ہاتہ مین رہی اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی نسل مین یہ سلسلہ جاری رہا۔ اُسوقت نسل فاطمہ کو اپنے محترم نانا کی طرح چاہیے تہا صبر و قناعت مگر علیؑ کے دوسرے فرزند حسینؑ نے معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت کو تسلیم نہین کیا اور کوفہ مین اگر اپنی خلافت پر لوگون سے بیعت لی جسکا نتیجہ وہ ہوا جو سبکو معلوم ہے۔ فاطمہ کی آیندہ نسل کو اُس نتیجہ سے عبرت پکڑنی چاہیے تہی مگر ملک داری کی ہوس نے اُنکو کبہی چین سے بیٹہنے ہی نہین دیا"۔ شمس العلما صاحب کی تحریر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی دانست مین آل محمد صفت قناعت سے بالکل بے بہرہ تہے ملک داری کی بڑی ہوس رکہتے تہے۔ حسین ابن علیؑ نے جو یزید کی خلافت کو قبول نہین کیا تو ایک سخت بیجا کام کیا۔ امام والیمقام کو راہ قناعت اختیار کرنا تہی۔ ایسا جو نہین کیا تو اپنی فعل کی

سزا پائی اُس واقعہ سے نسل فاطمہؑ کو عبرت لینا تھی وغیرہ وغیرہ - اس انداز بیان سے ہویدا ہے کہ شمس العلما صاحب آلِ محمدؐ کو قابل توقیر نہین جانتے - ظاہر ہے کہ جب شمس العلما صاحب کے نزدیک آلِ محمدؐ طماع وخودغرض تھے تو شمس العلما صاحب اُنہین کیونکر قابل توقیر سمجہ سکتے ہین - کاش شمس العلما صاحب وہ ولا جو مخالفین آلِ محمدؐ کے ساتھ رکھتے ہین اُسکا نصف بہی آلِ محمدؐ کے ساتھ رکھتے تو ایسی بے سروپا تصنیف جسکا نام امہات الامہ ہے دنیا مین وجود پذیر نہوتی - کیا غضب کا الزام ہے کہ آلِ محمدؐ صبر وقناعت سے دور تھے - ہائے بدبختی! صبر وقناعت ورضا وحلم تو آلِ محمدؐ ہی کا شیوہ ہی تہا - شمس العلما صاحب اپنی کم حوصلگی سے سمجھے ہوئے ہین کہ جناب امام حسینؑ نے مُلک داری کی ہوس کے باعث یزید سے مقابلہ کیا تہا - مُلک داری کی تو کوئی تمنا ہی نہ تھی - امام عالیمقام صرف دینی بنیاد پر یزید سے جنگ آزما ہوئے تھے - نہ شمس العلما صاحب کے اُس خلیفہ سے خود بیعت کرنا جائز جانتے تھے - اور نہ اُس سے اُمت محمدؐی کا بیعت کرنا قرین حق سمجھتے تھے - حضرت امام کو معلوم تہا کہ وہ خود بہ نفس نفیس امام برحق اور خلیفہ منجانب اللہ ہین - پس ایک ایسے ننگ بنی آدم سے کیونکر بیعت کر سکتے تھے - اسی لیے راہ حق مین نہایت صبر ورضا کے ساتھ جان دیدی - شمس العلما صاحب کا خیال جو امام علیہ السلام کی طرف یہ ہے کہ آپنے دنیا طلبی مین اپنے آپ کو ہلاک کیا یہ خیال یزیدیون کے سوا اور کسی مسلمان کا نہین ہو سکتا - آدمی جیسا ہوتا ہے - ویسے ہی اُسکے خیالات بہی ہوتے ہین - مجھے اس جگہ ایک نقل یاد آگئی ہے جو بیان پر نہایت چسپان ہوتی ہے - حقیقت اُسکی یہ ہے کہ ایک شخص جو اتفاق زمانہ سے صاحب اقتدار ہوگئے تھے ایک دن میرے ایک دوست سے کہنے لگے کہ "وہ حسینؑ نے دنیا طلبی مین جان دی - اگر مُلک ومال کی ہوس اُنکے دل مین نہوتی تو یزید پر کیون خروج کرتے" میرے دوست نے جواب مین کہا کہ "چونکہ تم مال دنیا کے لیے جان دیتے ہو ہمیشہ زر اندوزی مین مبتلا رہتے ہو - اور نہایت خست اور خود غرضی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہو تم اپنے نفس پر جناب امام حسینؑ کو بہی قیاس کرتے ہو - لاریب المرء یقیس علٰے نفسہٖ - ایک نہایت مشہور قول ہے - مین تمکو جانتا ہون کہ تم کیسے آدمی ہو تمکو ہرگز فطرت نے ایسی صلاحیت ہی نہین بخشی ہے کہ تم جناب امام حسینؑ کی خوبیون کا ادراک کرسکو تمہاری اندرونی ساخت بنی امیہ کی سی ہے - تم دنیا ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہو - تم جناب امام حسینؑ کی سخاوت مروت شجاعت اور اُنکی دیگر صفات حمیدہ کو کیونکر جان سکتے ہو - بُرا نہ مانو تو تمہاری رشوت ستانیون کا دفتر مین تمہارے سامنے پیش کردون - اے امام حسینؑ کے دشمن

زر اندوزی - زر ستانی - ہوسناکی - ستم شعاری - اور خونریزی یزید و معاویہ کا شیوہ تھا یا جناب امام حسینؑ کا؟ میرے دوست سے اپنی رشوت ستانیونکا مضمون سنکر وہ دشمن امام دم بخود ہورہا - حضرات ناظرین کو کوئی تعجب نہین کہ ایسا شخص جناب امام حسینؑ کو غیر قانع اور حریص قرار دے اور اُس سرگروہ اتقیا کا قیاس اپنے نفس خبیث پر کرے -

واضح ہو کہ ایسے اشخاص جو خلافت اور امامت کو ایک امر منجانب اللہ نہین جانتے انسے کچہ دور نہین کہ اہل بیت اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو عوام الناس مین شمار کرین اور انکے معاملات کو شمس العلما صاحب کی آنکھون سے دیکھین - ایسے لوگون کی آنکھون مین ضرور ہے کہ جناب امام حسینؑ باغی خلافت معلوم ہون اور اُنکی شہادت اُنکی بغاوت کی سزا دکھلائی دے مگر جو شخص خلافت اور امامت کو ایک امر منجانب اللہ جانتا ہے وہ کسی طرح شمس العلما صاحب کا ہم خیال نہین ہو سکتا - نہایت جائے افسوس ہے کہ باطل عقیدون کی بدولت اہل بیت اور ائمہ اہل بیت کی توقیر مسلمانون سے جاتی رہی ہے - مسلمانون کو معاملہ خاندان پیغمبر پر غیر متعصبانہ نظر ڈالنی چاہیے اور اس امر کو بچشم محقق دیکھنا چاہیے کہ اگر اسلام سے اہل بیت نبوی اُٹھا لیے جائین تو پہر اسلام مین کیا باقی رہجاتا ہے - مسلمانو! بڑی جائے عبرت ہے - بطریق بالا شمس العلما صاحب کا جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو حریص و غیر قانع قرار دینا - مجرد معاملہ تقدیر ہے - شمس العلما صاحب تو اپنے کو مسلمان کہکر جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو اس بدی کے ساتھ یاد کرین اور میسو ماربین ملک جرمن کا حکیم اُس امام عالیمقام کی نسبت اپنے خیالات شمس العلما صاحب کے خیالات کے تمامتر برعکس ظاہر کرے - گر مسلمانی ہمین ست کہ واعظ دارد وائے باشد پس امروز اگر فردائے - حکیم موصوف کی تحریر ذیل سے ظاہر ہو گا کہ جناب امام حسینؑ نے ہرگز ملک گیری یا مال اندوزی کی ہوس مین واقعہ کربلا کے مصائب اپنے اوپر گوارا نہین کیے بلکہ اپنے نانا کے دین کو بربادی سے محفوظ رکہنے کی غرض سے یہ سخت سے سخت کارروائی اختیار فرمائی - ع تباہی مین سفینہ آچکا تھا اُمت جد کا * یہ کشتی بحر خون مین ڈوبکر شہ نے نکالی ہی -

ذیل مین اُس حکیم روشن خیال کی کتاب سیاست اسلامیہ کی ساتوین فصل سے کچہ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے - اہل انصاف خوبی تحریر کی داد دین اور حق پسندی سے داخل ثواب ہون -

یزید کے ولیعہد معاویہ قرار دیے جانیکے بعد امام حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی امیہ کی حرکتین جنہین عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور ریاست روحانی پر بہی وہ مسلط ہو چکے تھے عنقریب مسلمانون کے عقیدہ کو اُنکے جد کے دین سے متزلزل کر دینگی - اور دوسری جانب اُنہین اس بات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لین یا نہ کرین بنی امیہ اُنکی

دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کردینے مین کسی قسم کی فروگذاشت نہ کرینگے اور اگر تھوڑے دنون بھی یہ حالت باقی رہی تو دُنیا مین بنی ہاشم کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا - یہی وجہ تھی کہ آپنے بنی امیہ کے برخلاف اسلام مین ایک انقلاب عظیم قائم کرنیکا مصمم قصد فرمالیا تھا - چنانچہ جسوقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا - اُسوقت سے آپ نے اُسکی اطاعت سے انکار کو اپنے واسطے واجب سمجھ لیا - اور آپ اپنی اس مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہین کرتے تھے - اسی بنا پر یزید بھی آپ سے بیعت لینے اور آپکو اپنا مطیع بنانے کے واسطے مُصر اور کوشان تھا - یہی وجہ تھی کہ آپنے دیدہ و دانستہ اُس اعلےٰ خیال کیواسطے جو آپکے دماغ مین موجود تھا اپنے لیے موت کو گوارا کیا اور اسلامی دنیا مین ایک اعلےٰ انقلاب قائم کرنے کی جہت سے آپ نے شہید ہونے پر پیش قدمی کی -

جو شخص اُس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کی طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہون پر اُنکا غالب آجانا اور مسلمانون کی سُست اعتقادی ان تمام باتون سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے کہ حسین نے اپنی جان دیکر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدون کو زندہ کردیا اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برقی احساس آنحضرت کے شہید ہونے سے مسلمانون مین پیدا نہوتا تو ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور چونکہ ابھی اُسکا ابتدائی کارخانہ تھا اس لیے یہ بات ممکن تھی - کہ اسکے رسوم اور قوانین بالکل نابود ہوجاتے چونکہ جناب امام حسین علیہ السلام کا اپنے والد کے انتقال کے بعد سے اس عالی مطلب کی پورا کرنے کا پکا ارادہ تھا اس لیے آپنے یزید کے جانشین معاویہ ہونے کے تھوڑے ہی دنون بعد مدینہ سے اس بنا پر سفر اختیار کیا - تاکہ مسلمانون کے بڑے بڑے مقامات (مکہ و عراق وغیرہ) مین پہنچکر اپنے اعلےٰ خیال کو منتشر فرمائین - یہ آپ کی سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہان جہان آپ قدم رکھتے تھے وہان کے مسلمانون کے دلون مین بنی امیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی -

چونکہ یزید بھی ان باریکیون سے بے خبر نہ تھا - اسلیے جانتا تھا کہ اگر کسی چھوٹے مقام مین بھی آپکا خیال کارگر ہوگیا - اور آپنے علم مخالفت بلند کردیا تو بلحاظ اس نفرت کے جو مسلمانونکے دلون مین بنی امیہ کی طرز معاشرت اور حکومت نے پیدا کرادی ہے - اور بلحاظ اُس قلبی توجہ کے جو مسلمانون کو حسین کے ساتھ اُسوقت مین موجود ہے نہایت سرعت کے ساتھ آپ کا وہ خیال تمام اسلامی ممالک مین جاری وساری ہوجائیگا اور سلطنت بنی امیہ کا دائمی قلع قمع ہوجائیگا - یہ سبب تھا کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام باتون سے پہلے حسین کے قتل کرنیکا

پکّا ارادہ کرلیا۔ بنی امیہ کی سیاسی غلطیون مین سب سے بڑی غلطی یہی تھی اور یہی ایک سیاسی خطا تھی جسکے سبب سے اپنے نام ونشان کو بنی امیہ نے صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردیا۔ بہت بڑی دلیل اس بات پر کہ حسینؑ قتل گاہ تک گئے اور ہرگز اُنکا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنے کا نہ تہا - یہ ہے کہ حسینؑ اپنے اُس علم وسیاست اور تجربہ سے جو اُنہین اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالیمقدار کے زمانہ سے بنی امیہ کے ساتھ جنگ وجدل کرنے کے متعلق حاصل تہا - خوب جانتے تہے کہ بحالت نہ مہیا ہونے اپنے اسباب کے اور بہ سبب اس اقتدار وعظمت یزید کے اُسکے ساتھ مقابلہ کسی طرح ممکن نہین ہے -

دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے پدر بزرگوار کے مقتول ہونے کے بعد اپنے مقتول ہونیکی ہمیشہ پیشین گوئی کیا کرتے تہے اور جسوقت سے کہ مدینہ سے آپنے حرکت کی صاف صاف اور بہ آواز بلند کہتے تہے کہ مین مقتول ہونے کے لیے جارہا ہون اور اپنے ہمراہیون سے بہی محض اتمام حجت کے لیے یہی بیان کرتے تہے تاکہ جو کوئی جاہ ومال کے حرص وطمع مین ہمراہی ہو جاتا جدا ہوجائے اور یہی بات اُنکے ورد زبان تہی کہ قتل گاہ کا راستہ میرے سامنے ہے - اور یہ بہی سمجھنے کی بات ہے کہ حسینؑ کا اگر یہ ارادہ نہ ہوتا تو غور وفکر اور علم وارادہ کے ساتھ مقتول ہوجانے پر آمادہ نہوتے اور اسطرح اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے مین بقدر امکان کوشش عمل مین لاتے نہ یہ کہ جو ہمراہ تہے اُنہین بہی متفرق اور پراگندہ کردیتے چونکہ کوئی قصد سوائے مقتول ہوجانے کے کہ جو اُن خیالات عالی اور اُس مقدس ریوولیوشن (Revolution) کا مقدمہ تہا - مدنظر اُنکے نہ تہا اسلیے اُنہون نے یہی سمجھکر کہ بہت بڑا ذریعہ اسکا بیکسی اور مظلومیت ہے - اُسکو اختیار کیا تاکہ اُنکی مصیبت دلون مین زیادہ تر مؤثر ہوجائے -

ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اُس زمانہ مین حسینؑ کو مسلمانون مین حاصل تہا اگر اُسکے ساتھ اپنی قوت بڑہانا چاہتے تو ایک بڑا لشکر فراہم کرسکتے تہے - مگر اس صورت مین اگر وہ مقتول بہی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت وبادشاہی کی خواہش مین ہوئے اور وہ مظلومیت جسکا نتیجہ عظیم الشان ریوولیوشن یعنی انقلاب تہا حاصل نہوتی پس سوائے اُن لوگون کے جنکی جدائی امکان سے باہر تہی کسی کو اپنے ساتھ نہین رکہا مثل فرزند وبرادر اور بہتیجے اور بنی اعمام اور چند مخصوص احباب باوفا کے - تا اینکہ اُنسے بہی فرمایا کہ تم ہمین چھوڑکر جدا ہوجاؤ - مگر اُنہون نے منظور نہ کیا اور وہ بہی ایسے حضرات تہے کہ مسلمانون کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکہتے تہے اور اُنکا حسینؑ کے ساتھ قتل ہوجانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت وتاثیر کا سبب ہوا - حسینؑ نے اپنے علم وسیاست کی قوت کے ساتھ بنی اُمیہ کے

ظلم وستم کے افشا مین اور اُن خیالات کے اظہار مین جو بنی ہاشم اور اولاد محمدؐ کی عداوت
مین اُن لوگون کے دلون مین تے۔ کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ اُنمین سے ایک بات یہ ہے
کہ چونکہ بنی امیہ کی عداوت کو آپ اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ جان چکے تہے کہ میرے
قتل کے بعد بنی ہاشم کی عورتین اور بچے جو کہ آل محمدؐ تے اسیر و مقید ہو جائینگے اور یہ واقعہ
مسلمانون مین علی الخصوص عرب مین اُس درجہ پر پُر تاثیر ہو جائیگا جسکا تصور بھی نہین ہو سکتا
چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بنی امیہ کی ظالمانہ حرکات اور اُنکے بے رحمانہ سلوک جو اُنہون نے اپنے
نبی کے مخدرات اور اطفال کے ساتھ برتے۔ مسلمانون کے دلون مین ایسی تاثیر کر گئے
جو کسی طرح حسینؑ اور اُنکے ہمراہیون کے قتل ہو جانے سے کم نہ تہی۔ جس نے خاندان محمدؐ کے
ساتھ بنی امیہ کی دشمنی کو اور اسلام کے ساتھ اُنکے عقائد کو اور مسلمانون کے ساتھ اُنکے
برتاؤ کو اچھی طرح واضح کر دیا یہ سبب تہا کہ حسینؑ اپنے ان دوستون سے جو اُنہین اس سفر کی
ممانعت کرتے تہے۔ صاف طور پر کہدیتے تے کہ مین تو مقتول ہو جانیکے لیے جا رہا ہون۔
چونکہ اُن لوگون کے خیالات محدود تے۔ اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ پر اُنہین اطلاع نہ تہی
اس سفر سے ممانعت مین اصرار کرتے تہے۔ جسکا آخری جواب حسینؑ کی طرف سے یہ تہا کہ خدا
کی مشیت یہی ہے۔ میرے نانا نے مجے یہی حکم دیا ہے۔ اور جب وہ یہ اصرار کرتے تے کہ
جب آپ مقتول ہو جانیکی غرض سے جاتے ہین تو عورتون اور بچون کو ہمراہ نہ لیجائیے تو جواب مین
فرماتے تہے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے عیال اسیر و مقید ہون اور حسینؑ کے کلمات
اُسوقت چونکہ روحانی ریاست کی حیثیت سے تے لاجواب تے۔ یعنی کسیکو مجال دم زدن
نہ ہوتی تہی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حسینؑ سوائے اُن عالی خیالات۔ کے جو اُنکے دماغ
مین تہے کوئی دوسری غرض خیال مین لاتے ہی نہ تہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب اُنہون نے
سلطنت و بادشاہی کے لیے برداشت نہین کیے۔ اور نہ بغیر سمجہے ہوئے اُس مہلکۂ عظیم مین
اُنہون نے قدم رکہا۔ جیساکہ ہمارے بعض مؤرخین نے خیال کر لیا ہے۔ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ
وہ اپنے اُن مخصوص اصحاب سے جنکا دماغ روشن اور عقل سلیم تہی اس واقعہ کے سالہا سال
بیشتر اپنی مصیبتون پر تسلی دینے کی غرض سے فرمایا کرتے تے کہ میرے قتل ہو جانیکے بعد اور اُن
جانکاہ مصائب کے گذر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کریگا جو حق کو باطل
سے جدا کریگی اور ہماری قبرون کی زیارت کیا کریگی اور ہماری مصیبتون پر رویا کریگی اور دشمنان
آل محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کریگی یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کرین گے اور
مین اور میرے جد بزرگوار اُنہین دوست رکہینگے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور

ہون گے"۔ اے حضرات ناظرین کیا جاے تعجب ہے کہ ایک نامسلمان قوم کا عالم واقعۂ کربلا کی حقیقت بوضع بالاپون بیان کرے کہ جس سے جناب سید الشہدا علیہ السلام کی بے انتہا درجہ کی عظمت ثابت ہوتی ہے اور دلّی کے شمس العلما صاحب دعوائے اسلام رکھکر... جناب امام حسینؑ کی طرف ایسے نامحمود صفات منسوب کریں جو رذیلون کے سوا شریفون مین کبھی وجود نہین رکھہ سکتین۔ یہ تو کوئی بھی نہین کہہ سکتا کہ شمس العلما صاحب فاتر العقل تھے اگر فاتر العقل ہوتے تو اکتساب مال وجاہ کیونکر کرسکتے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ واہب العطایا نے شمس العلما صاحب کو دولت ولائے آلِ محمدؐ سے محروم رکھا تھا جیسا کہ حضرت کی تصنیف امہات الامہ سے عیان و آشکار ہے۔ این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

واقعۂ کربلا ایک بڑا توجیہ طلب واقعہ ہے

واضح ہو کہ واقعۂ کربلا ایک ایسا معاملہ ہے جو ادیب مؤرخ حکیم فلسفی اور ہر صاحب دماغ کی توجیہ کا طالب ہے۔ اسلام مین مذہبی اور اخلاقی پہلو کے اعتبار سے یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا واقعہ نہین ہوا۔ بلکہ اگر اسکا موازنہ اور ایسے واقعات کے ساتھ کیا جائے جو رزمی شاعری کے پیرایہ مین حوالۂ قلم ہوتے گئے ہین تو اسکی عظمت کا... کہین بھی جواب نہ دکھائی دیگا۔ چونکہ یہ ایک رزمی واقعہ ہے اور دو فریق کی مخاصمت پر مبنی ہے۔ اس لیے فریقین کے ممتاز افراد کے نام درج ذیل کیے جاتے ہین۔ یہ افراد یا حسینی ہین یا یزیدی۔

افرادِ حسینی

حضرت سید الشہدا امام حسینؑ علیہ السلام حضرت مسلمؑ چچازاد بھائی حضرت امام علیہ السلام کے حضرت عونؑ و محمدؑ پسران حضرت زینبؑ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حضرت علیؑ اکبر وہ صاحبزادے حضرت امام علیہ السلام کے جنہین حضرت زینبؑ خواہر حضرت امام علیہ السلام نے پرورش کیا تھا اور اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین حضرت علیؑ اصغر شش ماہہ صاحبزادے امام علیہ السلام کے۔ حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ بیٹیان علیؑ و فاطمہؑ کی بہنین جناب امام علیہ السلام کی جو امام علیہ السلام سے بیحد محبت رکھتی ہین حضرت فاطمہؑ صغرٰی جناب امام حسنؑ علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی جنکو جناب امام حسین علیہ السلام بیماری کی حالت مین مجبوراً مدینہ مین چھوڑ آئے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کبرٰے وہ صاحبزادی جناب امام حسین علیہ السلام کی

جو کربلا مین امام علیہ السلام کے ساتھ تشریف لائی تھین حضرت سکینہ خاتون دوسری صاحبزادی حضرت ام لیلے وام رباب جو امام علیہ السلام کی ازواج محترمہ تھین حضرت قاسم صاحبزادے جناب امام حسن علیہ السلام کے حضرت عباس علمدار جناب امام علیہ السلام کے گو حقیقی بھائی نہ تھے۔ مگر حضرت کے بڑے فدائی تھے خلوص وجان نثاری مین اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ حضرت حُرؓ جو پہلے یزید کے سپہ سالار تھے۔ مگر بخت کی ساعدت سے لشکر یزید کو چھوڑ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آملے اور دولت شہادت حاصل کی۔ حضرت حبیب ابن مظاہر جو بڑے دوستدار امام علیہ السلام کے تھے اور میدان کربلا مین شہید ہوے۔ نیز وقت شہادت آپ معمر ہوچکے تھے۔ حضرت فضہ خاتون جو حضرت خاتون جنتؑ کی کنیز تھین اور آپکی رحلت کے بعد حضرت زینبؑ کی خدمت مین رہا کین۔ ہند جو یزید کی بی بی تھین اور اہل بیت نبوتؐ کے ساتھ قلبی اتحاد رکھتی تھین۔ واقعۂ کربلا کی خبر بھی نہین رکھتی تھین۔ مگر جب اہل حرم نبوتؐ اسیر ہوکر دمشق مین لائے گئے تو یہ نیک بی بی اہل حرم کو زندان دمشق مین دیکھنے آئین۔ انکو افراد حسینیؑ مین شمار کرنا خلاف محل نہین ہے۔ حضرت وہب ابن عبد اللہ کلبی زہیر بن قین۔ واضح ہو کہ یہ وہ ممتاز اسما ہین جو مراثی مین درج پائے جاتے ہین۔

افراد یزیدی

یزید ابن معاویہ خلیفۂ وقت۔ ابن زیاد بیٹا زیاد کا جسکے ساتھ معاویہ نے برادری قائم کی تھی۔

وقت واقعۂ کربلا ابن زیاد یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اور یزید کی نیابت مین جناب امام حسین علیہ السلام پر لشکر کش ہوا۔

عمر ابن سعد لشکر یزید کا سپہ سالار تھا جسنے ابن زیاد کی ماتحتی مین امام علیہ السلام پر میدان کربلا مین فوج کشی کی۔

شمر جو سینۂ امام علیہ السلام پر سوار ہوا۔

خولی۔ جسنے امام علیہ السلام کے سر مبارک کو تن اطہر سے جدا کیا۔

حرملہ۔ جسنے حضرت علی اصغر کو تیر سے شہید کیا۔ نوفل۔ حکیم ابن طفیل۔

دشمنان امام کی خرابی

واضح رہے کہ یہ سب کے سب اشقیا اور نیز جتنے بد نصیب قتل حسینؑ کے شریک تھے

تین چار برس کے اندر یا خود مر گئے یا مارے گئے۔ کوئی بھی انمین سے دنیا کے آرام اُٹھانیکو لیے بہت روزون تک زندہ نہین رہا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ تمام دشمنانِ امام علیہ السلام بڑی بڑی عقوبتون کے ساتھ تھوڑے ہی عرصہ مین ہلاک ہو گئے۔

خود یزید اس واقعہ کے تین سال اور چھ مہینے کے اندر جہنم واصل ہو گیا۔ ؎

نماند ستمگار بد روزگار ✤ بماند برو لعنت کردگار

دوستداران یزید از وقت یزید تا این دم و از این دم تا حشر مستحق لعنت ابدی متصور ہین اور بالیقین اُنکا حشر اُنکے آقا یزید کے ساتھ ہوگا اور اُسی بد نصیب کے ساتھ ابد الآباد عقوبت جہنم مین مبتلا رہین گے۔

فلسفۂ واقعۂ کربلا و حکمت کی تقسیم

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حکمت دو قسم کی ہے ایک نظری اور دوسری عملی پھر علمی کی تین قسمین ہین۔ یہ تینون قسمین تہذیب الاخلاق۔ تدبیر المنزل او سیاست المدن ہین۔ اسکی اول قسم کو ہر شخص کی ذاتی حیثیت۔ دوسری کو اُسکے امور خانہ داری اور تیسری کو اُسکے ملکی معاملات یعنی پالٹیکس کے ساتھ تعلق ہے۔ ذیل مین یہ تینون قسمین واقعۂ کربلا کے تعلق کے ساتھ گذارش ہوتی ہین۔

تہذیب الاخلاق

یہ پہلی قسم حکمت عملی کی ہے۔ اور اس سے ہر فرد بشر عام اس سے کہ کسی درجہ اور حیثیت کا ہو تمامتر تعلق رکھتا ہے۔ آدمی ہو کر اگر کسی مین آدمی کے اخلاق حسنہ موجود نہون تو اُسکا شمار آدمیون مین نہین کیا جا سکتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ خدا تعالےٰ نے بنی آدم کو دو طرح کے وجود بخشے ہین۔ ایک وجود ظاہری جو عبارت ہے اُسکے کالبد خاکی سے جس مین لحم و شحم و اعصاب و شرائین وغیرہ داخل ہین۔ دوسرا وجود باطنی جسمین اُسکے قوائے اخلاقیہ داخل ہین۔ قوائے اخلاقیہ دو قسم کے ہین حسنہ اور ذمیمہ حسنہ ایسے قوے ہین کہ اگر انسان کو تفویض نہوئے ہوتے تو انسان دیگر حیوانات پر شرف نرکھ سکتا۔ ذمیمہ اُنکے برخلاف ہین۔ اور ایسے ہین کہ اگر اُنکی خبر نہ لیجائے تو انسان حیوانات سے رذیل تر حالت پیدا کر سکتا ہی۔ پس جاننا چاہیے کہ اِنہی قوائے اخلاقیہ کی تہذیب سے حکمت عملی کی پہلی قسم کو بحث ہے۔

معاملۂ کربلا پر نظر ڈالنے سے یہ بات بیّن طور پر عیان ہوتی ہے کہ یہ معاملہ اخلاقی پہلو سے ایک بڑا مصلح اخلاق معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تہذیب الاخلاق کا بڑا سرمایہ رکھتا ہے۔
انسان کے اخلاقِ حسنہ اُسکی مروت فتوت۔ شجاعت۔ سخاوت صبر رضا۔ حلم ستاری غفاری۔ رحم۔ کرم۔ عبادت ریاضت زہد۔ تقوےٰ۔ شرم حیا۔ وفا۔ خلوص۔ صدق و صفا۔ وغیرہ ہین۔ اسی طرح اُسکے اخلاق ذمیمہ ہین بخل حرص ہوا غیظ غضب قہر۔ طمع۔ عداوت وقاحت۔ کذب وحسد وغیرہ ہین۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے اخلاق حسنہ کی ترقی اور اخلاق ذمیمہ کی تنزلی کے لیے ہمیشہ کوشان رہے۔ اسی ترقی اور تنزلی کا دوسرا نام تہذیب الاخلاق ہے۔ واقعۂ کربلا ایک ایسا بزرگ واقعہ ہے کہ اُسکے جزئیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب الاخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آتا ہے۔ افراد حسینی جسقدر اخلاق حسنہ کی دلکش مثالین پیش کرتے ہین۔ اُسی درجہ افراد یزیدی اخلاق ذمیمہ کے ہولناک تماشے دکھلاتے ہین۔ مثلاً اگر امام حسینؑ لشکر حرؒ اور اُسکے دواب کو کمال مروت وشجاعت وسخاوت سے اپنے پاس کا پانی پلاکر سیراب کرتے ہین تو ابن زیاد وعمر سعد ودیگر ملاعین اسی محسن لاجواب اور اُسکے عزیزون پر آب فرات بند کرتے ہین۔ بلکہ آب طلبی کے جواب مین ان اشقیا مین سے حرملہ۔ آپ کے پسر شش ماہہ علیؑ اصغر کا تیر سے نہایت بیرحمی کے ساتھ کام تمام کر دیتا ہے اسی طرح سینکڑون مثالین ایسی پیش کیجا سکتی ہین۔ جنسے افراد حسینی کے اخلاق حسنہ اور افراد یزیدی کے اخلاق ذمیمہ کے فوٹو پیش نظر ہو جا سکتے ہین۔ میر انیس صاحب اپنی حیرت انگیز قوت بیانیہ کے ذریعہ سے نہایت خوبی کے ساتھ فریقین کے اخلاق کی تصویرین کھینچتے گئے ہین۔ میر صاحب نے دکھلا دیا ہے کہ جناب امام حسینؑ اور اُنکے پیرو کیا تھے۔ اور یزید اور اُسکے ساتھی کیا تھے۔ جناب امام حسینؑ اور اُنکے طرفدار کسقدر دنیا طلبی سے دور تھے اور یزید اور اُسکے ہوا خواہ کسقدر غرق دنیا داری تھے۔ دین کے لیے جناب امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار رکھتے تھے۔ اور دنیا کے لیے یزید جناب امام حسینؑ سے طالب بیعت تھا۔
دین کے لیے پیروانِ امام علیہ السلام پیروان امام علیہ السلام تھے۔ اور دنیا کے لیے پیروان یزید پیروان یزید تھے۔ میر صاحب نے کس سچائی کے ساتھ جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے صفاتِ مروت فتوت شجاعت سخاوت صبر رضا۔ حلم۔ رحم کرم عبادت ریاضت زہد تقوےٰ وغیرہ وغیرہ کو ہر ہر اہل خلوص کیا ہے۔ عونؑ ومحمدؑ وعلی اکبرؑ وقاسمؑ ابن حسنؑ وعباسؑ علمدار کے اخلاق حسنہ کی سچی تصویرین کھینچی ہین۔ حضرت حرؑ کی حق پسندی۔ اعتراف حق اور طرفداری حق کو

کن خوبیون کے ساتھ زیب رقم فرمایا ہے۔ اسی طرح تمام افراد حسینی کے محاسن سے اپنی وقائع نگاری کو زینت بخشی ہے۔ اُسکے برخلاف یزید اور اُسکی قوم ظلم سرشت کے ساری اخلاقی ذمیمہ کے سچے حالات نہایت خوبی وقابلیت کے ساتھ حوالۂ قلم کیے ہین۔ راقم کی دانست مین ہر ذی فہم شخص کا یہ فرض منصبی ہے کہ تہذیب اخلاق کی نظر سے میر انیس صاحب کے مراثی کی سیر کرے۔ اسلیے کہ واقعۂ کربلا بڑا مہذب اخلاق معاملہ ہے اور میر انیس صاحب کے فطرتی بیانات نے اس واقعہ کی کیفیتین نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش نظر کر دی ہین۔

شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب مصنف امہات الامۃ۔ کا یہ لکھنا کہ جناب امام حسینؑ نے اپنے کفاف پر قناعت نہ کی اور خلیفہ وقت پر خروج کیا۔ شمس العلما صاحب کی بڑی ناحق پسندی سے خبر دیتا ہے۔

جناب امام حسینؑ علیہ السلام ہرگز غیر قانع شخص نہ تھے۔ امام علیہ السلام نے ہرگز ملک و مال کے لالچ سے یزید کا مقابلہ نہین کیا۔ امام علیہ السلام اپنےکو رسول اللہ کا برحق جانشین سمجھتے تھے۔ اس لیے یزید کی تبعیت سے انکار رکھتے تھے۔

شمس العلما صاحب کی طرف سے امام علیہ السلام پر حریص و غیر قانع ہونیکا الزام عمر ابن سعد اور ابن زیاد کی کاروائیون سے کم نہین معلوم ہوتا ہے۔ شمس العلما صاحب نے عموماً آل محمدؐ کو حریص اور لالچی قرار دیا ہے اور امام علیہ السلام کو بالتخصیص۔ ایسے امام عالیمقام کے نام نیک کو ضائع کرنیوالا ہرگز محبوب جناب رسالتمآب نہین ہو سکتا۔ یہ کونسی مسلمانی ہے جسکا دارومدار آلِ محمدؐ کی عداوت پر ہے۔

مجھے شمس العلما صاحب اور مرزا حیرت دہلوی پر نہایت افسوس ہے کہ ان دونون صاحبونکو تقدیر نے آل محمدؐ کا بدگو بنا دیا۔ حریص و غیر قانع ہونے کا الزام جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو ایک عجب حیرت خیز الزام ہے۔ یہ الزام البتہ پورے طور پر معاویہ پر عائد ہوتا ہے۔ اسلیے کہ حسب فرمودۂ حضرت نبی آن صاحب کا شکم مبارک کسی طور پر پُر نہین ہو سکتا تھا۔ جائے انصاف ہے کہ یہ الزام یزید کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ جناب امام حسینؑ اور اُنکے خاندان پاک سے۔ واقعی امر یہ ہے کہ نہ جناب امام حسینؑ حریص و غیر قانع تھے۔ اور نہ جناب امام حسنؑ اور نہ جناب علیؑ مرتضٰے اور نہ جناب محمد مصطفٰے۔ اس خاندان عالی کو حرص و طمع سے کیا علاقہ ہو سکتا تھا۔

حرص و طمع شان بنی امیہ کی تھی نہ کہ بنی ہاشم کی۔ شمس العلما صاحب۔ خدا آپ پر اور آپکے ہم خیالون پر رحم فرما کر آپ حضرات کو آلِ محمدؐ کی خوبیون کے ادراک کی توفیق عطا فرمائے

آپ کا معاملہ نہایت افسوسناک معلوم ہوتا ہے۔ ہم آپکی ہدایت کے لیے تہ دل سے دعائے خیر کرتے ہین۔ اسکے سوا اور کیا عرض کرین۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امامت اور خلافت کو ایک امر منجانب اللہ سمجھتا ہے تو اس عقیدہ کی پابندی کے ساتھ امام علیہ السلام کو حریص و غیر قانع نہین قرار دیسکتا۔ فقیر کی دانست مین جناب رسول خدا کے خلیفہ اور امام کو خلیفہ اور امام منجانب الناس سمجھنا پہلا زینہ الحاد کا ہے۔ ایسے عقیدہ والے کسی طرح روحانیات کے قائل نہین ہوسکتے۔ البتہ عقیدہ ضرور ہے کہ ایسے عقیدہ والے کو تادم مرگ پابند مادیات رکھے۔ ایسے عقیدہ والے کو میٹریلسٹ Materialist. ہونے سے کوئی چارہ ہی نہین۔ خاندان پیغمبر پر یہ حرص و طمع کا الزام مجرد ایسی عقیدۂ باطل کا نتیجہ ہے۔ معاذ اللہ خاندان پیغمبر اور حرص کا الزام! مگر جب روحانیت کا مضمون درمیان سے اٹھ گیا تو جیسے محمد مصطفیٰ ویسا ابوسفیان اور جیسے علیؑ ویسا معاویہ۔

تدبیر المنزل

یہ وہ قسم حکمت عملی کی ہے جو امور خانہ داری عزیزداری اور معاشرت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس حکمت کی پہلی قسم جیسا کہ بالا مین عرض کیا گیا ہر شخص کی ذات کے ساتھ متعلق ہے۔ اس سے کسی متنفس کو چھٹکارا ہو نہین سکتا۔ اگر کوئی شخص روئے زمین پر کہین تنہائی مین بھی زندگی بسر کرتا ہے تو اس سے اُسکا ذاتی تعلق بھی قطع نہین ہوسکتا۔ مگر دوسری قسم جو اصطلاح حکما مین تدبیر المنزل کہلاتی ہے۔ اُسکو سراسر زن و فرزند و عزیز و اقربا و احباب و غیر احباب سے علاقہ ہے۔ یہ قسم ان لوگون کے حقوق سے خبر دیتی ہے۔ اُنکے ساتھ معاشرت کے اصول سکھلاتی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اُسکے بعد تدبیر المنزل کے اصول کے مطابق کاربند ہوا کرے۔ واقعۂ کربلا کو اس قسم سے بھی بڑا تعلق ہے۔ جاننا چاہیے کہ امام علیہ السلام کے برتاؤ حضرت ام لیلیٰ حضرت ام رباب حضرت زینب خاتون حضرت فاطمہ صغریٰ حضرت فاطمہ کبریٰ حضرت سکینہ خاتون حضرت عباسؑ حضرت علی اکبر حضرت علی اصغر حضرت قاسم حضرت عونؑ حضرت محمدؑ حضرت حبیب ابن مظاہر حضرت حرؑ اور جمیع شرکائے واقعۂ کربلا کے ساتھ تدبیر المنزل کے اصول کی بڑی پابندی سے خبر دیتے ہین۔ شوہر کا برتاؤ بی بی کے ساتھ بھائی کا برتاؤ بہن کے ساتھ باپ کا برتاؤ بیٹے کے ساتھ ماموں کا برتاؤ بھانجے کے ساتھ چچا کا برتاؤ بھتیجے کے ساتھ دوست کا دوست کے ساتھ آقا کا برتاؤ رفقا اور تابعین کے ساتھ کیا ہونا چاہیے اُسے یہ واقعۂ بزرگ بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اہل فہم کی آنکھون کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ میر انیس صاحب اپنی

الہامی قوت سے اس واقعہ کے بیان مین تدبیر المنزل کے مسائل نہایت پاکیزگی کے ساتھ حوالۂ قلم فرمائے گئے ہین - کچھ شک نہین کہ میر صاحب نے اس واقعہ کے لگاؤ سے تہذیب الاخلاق کے مسائل کو بھی بڑی قابلیت کے ساتھ زیب رقم فرمایا ہے - پس میر صاحب کے مراثی صرف ان دو اعتبار سے ایسے ہین کہ انسان عام اس سے کہ کوئی مذہب رکھتا ہو - اپنے کو اُنکے مطالعہ سے محروم نہ رکھے - واقعی یہ ایک بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ انسان میر صاحب جیسے شاعر گرامی کے کلام معجز نظام سے مستفید نہو سکے - اللہ اکبر - میر انیس کتنے بڑے شاعر اُردو زبان کے گذرے ہین کہ اُنکی قابلیت شاعری کا موازنہ ہرگز کوئی آسان امر نہین ہے - اگر میر صاحب یورپ کے کسی مُلک مین تولد ہوئے ہوتے تو اسوقت کی تعلیم یافتہ دنیا میر صاحب کا کلمہ پڑھتی مگر حیف صد حیف کہ ایسے جاہل ملک مین میر صاحب عالم وجود مین آئے جہان میر صاحب کا ہونا اور نہونا مساوی دکھائی دیتا ہے - کیا ایسا ملک میر صاحب کا قدر شناس ہو سکتا ہے جو قومی ادبار مین مبتلا ہو رہا ہو اور جسکی وہ زبان جسمین آپ اپنا کلام چھوڑ گئے ہین مردود سلطانی ہو رہی ہو - ملک کی جہالت اور بد اقبالی کی تو یہ حالت پہنچی ہے کہ آپ کے مراثی اس ناتوجہی اور نکبت کی ساتھ چھاپے گئے ہین کہ خدا کی پناہ - آپ کے مراثی کے اعتبار سے تو چھپے نامے اور بلّی نامے بمراحل بہتر چھپتے ہین - یہ عنوان اگر قومی بد اقبالی سے نہین خبر دیتا تو اور کیا ہے - میر تقی صاحب میر کا دیوان جو لندن مین اسقدر خوشخط اور صحیح چھپا ہے اسکی اور کوئی وجہ نہین ہے - الا یہ کہ میر تقی صاحب کا کلام ایک ایسی قوم کو ہاتھ لگ گیا جو تقاضائے اقبال سے کسی مصنف کی تصنیف کو غلط اور بدخط چھاپ ہی نہین سکتی - وائے بر اہل ہندو وائے بر کلام میر انیس مرحوم وا دریغا و احسرتا - اس شاعر گرامی کے مراثی کے یورپ مین پہنچنے کی ظاہرا کوئی صورت نہین معلوم ہوتی - لیکن راقم کو اسکا یقین ہے کہ جسوقت اہل یورپ میر انیس صاحب کے کلام سے واقف ہو جائینگے قدر دانی مین ذرا بھی کمی نکرینگے -

سیاست المدن

حکمت عملی کی یہ تیسری قسم ہے اور یہ وہ قسم ہے کہ جسکو ملک داری سے سراسر تعلق ہے - یہ قسم تمام تمدنی امور سے علاقہ رکھتی ہے - تمام دنیا کی سلطنتون کی کارروائیان اسی کے جاننے پر منحصر ہو رہی ہین - یورپ مین اس قسم نے ایسا عروج پکڑا ہے کہ ہم ہندیون کے فہم سے وہان کے پولیٹیکل معاملات بالکل باہر ہین - خیر - واقعۂ کربلا بھی ایک بھاری اندازہ کا تمدنی پہلو رکھتا ہے - اسکی حیثیت اسقدر عظیم ہے کہ سیاست المدن کے دشوار دشوار مسائل

اس سے علاقہ رکھتے ہین اس واقعہ کے بعض تمدنی پہلوون کا ذکر ذیل مین جگہہ پاتا ہے۔

بنی ہاشم کی انقلابی حالت

جب جناب رسول خدا ہجرت فرماکر مدینہ مین قیام پذیر ہوی تو انصار اور بنی ہاشم کی مدد سے مدینہ مین آنحضرت کی ایک دینی ریاست قائم ہوگئی۔ ہرچند کہ بنی امیہ اور اُنکے ساتھ اور قبیلے وقتاً فوقتاً مدینہ پر اس غرض سے حملہ آور ہوتے رہے کہ یہ دینی ریاست خراب و تباہ ہوجائے۔ مگر دشمنان جناب رسول خدا کو ہمیشہ ناکامیابی لاحق ہوا کی بنی امیہ جناب رسول خدا کے مقابل مین بدر و اُحد و خندق و حنین کی لڑائیان لڑتے گئے مگر ان لڑائیون سے سوا نقصان کوئی فائدہ نہ ہوسکے بلکہ دس برس کے اندر خود اسقدر شکستہ حال ہوگئے کہ آیندہ اُنکو سر اُٹھانیکی طاقت نرہی۔ جناب رسول خدا بڑی محنت اور جانفشانی سے قبیلۂ بنی امیہ کو سر کرسکے۔ اُنکا سر کیا جانا ہر پہلو سے قرین مصلحت تھا۔ اول تو یہ قبیلہ بیدین سرکش مفسد بدترکیب اور متفنی ہونیکے باعث نہایت پُرآشوب تھا۔ دوم یہ کہ اُنکی سلامتی مین اسلام کی سلامتی نظر نہ آتی تھی۔ پس جناب رسول خدا نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی ہی وقت مین اس قبیلہ کو اسقدر زیر و زبر کر ڈالا کہ نہ صرف اسلام کو بلکہ تمام بنی ہاشم کو اُس سے کسی قسم کی مضرت پہنچنے کا قرینہ باقی نہین رہا۔ آنحضرت کو اس کام کے انجام مین جناب علی مرتضےٰ سے کتنی مدد پہنچی اہل سیر سے پوشیدہ نہین ہے۔ مگر بنی امیہ کو تو وفات آنحضرت کے بعد زور پکڑنا اور واقعہ کربلا کو ظہور مین آنا تھا۔

جناب رسول خدا کی رحلت کے ساتھ ہی ابوسفیان جو بنی امیہ کے سردار تھے آسانی کے ساتھ مالک مُلک شام ہوگئے۔ خود تو آپ مکہ سے شام کو نہین گئے۔ مگر بیٹے کو حاکم شام بناکر شام کو روانہ کردیا۔ پہلے تو بنی امیہ شام مین حضرات خلفائے ثلثہ کے ماتحت رہے پھر خود تمام بلاد اسلام کے مالک مستقل ہوگئے۔ اُنکی سلطنت ۸۳ برس تک قائم رہی اور جسقدر بنی ہاشم پریشان حال رہے اُسیقدر بنی امیہ کو طرح طرح کی دُنیوی ثروت نصیب رہی۔ جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد ہی بنی امیہ کی اسطرحکی اعانت ایک صریحی غلطی خلافت کی تھی۔ اگر علی پر خلافت قرار پاتی تو بالیقین بنی امیہ ویسے ہی کمزور رہتے جیسا کہ جناب رسول خدا اُنہین چھوڑ گئے تھے۔ لیکن اگر خلیفہ ہوکر علی بھی بنی امیہ کے معین نکلتے تو واقعہ کربلا کا سارا الزام حقاً آپ ہی کو دیا جاتا۔ مگر یقیناً علی بنی امیہ کی اعانت کسی حال مین جائز نہین رکھ سکتے تھے۔ اسلیے کہ علی ظاہراً و باطناً جناب رسول خدا کی پالسیون سے ذرہ برابر بھی مخالفت نہین رکھتے تھے۔ لاریب علی کے خلیفہ قرار نہ پانے سے صرف یہی نہین ہوا کہ خاندان پیغمبر پریشان حال ہوگیا۔ بلکہ خود اسلام نے خاندان پیغمبر کے اسلام سے ایک علیحدہ رنگ پکڑا۔ جسوقت واقعہ کربلا بنی ہاشم یعنی آل محمد کو پیش آیا اُسوقت

تمام شام اور دیگر بلاد اسلام کا وہی مذہب تہا جو اجتہادات ابن مسعود کی تدوین سے قائم ہوا تہا اس مذہب کو بنی ہاشم تمامتر بیشتر کاری رکہتے تہے اس لیے کہ یہ مذہب اُنکے گہر کا نہ تہا - کوئی شک نہین کہ اگر علیؑ بہ اسباب ظاہر جناب رسولؐ خدا کی جانشین قرار پاتے تو اس مذہب ہی کا وجود نہوتا اور تب تمام اسلامی دنیا مین وہی مذہب مانا جاتا جسکو جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی و دیگر علمائے اہل سنت مذہب علیؑ کہتے ہین - بلاشبہ واقعۂ کربلا بنی ہاشم کی بڑی تباہی کی خبر دیتا ہے - مگر اس واقعہ کا تخم جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت بویا گیا یعنی قول عِندَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسبُنَا۔ حدیث ثقلین کا مبطل ہوا جس سے خلافت علیؑ پر قرار نہ پاسکی اور بنی ہاشم سے حکومت کے نکل جانیکے ساتھ ہی بنی امیہ غیر متوقع طور پر بیحد زور پکڑ گئی - لاریب جس طرح پر امر خلافت طے پایا بنی ہاشم کو دُنیوی اختیار سے یہ امر اُتنا ہی غیر مفید پڑا جتنا کہ غیر بنی ہاشم کو مفید جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے بنی ہاشم کی دینی اور دُنیوی دونون سرداریان اس محرومی خلافت سے جاتی رہین جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ درحالیکہ بنی ہاشم بہت زیادہ کمزور اور بے وقار ہوکر عوام مین داخل ہوگئے - بنی امیہ کمزوری سے پرغرور اور مقتدر ہوکر شاہانِ بلاد اسلام ہوگئے - صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا ایک سیدہا سادہ نتیجہ اُس محرومی خلافت کا ہے - اور اسیطرح سینکڑون نتیجے اُسی محرومی کے ہین جو بنی ہاشم کو برابر پیش آتے گئے اور اسوقت بہی اُنہین پیش آرہے ہین گو اس وقت نہ خاندان پیغمبر کے امام ظاہر ہین اور نہ اُس عہد کی بنی ہاشم جناب رسولؐ خدا کے وقت مین بنی ہاشم کی جو عظمت تہی اُس سے بنی ہاشم کو اسکی توقع نہین ہوسکتی تہی کہ جناب رسولؐ خدا کی وفات کے بعد ہی ایسی سرسری طور پر یہ قبیلہ حکومت سے دور ہوجائیگا - مگر حضرت عمر کی قابلیت نے بہت آسانی کے ساتھ بنی ہاشم کو حکومت سے دور کردیا - اسوقت کے معاملات پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر علیؑ سے جو رسولؐ اللہ کے بعد سردار بنی ہاشم تہے ایک قلبی کشیدگی رکہتے تہے اور علیؑ کو بہی حضرت عمر سے کسی قسم کی موانست نہ تہی - یہ ایک مذہبی جہوٹ ہے کہ حضرت عمر اور جناب علی مرتضیٰ مین محبت یا قلبی مرابطت تہی با خود انکی عدم موانست کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر اور جناب علی مرتضیٰ دو قسم کے آدمی تہے - ایسے نقیض مزاج کے آدمیون مین مرابطت کا ہونا خلاف فطرت تہا - پس ایسی صورت مین حضرت عمر جناب علی مرتضیٰ کو خلیفہ نہین بنا سکتے تہے - مگر خود خلیفہ بننا بہی مصلحت کے خلاف دیکہتے تہے اسلیے بظاہر حضرت ابوبکر کو خلیفہ قرار دیکر اُنکے دست مبارک پر بیعت کرلی - حضرت عمر گو مرد میدان نہ تہے جیسا کہ جنگ ہای بدر و احد و خندق و خیبر و حنین وغیرہ کی کارروائیون سے ثابت ہوا جیسا کہ اوپر دکہلایا جا چکا ہے مگر لاریب بڑا قوی پولیٹیکل دماغ رکہتے تہے - حضرت ابوبکر کو بڑی مصلحتون سے آپنے خلیفہ بنایا تہا - اول یہ کہ اس کارروائی سے بنی ہاشم حکومت سے دور پڑ گئے دویم یہ کہ حضرت ابوبکر کا خلیفہ قرار دیا جانا عین آپکا خلیفہ مقرر ہونا تہا - سوم یہ کہ یہ کارروائی بظاہر آپ کے لیے خود غرضی کی سپر ہوسکی - چہارم یہ کہ پیرانہ سالی سے حضرت ابوبکر کی یہ امید ہوتی تہی کہ خود آپ کی خلافت کا زمانہ زیادہ دور نہین ہے - چنانچہ دو برس کے عرصہ مین حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ بناکر رحلت فرما گئے - تواریخ کے دیکہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر

رسول اللہؐ کی رحلت کیوقت سی لیکر اپنی رحلت تک پولیٹیکل کارروائیان برابر برتتے رہے۔ مگر جناب علی مرتضیٰ نے کسی پولیٹیکل کارروائی کا منہ نہین دیکھا۔ ہر بار جب خلافت کی تقریب پیش آئی طلب حق کر کے چپ ہو رہے۔ بنی ہاشم کو حکومت سے دور پڑنا البتہ شاق گذرا مگر جب حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پاگئے تو بنی ہاشم دل ہی دلمین رنجیدہ ہوکر خاموش ہو بیٹھے اور کچھ نکر سکے۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت علی مرتضیٰ نے خلافت ابوبکر پر تلوار نہین کھینچی۔ علاوہ اسکی بنی ہاشم کو یہ امید بندھی رہی کہ علی مرتضیٰ جوان ہین اور ابوبکر پیر۔ تہوڑے زمانہ مین علی ضرور خلیفہ ہوہی جائینگے سردست کسی سخت کارروائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مگر بنی ہاشم کی یہ امید اسوقت ساقط ہوگئی جب حضرت ابوبکر نے اپنی رحلت کیوقت حضرت عمر کو استخلاف کے روسے خلیفہ بنا ڈالا کچھ شک نہین کہ حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کو خلیفہ بنانا ایک فعل سپاس گزاری کا تھا۔ خیر۔ ابتو بنی ہاشم سے حکومت بالیقین دور پڑ گئی۔ حضرت عمر کچھ ایسے معمر نہ تھے جس سے بنی ہاشم یہ امید لگا سکتے کہ آپکا زمانہ خلافت بھی حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت کی طرح مختصر ہوگا۔ حضرت عمر ساڑھے دس برس تک مسند آرای خلافت رہے اور آپکی حیات اگر غیر فطری طور پر کم نکردی جاتی تو دس برس اور بھی بلاد اسلام پر حکمران رہ سکتے۔ مگر یہ دس برس بھی بنی ہاشم کیلیے کیا کم تھے۔ لیکن طرفہ یہ ہے کہ اس دس برس کے بعد بھی حضرت علی خلافت تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمر نے قبل از رحلت خلیفہ کی تقرر کو شوری پر چھوڑا۔

یہ ایک ایسی پولیٹیکل ہدایت حضرت خلیفہ کی جانب سے تھی کہ جس سے نہ صرف علیؑ کو کامیابی کا بہت کم موقع تھا بلکہ جس سے علیؑ کے ہلاک کر ڈالی جانیکا بھی ایک اچھا پہلو نکلتا تھا۔ اس شوری کی ہدایت ایسی ہی تھی کہ علی جیسا ایماندار شخص خلیفہ نہین ہوسکتا تھا چنانچہ حضرت عمر کے بعد علی خلیفہ نہوسکے حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق شوری سے حضرت عثمان خلیفہ قرار پائے۔ آپ ایک ضعیف الرائے شخص تھے آپکے عہد مین بہت سے فساد پیدا ہوگئے اور گو آپ کی خلافت کا زمانہ سب خلفا کے زمانہ سے زیادہ ہوا مگر آپکی خلافت آپکی ضعف مزاجی کے باعث بے رونق اندازہ کیا گیا۔ البتہ آپکے زمانہ مین بنی امیہ کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ شام مین خاندان بنی امیہ کو روز افزون عروج تھا ہی چونکہ خود آپ بھی بنی امیہ کے تھے مدینہ مین بھی مروان او دیگر بنی امیہ در خور دخل حاصل کر لیے۔ آپکی رحلت کے بعد علی نے طوعاً و کرہاً خلافت قبول کی۔ آپکے خلیفہ ہوتے ہی خانہ جنگی کے سامان شروع ہوگئے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے جو حضرات اہل سنت کے عشرہ مبشرہ مین سے ہین علیؑ کی ہاتھ پر بیعت کی بھی اور فوراً شکست بیعت کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ شریک جنگ جمل بھی ہوگئے اس لڑائی مین حضرت ام المومنین کو شکست ہوگئی اور یہ دونون حضرات بھی کام آگئے۔ جب ان خانہ جنگیون سے حضرت علی مرتضیٰ کو فرصت ہوئی تو حضرت معاویہ نے خلیفہ وقت یعنی حضرت علی سے بغاوت کی ٹھان لی حضرت معاویہ کی اس بغاوت کو حضرات اہل سنت خطائے اجتہادی فرماتے ہین۔ خیر یہ جیسی خطا ہو حضرت علیؑ کی خلافت کا مختصر زمانہ انہی فسادات مین گزرا اپنی خلافت کی منزل کے پانچوین سال مین حضرت علی نے شہادت پائی اور جناب امام حسنؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپکو چھ مہینے کے اندر اندر خلع خلافت کرنا پڑا۔ اب حضرت معاویہ خلیفہ وقت ہوگئے حضرت معاویہ برسون تک خلیفہ رہکر اس دنیا سے سدھارے اور انکی جگہہ پر انکے صاحبزادے حضرت یزید مسند آرائے خلافت ہوئے۔ اس عہد مین میدان کربلا مین آل محمدؐ کا خاتمہ کر دیا گیا صرف ایک امام

زین العابدین علیہ السلام باقی رہگئے۔ جنسے آیندہ نسل سادات حسینی کی چلی اور جنکے ذریعہ سے پیغمبر صاحب کے گہر کا نام باقی رہگیا۔ واضح ہو کہ جناب علی مرتضیٰ کا حضرت عثمان کے بعد خلیفہ ہونا بنی ہاشم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ بنی ہاشم بہ استثناے ظاہر دنیا کے ساتھ دینی سرداری بہی کہو چکے تھے حضرت علی کے خلیفہ ہونے سے انکی دینی اور دنیوی سرداریوں میں سے ایک بہی عود نہ کر سکی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بنی ہاشم جیسے ہو گئے تھے ویسے ہی رہگئے بلکہ روز بروز ان سے دنیا طلب مسلمانوں کا عناد اور تنفر بڑہتا ہی گیا حتی کہ واقعہ کربلا ظہور میں آیا۔ اور واقعہ کربلا کے بعد امام کشیان اور سادات کشیان برابر ہوتی رہین اور آجتک بہی اکثر مسلمانوں کو سادات کی طرف سے کشیدگی اور خاندان پیغمبر کے اماموں کے مذہب سے سخت بیزاری اور کنارہ کشی دیکہی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ سب تماشے قول عِندَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا کے ہیں جنسے نہایت کامیابی کے ساتھ حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔

عقیدۂ راقم

راقم کا مذہب یہ ہے کہ جناب رسول خدا معصوم تھے اور جتنے انبیا گذرے ہیں وہ سب کے سب معصوم تھے۔ پس چونکہ جمیع انبیا معصوم تھے تو انکے اولیا اوصیا اور خلفا بہی انہیں کی طرح معصوم تھے کیونکہ عقل یہی کہتی ہے کہ معصوم کا ولی وصی یا خلیفہ غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ اس عقیدے کے رو سے جناب رسول خدا کے جانشین کو بہی معصوم ہونا ضرور ہے۔ کوئی غیر معصوم آنحضرت کا خلیفہ برحق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ راقم کے عقیدہ کے مطابق حضرت علی معصوم تھے اور اگر آپ معصوم نہ تھے تو معصوم اور کس طرح کا ہوتا ہے۔ اہل انصاف کی نظر میں آپ میں ہر طرح کی عصمت موجود تھی۔ آپنے کبھی بت نہیں پوجا۔ آپنے کبھی شرک اختیار نہیں کیا آپنے کبھی شراب نہیں پی۔ آپنے کبھی حکم خدا سے انحراف نہیں کیا۔ جناب رسول خدا کے ہمراہ غزوات میں ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ میدان جنگ سے کبھی نہیں بہاگے۔ جناب رسول خدا کو دشمنوں کے نرغہ میں چہوڑ کر اپنی جان لیکر کبھی بہاگ نہ نکلے۔ تلوار سے ایسی مدد اسلام کی کی اگر آپکی تلوار نہوتی تو مدینہ میں اسلام استحکام حاصل نہ کر سکتا۔ آپ آیت تطہیر میں شامل ہیں۔ آپ آیت مباہلہ میں داخل ہیں آیت تطہیر سے آپکی عصمت پورے طور پر ثابت ہوتی ہے اور آیت مباہلہ سے آپ انفسنا میں شامل ہوکر بحکم از نفوس پیغمبر ثابت ہوتے ہیں بہت سی آیتیں آپکی شان میں فوج قرآن دیکہی جاتی ہیں آپکو کہلے طور پر عہد خلیفہ ثالث کے پہلے قرآنی منصوصی حیثیت حاصل تہی اور آج بہی عند اللہ وہ حیثیت باقی ہے پیغمبر خدا نے اپنی ذات پاک اور آپکی ذات پاک کی خلقت کو نور واحد سے ارشاد فرمایا ہے آپ حدیث ثقلین کے رو سے بہی یکے از اہل بیت نبوی ہونیکے باعث قابل تمسک ہیں اور اسی حدیث کے رو سے قرآن سے اگر افضل نہیں تو قرآن کے برابر ہیں حضرت رسول خدا نے آپکو اپنا نفس اپنا دم اپنی روح اور اپنا گوشت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ ان باتوں سے بڑہکر اور کیا آپکی عصمت کیلیے کوئی ثبوت درکار ہو سکتا ہے اگر آنحضرت معصوم تھے تو جو شخص آپکا نفس آپکا دم آپکی روح اور آپکا گوشت ہوگا وہ بہی ضرور بالضرور معصوم ہوگا۔ اسکے خلاف رائے قائم کرنا لاریب بدنفسی اور تعصب کی بات ہے۔ رسول خدا نے آپکو باب علم فرمایا ہے باب علم اور غیر معصوم ہو بہت خلاف عقل ہے۔ اسیطرح آپکی معیت قرآن کے ساتھ اور قرآن کی معیت آپکے ساتھ رسول خدا کا فرمودہ ہے۔ تماشا ہے کہ جو شخص قرآن کا ہم پلہ ہو وہ غیر معصوم ہو اسیطرح ہزاروں محامد اور فضائل آپکے ہیں جنمیں سے کچہ سابق میں مذکور ہو چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ آپکو غیر معصوم قرار دینا عقل و فہم سے باہر ہے۔

جسکے دلمین انصاف ہوگا اور جسکا دل اُنکی عداوت سے پاک ہوگا وہ آپکو ضرور بالضرور معصوم جانیگا - لیکن اگر کسی متعصب کی آنکھ مین آپ معصوم نظر نہ آئین تو یہ آپکا کوئی قصور نہین ہی - ظاہرا آپکو معصوم سمجھنے کے لیے کوئی غیر معمولی فہم درکار نہین ہی - تعصب کو دور کرکے جو آدمی آپکو دیکھے گا اُسکی نظر مین آپ معصوم نظر آئینگے آپ اُسکی نظر مین غیر معصوم دکھلائی دیتے ہین جو آپکی عصمت سے اپنی آنکھین بند کر لیتا ہے - ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ - المختصر راقم اپنے عقیدہ کی رو سے جناب علی مرتضیٰ کو معصوم جانتا ہی اور بقیہ گیارہ اماموں کو بھی آپکی اور جناب رسول خدا کی طرح حسنا عصمت مانتا ہی اس عقیدۂ عصمت سے یہ عقیدہ پیدا ہوتا کہ معصوم کی جانشینی ایک امر منجانب اللہ ہوتی ہی ہرگز منجانب الناس نہین ہو سکتی - پس از علی مرتضیٰ تا امام صاحب العصر صلوات اللہ علیہم یہ حضرات ائمہ سب کے سب جناب رسول خدا کے ایسے جانشین ہین جنکو خلافت اور امامت منجانب اللہ حاصل ہی منجانب الناس نہین ہی یہ عقیدہ تمامتر روحانی انداز رکھتا ہی اور اس رو سے علی خلیفۂ رسول اللہ ماننے جانیکا تمامتر استحقاق رکھتے ہین - مگر اس عقیدہ سے علیحدہ ہوکر پولیٹیکل پہلو سے اگر علی کی جانشینی پر نظر تعمق ڈالیے تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ علی ہی کو جانشین رسول خدا ہونا تھا - واقعی اسلام کے پولیٹیکل فوائد اسی مین محصور تھے کہ علی ہی کو اہل اسلام رسول اللہ کا جانشین بناتے - تحریر ذیل قابل توجہ ہے

علے العموم یہ دعوی حضرت اہل سنت کا نہین ہی کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ کے خلیفہ کسی نص قرآنی یا حدیث نبوی کے رو سے مقرر ہوئے - مذہب اہل سنت یہی ہی کہ حضرت خلیفۂ اول اجماع کی بنیاد پر خلیفہ قرار پائے - اصل امر اسیقدر ہی اور اکثر حضرات علمائے اہل سنت بھی اجماع ہی کے قائل دیکھے جاتے ہین - مگر کچھ حضرات قرآنی دلائل بھی خلافت راشدہ کی حقیت مین پیش فرماتے ہین - انشاء اللہ تعالیٰ - اُسکی تحقیق آئندہ آئیگی - مگر سردست اجماع کی نسبت یہ عرض کیا جاتا ہی کہ اس اجماع کو ایلکشن Election. کہہ نہین سکتے یہ اجماع نہایت ناقص انداز رکھتا ہی - اسلیے کہ ایک بھاری قبیلہ اہل اسلام کا جو بنی ہاشم تھا اور جس قبیلے مین سے خود جناب پیغمبر خدا تھے اس اجماع مین موجود نہ تھا اور نہ اس قبیلہ ممتاز کو ذرہ برابر بھی اظہار رائے کا موقع دیا گیا - بلکہ تمام کارروائی اہل سقیفہ کی اس عجلت کے ساتھ انجام پائی کہ بنی ہاشم کو اس اجماع کی خبر بھی نہو سکی ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ خبر ہونے پر بھی بنی ہاشم اس عاجلانہ اجماع مین شریک نہو سکتے تھے - اسلیے کہ بنی ہاشم جناب رسول خدا کے کفن دفن مین مشغول تھے - یہ ممکن نہ تھا کہ جناب رسول خدا کا جنازہ چھوڑ کر سقیفہ کے اجماع مین شریک ہو جاتے - لیکن اگر بنی ہاشم کو اس اجماع کی شرکت کا موقع ملتا تو حضرت ابوبکر اس آسانی کے ساتھ خلیفہ قرار نہ دیے جا سکتے - اس وقت کو حضرت عمر جو ایک بڑا پولیٹیکل دماغ رکھتے تھے خوب سمجھے ہوئے تھے - اسلیے امر خلافت کو نہایت عاجلانہ طور پر طے کر دیا - یہ اجماع کہ جسمین کوئی اصول ایلکشن کا نہین برتا گیا بلاشبہ ایک ناقص کارروائی سے خبر دیتا ہے - جناب رسول خدا کی رحلت کے وقت صرف مدینہ ہی احاطۂ اسلام مین نہ تھا - دین محمدی تمام حجاز وغیرہ مین پھیل چکا تھا - پس کامل ایلکشن کیلیے ضرور تھا کہ تمام دیار اسلام سے سرداران

علک اظہار رائے کے لیے طلب کیجاتی - مگر ایسا نہین کیا گیا - اس عجلت مین اہل حجاز وغیرہ تو درکنار اہل مدینہ
کے تمام ممتاز اشخاص بھی تو طلب نہین کیے جاسکے - پس اہل سنت کا یہ دعوے کہ حضرت ابوبکر جمہور کی رائے سے
خلیفہ مقرر ہوئے کیسا ہی اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمالین - لاریب یہ ایک ضعیف دعوےٰ قائلین اجماع
کا ہے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ قائلین اجماع اس اجماع کے نقص کو خود بھی سمجھتے ہین - مگر ضرورت مذہبی سے
اس اجماع کو قرین حق جانتے ہین - اس ضرورت مذہبی سے قائلین اجماع نے اسکو بھی صحیح مان لیا ہے کہ اجماع
دو آدمی غیر بنی ہاشم کے مجتمع ہونے سے بھی صحیح ہوجاتا ہے برعکس اس امر کے کہ اگر ہزارون بنی ہاشم ملکر
اجماع کرین تو بنی ہاشم کا کوئی اجماع کسی حال مین جائز قرار نہین دیا جاسکتا - ظاہر ہے کہ اس
اجماع سقیفہ اور اجماع کے متعلق ایسی ایسی باتون سے ایک منصف مزاج اور غیر متعصب آدمی کے
دل مین کیا کیا خیالات پیدا ہوسکتے ہین - محتاج بیان نہین ہین کہ اس زمانہ میں جو حضرات شائستہ خیال اس
اجماع کو الیکشن الیکشن کے پرجوش لفظ سے یاد کرتے ہین خدا کو حاضر و ناظر جانکر اپنے دلمین ذرا انصاف
فرمائین کہ کیا الیکشن وہی چیز ہی جو جناب رسول خدا کے بعد اس عاجلانہ صورت سے سقیفہ بنی ساعدہ مین انجام پائی
البتہ ہم حضرت عمر کی مدبرانہ قابلیت کا تماماً اعتراف رکھتے ہین کہ حضرت نے خلافت جناب رسول خدا
جیسے ضروری امر کو اس آسانی اور عجلت کے ساتھ طے کردیا کہ بنی ہاشم جیسا ممتاز اور قوی قبیلہ جس کو خواب
مین بھی اس طور پر امر خلافت کا قرار پاجانا قرین الوقوع نہ معلوم ہوتا تھا اپنا سا منھہ لیکر رہگیا -
لاریب اگر حضرت عمر چاہتے تو اس اجماع کا سارا فائدہ علی مرتضےٰ کو پہنچادیتے - مگر حضرت عمر بہت سی
وجہون سے علی مرتضےٰ کو دوست نہین رکھتے تھے - اس لیے انھون نے بنی ہاشم کی غیبت مین حضرت ابوبکر کو خلیفہ
قرار دیدیا - یون تو علی مرتضےٰ اور حضرت عمر دو ایسی ترکیب کے آدمی تھے کہ جنمین موافقت کا ہونا خلاف اصول
فطرت متصور ہی مگر ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عمر کو حضرت خاتون قیامت سے ایک سخت عداوت
تھی اسلیے علی کی کوئی بہتری حضرت عمر گوارا نہین کرسکتے تھے - اس عداوت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے
کہ حضرت عمر نے حضرت خاتون جنت سے نکاح کا ارادہ کیا تھا - مگر جناب رسول خدا نے اپنی مصلحتون سے
حضرت خاتون جنت کا عقد علی کے ساتھ کردیا - خیر عداوت کا جو سبب ہو مگر عداوت کے ہونے کا
بڑا ثبوت خود یہ معاملہ خلافت کا ہے - حضرت عمر جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر جناب علی مرتضےٰ پر کسی پہلو سے
ترجیح نہین رکھتے تھے - اس پر بھی حضرت عمر نے جناب علی مرتضےٰ کے حقوق نظر انداز کرکے حضرت ابوبکر کو خلیفہ
بنا ہی دیا - خود بھی بیعت کرلی اور حاضرین سقیفہ سے بھی بیعت کرالی - بیعت کرنے والون نے بھی کچھ پس و پیش
نہ کیا - انھون نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ بنی ہاشم کا کوئی ریپریزنٹیٹو Representative. یعنی
مختار یا سفیر اس مجمع مین ہے یا نہین یا یہ کہ بمقابلہ حضرت ابوبکر کے جناب علی مرتضےٰ کو کسی قسم کی ترجیح
حاصل ہے یا نہین سب نے آنکھہ بند کرکے حضرت عمر کی تبعیت مین وہین یعنی سقیفہ مین حضرت ابوبکر سے

ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہ اسلام کیواسطے ہرگز اچھا نہیں ہوا جیساکہ میری آیندہ کی تحریر سے ظاہر ہوگا۔ پبلک کے نفع کے مقابل میں ظاہرا حضرت عمر کو خانگی یا ذاتی امور کو ملحوظ رکھنا زنہار مناسب تہا ایسا بھی نہ تہا کہ حضرت عمر جناب علیؑ مرتضیٰ کے محامد اور محاسن سے خبر نہیں رکھتے تہے۔ باوجود تفحص علم قرآنی کے حضرت عمر یہ خوب جانتے تہے کہ علیؑ آیۂ مباہلہ اور آیۂ تطہیر میں شامل ہیں۔ ہل اتیٰ اور یوفون بالنذر سے مراد خداوندی علی مرتضےٰ ہیں۔ اور انکے علاوہ اور بہی آیتیں ہیں جو علیؑ اور اہل بیت نبوی سے تعلق رکہتی ہیں۔ علاوہ بریں جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے وقت علیؑ کی قرآنی مخصوص حیثیت قائم تہی علی مرتضےٰ کا نام قرآن مجید میں مکرر طور سے داخل تہا اور لفظ آل محمد کا بہی اسمیں موجود تہا جیساکہ اوپر دکہلایا جاچکا ہے حضرت عمر جانتے تہے کہ اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ وَّعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ اور اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ اور نَفْسُکَ نَفْسِیْ وَرُوْحُکَ رُوْحِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ وَلَحْمُکَ لَحْمِیْ۔ اور اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اور اسی طرح کی بہت سی اور بہی حدیثیں ہیں جو علیؑ کے مناقب میں ہیں۔ حضرت عمر خوب جانتے تہے کہ اسلام ذوالفقار علیؑ کا بہت کچہ منت کش ہے۔ علیؑ نہوتے تو اسلامی مدینہ کفار مکہ کے حملوں سے خاک سیاہ ہوجاتا اور بغیر ذوالفقار علیؑ کے عہد جناب رسولؐ خدا میں اسلام کا استحکام ممکن نہ تہا۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ علی مرتضےٰ کا قدم جنگ ہائے بدر و خندق و احد و خیبر و حنین وغیرہ سے نہ سرکا بلکہ ان سب لڑائیوں کی فتح علی مرتضےٰ کی غیر معمولی شجاعت ہی کا نتیجہ ہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ جناب رسولؐ خدا علیؑ کو کسقدر عزیز رکہتے تہے جیساکہ حدیث طیر اسکی گواہ ہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ وفور علم کے ساتہ خدا نے علیؑ کو بڑی توفیق عبادت کی بخشی ہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ علیؑ ہی بعد جناب رسولؐ خدا کے قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تہے اور بنی ہاشم بہت سی حیثیتوں سے ممتاز ترین قبیلہ عرب کا تہا۔ اول تو زمانہ قدیم سے اس قبیلہ کی سرداری چلی آتی تہی دوم یہ کہ جناب رسولؐ خدا اسی قبیلہ کے سردار تہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ حضرت ابوبکر ایک گمنام قبیلہ آدمی تہے بنی تیم کو بنی ہاشم کی وجاہت کے ساتہ کسی طرح کی مناسبت حاصل نہ تہی۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ علیؑ خاتون جنت کے شوہر تہے علاوہ بہائی ہونیکے اس جہت سے بہی جناب رسولؐ خدا کے ایک نہایت قریب رشتہ دار تہے۔ جناب رسولؐ خدا کا کوئی بیٹا نہ تہا علی مرتضیٰ ہی بیٹے کی حیثیت رکہتے تہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ گو حضرت ابوبکر نے جناب رسولؐ خدا کے ساتہ ہجرت گوارا فرمائی مگر حضرت ابوبکر کی یہ معیت علیؑ کے اس محل خوف سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکہتی جو علیؑ پر بعد روانہ ہوجانے جناب رسولؐ خدا کے گزرا۔ وہ وقت ایسا تہا کہ پیغمبر خدا کے دہوکے میں کفار مکہ علیؑ کو شہید کرڈالتے۔ مگر علیؑ نے کچہ جان کا خوف نہ کیا اور جناب رسولؐ خدا کے بستر پر شب بہر اطمینان سے لیٹے رہے۔ حضرت عمر جانتے تہے کہ جناب علی مرتضیٰ جناب رسولؐ خدا کی اطاعت اور اعانت پر سب سے پہلے آمادہ ہوئے سب سے پہلے جناب رسولؐ خدا پر ایمان لائے

کبھی اُنہون نے بُت پرستی نہین کی عہد طفلی سے شرک سے بری رہے حضرت عمر جانتے تھے کہ علیؑ جناب پیغمبر خدا کے بعد
اُس قبیلہ کے سردار تھے جسمین نبوت آئی تھی۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ پیغمبر خدا نے خم غدیر مین ایک اہتمام عظیم کے بعد علیؑ
کو مولائے مومنین قرار دیا اور اسپر خود ان حضرت نے بخٍ بخٍ کہکر علیؑ کو اپنا اور مومنین کے مولا ہونے کی مبارکباد دی
تعجب ہے کہ ان سب امور سے واقف رہکر حضرت عمر نے کیونکر حضرت ابوبکر کو جناب علی مرتضیٰ پر مرجح قرار دیا اور حضرت ابوبکر
کو خلیفہ بنا کر بیعت مین اسقدر عجلت کی۔ اگر حضرت عمر کو جناب علی مرتضیٰ کے ساتھ موافقت ہوتی تو لازم تھا
جناب علی مرتضیٰ سے اس طرح پر منہہ موڑ کر حضرت ابوبکر کیطرف رُخ نکرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی مرتضیٰ مین خلافت
کی صلاحیت نہ تھی جیسا کہ بعض ناواقفون نے کہا ہے۔ اسلیے حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نے خلیفہ بنایا تو یہ قول
ہرگز صحیح نہین ہے۔ حضرت ابوبکر سے جناب علی مرتضیٰ خلافت کی صلاحیت بدرجہا زیادہ رکھتے تھے۔ خود پیرانہ سالی کا
نقصان حضرت ابوبکر مین کیا کم تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر حضرت ابوبکر کی بغل سے نہ لگے
رہتے تو بحالت موجودہ حضرت ابوبکر سے خلافت کا کوئی کام بھی نہ چلتا۔ امر واقعی یہی ہے کہ بظاہر
حضرت ابوبکر۔ مگر بہ باطن حضرت عمر ہی خلیفہ ہوئے تھے۔ حضرت عمر کا جناب علی مرتضیٰ کو
خلیفہ نہ بنانے کا بڑا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے کہ علیؑ ایک آزاد اور صاحب رائے شخص
ہین۔ علیؑ عہدہ خلافت کے انجام مین حضرت عمر کی دست اندازی کو کبھی گوارا نہ کرین گے اسلیے
نہایت دور اندیشی کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ کو خلافت سے دُور رکھا اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے پردے مین خود خلیفہ
ہو گئے حضرت عمر کی دست اندازیان امور خلافت مین اسدرجہ کی تھین کہ حضرت ابوبکر کو تنگ ہو کر
یہ فرمانا پڑا کہ اے عمر مجھے خلیفہ بنانیکی پھر ضرورت ہی کیا تھی۔ لاریب اگر جناب علی مرتضیٰ خلیفہ ہو جاتے تو اسطرح کی
دست اندازیون کا موقع حضرت عمر کو کبھی نہ ملتا اور حضرت عمر کو امور خلافت سے کنارہ رہنا پڑتا۔ راقم
کی دانست مین ناموافقت باخودہا کے علاوہ حضرت عمر کا جناب علی مرتضیٰ کو حکومت سے دور رکھنے کا قوی ترین سبب
یہی دست اندازی کا مضمون نظر آتا ہے۔ المختصر اسلام کی یہ پہلی پولیٹیکل غلطی ہے جو جناب علی مرتضیٰ سے خلافت دور
پھینکے گئے۔ اس غلطی نے اسلامی دُنیا مین بڑے بڑے اخلاقی مالی ملکی اور قومی فتور پیدا کر دیے جسکے نتائج آج تک
پیروان اسلام بھگت رہے ہین۔ اگر حضرت عمر جناب علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کے عوض خلیفہ تسلیم کر لیتے تو علی مرتضیٰ
بہ اسباب ظاہر ایک عرصہ دراز تک خلیفہ رہکر خلافت کے کامون کو انجام دیتے رہتے۔ اسلیے کہ جناب علی مرتضیٰ جوان
تھے اور صحت بدنی آپکی نہایت درست تھی۔ آپکا ایک عرصہ دراز تک خلیفہ رہنا خلاف فطرت نہوتا۔ ظاہر ایسا
ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر علیؑ کو خلافت سے محروم نکر دیتے تو ایک ہی مذہب مسلمانون مین قائم رہتا۔
اور چونکہ علیؑ ایک نہایت فہمیدہ تعلیم یافتہ مہذب اور خوش رائے شخص تھے اسلیے اسلام کے پولیٹیکل معاملات
مین ہرگز کوئی فتور نہ پڑتا۔ حضرت عمر کی مخالفت نے نہ فقط جناب علیؑ کو بلکہ اسلام کو بُرے دن دکھائے۔ آپ
حضرت عثمان کی خلافت کو بھی بہت خوبصورتی سے قائم کر گئے۔ بالیقین جناب علی مرتضیٰ تو حضرت عثمان سے خلافت

کے لیے سزاوار تر شخص تھے۔ مگر جناب علی مرتضےٰ بار سوم بھی خلافت سے محروم رکھے گئے جس سے اسلام کو
ضرر کے سوا کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ حضرت عثمان کے عہد کی بدنظمیون کا ذکر آیندہ آنے کو ہے۔ خیر آخر مین جو
جناب علی مرتضےٰ خلیفہ ہوئے بھی تو خلافت کی حالت آپ کی جانشینی کے وقت ایسی خراب وخستہ ہوچکی تھی
کہ آپ کا خلیفہ ہونا اور نہ ہونا برابر سمجھا جاتا ہی۔ جس خلافت مین جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ کے معاملات
پیش آئین۔ تو اس خلافت کا ذکر ہی فضول ہی۔ ایک غلط کارروائی ہے جس کی بدولت حضرت ابوبکر خلیفہ
بنائے گئے۔ اسقدر پولیٹکل فسادات اسلام مین پیدا ہوگئے۔ کہ اُسوقت اور اسوقت کے اسلام کو بلا کشی کے
چارہ نہین رہا۔ اور آیندہ کا اسلام بھی اسیطرح بلاکش رہیگا۔ حضرت عمر ایک بڑے قابل شخص تھے۔ جناب
علی مرتضےٰ کے ساتھ اتفاق رکھکر آپ اسلام کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے تھے۔ اگر آپ علی کے معین نہ تھے تو
علی بہ نہایت آسانی کے ساتھ خلافت کے عہدہ کو ایک عرصہ دراز تک انجام دیتے رہتے جس سے اسلام کو
ہر طرح کی بہبودی نصیب رہتی۔ یہ جو علی مرتضےٰ کے مخالفین کہتے ہین کہ علی مرتضےٰ مین خلافت کی صلاحیت
نہ تھی۔ ایک لایعنی قول ہے۔ علی کے وقت مین اُسیطرح شام اور فارس فتح ہوتے۔ جیساکہ حضرت عمر کے زمانہ مین
ہوئے تھے۔ شام وفارس کے فتح کرنے مین علی مین ویسی ہی صلاحیت تھی۔ جیسی کہ حضرت عمر کو حاصل تھی شام
وفارس کے فتح کرنے کے واسطے خلیفہ مین کوئی غیر معمولی قوت یا صلاحیت درکار نہ تھی۔ شام رومیون کی مشرقی
سلطنت کا ایک جزو تھا۔ رومیان مشرقی رومیان مغربی کی طرح نکمے ہوچکے تھے۔ جیساکہ عروج کے بعد
ہر قوم پر زوال آہی جاتا ہے۔ یہی حال فارس کی سلطنت کا بھی ہو رہا تھا۔ رومی اور ایرانی عیش طلب عیش پرست
ضعیف اور ناتوان ہوچکے تھے۔ اسکے برخلاف اہل عرب مین ایک نئی قوم ہونے کے باعث نیا جوش
اور جفاکشی پیدا ہوچکی تھی۔ ایسی صورت مین شام وفارس کو عرصہ قلیل مین اُنکا فتح کرلینا جائے تعجب نہین ہے
یہ فتحین خلیفہ کی کسی غیر معمولی صلاحیت کا نتیجہ نہ تھین۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت کی فتحین راقم کی اس رائے
کی معین دکھائی دیتی ہین۔ لاریب حضرت خلیفہ ثالث کسی قسم کی غیر معمولی صلاحیت نہ رکھتے تھے بلکہ انصاف کی
پابندی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہی۔ کہ آپ مین خلافت یا کسی امر اہم کے انجام کی صلاحیت مطلق ودیعت ہی نہین
کی گئی تھی۔ شام وروم وغیرہ کی فتحین مسلمانون کو اسطرح پر نصیب ہوئی تھین۔ کہ بھوکے عرب مال غنیمت کے
حاصل کرنے کی اُمیدون مین عیش پسند اہل فارس اور اہل روم پر بے محابا ٹوٹ پڑے اور اُن ضعیف نکمون کو
زیر وزبر کر ڈالا۔ گاتھ اور وینڈل (Goths and Vandals) نے جسطرح رومیان مغربی پر غالب
آکر روما کو فتح کرلیا۔ اُن ہی اسباب کی بدولت یہ ناتعلیم یافتہ عرب بھی روم مشرقی اور فارس کے مقابلہ مین
کامیابی حاصل کرتے گئے۔ اِسطرح کی کامیابی کے لیے خلیفہ مین کسی خاص قسم کی صلاحیت درکار نہ تھی
ایسی ایسی فتحین علی کے خلافت مین بھی امکان رکھتی تھین مگر اسکا موقع علی کو نہین ملا۔ اول یہ کہ علی کو اپنے
عہد خلافت مین مفسدون ہی کے ہاتھ سے چین نہین ملا۔ دوم یہ کہ اسوقت کی دنیا سے اہل عرب کو

جنتز ملکون کا ہاتھ لگنا ممکن تھا وہ ہاتھ لگ چکے تھے - بحالت موجودہ ملک گیری کی گنجایش باقی نھین رہی تھی - اگر جناب علیؑ اول ہی بجاے حضرت عمر کے خلیفہ قرار پاجاتے - تو جو جو ملک حضرت خلیفہ ثانی کے وقت مین فتح ہوئے تھے - وہ سب جناب علی مرتضٰے ہی کیوقت مین فتح ہوجاتے - یہ محض ایک لغو خیال ہو - کہ اگر علیؑ بعد آنحضرتؐ یا بعد حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پاتے تو امور خلافت کا انجام غیر ممکن ہوتا - اور کیا خوب ہوتا کہ حضرت عمر علیؑ کو خلیفہ بناتے اور خود وزیر خلیفہ ہوکر اسلام کی نفع رسانی مین مشغول رہتے - مگر ایسے اقبال کے دن اسلام کے لیے مقدر نہ تھے - پس وہی ظہور مین آیا - جو کچھ مشیت خداوندی تھی -

واضح ہو - کہ بنی ہاشم سے اہل اجماع کے کنارہ کشی پولٹیکل حیثیت سے اسلام کے لیے نہایت ضرر انگیز واقع ہوئی - اہل واقفیت سے پوشیدہ نھین ہو - کہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دو قوی ترین قبیلے عرب کے تھے - ان دونون مین اوپر ہی سے اختلاف چلا آتا تھا - ظہور اسلام کے پہلے کبھی بنی ہاشم اور کبھی بنی اُمیہ ایک دوسرے پر غالب آیا کرتے تھے - اسلیے یہ دونون قبیلے ایک دوسرے کے ہمپایہ سمجھے جاتے تھے - مگر جب جناب رسول اللہ ہجرت فرماکر مدینہ مین قیام پذیر ہوئے - اور بنی اُمیہ اپنی شکستون سے کمزور ہوگئے - تو اسوقت بنی ہاشم مدینہ مین قوی ہو رہے تھے - اور بڑی عظمت کی نگاہ سے اہل مدینہ اُن کو دیکھتے تھے مگر جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد ہی خلاف توقع یک بیک اُن کو حکومت اور ثروت سے دور ہونا پڑا اور اس دوری کا سبب بھی اجماع سقیفہ ہوا - لاریب یہ ایک بڑی پولٹیکل غلطی اہل سقیفہ سے ہوئی - کہ انھون نے جناب علیؑ مرتضٰے کو خلیفہ نہ بنایا - علیؑ اُسوقت بنی ہاشم کے سردار تھے - اگر جناب علیؑ مرتضٰے خلیفہ قرار پاجاتے - تو بنی اُمیہ اور بنی عباس کے آیندہ کے پولٹیکل فسادات ظہور مین نہ آتے - اجماع سقیفہ کی اس ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا - کہ بنی ہاشم اپنے استحقاق کی بنیاد پر ایک عرصہ دراز تک بنی اُمیہ اور بنی عباس کی خلفا سے لڑتے جھگڑتے رہے اور ایسی ایسی خانہ جنگیون سے عرب کی سلطنت روز بروز ضعیف ہوتی چلی گئی - یہان تک کہ تاتاریون وغیرہ کی ہاتھون سے اُسکا نشان تک باقی نھین رہا - اس اجماع سقیفہ کارروائی نے نہ صرف بنی ہاشم کے خون کا دریا بہایا - بلکہ ہزارون غیر بنی ہاشم کی جانین بھی لگاتار تلف ہوتی رہین - بنی ہاشم ہر خلافت مین اپنا اور اپنے دشمنون کا خون بہاتے رہے - اسکی وجہ یہ تھی - کہ بنی ہاشم اپنے آپکو ہر عہد مین خلافت کا حقدار جانتے تھے اور بہت سے اہل عرب کو بھی اُن کی حقداری سے اعتراف تھا - ظاہرا اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری چلی آتی ہے - ان سب خروجون کا منشا وہی طلب حق تھا - اور یہ حق وہی تھا - جسکو بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھ کھو بیٹھے تھے اور جسکے کھوئے جانیکے باعث حضرت عمر ہوئے تھے - یاد رہے کہ بنی ہاشم ایسا قبیلہ تھا کہ اُسکو نیست نابود کر ڈالنا آسان کام نہ تھا - یہ قبیلہ ہر طور پر عرب کی جان تھا - خود یہ قبیلہ بنی امیہ کیطرح نہایت ممتاز تھا اور اور اس قبیلہ کو تمام جہان کے قبائل پر اسوجہ سے شرف تھا کہ اِس قبیلہ مین نبوت اُتری تھی - ایسے قبیلہ کو برباد یا نیست و نابود یا ضعیف کر ڈالنا قرین مصلحت نہ تھا - اِس قبیلہ کا جو وقار پہلے سے تھا اور خاصکر جو وقار

اسکو عہد جناب رسول خدا مین حاصل ہوا ہرگز مصلحت ملکی کی رو سے اسکا مستحق نہ تھا کہ اس سے حکومت دور کیجاتی۔ اگر حضرت عمر یا اہل سقیفہ ملک کی مآل اندیشی اور ہواخواہی کو ملحوظ رکھتے تو حضرت ابوبکر کی جگہ علیؑ کو ہی خلیفہ قائم کرتے۔ حضرت ابوبکر ایک گمنام قبیلہ کے آدمی تھے۔ اُسپر طرہ یہ تھا کہ بنی تیم جو آپ کا قبیلہ تھا۔ آپ کا کسیطرح کا مددگار نہ تھا اور آپ بھی کچھ اُسپر بھروسا نہین رکھتے تھے۔ ایک ایسے گمنام قبیلہ کے آدمی کو تمام عرب کا سردار بنانا خاصکر بنی ہاشم کو اس ترکیب سے ایک ماتحتی کی حالت مین در لانا اہل سقیفہ کی ایک بھاری پولیٹیکل غلطی تھی۔ بنی ہاشم کو حکومت سے دور کرنا ملک کے لیے مفید نہین ہو سکتا تھا چنانچہ اس غلطی سے جو اہل عرب کی سلطنت کو پولیٹیکل نقصانات لاحق ہوتے گیے۔ ناظرینؔ ماہرین علم تاریخ و سیر سے مخفی نہین ہین اگر اہل سقیفہ جناب علی مرتضےٰ کو خلیفہ قرار دیدیتے۔ تو ہزارون مذہبی مالی اور پولیٹیکل نقصانات جو اہل عرب کو پہنچے نہ پہنچتے۔ تب ایک ہی سلطنت اور ایک ہی مذہب کا عرب مین وجود ہوتا نہ کوئی خلیفہ غاصب کہلاتا اور نہ کوئی مسلمان شیعہ یا سنی ہوتا۔ اگر سقیفہ کی کارروائی عمل مین نہ لائی گئی ہوتی۔ علیؑ کے خلیفہ ہونے سے بنی تیم کو ہمیشہ کے لیے خروج سے نجات پانے کی صورت ہو جاتی۔ آپ کی جانشینی سے حضرت عمر اور نہ حضرت عثمان کی جانین جاتین۔ محمد بن ابی بکر بھی نہ مارے جاتے۔ خود علیؑ مرتضےٰ جنگ جمل و صفین وغیرہ کے ہنگامون سے مامون رہتے۔ نہ حضرت عائشہ شریک جنگ جمل ہوتین۔ نہ طلحہ و زبیر قتل ہوتے نہ حضرت عائشہ کنوئین مین گرا کر ہلاک کیجاتین۔ (دیکھو روضۃ الشہدا) نہ بنی امیہ سرکشی کر سکتے۔ نہ علیؑ مرتضےٰ قتل کیے جاتے نہ جناب امام حسنؑ کو زہر دیا جاتا۔ نہ جناب امام حسینؑ کیساتھ واقعہ کربلا پیش آتا۔ نہ آیندہ امام کشیان ہوتین۔ نہ خانہ کعبہ مین گھوڑے باندھے جاتے نہ بنی اُمیہ کے ہاتھون سے خون ریزیان ہوتین۔ نہ خود بنی اُمیہ کا استیصال ظہور مین آتا۔ نہ بنی عباس کو زور ہوتا۔ نہ بنی عباس کشت و خون کے مرتکب ہوتے۔ اور نہ خانہ جنگیون سے عرب کی سلطنت ضعیف ہو کر آخرکار بیرونی اقوام کے ہاتھون سے نیست و نابود ہو جاتی۔ اجماع کی اس ناعاقبت اندیش اور عاجلانہ کارروائی نے عجب عجب ضرر انگیز نتائج پیدا کیے۔ اور آجتک پیدا کر رہی ہے۔ المختصر علیؑ کو حکومت سے دور رکھنا اہل اسلام کی پہلی غلطی تھی۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ دوسری غلطی اُن سے یہ ظہور مین آئی۔ کہ بنی ہاشم تک اگر خلافت نہین پہنچنے پائی۔ تو نہ پہنچنے پائی۔ مگر اسپر طرہ یہ لگایا گیا۔ کہ بنی اُمیہ ثروت کی ایسی راہ پر چلائے گئے۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ مین وہ لوگ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ ہو گئے۔ بنی اُمیہ کو بادشاہ بننے یا بنائے جانیکا کوئی حق ہی نہ تھا۔ یہ قبیلہ تو اسلام اور بانی اسلام کا ہمیشہ سے سخت دشمن تھا اس قبیلہ کو اسلامی ذرائع سے ثروت حاصل کرنے کا کونسا حق تھا۔ ہان اگر بنی ہاشم خلیفہ یا بادشاہ بلاد اسلام کے بنتے یا بنائے جاتے۔ تو خلاف انصاف یا خلاف مصلحت کوئی بات نہین ہوتی۔ اسلیے کہ جناب رسول خدا اس قبیلہ کے نبی اور اسلامی عرب کے بادشاہ تھے۔ اگر اُن کی اولاد خلیفہ یا امام یا بادشاہ بنائی جاتے تو یہ کوئی امر خلاف توقع ظہور مین نہ آتا۔ بنی اُمیہ کو کمزوری کی حالت سے پُرزوری کی حالت مین لانا۔ اور بنی ہاشم کو

پر زوری کی حالت سے کمزوری مین اُتارنا لاریب حضرت عمرؓ یا خلافت راشدہ کی ایک بڑی پولیٹکل
غلطی تھی۔ اسلام کے فوائد کے لیے بنی اُمیہ کو اُسی حالت مین چھوڑ دینا موزون تھا جس حالتمین جناب
رسولؐ خدا اُنھین پہنچا گئے تھے۔ اگر یہ قبیلہ ٹوٹا مارا رہ جاتا۔ جیسا کہ جناب رسولؐ خدا اسکو چھوڑ گئے تھے
تو اسلامی دنیا حد درجہ کی خون ریزیون سے محفوظ رہتی۔ اور عرب کی سلطنت اسقدر داغدار نہ دکھلائی
دیتی۔ اس مین شک نہین کہ حضرات شیخین نے مجبوری کی حالت مین ابو سفیان کا ساتھ دیا۔ اور بات
بھی یہی ہے۔ کہ اگر ابو سفیان کی رضامندی کا سامان آپ دونون حضرات نہ فرماتے تو اجماع سقیفہ
کی ساری کارروائی گاؤ خورد بھی ہو جاتی۔ مگر جناب علی مرتضےٰ حضرت ابو بکرؓ کی جگہ خلیفہ ہو کر بہت سی
وجھون سے ابو سفیان کا ساتھ نہین دے سکتے تھے۔ اول تو جناب علیؑ رسولؐ خدا کی پالیسی کے خلاف
کاربند نہین ہو سکتے تھے۔ دوم یہ کہ علیؑ بنی اُمیہ کو ایک بدترکیب قبیلہ جانتے تھے۔ سوم یہ کہ آپ پر
روشن تھا۔ کہ بنی ہاشم کے مقابل مین بنی اُمیہ کی کسی قسم کی تائید سلطنت عرب کو کسی قسم کا پولیٹکل فائدہ
نہین پہنچا سکتی۔ چہارم یہ کہ آپ جانتے تھے کہ بنی اُمیہ کو کوئی حق اسلامی وسیلہ سے نفع اندوزی کا
نہین ہے۔ اہل فہم سے پوشیدہ نہین ہے۔ کہ بنی اُمیہ کا دبا ہی رہنا سلطنت عرب کے لیے مفید متصوّر
تھا۔ کچھ شک نہین۔ کہ بنی اُمیہ بنی ہاشم کے مد مقابل تھے۔ مگر جناب رسولؐ خدا کی دانشمندانہ سعی سے
بنی اُمیہ کمزور ہو گئے تھے۔ ان کو ازسرنو قوی کر دینا خانہ جنگی یعنی سِول وار (Civil war) کے
سامان کو فراہم کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک بنی اُمیہ ٹوٹے رہتے۔ بنی ہاشم سے مقابلہ کا قصد نہ کر سکتے
اس شکل سے سِول وار کا احتمال بلاد اسلام مین نہین ہو سکتا تھا۔ لاریب یہ ایک بڑی پولیٹکل غلطی
خلافت راشدہ کی طرف سے ظہور مین آئی۔ جو بنی اُمیہ کے فروغ تازہ اور بالآخر اُن کے حصول سلطنت کا
ذریعہ ہو گئے۔ المختصر اسلام کو واقعی ایک بڑی پولیٹکل مصیبت لاحق ہوئی جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ
کے بعد علیؑ آپ کے خلیفہ نہ قرار پائے۔ اگر علیؑ خلیفہ قرار پا جاتے۔ تو اسلام مین نہ کوئی پولیٹکل اور
نہ کوئی مذہبی ایسی پھوٹ پیدا ہوتی۔ جس سے اسلام کو وہ مضرتین لاحق ہوئی گئین۔ جن سے
اہلِ تاریخ وسیر پوری خبر رکھتے ہین۔ تمام پولیٹکل پہلوؤن کو ملحوظ رکھکر لاریب علیؑ کا خلیفہ مقرر کیا جانا نہایت
قرین مصلحت تھا۔ علیؑ کوئی نافہم ناتعلیم یافتہ اور بدترکیب آدمی نہ تھے۔ یقیناً نہایت صائب الرائے تھے
فتنہ وفساد کے گرد نہ پھرتے تھے۔ مرد میدان تھے۔ فیصلہ کی قوت بدرجہ اتم رکھتے تھے۔ نہایت عدل
پرور تھے۔ تمام دنیا کے معاملات کو خوب سمجھتے تھے۔ آدمی کو خوب پہچانتے تھے۔ خود حیلہ ومکر کو کوئی مرکز کا
نہ رکھتے تھے۔ مگر دوسرون کے مکر وحیلہ کو بہت اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ ہرگز غصہ ور نہ تھے۔ حلم و
بردباری مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ حق وناحق کے بڑے شناسا تھے اپنے تمام معاملات خانگی اور بیرونی
مین نفسانیت کو مطلق دخل نہ دیتے تھے۔ بیحد جری اور صاحب مروت تھے۔ پولیٹکل امور مین نہایت

صائب الرائے تھے۔ مگر پولیٹکل حیلہ بازیون سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ فروتنی خاکساری اور عاجزی
آپ کا شیوہ تھا۔ دولت استغناسے مالامال تھے عبادت کی لاجواب توفیق رکھتے تھے صادق القول
مستقل مزاج خوش گو خوش بیان رحمدل اور مآل اندیش تھے۔ یون تو آپ کی صفات حمیدہ انبیائے
اولوالعزم کے انداز کی ہین۔ اور ایسی ہی ہین۔ کہ آپ کے مداح خدا و رسولِ خدا ہین اور کسیکی کیا
طاقت ہے۔ جو آپ کے اوصاف پر قادر ہوسکے۔ مگر اس جگہ یہ محامد آپ کے صرف حق گوئی اور تعمیل
ارشاد نبوی کی غرض سے عرض کیے گئے ہین ورنہ آپ کی مداحی انسان سے ممکن نہین ہے۔ اہل واقفیت سے
پوشیدہ نہین ہے۔ کہ حسب فرمودہ جناب رسولِ خدا علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ ذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (دیکھو
صواعق محرقہ ابن حجر مکی) پھر آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ زَیِّنُوا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیٍّ۔ یعنی اپنی مجلسون کو
ذکر علیؑ سے زینت دو۔ یہ تو تاکیدی قول جناب رسالتمآب کا ہے۔ یہان ارباب زمانہ کی یہ حالت ہے
کہ جناب علی مرتضٰے کا نام آتے ہی غصہ سے اُن کا منہہ سُرخ ہوجاتا ہے۔ بہت سی صحبتون مین تو آپ کے
نام پاک کا لینا مصلحت کے خلاف ہوجاتا ہے۔ بہرحال صفاتِ بالا کے ساتھ اگر جناب علیؑ خلیفہ قرار
دیے جاتے تو خلافت کی کسی کار روائی مین کوئی فتور نہ پڑتا۔ ظاہرا فساد اندرونی کا احتمال اور کسی
قبیلہ سے نہ تھا۔ جو کچھ تھا وہ بنی اُمیہ سے تھا۔ مگر بنی اُمیہ کو جناب رسولؐ خدا زیر و زبر کرچکے تھے
اور علیؑ خلیفہ ہوکر اُس قبیلہ کو زنہار فروغ تازہ کی صورت حاصل نہ کرنے دیتے۔ پس تمام بلاد اسلام مین
اتحاد ہی اتحاد کی شکل نظر آتی جس سے صرف اسلام کی قوت قائم ہی نہ رہتی۔ بلکہ روز بروز ترقی بنی امیہ کی
عروج خانہ جنگیون کا سبب واقع ہوا جس کو عرب کی سلطنت حسب مراد قوت نہ پکڑ سکی۔ اور آخرکار
روز بروز رو بہ تنزل ہوکر صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئی۔ لاریب جناب علی مرتضٰے کی خلافت اسلام اور
سلطنت عرب کے لیے بہت مفید واقع ہوتی۔ جناب علیؑ مرتضٰے کی خلافت سے اتحاد قومی پیدا ہوتا جسکا
نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ بلاد اسلام کو آسائش نصیب ہوتی۔ قومی ترقیون کی صورت بندھتی۔ اور وہ وقت اور ذل
جو باہم کی خانہ جنگیون مین صرف ہوئے۔ اُن کے بہتر معارف نکلتے۔ بہت جائے افسوس ہے کہ علیؑ کی محرومی
خلافت سے جتنے بدنتیجے ممکن تھے وہ سب سلطنت عرب کو نصیب ہوئے۔ سچ یہ ہے کہ ساری مصیبتین جو
دین عرب اور سلطنت عرب کو لاحق ہوگئین اُن کے سبب قریب و سبب بعید حضرات شیخین نظر آتے ہین
بلکہ یہ کہیے کہ اُن کے خاص باعث حضرت عمر ہوئے ہین۔ اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست۔ ہرچند
علیؑ نے اپنی حوصلہ مندی سے اہلِ سقیفہ کے خلاف مین بنی ہاشم کو خانہ جنگی سے باز رکھا۔ مگر آیندہ کی خانہ جنگیان
موقوف نہ رہ سکین۔ حال یہ ہے۔ کہ خلافت راشدہ نے خوف یا رغبت سے بنی اُمیہ کا ساتھ دیا۔ یہ موقع پاکر
بنی امیہ اپنے پر پرزے درست کرنے لگے۔ عہد شیخین تک یہ قبیلہ اپنی حیثیت کے درست کرنے مین مصروف
رہا۔ اور اتنے عرصہ مین اُسے گویا اسقدر قوت حاصل ہوگئی۔ کہ اُسے بنی ہاشم سے دبنے کی وجہ باقی نہ رہی

ان عہدون تک تو کوئی فساد اس قبیلہ سے بنی ہاشم کے مقابلے مین ظاہر نہین ہوا۔ بہرحال جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا۔ تو اس قبیلے نے اور بھی بہت کچھ ترقیان کین۔ خود حضرت خلیفۂ ثالث بنی اُمیہ سے تھے آپ کے عہد مین بنی امیہ اسقدر قوی ہوگئے۔ کہ اگر آئندہ بنی ہاشم کے قبیلے کا کوئی خلیفہ قرار پاتا بھی تو بنی امیہ اس کی اطاعت پر اپنے کو مجبور نہ سمجھتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب علیؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو معاویہ نے علیؑ کی مقابلہ شروع کردیا۔ جنگ جمل بھی معاویہ ہی کی کارستانی تھی۔ اسکے بعد تو کھلے بندون حضرت معاویہ جناب علی مرتضےٰ سے لڑتے رہے اور خلافت جناب علی مرتضےٰ سے آزاد رہے۔ پھر بنی ہاشم کو کربلا کا ہنگامہ پیش آیا اور اس طرح بنی ہاشم اور بنی اُمیہ ایک دوسرے کے مخالف رہے اور یہ خروج وجدال آل محمدؐ کا بنی عباس کے زمانے تک جاری رہا۔ لاریب اگر حضرت علی مرتضےٰ اول ہی مین خلیفہ بنا دیے گیے ہوتے تو یہ خونریزیان اور خانہ جنگیان اہلِ اسلام مین واقع نہوتین۔ بیشک یہ بڑی پولیٹکل غلطی مسلمانون سے سرزد ہوئی۔ کہ علیؑ خلافت سے محروم رکھے گئے۔ یقیناً یہ سب فسادات علیؑ کے خلیفہ ہوجانے پر وقوع مین نہین آسکتے تھے۔ علی مرتضےٰ کے خلیفہ ہونے سے نہ بنی امیہ شام کی حکومت حاصل کر کے خلیفہ بن سکتے تھے اور نہ اُنکو بنی ہاشم سے مقابلہ کا کوئی موقع حاصل ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت مین سلطنت عرب مین نہ خانہ جنگیان واقع ہوتین۔ اور نہ آل محمدؐ اسطور پر تباہ کیے جاتے۔ راقم الحروف کے خیال مین آل محمدؐ کی تباہی کوئی معمولی بات نہین ہی۔ اُن کی تباہی مخالفین آل محمدؐ کو جو کچھ بھلی معلوم ہو۔ دوستداران آل محمدؐ کیلیے تو یقیناً بڑی روحانی تکلیف کی بات ہی۔ خیر۔ یہان پر یہ سوال ہوسکتا ہی۔ کہ جب قلمرو خلافت مین یہ دو بڑے بڑے قبیلے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے تھے۔ اور ان مین ناموافقت رہنے اور اُن کے مدمقابل ہونے سے سلطنت مین رسول وار کا احتمال بدرجۂ یقین تھا۔ تو ایسے حال مین پولیٹکل پہلو سے ان دو مین سے ایک کا توڑ ڈالنا خلافت راشدہ کیطرف سے نہایت قرین مصلحت تھا۔ اسلیے خلافت راشدہ نے بنی اُمیہ کا ساتھ دیکر بنی ہاشم کو توڑ دینا چاہا۔ پس خلافت راشدہ پر پولیٹکل پہلو سے اس اعانت بنی اُمیہ کی بنیاد پر کوئی الزام عائد نہین ہوسکتا ہی۔ جواب اس سوال کا یہ ہی۔ کہ پولیٹکل مصالح سے ان دونون بڑے قبیلون مین سے ایک کا مغلوب رکھنا کوئی شک نہین کہ بہت ضروری تھا۔ مگر اہلِ خلافت کا بنی ہاشم کو دبا رکھنا چند وجہون سے تمام تر نامناسب تھا۔ اول یہ کہ بنی ہاشم وہ قبیلہ تھا۔ کہ جسمین خود رسول مقبول پیدا ہوئے تھے اور اسلیے نبوت اس قبیلہ مین اُتری تھی۔ اس قبیلہ کے وقار کو بڑہانا چاہیے تھا نہ گھٹانا۔ انصاف یہی کہتا ہی دین بھی کہتا ہی اور شرافت بھی کہتی ہے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ بنی اُمیہ سے بیحد ناراض تھے۔ حتیٰ کہ اس قبیلہ پر لعنت فرماتے تھے۔ سوم یہ کہ رسول اللہ نے دس برس کی بڑی جانفشانی سے بنی اُمیہ کو ضعیف کر ڈالا تھا۔ خلافت راشدہ کو رسول اللہ کی پالسی کے خلاف مین عامل ہونا زیبا نہ تھا۔ چہارم یہ کہ بنی اُمیہ سلطنت اسلامی کیطرف سے کسی جاہ وعزت کے استحقاق مستحق نہ تھے۔ یہ وہی بنی امیہ ہین جنہون نے رسول اللہ کو بیحد ستایا تھا

اور اسلام کے ایسے دشمن تھے۔ کہ نہ صرف مکہ مین اسلام کو رواج پکڑنے نہ دیا بلکہ مدینہ تک بھی اسلام کی تخریب مین سعی کیا تو کوشان رہے۔ بدر و خندق و احد و حنین کی لڑائیان ایسی نہ تھین کہ بنی امیہ پھر کسی طرح پر اسلام کی طرف سے حصول دولت و ثروت کی امید کر سکتے۔ پنجم یہ کہ بنی امیہ سخت بد اطوار تھے۔ ایام جاہلیت مین اور نیز مشرف بہ اسلام ہونیکے بعد بھی ویسے ہی بدخواہ جناب رسول خدا اور اسلام کے رہے۔ اسکا ادنے ثبوت یہ ہے۔ کہ جناب رسول خدا کو حنین کی لڑائی پیش آئی تو اسوقت ابو سفیان ظاہرا مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لڑائی مین ابو سفیان جناب رسول خدا کیساتھ میدان جنگ مین آئے بھی تھے۔ مگر چونکہ فی الحقیقت یہ جنگ بھی درمیان جناب رسول خدا اور بنی امیہ کے تھی۔ ابو سفیان اور انکے ساتھی کچھ لڑتے بھڑتے نہ تھے۔ خالی کھڑے ہوئے لڑائی کے تماشے دیکھتے تھے جب مسلمان مجاہدین کے سر بنی امیہ کے تلوارون سے اڑتے تھے۔ تو ابو سفیان اور انکے ہمراہی قہقہے لگاتے تھے۔ اگر جناب علی مرتضے اس جنگ مین شریک نہوئے ہوتے۔ تو یقیناً جناب رسول خدا کو شکست عظیم ہو جاتی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بنی امیہ کس اطوار کے لوگ تھے ابو سفیان جیسے شخص کو خلافت راشدہ کی طرف سے شام کی حکومت کا سپرد کیا جانا نہایت تعجب خیز امر ہے۔ ابو سفیان کی صاحبزادی معاویہ صاحب کس کیرکٹر شخص تھے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ مکر۔ حیلہ۔ فریب خون یہ سب باتین ان حضرت کے بائین ہاتھ کا کھیل تھین۔ حضرت کے صاحبزادے یزید صاحب تو احاطہ تعریف سے باہر تھے۔ جد و پدر کی بزرگیون کے علاوہ آپ نے تو خانہ کعبہ مین گھوڑے بند ہوائے۔ (دیکھو تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی) مرد مرد مین نکاح کرائے۔ بھائی بہن کے بیاہ کرا دیے وغیرہ وغیرہ۔ بنی امیہ کے پورے نمونے مروان صاحب بھی تھے۔ اسی طرح اور بھی اس قبیلہ کے حضرات جنکا ذکر طوالت سے خالی متصور نہین ہے مختصر یہ ہے کہ ہر عہد کے بنی امیہ کی بد اطواریان جہان مین اظہر من الشمس ہین متعصب و نا انصاف کی آنکھون مین اگر بنی امیہ خوش اطوار معلوم ہون تو کوئی جائے تعجب نہین ہے۔ و عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ۔ ایک نہایت حق آگین قول ہے ششم یہ کہ جسقدر بنی امیہ بدکردار تھے اسیقدر بنی ہاشم خوش اطوار تھے۔ بنی ہاشم کو بڑھاتا تھا۔ اور بنی امیہ کو دبا رکھتا۔ مگر جائے افسوس ہے۔ کہ حضرت عمر یا خلافت راشدہ کی طرف سے اسکے بالعکس کارروائی ظہور مین آئی۔ ہفتم یہ کہ بنی ہاشم ایسے کمزور نہ تھے کہ بنی امیہ کی تقویت سے فوراً نیست و نابود ہو جاتے۔ بنی ہاشم کا ضعیف کر ڈالنا ممکن تھا۔ جیسا کہ خلافت راشدہ کی کارروائیون سے ظہور مین آیا۔ مگر ان کا نیست و نابود کر ڈالنا ممکن الوقوع نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک عرصہ دراز تک بنی ہاشم و بنی امیہ اور بھی اپنے دیگر مخالفین سے لڑتے جھگڑتے رہے مگر نیست و نابود نہ کیے جا سکے۔ اگر بنی ہاشم کا نیست و نابود کیا جانا ممکن الوقوع ہوتا۔ تو تنزلاً بنی امیہ کی تقویت پولیٹکل پہلو سے بالکل غلط کارروائی نہوتی۔ اسلیے کہ جب بنی ہاشم نیست و نابود ہو جاتے۔ تو صرف بنی امیہ ہی رہ جاتے

ایسی حالت مین کوئی خانہ جنگی کے احتمال کی صورت سلطنت عرب مین نہوتی۔ مگر جب بنی ہاشم نیست ونابود نہ کیے جاسکے۔ تو خانہ جنگی کے اسباب موجود رہے۔ چنانچہ آخر وہی خانہ جنگیان بنی ہاشم اور بنی اُمیہ مین واقع ہوتی رہین۔ جن سے سلطنت کو بہت کچھ جانی مالی ملکی اور قومی نقصانات پہنچے۔ لاریب بنی اُمیہ کی تقویت خلافت راشدہ کی جانب سے بہت بڑی پولیٹکل غلطی تھی۔ بنی اُمیہ کو جو جناب رسولؐ خدا کا مفتوحہ گروہ تھا۔ اپنے حال پر چھوڑ دینا تھا۔ اگر بنی اُمیہ دبے رہجاتے تو آیندہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ مین خانہ جنگیان وقوع مین نہ آتین۔ خلافت راشدہ یا حضرت عمرؓ کی طرف سے بنی اُمیہ کیساتھ اسطرحکی اعانت کی دو وجہین معلوم ہوتی ہین۔ اول یہ کہ خلافت راشدہ نے اسکی ضرورت دیکھی۔ کہ بنی اُمیہ رضامند رکھے جائین اس لیے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پر اُنکو شام کا ملک دیدیا گیا حقیقت حال یہ ہے کہ بنی اُمیہ ایک بڑا دنیا طلب قبیلہ تھا۔ اسکو حصول دنیا کے سوا کوئی اور امر کبھی مدنظر نہوا مذہب سے یہ قبیلہ کوئی علاقہ نہین رکھتا تھا۔ اسلام کی توقیر اس قبیلہ کی آنکھ مین خس برابر بھی نہ تھی۔ اس قبیلہ کے سردار ابوسفیان جو ظاہرا مسلمان ہوگئے تھے یہ اُنکے لیے مجبوری تھی۔ آپ نے جب دیکھا کہ کافر رہنے مین کوئی فائدہ متصور نہین ہے۔ تو آپ نے اسلام قبول کرلیا۔ جب جناب رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو ابوسفیان نے آنحضرتؐ کی رحلت سے دنیوی فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے قریب ہی قریب سقیفہ کی کارروائی عمل مین لائی گئی۔ مگر ظاہرا اس کارروائی سے ابوسفیان کو اپنے فائدہ کا کوئی میدان نظر نہین آیا۔ تب ناچار ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ امر خلافت طے پاگیا۔ اور اے علیؑ تم اپنے حقوق سے محروم رہ گئے۔ اگر تم کہو تو ہم صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے بھر دین اور اس اجماعی خلافت کو غتربود کردین۔ حضرت علیؑ نے اُن وجہون سے جنکا ذکر اس کتاب مین آچکا ہے ابوسفیان سے ناراضی کیساتھ ارشاد فرمایا۔ کہ اے ابوسفیان تم جب کافر تھے۔ تب بھی فساد انگیزی کیا کرتے تھے۔ اور اب کہ تمنے ظاہرا اسلام اختیار کیا ہے۔ تمہاری وہی فساد انگیزی باقی ہے۔ یہ جواب پاکر ابوسفیان صاحب حضرات شیخین کی خدمت مین حاضر ہوکر فرمانے لگے۔ کہ تم لوگون نے خلافت کا انتظام کرلیا اور ہم کسی قسم کی فائدے کے شریک نہوسکے۔ اگر ہمارے لیے کچھ نہین کرتے۔ تو ہم اس خلافت کے معاملہ کو تہ و بالا کردین گے حضرات شیخین نے دیکھا کہ ابوسفیان اور اُن کا قبیلہ اگرچہ جناب رسولؐ خدا کی کارروائیون سے کمزور ہوگیا ہے تاہم اگر فساد انگیزی پر مستعد ہوجائیگا۔ تو خلافت کی خیر نظر نہین آتی۔ اس معاملہ پر غور کرنے کے بعد حضرات شیخین نے ابوسفیان سے فرمایا۔ کہ اگر تم خلافت کیطرف سے سلوک کیے جاؤ تو کیا اسپر بھی تم خلافت سے مخالفت کروگے ابوسفیان صاحب کو تو نہ علیؑ سے کوئی غرض تھی نہ حضرت شیخین سے کوئی مطلب انکو صرف اپنے حلوے مانڈے سے کام تھا شام کی حکومت جو خلافت راشدہ کیطرف سے پیش کی گئی۔ تو پھر اس خلافت اجماعی کے اچھے بُرے سے انکو کوئی غرض باقی نہین رہی۔ ظاہر ہے کہ یہ عنایت خلافت راشدہ کی ابوسفیان کیساتھ یہ مجبوری تھی حضرات شیخین کو کسی طرح

بلائی بلا کو ٹالنا تھا۔ سو وہ بلا آسانی کیساتھ ٹل گئی۔ امر واقعی بھی یہی ہے۔ کہ حضرات شیخین ابو سفیان کے مقابلہ مین مجبور تھے۔ ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔ پوشیدہ نہین ہی۔ کہ ابو سفیان ایک ممتاز قبیلہ کے سردار تھے ان کو اس اجماعی خلافت کا ہلا ڈالنا چندان دشوار نہ تھا۔ حضرت ابو بکر ممتاز قبیلہ کے آدمی نہ تھے آپ اپنے قبیلہ بنی تیم پر کچھ بھروسا نہین رکھ سکتے تھے۔ حضرت عمر کو بھی اپنے قبیلہ پر تکیہ نہین ہو سکتا تھا بنی ہاشم سقیفہ کی کارروائیون سے نہایت آزردہ ہو رہے تھے۔ جسوقت ابو سفیان سواران مکہ سے صحرائے مدینہ کو بھر دیتے۔ حضرات شیخین کی اجماعی خلافت معرض تزلزل مین پڑجاتی۔ ایسی حالت مین حضرات شیخین ابو سفیان صاحب کو حکومت شام دیکر خلافت کی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے یہ وقت ایسا نہ تھا کہ جناب رسول خدا کی اس ناراضی کو جو بنی امیہ کے ساتھ تھی۔ آپ دونون صاحب ملحوظ رکھ سکتے البتہ جناب علی مرتضے جناب رسول خدا کی پالسی سے انحراف نہین کر سکتے تھے۔ جیسا کہ اس معاملہ مین آپ کے طرز عمل سے ظاہر ہوا۔ دوم یہ کہ بنی ہاشم کی طرف سے حضرات شیخین مطلق مطمئن نہ تھے۔ ہر چند آپ دونون حضرات جانتے تھے۔ کہ جناب علی مرتضے کوئی سخت کارروائی خلافت کے خلاف اختیار نہ کرینگے۔ مگر کوئی شک نہین۔ کہ علی سقیفہ کی کارروائی سے خوش بھی نہین ہین۔ اسکے ساتھ اسکا بھی پورا یقین حاصل تھا۔ کہ بنی ہاشم بگڑے بیٹھے ہین۔ اگر علی ان کو نہ روک رکھتے۔ تو ہر شخص بنی ہاشم کا دست بہ شمشیر ہو جاتا۔ ایسی صورت مین حضرات شیخین بنی امیہ کو مصلحت خلافت یا مصلحت دنیوی کی بنیاد پر اگر نہ بڑھاتے تو کیا کرتے ظاہر ہے کہ بنی امیہ بنی ہاشم کے قدیم مخالف تھے۔ ایسی حالت مین مخالف کے مخالف کے ساتھ آشتی کرنا تمام تر قرین عقل تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ان دو بھاری مجبوریون سے حضرات شیخین نے بنی امیہ کو سر چڑھایا۔ اور حقیقت حال یہ ہی۔ کہ ہمیشہ ایک غلطی سے ہزارون غلطیان پیدا ہوتی ہین۔ خشت اول چون نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج۔ نہایت جائے حسرت ہی۔ کہ سقیفہ کی ایک اس غلطی نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا اور آج تک اس غلطی کا نتیجہ اہل اسلام بھگت رہے ہین۔ اور اگر اپنے خیالات کی اصلاح نہ کرینگے۔ تو تا قیامت اسی طرح بھگتا کرینگے۔ اب اہل اسلام واقعہ کربلا کے پولیٹکل پہلو پر معاملات بالا کو ملحوظ رکھکر جو رائے چاہین۔ قائم کرلین۔ ظاہرا یہ واقعہ بڑی پولیٹکل حیثیت تاریخ عرب مین رکھتا ہی اور اس واقعہ کے اسباب ایسے اہم ہین۔ کہ کوئی مورخ جو کچھ بھی قوت فیصلہ رکھتا ہی۔ اُن سے بڑے بڑے محققانہ نتیجے نکال سکتا ہی اہل نظر کی آنکھ سے یہ بات چھپ نہین سکتی۔ کہ اس واقعہ کا تخم وہی قول حضرت عمر کا یعنی عِندَنا کتابُ الله حسبنا ہے جس سے اجماع سقیفہ نے فوری طور پر صورت پکڑی۔ پھر جس اجماع سے خلافت کا درخت اُگا اور اسمین منجملہ دیگر اثمار کے واقعہ کربلا کا ثمر بھی لگا۔ یہ بات مذہبی پہلو سے نہین لکھی جاتی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو حضرات معاملات اقوام پر بے تعصبانہ نگاہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہین۔ انھین اس سے چارہ نہین ہے کہ اس واقعہ عظیمہ کو ایک پولیٹکل نتیجہ اُن غور طلب پولیٹکل معاملات کا سمجھین جو رحلت جناب رسالتمآب

کے بعد ہی اسکو ظہور مین آے گئے۔

خلافت حضرت ابو بکر کو علیؑ کیا سمجھتے تھے

ہر چند حضرت علیؑ نے خلافت حضرت ابو بکر پر تلوار نہین کھینچی جس کے سبب سے قبیلہ بنی ہاشم بھی چپ رہا۔ مگر یہ خلافت حضرت خلیفہ اول کی نہ حضرت علیؑ کو پسند تھی اور نہ بنی ہاشم کو حضرت علیؑ کی ناپسندیدگی آپ کے خطبہ شقشقیہ سے عیان ہے۔ اس خطبہ کی شرح علامہ ابن ابی الحدید نے کی ہے۔ اسکے شارح صاحب اجلہ محدثین و متکلمین اہل سنت سے ہین۔ فرقہ شیعہ سے نہین ہین۔ کون پڑھا لکھا آدمی ہے۔ جو خطبہ شقشقیہ اور اسکے شارح محترم سے واقف نہین ہے۔ چند فقرے اس خطبہ کے یہان درج کیے جاتے ہین اور وہ یہ ہین۔ اَمَا وَاللہِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِي قُحَافَةَ وَاِنَّهٗ لَيَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّي مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰى يَنْحَدِرُ عَنِّي السَّيْلُ وَلَا يَرْقٰى اِلَيَّ الطَّيْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَطَوَيْتُ عَنْهَا كَشْحًا وَطَفِقْتُ اَرْتَأِي بَيْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِيَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلٰى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ يَهْرَمُ فِيْهَا الْكَبِيْرُ وَيَشِيْبُ فِيْهَا الصَّغِيْرُ وَيَكْدَحُ فِيْهَا الْمُؤْمِنُ حَتّٰى يَلْقٰى رَبَّهٗ فَرَاَيْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰى هَاتَا اَحْجٰى فَصَبَرْتُ وَفِي الْعَيْنِ قَذًى وَفِي الْحَلْقِ شَجًا اَرٰى تُرَاثِي نَهْبًا حَتّٰى اِذَا مَضَى الْاَوَّلُ لِسَبِيْلِهٖ۔

ترجمہ۔ قسم خدا کی ابو بکر بن ابی قحافہ نے جامہ خلافت کو کھینچ تان کر بتکلف پہن لیا یعنی خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ میری جگہ اس خلافت کے مقابلہ مین قطب آسیا کی سی ہے۔ یعنی جسطرح آسیا بغیر میخ کے نہین پھر سکتی ہے۔ اسی طرح کار اسلام بغیر میرے نہین چلسکتا ہے۔ مگر ابو بکر اور اہل سقیفہ نے میری خلافت سے روگردانی کی اور مجھے خلافت سے دور رکھا مجھسے سیل جاری ہوتی ہے یعنی جسطرح بلندی کی طرف سے سیلاب نیچے کو آتا ہے۔ اسی طرح میری بلند پائگی سے دریائے علم جاری ہوتا ہے اور نہین پرواز کر سکتا ہے پرندہ میری پایہ بلند تک یعنی میرے مرتبہ علم و معرفت تک انسان کا طائر وہم و خیال بھی نہین پہنچ سکتا۔ پس ڈالدیا ہم نے خلافت ابو بکر پر پردہ اور اس سے مین نے پہلو تہی کی۔ اور اس امر مین مین نے فکر کرنا شروع کی کہ آیا اپنے دست بریدہ سے یعنی باوجود قلت اعوان و انصار بھی ابو بکر پر حملہ کر بیٹھون یا صبر کرون۔ بلائے تیرہ و تار پر یعنی خلافت ابو بکر پر جو ظلمت جہل و حق کشی کا حکم رکھتی ہے۔ یہ بلا ایسی بے درمان تھی۔ کہ جسکے صدمہ سے بڈھے بیکار ہوگئے اور کم سن بڈھے ہوگئے۔ اور ہر مومن تا دم مرگ رنج اوٹھاتا رہیگا۔ پس مناسب وقت یہی معلوم ہوا۔ کہ اس مصیبت پر صبر ہی کرنا بہتر ہے۔ پس صبر کیا مین نے درحالیکہ میری آنکھون مین گویا گرد پڑگئی تھی یعنی جسطرح گرد پڑجانے سے آنکھین پرآب اور پردرد ہوجاتی ہین۔ وہی کیفیت میری آنکھون کی ہو رہی تھی۔ اور میرے حلق مین گویا ہڈی اٹکی ہوئی تھی۔ مین اپنی میراث یعنی میراث خلافت کو لٹتے دیکھتا تھا۔

یہان تک کہ اُسی حالت مین خلیفہ اول نے وفات پائی" لاریب اقوال بالا مخالفین علیؑ کے لیے توکچھ بھی نہین ہین۔ مگر دوستداران علیؑ کے لیے تو بڑا بھاری سرمایہ رنج والم ہین۔ ظاہرا اقوال بالا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کی خلافت کو زور ون کیساتھ امر ناحق جانتے تھے۔ اور اپنے تئیں تمام تر خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ مگر مصلحت وقت کو ملحوظ رکھکر حضرت ابوبکر سے آمادہ جنگ وجدال نہین ہوئے۔ آپ نے صبر کا پہلو اختیار فرمایا۔ گو آپ کے قول کے مطابق حضرت ابوبکر کی خلافت ایک ایسی بلائے تیرہ وتار تھی۔ کہ جو ظلمت جہل وحق کشی کا حکم رکھتی تھی ان باتون کے علاوہ آپ خلافت جناب رسول خدا کو اپنی میراث سمجھتے تھے اور اس خلافت سے جو آپ محروم رکھے گئے اُسکو آپ اپنی میراث کا لُٹنا قرار دیتے ہین۔ جو حضرات اہل اسلام سے حضرت علیؑ کو سچا مانتے ہین وہ اقوال بالا کی نسبت اپنے دل مین فیصلہ کرلین۔ کہ یہ اقوال کیسے ہین اور ان سے کیا تاثیر دل مین پیدا ہوتی ہی۔ راقم کو رائے زنی کی کوئی حاجت نہین ہے۔ خدائے تعالےٰ نے انسان کو دل ودماغ آنکھ ناک کان وغیرہ کی نعمتین بخشی ہین۔ ان نعمتون کے حاصل رہنے پر بھی اگر انسان کندۂ ناتراش بنا رہے تو یہ کوئی قصور خدائے پاک کا نہین ہے اُسی بے مادہ انسان کا ہے۔ جو اُن سے تمتع حاصل کرنا پسند نہین کرتا۔

حضرت ابوبکر کی حیثیت خلافت پر نظر

واضح ہو۔ کہ ترمذی مسلم اور ابو داؤد نیز شرح عقائد نسفی اور شرح عقائد جلالی اور شرح نووی کی رو سے حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ ہی۔ کہ حضرت رسول خدا نے کسیکو اپنا خلیفہ نہین بنایا حضرت ابوبکر جو خلیفہ قرار دیے گئے۔ وہ فعل اُمت سی خلیفہ قرار دیے گئے۔ یعنی حضرت ابوبکر خلیفہ جماعت قرار پائے یا یہ کہیے۔ کہ خلیفہ من جانب الناس قائم کیے گئے۔ ایسی صورت مین ظاہر ہو کہ آپ کو رسول اللہ کا خلیفہ کہنا درست نہوگا۔ اسلیے جو اہل سنت آپ کو خلیفہ رسول اللہ سمجھتے ہین وہ اپنی ناواقفیت سے ایک بڑی غلط فہمی مین مبتلا ہورہے ہین۔

شرح عقائد نسفی صفحہ ۹۴ سے اہل سنت کا عقیدہ خلافت اور امامت کی نسبت یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اور نیابت رسولؐ کی دین کے قائم کرنے مین اسکی متقاضی ہی۔ کہ سب امت پر اُس خلافت اور نیابت کی بیعت واجب ہو۔ پھر اسپر اجماع ہی۔ کہ نصب کرنا امام کا واجب ہے خلق پر اور نہین واجب ہے اللہ پر بدلیل حدیث و بدلیل عقل۔ اس لیے کہ فرمایا ہی۔ رسولؐ خدا نے کہ جو شخص مرا اور اُسنے نہین پہچانا۔ اپنے امام وقت کو تو وہ کفر کی موت مرا۔ اور اسی سبب سے حضرت رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد ہی اصحاب رسولؐ اللہ نے نصب امام کو افضل ترین امور دین سی جانکر نصب امام کیا تا اینکہ نصب امام کو دفن رسولؐ خدا پر بھی مقدم جانا۔ حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ اس حدیث سے

کوئی شخص امام وقت کو نہ پہچانے اور بے پہچانے ہوئے امام وقت کے مرجائے تو ایسا شخص کافر کی موت مریگا۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ صرف امام کی معرفت واجب ہے۔ امام کا نصب کرنا واجب نہیں ہے ایسی صورت میں دفن رسول اللہ پر امام کے نصب کرنے کو مقدم کرنے سے دو معصیت امت کو نصیب ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابو بکر اور جمیع حاضرین سقیفہ بنی ساعدہ ایسے رسول محترم کے دفن کے ثواب سے محروم رہے۔ دوم یہ کہ امت نے جو امام نصب کیا۔ تو امت ایک بدعت کی مرتکب ہوئی اور شک نہیں کہ بدعت ضلالت ہے۔ نصب امام کا فعل بدعت اس لیے ہوا۔ کہ قرآن و حدیث سے نصب امام کی کوئی ہدایت نہیں ظاہر ہوتی۔ اگر نصب امام کوئی واجب امر ہوتا۔ تو خدای تعالے اس واجب کی خبر ضرور دیتا۔ اور رسول اللہ بھی ضرور فرما جاتے۔ کہ میری امت تم بعد میرے جسکو چاہنا اجماع کرکے اپنا امام مقرر کر لینا۔ اسی طرح نصب امام کا فعل خلاف عقل بھی ہے۔ اس لیے کہ عقل کبھی بر سر صواب ہوتی ہے۔ اور کبھی بر سر خطا۔ اسی بنا پر خدائے تعالے نے اس امر میں کہ جہاں نص شرعی نہو۔ عقل کے رو سے حکم دینا منع فرمایا ہے۔ لقولہ تعالے لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی یعنی اے محمد جسکو تمہارا جی چاہے اُسے مت اختیار کرو۔ ظاہر ہے کہ جب ایسا حکم خداوندی حضرت رسولؐ کے لیے ہے۔ تو عامۂ امت کو عقل کے ذریعے احکام شرعی کا جاری کرنا کب روا ہو سکتا ہے۔ اور بھی یہ قول خداوندی اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ۔۔ اس حکم بالا کا معین دکھائی دیتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ نص و عقل دونوں کی رو سے امام کا نصب کرنا ایک بدعت اہل سقیفہ سے صادر ہوئی اور یہ بدعت اُن کی ضلالت کی خبر دیتی ہے

اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ خود اجماعی طریقہ پر کوئی شخص نبی یا نبی کا خلیفہ مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ وقت آدمؑ سے لیکر پیغمبر خدا کے وقت تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص نبی یا نبی کا خلیفہ اجماع امت کے ذریعے سے مقرر ہوا ہو۔ جب ہوا یہی ہوا کہ خدا کی جانب سے نبی بھی مقرر ہوا اور خلیفۂ نبی بھی مقرر ہوتے رہے۔ حضرت آدمؑ کو خدائے تعالے نے نبی بھی بنایا اور اپنا خلیفہ بھی گردانا اسی طرح خدائے تعالے نے حضرت داؤد کو اپنا نبی بھی بنایا اور اپنا خلیفہ بھی قرار دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اور خلافت من جانب اللہ ہوا کرتی ہے۔ من جانب الناس نہیں ہوتی۔ حضرت ابو بکر جو جماعت کی طرف سے خلیفہ قرار پائے۔ تو یہ تقرر آپ کا ایک نئے طریقہ پر عمل میں لایا گیا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا یہ رنگ ہو کہ جو آپ کا خلیفہ ہوا اُسے نہ آپ مقرر فرما جائیں اور نہ خدائے تعالے مقرر فرمائے۔ اُسے ایک جماعت مقرر کرے۔ اور وہ بھی ایسی جماعت جو جماعت کامل ہونے کی حیثیت بھی نہ رکھتی ہو۔ یعنی کچھ لوگ مجتمع ہو کر اُسے سرسری طور سے خلیفہ مقرر کر لیں۔ اگر اجماعی طور سے حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنانا تھا۔ تو تمام دیار اسلام سے نہیں تو کم از کم مختلف قبائل عرب ہی کے سردار جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ بلا لیے جاتے۔ یہاں تو یہ حالت گذری کہ مدینہ کے باہر کے قبائل

تو درکنار قبیلہ بنی ہاشم تک کو جو مدینہ ہی مین رہتے تھے۔ اور جناب رسولؐ خدا کے رشتہ دار بھی تھے اس اجماع کی خبر نہین کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً ہاتھ بڑہا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے قاعدہ پر خلافت قائم کر دی گئی۔ بہت سے اصحاب نے بھی اس اجماع مین شرکت نہین کی۔ مثلاً زبیرؓ عتبہؓ خالدؓ مقدادؓ سلمانؓ ابوذرؓ براءؓ اور ابیؓ جو حضرت علیؑ کی طرف میلان رکھتے تھے۔ تمام واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت من جانب اللہ تو تھی ہی نہین کامل طور پر من جانب الناس بھی قرار نہین پائی۔ ایسے ناقص اجماع کو کوئی صاحب حواس الیکشن (Election.) نہین قرار دیسکتا۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس عجلت کیساتھ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ خلیفہ نہ بنا ڈالتے اور حقیقت مین الیکشن کی کارروائی قاعدے کے ساتھ برتی جاتی۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ جماعت قرار پانا دشواری سے خالی نہوتا۔ آخر مین میری گذارش یہ ہے کہ حضرات اہل سنت کا یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہؐ نے کسیکو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ محض لغو ہے حق یہ ہے کہ بحکم خدا حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ قولی اور فعلی طریقون سے بنایا تھا۔ مگر آپ کی خود غرض امت نے آپ کی تجویز کو غت ربود کر دیا۔ یہ تجویز ظاہر مین رسول اللہؐ کی مگر حقیقت مین خدائے تعالے کی تھی۔ اُسکے معقول ہونے مین کوئی گفتگو نہین ہوسکتی۔ علیؑ واقعی ایسے بزرگ تھے کہ امت رسول اللہؐ مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور آپ کے خلیفہ قرار دیے جانے مین بہت سی خوبیان ملحوظ تھین۔ جیسا کہ سابق مین راقم حوالہ قلم کر چکا ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ امر خلافت نبی اور خدا کیطرف سے قرار پاتا ہے۔ اجماع امت کو اسمین مطلق دخل نہین ہے۔ جیسا کہ یہ قول خدا "وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ" سے ظاہر ہوتا ہے۔ قصہ اسکا یہ ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے دو خلیفہ یا دو نائب قریۂ انطاکیہ کو بھیجے تھے مگر انطاکیہ والون نے اُن کی تکذیب کی۔ تب ایک خلیفہ یا ایک نائب اور بھیجکر اُن دونون کی مدد کی گئی۔ اس آیت مین خدائے تعالے حضرت عیسےٰ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیکر فرماتا ہے۔ کہ ہمنے رسولون کو قریۂ انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا۔ لاریب اس آیت سے ہویدا ہے کہ خلافت یا نیابت خدا اور رسول کے سوا اور کسی ذریعہ سے نہین قائم کی جاسکتی۔ بلکہ اس آیت خداوندی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا خلیفہ کوئی نبی بھی مجرد اپنی تجویز سے نہین بنا سکتا۔ اپنے خلیفہ کے قرار دینے کے لیے خدائے تعالے سے نبی کو بھی منظوری کی حاجت نظر آتی ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ پارہ (۱۶) مین خدائے تعالے کے اس قول "وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي" سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی حضرت موسےٰ علیہ السلام نے درگاہ ایزدی مین عرض کی کہ اے خدا بنا تو میرے لیے وزیر میرا میرے اہل بیت سے میرے بھائی ہارون کو تاکہ

آسان ہوں میرے کام اور میرے امور مین میرا شریک ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ اگر خلافت اپنے اختیار سے کرنا ہوتی تو حضرت موسےٰ کو ضرورت کیا تھی کہ خدا سے درخواست کرتے کہ تو میرے بھائی کو میرا خلیفہ بنا۔ اس درخواست کے قبول ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ تم خلیفہ میرے ہو میری قوم مین کقولہ تعالےٰ (دیکھو سورۂ اعراف) وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي۔ اگر خدائے تعالےٰ کی منظوری کی حاجت نہ ہوتی تو حضرت موسےٰ اپنے اختیار سے حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بنا دیتے۔ یا کسیکو خلیفہ بنائے بغیر میقات پر چلے جاتے اور بنی اسرائیل اپنی تجویز سے خلیفہ بنا لیتے۔ حضرت ہارون کے خلیفہ بنائے جانے کی نسبت خدای تعالےٰ سورۂ فرقان مین بھی یون فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ نبی کا وزیر خلیفہ یا نائب بنانے کا اختیار صرف خدا کا ہے۔ کسی نبی کو بھی یہ اختیار نہین ہے کہ جسکو چاہے اپنا وزیر خلیفہ یا نائب بنالے۔ پس خدا رحم فرمائے اس اُمت پر جس نے اپنے اختیار سے جناب رسولؐ خدا کے بعد اپنے اوپر حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنا لیا۔ اور خدا اور رسولؐ خدا کی مرضی کیطرف رُخ بھی نہ کیا۔ اس اُمت کا یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ خدا اور رسولؐ خدا نے کسیکو خلیفہ نہین مقرر کیا۔ بڑا حیرت انگیز مضمون ہے۔ اِسے عقل گوارا نہین کر سکتی۔ کہ انبیائے سابق کے خلفا تو حکم خداوندی سے بڑی لحاظ و خیال کے ساتھ مقرر کیے جائین۔ اور جناب رسولؐ خدا کی اُمت پر کوئی خلیفہ خدا کیطرف سے مقرر نہ کیا جائے اور یہ امت مطلق العنان اسطور پر چھوڑ دی جائے۔ کہ اپنا خلیفہ آپ مقرر کرے۔ ظاہر ہی کہ یہ امت امم سابقہ سے ممتاز تر پایہ رکھتی تھی اُنکے ساتھ خدا کی اسطرح کی بے اعتنائی بعید از عقل و قیاس ہی۔ لاریب خدا نے اور خدا کے رسولؐ نے حضرت علیؑ کو خلیفہ مسلمانون پر مقرر کیا تھا۔ جیسا کہ واقعہ خم غدیر سے نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر طالبان دنیا نے نعمت دنیا کو نعمت آخرت پر مرجح سمجھ کر حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے نہ دیا۔ المختصر حضرت ابو بکر کی خلافت من جانب اللہ تو ہو ہی نہین سکتی۔ مگر من جانب الناس بھی ناقص دکھائی دیتی ہے۔ جب حضرت ابو بکر کی خلافت کا یہ طور ہی تو حضرت عمر کی خلافت تو کوئی موقر حیثیت رکھ ہی نہین سکتی۔ یعنی آپ کی خلافت ایک ایسے حضرت خلیفہ کی قائم کردہ ہے جو خود من جانب اللہ خلیفہ نہ تھے۔ اور من جانب الناس بھی ایک ناکمل حیثیت خلیفہ ہونیکی رکھتے تھے بناءً الفاسد علی الفاسد کی بنیاد پر حضرت عمر کی خلافت بالکل بے قاعدہ نظر آتی ہے اور اس رو سے آپ صرف خلیفہ حضرت ابو بکر کے جانے کا استحقاق رکھتے ہین۔ یہ خیال کہ آپ یکے از خلفائے حضرت رسولؐ خدا ہین محض غلط ہے۔ خود یہ حدیث ثلثون سنۃ کی جس سے یہ کہا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ تیس سال کا تھا۔ تمام تر وضعی حیثیت رکھتی ہی۔ اگر واقعی یہ حدیث رسول اللہ کی ہوتی۔ تو ضرور عرصہ چارون خلافتون کا تیس برس تک پہنچتا۔ مگر یہ تیس برس کا عرصہ امام حسن علیہ السلام کی چھ مہینے کی خلافت

کو ملا کر بھی پورا نہین ہوتا - لاریب یہ حدیث وضعی ہی - اور بلاشبہ اس غرض سے وضع کی گئی ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتین مقبولۂ رسول اللہ قرار پاکر خلافت راشدہ تسلیم کیجائین -

خلافت من جانب الناس و خلافت منجانب اللہ

واضح ہو کہ بالا مین راقم نے حضرت علیؑ مرتضےٰ کی جانشینی کی پولیٹکل ضرورت دکھلائی ہی - اس پولیٹکل پہلو کے مطابق اگر جناب علیؑ مرتضےٰ رسولؐ مقبول کے بعد خلیفہ قرار پاتے تو آپ کی یہ خلافت من جانب الناس ہوتی - جیسا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتون کو اکابر اہل سنت من جانب الناس مانتے ہین - مگر مذہبی عقیدہ راقم اور اہل تشیع کا یہ نہین ہے - کہ پولیٹکل ضرورتون سے علیؑ کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا - افراد امامیہ کا مذہبی عقیدہ یہ ہے - کہ جناب علیؑ مرتضےٰ من جانب اللہ جناب رسولؐ خدا کے خلیفہ ہین - آپ کی خلافت کا تقرر من جانب الناس ہونے کا محتاج نہ تھا - خدا ہی نے آپ کو اور بقیہ ائمہ خاندان پیغمبرؐ خدا کو اپنے رسولؐ پاک کا جانشین دین و دنیا مین بنایا ہے یہ تمام تر روحانی سلسلہ خلافت اور امامت کا ہے - اور اسمین مادی ذرائع کو کسیطرح پر بھی دخل نہین -

معاملات عالم پر نظر تحقیق کی حاجت

بھائیو راقم کی قابل لحاظ گذارش یہ ہے - کہ صاحب عقل کو چاہیے - کہ ہر معاملہ کو عام اس سے کہ اسکو تعلق شاعری مذہب پالیٹکس یا کسی علم یا کسی فن کے ساتھ ہو - نظر تحقیق سے دیکھے - تعصب یا غرض کا چشمہ لگاکر اگر کوئی شخص عالم کا معائنہ کرے گا - تو چہرۂ حقیقت کی دیدار اُسے نصیب نہوگی دنیا مین محقق مزاج آدمی کم ہین ایسے بہت تھوڑے ہین - جو آزادانہ طور پر کسی رائے کے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہون - بیشتر آدمی ایسے ہی ہین - جو کورانہ تقلید کے سوا کچھ نہین کر سکتے - کورانہ تقلید کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے محتاج بیان نہین ہی - انسان کا فرض منصبی ہی - کہ انکشاف حقیقت کرکے کوشان ہو پہلے تحقیق کی زحمت گوارا کرے - تب کوئی رائے قائم کرے - مگر حق جو حق طلب اور حق بین آدمی دنیا مین کم ہین بیشتر بنی آدم ایسے ہی ہین - کہ تحقیق کے بغیر رای قائم کر لیتے ہین - اور اُسپر عامل ہوتے ہین ایسے اشخاص تحقیق کی بنیاد پر رائے قائم نہین کیا کرتے - اگر ایک ہمسایہ کہتا ہی - کہ چین مین کوا سفید ہوا کرتا ہی - تو چین گئے بغیر یا کسی چینی سے حقیقت حال دریافت کیے بغیر یا کسی محقق کی کتاب حیوانات کو ملاحظہ کیے بغیر پورے طور پر رائے قائم کر لیتے ہین - کہ چین مین ضرور کوا سفید ہی ہوتا ہی - عوام کی یہی حالت ہی - اور اُن سے کسی امر کی تحقیق پر داد کی امید رکھنی بالکل خلاف عقل ہی - اسی بنیاد پر راقم کو اپنی اس کتاب کے مقبول عام ہونے کی کوئی امید نہین ہی - چونکہ فقیر کی یہ تصنیف عوام کو خیال کر

بہ مراحل دور ہے۔ اہل تحقیق اور اہل الرائے کے سوا عوام کو اسکا پسند آنا بعید از توقع ہی مقبول عوام ہونے کے واسطے جو چیزین درکار ہین۔ وہ اس کتاب مین نہین ہین۔ اول تو اسکی عبارت رنگینی سے تمام تر معرا ہے۔ دوم یہ کہ راقم کی تحقیقات کے نتائج جو مندرج ہذا ہین خیالات عوام کی مطابقت نہین رکھتے ہین۔ سوم یہ کہ یہ کتاب ایشیائی مذاق سے علیحدہ انداز رکھتی ہی۔ چہارم یہ کہ یہ کتاب آل محمد کے ذکر سے مملو ہے۔ ظاہرا اس ملک کی اسلامی دنیا کا مذاق نہین ہی۔ کہ آل محمد کے محامد اور محاسن اشاعت عام پائین اور اُنپر حکیمانہ نظر ڈالی جائے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی وجہین ہین جو اس کتاب کو مقبول عوام ہونے سے روکنے والی ہین۔ اور جنکے ذکر کی یہان حاجت نہین ہے خیر یہ کتاب مقبول عوام ہو یا نہو۔ مگر راقم نے اس کتاب مین اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات حوالۂ قلم نہین کی ہے۔ اور منشا اس کتاب کا خیر اندیشی خلائق کے سوا دوسرا نہین ہی۔ بلاشبہ زمانہ کا منہ دیکھکر یہ کتاب نہین لکھی گئی۔ کسی والی ملک یا کسی دولتمند یا کسی فرقۂ خاص کے خوش کرنے کو اسکی تصنیف عمل مین نہین لائی گئی ہے۔ حقگوئی حق جوئی حق بینی کے اصول پر یہ کتاب احاطۂ تحریر مین آئی ہے۔ برب کعبہ دنیا طلبی اس کے مصنف کو خس برابر بھی مرکوز خاطر نہین ہے۔ اسکا تو خیال بھی راقم کے دل مین جگہ نہین پا سکا ہی۔ کہ یہ کتاب چار پیسے بھی اُسکے جیب مین لانے والی ہوگی۔ صرف حق گوئی راقم کو منظور نظر ہی۔ اور مسلسل حق گوئی کے ساتھ اسوقت تک یہ کتاب زیر تصنیف رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکے مصنف کو کوئی دنیوی تعلق نہین ہے۔ کہ جسکے باعث وہ جادۂ راستی سے انحراف اختیار کرتا راقم کو جو باتین حق معلوم ہوئین۔ انہین افادہ خلائق کی نظر سے حوالۂ قلم کرتا گیا۔ اس عاجز نے اپنی دانست مین کہین بھی حق کے پہلو کو نہین چھوڑا ہے۔ نفسانیت اور تعصب کو کسی جگہ راہ نہین دیا ہی اور کیون جادۂ حق سے انحراف گوارا کرتا۔ جبکہ دل آزاری حق تلفی خود غرضی رنگ آمیزی وغیرہ اسکی نظر مین جہنم کی ذلت کا حکم رکھتی ہین جب اس کتاب کے مصنف کو نام آوری کی ہوس ہی نہین حصول دولت کی تمنا ہی نہین۔ عزت یابی کی جستجو ہی نہین تو ان آزادیون کے ساتھ پھر کیون غلامی کی راہ اختیار کرتا دنیا اور اہل دنیا سے بے سروکار پیری و مریدی کے پیشہ سے منزلون دور مولوی اور مولانا کے اعزازی تمام سے بے پروا قومی عزت کے نام سے نافر سرکاری احترامات سے مستغنی پھر وہ اس عالم کی کون چیز ہے جو راقم کی راست گفتاری کی راہ بند کر سکتی۔ ان آزادیون پر بھی اگر کوئی مصنف حق گوئی کا شیوہ ترک کرے تو خدا ہی اسپر رحم فرمائے۔ ظاہرا یون تو ایسا شخص رحم خداوندی کا مستحق نہین معلوم ہوتا۔

رسول اللہ کی خلافت حسب قول فریقین

واضح ہو کہ مذہب اہل تسنن اور مذہب اہل التشیع کا باہمی اختلاف صرف اسی امر مین نہین ہے

کہ اہل سنت اور اہل تشیع اپنے اپنے دوازدہ خلفا کو علیحدہ علیحدہ شمار کرتے ہین۔ بلکہ بڑے اختلاف کا یہ امر بھی ہے۔ کہ اہل سنت اپنے خلفا کو برخلاف اہل تشیع کے خلفامن جانب الناس مانتے ہین۔ شیعہ کہتے ہین کہ جناب رسول خدا کی خلافت من جانب الناس ہو ہی نہین سکتی۔ جب ہوگی من جانب اللہ ہی ہوگی۔ اس فرق پر لحاظ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت من جانب الناس ایک ایسی چیز ہے کہ جسمین وحی والہام یا کسی روحانی معاملہ کو دخل کی حاجت نہین ہے اور نہ اسکے لیے عصمت کی شرط کوئی ضروری چیز ہے۔ برخلاف اسکے خلافت من جانب اللہ کو ایسے روحانی امور اور شرط عصمت سے چارہ ہی نہین ہے۔ ظاہرا اہل سنت امر خلافت کو ویسا ہی سمجھتے ہین جیسا کہ دنیا کی جمہوری سلطنتون مین پریزیڈنٹ کا تقرر ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہین کہسکتا کہ امریکہ یونائیٹڈ سٹیٹ (United States) اور یورپ مین فرانس کے پریزیڈنٹ جو اشخاص مقرر ہوا کرتے ہین۔ وحی والہام یا اور کسی روحانی ذرائع سے مقرر ہوتے ہین ہر شخص جانتا ہے۔ کہ ایسے عہدہ دار کا تقرر منجانب الناس عمل مین آیا کرتا ہے۔ اہل سنت کے خیالات خلافت دوازدگانہ کے بارے مین تمام تر اسی رنگ کے ہین۔ اور دنیاوی پہلو سے اپنی وضع پر ایک گونہ پختہ انداز بھی رکھتے ہین۔ اسی خیال کی بنیاد پر اپنے دوازدہ خلفا کی خلافتون کو اہل سنت اجماع یا استخلاف یا شوریٰ یا غصب وقہر کی شرط پر موقوف سمجھتے ہین۔ ظاہر ہے کہ یہ شرطین کسی قسم کا روحانی پہلو نہین رکھتی ہین۔ مختصر یہ کہ اہل سنت کا خیال خلافت کے بارے مین یہ ہی۔ کہ جب جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی۔ تو آنحضرت کے جانشین یا خلیفہ حضرت ابوبکر اجماع سقیفہ کے ذریعہ سے ہوئے جب آپ رحلت فرما گئے۔ تو حضرت عمر کو آپ اپنا جانشین استخلاف کے وسیلہ سے بنا گئے۔ اور جب حضرت عمر کی رحلت کا وقت قریب آیا۔ تو اُنھون نے خلافت کو شورے پر چھوڑا۔ شورے کے ذریعہ سے حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے علی کس شرط کے ذریعہ سے خلیفہ قرار پائے۔ اسکا کوئی پتہ اہل سنت کی کسی کتاب سے نہین لگتا بہر حال جب حضرت معاویہ کی خلافت کا زمانہ آیا۔ تو آپ قہر وغصب کی روسے خلیفہ برحق قائم ہوئے ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک غیر روحانی طریقہ خلافت کی قرار دہی کا ہے۔ اسلیے اسطریقہ مین وحی الہام یا کسی اور روحانی ذرائع سے استعانت کی کوئی حاجت متصور نہین ہی۔ بس جاننا چاہیے۔ کہ خلافت منجانب الناس کا عقیدہ خاص اہل سنت کا ہی۔ اور اسی کی پابندی کی وجہ سے اس فرقہ کے بہت سے حضرات علما جیسے کہ علامہ نووی شارح مسلم اور علامہ ابن حجر صاحب فتح الباری و امام رازی مؤلف نہایۃ العقول وغیرہ حضرات خلفائے ثلثہ یا دیگر خلفا کی خلافتون کو کسی نص قرآنی یا حدیث نبوی پر مبنی نہین جانتے ہین مگر بعض سنی علما ایسے ہین جو اسطرح کے مادی طریقہ کی خلافت سے پورے طور پر مطمئن نظر نہین آتے اور بھی اسوقت کے حضرات اہل سنت سے کوئی شخص ایسا نظر نہین آتا ہے۔ جو خاص کر حضرت ابوبکر

خلافت کو مجرد ایک اجماعی امر قبول کرنا پسند کرتا ہو۔ فقیر نے اپنے عصر کے حضرات علمای اہل سنت کے انداز گفتگو سے جسقدر دریافت حال کیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت حضرت ابوبکر کی اُن کے عقیدہ کی رو سے مجرد ایک اجماعی امر نہین ہے۔ بلکہ اسی طرح حکم خدا اور رسول سے ظہور مین آئی ہے۔ جیسا کہ علمای امامیہ امر خلافت کو تمام تر نص و حدیث پر مبنے جانتی ہے اور اسی بنیاد پر اُسے ایک امر من جانب اللہ قرار دیتے ہین۔ اب امر تحقیق طلب یہ ہے۔ کہ آیا کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی ایسی ہے۔ کہ جسکے مطابق حضرت ابوبکر اور آپ کے بعد خلفا جناب رسول خدا کے خلیفہ مقرر ہوتے گئے۔ کچھ علمائے اہل سنن نص قرآن و نص حدیث دونون کے ذریعہ سے امر خلافت کو حق ثابت کرنے مین کوشان نظر آتے ہین۔ اور علمائے شیعہ اسکی رد مین بہت کچھ حوالہ قلم کر چکے ہین اس کتاب مین اسکی پوری گنجایش نہین ہے۔ کہ فریقین کی بحث خلافت جگہہ پا سکے مبحث اس کتاب کا اسباب واقعہ کربلا ہے۔ اور واقعی اس کتاب کو اس سے کوئی خاص تعلق نہین ہے۔ کہ آیا خلافت حضرات خلفائے ثلثہ کی حق تھی یا ناحق۔ راقم کو اسی قدر دکھلانا تھا۔ کہ اس خلافت سے واقعہ کربلا کیا تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ تعلق دکھلایا جا چکا ہے۔ اسپر بھی راقم نے اس کتاب مین تمام ایسی آیات اور احادیث سے بحث کی ہے۔ جنکو اہل سنت خلافت حضرات خلفائے ثلثہ پر دلیل گردانتے ہین۔ مگر سردست راقم اس جگہ پر صرف دو آیتون کی نسبت ذیل مین اظہار خیال کرتا ہے۔ جنمین سے ایک کو حضرات اہل سنت خاص حضرت ابوبکر کی خلافت حقہ کی دلیل گردانتے ہین اور دوسری کو حضرات خلفائے راشدین کی خلافتون کی دلیل قرار دیتے ہین۔ اب ضرور ہے کہ طالبان حق ان دونون آیتون پر نظر غور ڈالین۔ اور دیکھین کہ ان آیتون سے حضرات خلفای راشدین کی خلافت اچھی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ یا نہین۔؟

آیت غار

حضرت ابوبکر کی حقیت خلافت کی نسبت حضرات اہل سنت آیت غار یعنی ثانی اثنین اذ ہما فی الغار سے استدلال فرماتے ہین۔ پوری آیت غار یہ ہے۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذ اَخرجہُ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقولُ لصاحبہ لا تحزن اِنَّ اللّٰہ معنا فانزل اللّٰہ سکینتہٗ علیہ وایدہٗ بجنود لَّم تروھا" یعنی اگر تم لوگ (اے جی چرانیوالے اور ڈرپوکو) نہ مدد کروگے اس رسول کی تو اسکا اللہ مددگار ہے۔ پس بہ تحقیق مدد دی اُسکو اللہ نے جبکہ نکالا اُسکو اُن لوگون نے جو کافر تھے درحالیکہ وہ رسول ایک اُن دو کا تھا۔ جبکہ وہ دونون غار مین تھے جبکہ وہ یعنی رسول کہتا تھا اپنے ساتھی سے کہ مت غمگین ہو بہ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس نازل کی

اللہ نے تسکین اوپر اُسکے (یعنی حسب قول امامیہ اوپر اُس رسولؐ کے اور بقول اہل سنت اوپر حضرت ابوبکر کے) اور موید کیا اسکو (یعنی اُس رسول کو) ساتھ ایسے لشکر کے کہ جسکو تم نے دیکھا۔ اِس آیت سے حضرات اہل سنت حضرت ابوبکر کے انواع طرح کے فضائل ثابت کرتے ہین حتی کہ آپ کی خلافت اور امارت تک اُن کے نزدیک اِس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ امامیہ کہتے ہین کہ اِس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت اور امارت تو درکنار اُن کی کسیطرح کی فضیلت ہی نہین ثابت ہوتی۔ بلکہ اسکے برعکس معاملہ نظر آتا ہے۔ حقیقت حال کی دریافت کے لیے ضرور ہے کہ ہم اس آیت کریمہ کے اجزا پر نظر غور ڈالین۔ واضح ہو کہ آیت بالا کے اتنے ٹکڑے ہین جو نزاعی معلوم ہوتے ہین۔ اول "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" دوم "لِصَاحِبِهٖ" سوم "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" چہارم "سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ" ذیل مین ہر ٹکڑے کی حقیقت کو ہم نذر ناظرین کرتے ہین۔

اول "ثانی اثنین" اسکی نسبت حضرات اہل سنت ارشاد فرماتے ہین۔ کہ "ثانی اثنین" سے مراد حضرت ابوبکر ہین۔ اور بعد جناب پیغمبر خدا کے دوسرے شخص ہین۔ جو ادائے مناصب دینی کے واسطے ہی طور پر مقرر کیے گئے ہین۔ امامیہ کہتے ہین کہ "ثانی اثنین" سے مراد خود جناب رسول خدا ہین۔ حضرت ابوبکر نہین ہین۔ اور آیت شریفہ مین ادائے مناصب دینی کا نہ ذکر ہے نہ اشارہ اسمین صرف ایسے لوگون کی شکایت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ جو اُسکے رسولؐ کی مددگاری مین پس و پیش کرتے ہین اور وہ لوگ ایسے ہین کہ یا تو جہاد سے جان چراتے ہین یا جانثاری کے عوض میدان جنگ سے ہمیشہ فرار ہوجایا کرتے ہین۔ مثلاً فرارین احد کہ جس مین خود حضرت ابوبکر بھی داخل ہین۔ یہ ایسے افراد ہین۔ جو بدر و خندق و خیبر و حنین مین کچھ بھی جہاد فی سبیل اللہ نہ کرسکے۔ اور ہمیشہ جناب رسول خدا کو محل خطر مین چھوڑ کر بھاگ جایا کیے۔ پھر ثانی اثنین اور ثلث ثلثہ کے معنی احد الاثنین کے ہین جو منجملہ دو شخص غار کے اندر والون کے ایک تھا۔ اور جو اپنے ساتھی کو یعنی اس دوسرے کو جو اُسکے ساتھ غار مین تھا۔ مضطرب الحال دیکھکر فہمائش کر رہا تھا۔ ظاہر بظاہر یہ فہمائش کرنے والے جناب رسولؐ خدا تھے نہ حضرت ابوبکر۔ اس ٹکڑے سے تو حضرت ابوبکر یا کسی شخص کی خلافت کسی طرح پر ثابت نہین ہوتی اس ٹکڑے کو امر خلافت و امارت سے کسی طرح کا تعلق نظر نہین آتا۔ حقیقت حال تو یہ ہے۔ یون ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہین۔

دوم "لصاحبه" حضرات اہل سنت فرماتے ہین۔ کہ "لصاحبه" خداوند تعالےٰ حضرت ابوبکر کی صحابیت کو ثابت فرمایا ہے۔ امامیہ حضرت ابوبکر کی صحابیت سے انکار نہین کرتے۔ مگر یہ کہتے ہین کہ صحابیت بجائے خود کوئی ایسی شے نہین ہے کہ جو عدم ایمان کی حالت مین بھی سرمایۂ فضائل و مجد سمجھی جائے۔ لاریب جناب رسولؐ خدا کے وہی صحابی لائق امتیاز ہین۔ جو صاحب ایمان بھی ہین۔ ورنہ مجرد صحابی

ہونے سے کوئی فائدہ حاصل نہین ہو سکتا - ایسے صحابی کس کام کے ہو سکتے ہین جنکی نسبت خدا تعالے
کے کلمے خدائے تعالے قرآن مین ارشاد فرمائے - جیساکہ اس آیت مین اُن ظاہر صورت مسلمان صحابی
کی نسبت ارشاد فرماتا ہے - جو جناب رسولِ خدا کی مددگاری سے جان چراتے رہے - یا رسول اللہ کو
میدان جنگ مین محل خطر مین چھوڑ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے رہے وغیرہ - ظاہرا اس آیت مین اُس
صحابی اور صحابیت کا ذکر ہی نہین معلوم ہوتا - جو معروف عام ہے - یہان پر صاحب سے مراد
وہ ساتھی ہی - جو غار مین رسول اللہ کے ساتھ تھا - یعنی حضرت ابوبکر جو غار مین جناب رسول اللہ کیساتھ تھے
یہان صاف صاف اور ظاہر بظاہر طور پر تو صاحب کا یہی مطلب نظر آتا ہے - یون ہٹ دھرمی کی
اور بات ہے - علاوہ اسکے صاحب کوئی ایسا لفظ نہین ہی - کہ اسکا استعمال صرف باوقعت اشخاص
تک محدود ہو غیر معزز اشخاص کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہو - جیساکہ سورۂ یوسف مین خدائے تعالے
اُسے ایسے اشخاص کی نسبت استعمال فرماتا ہے - جو کسی طرح کا دنیوی یا دینی اقتدار نہ رکھتے تھے پس
مجرد لفظ صاحب سے کوئی فضیلت حضرت ابوبکر کی ثابت نہین ہوتی - اس سے ساتھی ہونا ثابت
ہوتا ہے - مگر اس سے کسی طرح کا اقتدار دینی یا دنیوی آپ کا ثابت نہین ہوتا - یعنی اس سوا آپ کا
ویسا ساتھی ہونا نہین ثابت ہوتا ہے - جسکے لیے ضرور ہے - کہ صاحب وجاہت بھی ہو -

سوم - لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا - حضرات اہل سنت فرماتے ہین - کہ ان الفاظ قرآنی سے ثابت
ہوتا ہے - کہ جناب پیغمبر خدا نے حضرت ابوبکر کو تسلی دی - اور خدا کی حفاظت اور نصرت مین انکو
اپنا ساتھی بنایا - امامیہ کہتے ہین - کہ ان الفاظ سے حضرت ابوبکر نے رسول اللہ کی نصرت اور مددگاری
کی نظر سے رسول اللہ کے ساتھ ترک وطن نہین فرمایا تھا - جب مکہ سے آپ جناب پیغمبر خدا کے ساتھ
نکلے - تو اعدا سے بچنے کی نظر سے پیغمبر خدا نے ایک غار مین پناہ لی اور حضرت ابوبکر بھی آنحضرت کیساتھ
غار مین داخل ہوئے - مگر غار مین حضرت ابوبکر کا یہ حال ہوگیا - کہ آپ آمد اعدا سے لگے گریہ وزاری
کرنے - اُسپر رسول اللہ کو فہمائش کی حاجت ہوئی - چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ اے شخص تو کیون
روتا ہے - مگر آنحضرت کے اس فرمانے سے بھی آپ کا رونا موقوف نہین ہوا - لاریب ایسی حالتمین
کہ رسول اللہ دشمنون کے خوف سے ایک غار تاریک مین جا چھپے تھے - سکوت اور سکون کی بڑی
ضرورت تھی - ظاہرا یہ بے محل کا رونا رسول اللہ کو پکڑوا دیتا - اس لیے کہ آنحضرت کے اعدا آپ کی
تلاش مین نکلے تھے - تعجب ہی کہ سراقہ درِ غار پر آپہنچا - اور اسوقت بھی حضرت ابوبکر کو رونے سے
افاقہ نہین ہوا - اگر کہین وہ دشمن دین غار مین گھس آتا - تو حضرت ابوبکر کی مضطرب الحالی کا جو رنگ
ہو رہا تھا - اُس سے یہ امید نہین کیجاتی - کہ حضرت ابوبکر کسی وضع کی مدد جناب رسول خدا کو دے سکتے
بقرینۂ غالب اکیلے اُس کمبخت سے جناب پیغمبر خدا ہی کو کشتی کرنا پڑتی - المختصر ایسے مضطرب الحال ساتھی کو

جناب پیغمبرِ خدا نے یہ فرما کر سمجھایا کہ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" تو اس سے اُس ساتھی کی کیا تعریف
نکلی۔ البتہ اس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ جناب پیغمبرِ خدا کا جو ساتھی تھا۔ باوجود اسکے کہ اسکو معلوم تھا
کہ خدائے تعالےٰ اپنے رسول کو کافرون کے ہاتھ سے ہلاک نہونے دیگا۔ اُسپر بھی اُسکو خدا پر بھروسا نہ تھا
جاننا چاہیئے۔ کہ "لَا تَحْزَنْ" کے ساتھ حضرات اہل سنت "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" سے تو اور بھی
فضائل حضرت ابوبکر کے ثابت کرتے ہین "مَعَنَا" سے طرح طرح کی معیت بتاتے ہین لاریب
مولویت عجب چیز ہے۔ کبھی معیت من حیث التائید والنصرہ۔ اور کبھی معیت من حیث العلم والقدرہ
کے بیانات سے اپنی تقریرون کو جلوہ دیتے ہین۔ اور آخر مین یہ بھی دکھلاتے ہین۔ کہ بقول آنحضرت
"معنا" سے حضرت ابوبکر کے ساتھ خدا کی معیت ثابت ہوتی ہے۔ امامیہ کہتے ہین۔ کہ یہ سب
سخن سازیان ہین۔ درحقیقت یہ کوئی وقعت انگیز معیت نہین ہے۔ کہ جس سے حضرت ابوبکر کی کوئی
تعریف ثابت ہوتی ہو۔ اس سے حضرت ابوبکر کی کیا تعریف نکلتی ہے۔ کہ جناب رسولؐ خدا فہمائش
کر رہے ہین۔ کہ اے شخص مبتلائے غم نہ رہ۔ اللہ ہم لوگون کا مونس و مددگار ہے۔ تو سمجھتا ہے۔ کہ
دشمن آپہنچے۔ اب تیرا ساتھ دینے والا کون ہے۔ غم نہ کھا۔ خدا ہم لوگون کا مددگار اور ساتھی ہے۔ امامیہ
اہل سنت کی تردید مین یہ بھی کہتے ہین کہ یہان جناب پیغمبرِ خدا نے "مَعَنَا" بمعنی "مَعِیَ" فرمایا تھا
اور یہ بولنے کا طور ہے۔ کہ بصیغہ متکلم مع الغیر اپنے کو بولا کرتے ہین۔ اردو زبان مین بھی صیغہ واحد
کی جگہ جمع بولتے ہین۔ چنانچہ مین کی جگہ ہم کہہ دیتے ہین۔ یہ قول بھی مولویت کا رنگ رکھتا ہے۔ کیا ضرور
ہے۔ کہ "مَعَنَا" بمعنی "مَعِیَ" سمجھا جائے۔ صاف بات یہ ہے۔ کہ جسطرح خدا رسول اللہ کے ساتھ
تھا۔ حضرت ابوبکر کے بھی ساتھ تھا۔ اور ہر بندہ کے ساتھ تھا ہے۔ اور رہیگا۔ پس ایسی معیت مین
کسی کے واسطے فخر و مباہات کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ جناب رسولؐ خدا نے جو "مَعَنَا" فرمایا ہرگز
بمعنی "مَعِیَ" نہین فرمایا۔ رسول اللہ سمجھتے تھے۔ کہ خدا میرے ساتھ ہے اور ابوبکر کے ساتھ ہے
اور ہر کسی کے ساتھ ہے "مَعِیَ" فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جب آپ حضرت ابوبکر کو سمجھا
رہے تھے۔ تو "معی" کیون فرماتے۔ اسلیے "مَعَنَا" فرمایا۔ اس سے توصیف کسی بندہ کی
کیا ثابت ہوتی ہے۔ البتہ اس سے صفت خدا کی ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہ شانہٗ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے
میری دانست مین حضرات امامیہ کو اسکے کہنے کی کوئی ضرورت نہین معلوم ہوتی ہے۔ کہ "مَعَنَا"
"مَعِیَ" کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک عالم امامیہ اس جگہ پر یہ کہتے ہین۔ کہ "مَعَنَا" کے
متعلق اگر اہل سنت کہین۔ کہ ہمکو اطلاق جمع علی الواحد پسند نہین ہے۔ بلکہ ضرور ہے۔ کہ اس مقام پر
دو شخص شریک کیے جائین۔ تو ہم کہین گے۔ کہ شخص دیگر جناب امیر علیہ السلام ہین۔ یعنی جب رسول اللہ نے
حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ "لِمَ تَبْکِی" یعنی اے ابوبکر کیون روتے ہو؟ تو جیسا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی

کتاب ازالۃ الخفا مین مندرج ہے۔ حضرت ابوبکر نے یہ بات عرض کی کہ مین اپنے واسطے نہین روتا ہون بلکہ علیؑ کے واسطے روتا ہون۔ کہ وہ مار ڈالے گئے ہونگے۔ نیز آپ کے واسطے روتا ہون۔ کہ آپ عنقریب شہید ہو جائینگے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" یعنی خدا ہم دونون کیساتھ ہے جس سے مراد یہ ہے۔ کہ خدا ہمارا اور علیؑ کا ناصر اور معین ہے۔ اس جگہ پر علمائے اہل سنت اور علمائے اہل تشیع دونون نے مولویت کی بہار دکھلائی ہے جیسا کہ ایک فرقہ کا اعتراض ہے۔ ویسا ہی دوسرے فرقہ کا جواب ہے۔ اسپر سے طرہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریر ہے۔ اب مین پوچھتا ہون کہ اے حضرات امامیہ اسمین آپ کا کیا بگڑا اگر "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکر داخل ہوئے۔ یقیناً اس "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکر داخل تھے۔ اور اگر تیسرا شخص کافر سے کافر بھی اُس غار مین ہوتا۔ تو وہ بھی اس "مَعَنَا" مین داخل ہوتا۔ پیارے حضرات اہل سنت آپ سے میری گذارش یہ ہے۔ کہ اگر اُس "مَعَنَا" مین حضرت ابوبکر داخل تھے تو اس معیت سے کون سی فضیلت حضرت ابوبکر کی ثابت ہوئی۔ حق یہ ہے کہ مولویت پیشے جھگڑنے والون کو فطرت کی راہ سے بہت دور کر دیا۔ اسلیے اسطرح کے غیر فطری خیالات اُن کے دماغ مین مرکوز رہتے ہین۔ اس جگہ فریقین کے جھگڑے غیر فطری انداز رکھتے ہین۔ اور خالی جھگڑے ہی جھگڑے ہین۔ جائے تعجب ہے۔ کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے پایہ کا عالم اپنی تصنیف مین ایسے لچر مضمون کو جگہ دے سکے جسکا اعادہ اوپر ہوا ہے۔ کوئی فطرت پسند اور تعلیم یافتہ دماغ کا آدمی ایسے فسانہ نما امر کو قرین حق نہین سمجھ سکتا۔ ایسے شخص کو جناب محدث صاحب کی تحریر ایک ساختہ قصہ اور سراسر فطرت کے خلاف معلوم ہوگی۔ تعجب ہے۔ کہ غار مین جناب محمد مصطفےٰ علیؑ کے لیے نہ روئین اور رو دئین۔ تو حضرت ابوبکر۔ جو مضطرب الحالی حضرت ابوبکر کی اُس غار مین تھے۔ اُسکا ہرگز یہ تقاضا نہین ہو سکتا۔ کہ حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کو یاد کر کے حضرت علیؑ کے واسطے جزع وفزع کرتے لاریب اس جزع فزع کا سبب محض حضرت ابوبکر کا ضعف قلب تھا۔ امر واقعی یہ ہے۔ کہ آپ کسی کے لیے بھی نہین روتے تھے۔ اگر جناب محدث صاحب کا قول صحیح ہے۔ کہ آپ جناب رسولؐ خدا اور علیؑ کے لیے روتے تھے۔ تو یہ جاہلانہ فعل آپ کا غمگساری کی بنا پر سعدی علیہ الرحمہ کے اُس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے جو کریما مین دیکھا جاتا ہے۔ اور جس سے ہر فارسی خوان خبر رکھتا ہے یعنی ترا اژدہا گر بود یار غار از آن بہ کہ جاہل بود غمگسار۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ یہ جزع وفزع آپ کی اسطور کی تھی کہ مضطرب الحالی کے اضطرار آدمی گھبرا کر رونے لگتا ہے۔ اور اُس وقت اپنے رونے کے مآل کو اندیشہ مین نہین لاتا۔ مین حضرت ابوبکر کے اِس رونے کی بنیاد پر آپ پر کسی طرح کا الزام نہین عائد کر سکتا۔ اور کوئی شخص بھی جو قانون فطرت سے کم وبیش طور سے واقفیت رکھتا ہو۔ ایسا نہین کر سکتا۔ یہ ضرور نہین ہے۔ کہ ہر شخص قوی دل ہو۔ ہزار مین ایک آدمی قوی دل ہوتا ہے۔ جسکو فطرت نے قوی دل نہین بنایا۔ اسپر یہ الزام نہین

عائد کیا جا سکتا۔ کہ وہ قوی دل کیون نہین ہی۔ مجھے حضرات امامیہ کی اس الزام دہی کے ساتھ بھی اتفاق نہین ہی۔ کہ حضرت ابوبکر غار مین اسلیے جزع و فزع کرتے تھے کہ اعدا اُن کے رونیکی آواز سُنکر غار مین گھس آوین۔ میری دانست مین حضرت ابوبکر ہرگز اس خیال سے جزع و فزع نہین کر رہے تھے۔ لاریب حضرت ابوبکر نہایت نیک نیتی اور خلوص کے تقاضا سے رسول اللہؐ کے ساتھ غار مین داخل ہوئے تھے۔ مگر چونکہ دلیر طبیعت کے آدمی نہ تھے۔ دشوار وقت جو سامنے آپہنچا تو اُن کو مضطرب الحالی و امنگیر ہوگئی۔ ظاہرا کوئی بات نہین معلوم ہوتی۔ جس سے یہ گمان کیا جائے کہ حضرت ابوبکر کو آنحضرت کا پکڑوا دینا منظور نظر تھا۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے زندہ اور کامیاب رہنے مین حضرت ابوبکر کو بہبودی کی صورت متصور تھی۔ آپ کوئی دولتمند آدمی نہ تھے اور آپکا قبیلہ کوئی امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے رسول اللہ کی رفاقت اس نظر سے بھی گوارا کی تھی کہ اس رفاقت سے آیندہ خوشحالی نصیب ہوجائیگی۔ چنانچہ مدینہ مین رہکر تجارت اور مال غنائم کے ذریعہ سے آپکی حیثیت درست ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ رسول اللہؐ کے بعد آپ مسلمانون کے بادشاہ بھی ہوگئے۔ حضرت ابوبکر ایک نہایت فہمیدہ شخص تھے۔ غار مین رسول اللہ کے ساتھ رہکر رسول اللہ کی ہلاکت کے لیے کوشان ہو نہین سکتے تھے۔ ان باتون سے مجھے اسکا پورا یقین ہی۔ کہ حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کو کسیطرح کا گزند پہنچانے کے واسطے جزع و فزع نہین کرتے تھے۔ بات اسقدر ہی۔ اور اس سے زیادہ کوئی اور بات نہین معلوم ہوتی لاریب مضطرب الحال ہوجانا دل کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اور اسمین کوئی شک نہین کہ حضرت ابوبکر نے پیغمبر خدا اور علی مرتضےٰ کے برابر کا دل نہین پایا تھا۔ جناب پیغمبر خدا کے غزوات و سرایا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر ہرگز قوی دل نہ تھے۔ پس غار مین آپکا مضطرب الحال ہونا خلاف توقع نہ تھا حضرت ابوبکر کے غار مین رونے سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو اقرار ہی یہ محل خوف کا رونا تھا محل خوف کا رونا مضطرب الحال ہونیکی نشانی ہی اور مضطرب الحال ہونا دل کی کمزوری سے خبر دیتا ہی۔ لاریب حضرت ابوبکر کی یہ جزع و فزع کسی پہلو سے سراہے جانے کی حیثیت نہین رکھتی۔ ایسے نازک وقت مین آواز بلند کے ساتھ آپ کا رونا تو یقیناً پیغمبر خدا کے لیے خوف انگین تھا۔ مگر آہستہ آہستہ رونا بھی مصلحت وقت سے دور تھا ایسے وقت مشکل مین ساتھی کا کام ہی۔ کہ ساتھی کا دل بڑہائے نہ کہ اپنی مضطرب الحالی سے ساتھی کے اوسان خطا کر ڈالے۔ مگر اسوجہ سے معلوم ہوتا ہی۔ کہ رسول اللہ واقعی بڑے مستقل مزاج اور شجاع شخص تھے۔ کہ ایسے انتشار کے وقت مین اپنے حواس کو مجتمع رکھکر حضرت ابوبکر کی مضطرب الحالی کے ازالہ کی طرف بھی پورے طور پر توجہ فرمائی۔ المختصر لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا سے نہ حضرت ابوبکر کی کسی قسم کی تعریف نکلتی ہی۔ اور نہ کسی اور فرد بشر کی۔ البتہ جو کچھ تعریف نکلتی ہی۔ وہ جناب رسول خدا کی نکلتی ہی۔ کہ سبحان اللہ ایسے اضطراب کے وقت مین بھی خدا پر پورا بھروسا رکھتے تھے

اور استقلال اور متانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس آیت سے کیونکر حضرت ابوبکر کی خلافت یا امارت یا نیابت ثابت ہوتی ہے۔ اسکے راز سے حضرات اہل سنت کے علاوہ کوئی بندہ خدا کا نہ واقف ہوا ہے۔ اور نہ ہوگا۔

چہارم سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ ان الفاظ سے حضرات اہل سنت دکھلاتے ہین۔ کہ خداوند تعالے نے حضرت ابوبکر پر تسکین نازل فرمائی۔ اور یہ امر بالیقین حضرت ابوبکر کی بڑی عظمت سی خبر دیتا ہے امامیہ جواب دیتے ہین۔ کہ اللہ تعالے نے یہ تسکین اپنے نبی محترم پر نازل فرمائی حضرت ابوبکر پر نہین یعنی ایسے دشوار وقت مین کہ جب وہ نبی غار مین چھپے تھے۔ اور اُن کے ساتھ جو صاحب تھے وہ بہ سبب اپنی مضطرب الحالی کے گریہ وزاری کر رہے تھے۔ جسکی وجہ سے اُس نبی کو برابر اسکی ضرورت تھی۔ کہ اپنے ساتھی کو چپ رہنے کی فہمائش کرتا رہے۔ اللہ جلشانہ نے اپنے نبی پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکرون سے اپنے نبی کو مدد دی۔ جنکو انسان کی آنکھین نہین دیکھ سکتی تھین اہل انصاف دیکھین کہ اس نزول تسکین و تائید کا تعلق رسول اللہ سے ہے یا حضرت ابوبکر سے۔ حضرت ابوبکر سے تو نہ نزول تسکین کو تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ کسی قسم کی تائید کو ظاہر یہ بالکل ہٹ دہرمی ہی ہٹ دہرمی ہے کہ حضرت ابوبکر نزول سکینہ کے مورد قرار دیے جاتے ہین۔ حضرات حق بین سے پوشیدہ نہین ہے کہ نزول سکینہ کا مضمون جناب رسول اللہ پر تمام تر صادق آتا ہے اسلئے کہ آنحضرت اُس غار مین مبتلائے قلق و اضطراب نہوئے۔ اور ایک مضطرب الحال ساتھی کی بھی خبر لیتے رہے۔ اگر نزول سکینہ حضرت ابوبکر سے متعلق ہوتا۔ تو کیا آپ کی ایسی حالت ہو سکتی تھی۔ کہ آپ اُس غار مین روتے رہتے اور سمجھانے سے بھی جزع و فزع کم نہ کرتے۔ بلکہ جب کفار قریش تلاش کنان غار کے نزدیک پہنچے تو اور بھی زیادہ گریہ زاری کرنے لگتے۔ کیا اسیکو نزول سکینہ کا مورد ہونا کہتے ہین۔ کہ نزول سکینہ پر بھی جزع و فزع حضرت ابوبکر کی نہ گئی۔ حضرت ابوبکر کے تمامی حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو اُس غار کے علاوہ بھی کبھی تسکین قلبی نصیب ہی نہین ہوئی۔ عقل سے یہ بات باہر معلوم ہوتی ہے۔ کہ کسی پر تسکین خدا نازل ہو اور وہ چند بار رسول اللہ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار اختیار کرے یا جب جہاد پر جائے تو دل کی کمزوری سے کفار کا مقابلہ کشادہ پیشانی کے ساتھ نکر سکے۔ اگر حضرت ابوبکر ایسے شرف الٰہی کے مورد ہوئے ہوتے۔ تو اُنکے دل کو تمام تر تسکین اور اطمینان کی صورت حاصل رہتی۔ ایسی صورت مین آپ کو تمام تر خدا پر بھروسا رہتا۔ اور بدر و اُحد و خندق و خیبر و حنین کی لڑائیون مین خدائے تعالیٰ کو حافظ حقیقی جان کر دشمنان خدا کا سامنا کرتے۔ پس جب آپکو اسطرح کا اطمینان یا سکون کبھی نصیب ہی نہین ہوا۔ تو آپ کیون کر نزول سکینہ کے مورد غار یا اور کسی مقام مین قرار دیے جاسکتے ہین حضرات حق پسند شیعون کے اس جواب کو انصاف کی ترازو مین خود موازنہ فرمالین۔ ہم کو کوئی حاجت اظہار رائے کی

نہین ہے۔

واضح ہو۔ کہ کچھ حضرات اہل سنت حضرت ابو بکر پر نزول سکینہ کا اطلاق اسطور پر دیتے ہین کہ "علیہ" کی ضمیر کو حضرت ابو بکر کی طرف پہیرتے ہین۔ نواب مولوی سید مھدی علی خانصاحب مصنف آیات بینات اور بھی چند دیگر غیر معروف مولوی صاحبان ایسا ہی کرتے ہین۔ مگر اکابر مفسرین اہل سنت "علیہ" کی ضمیر کو صاف صاف طور پر رسول اللہ کی طرف پہیرتے ہین جس سے حضرت رسول خدا ہین طور پر نزول سکینہ کے مورد قرار پاتے ہین۔ بلاشبہ مطلب خدائے تعالے کا بھی یہی ہی۔ جیسا کہ وہ اکابر مفسرین ارشاد فرماتے ہین۔ مگر مولویت عجیب چیز ہے۔ مولویت اسی کی متقاضی رہتی ہے۔ کہ مناظرہ مین نحو۔ بلاغت معنے بیان اور واقعہ کا خون ہو جائے۔ تو ہو جائے مگر مرغی کی وہی ایک ٹانگ قائم رہے۔ مناظرہ کا مطلب یہ ہی۔ کہ فریقین بحث مباحثہ کرکے بلا تعصب کسی امر کی تنقیح کر سکین۔ جب یہ نہین ہی۔ تو بیکار کے جھگڑے سے کیا حاصل اب اہل انصاف دیکہین کہ "علیہ" کی ضمیر کو حضرت ابو بکر کی طرف پہیرنے سے کسقدر نحوی خبطلی پیدا ہوتی ہی سب ضمیرین تو اس آیت مین رسول اللہ کی طرف پہر رہی ہین۔ بیچ مین ایک ضمیر "علیہ" کی حضرت ابو بکر کیطرف پہیری جاتی ہی۔ اور پھر اُسکے بعد کی ضمیر یعنی "ایدہ" کی جناب رسول خدا کی طرف پہرتی ہے۔ یہ کوئی حواس کی بات ہے۔ مگر مولویت ایسی بدحواسی پر جان دیتی ہی خدارا غور کرو اس طور پر "علیہ" کی ضمیر کو حضرت ابو بکر کیطرف پہیرنے سے زبان قرآن کا لطف جاتا رھتا ہی طبعی اور ہین طور پر یہ جتنی ضمیرین ہین۔ سب کی سب جناب رسول خدا کیطرف رجوع کرتی ہین اسپر بھی اُن مین سے ایک ضمیر "علیہ" کی نہایت خود غرضی سے حضرت ابو بکر کیطرف پہیری جاتی ہے یا خدا یہ بھی کوئی بات ہی۔ حرف نار است سر دون روش اہرمن است۔ سائل سوال کر سکتا ہے کہ اسطرح پر کیون یہ ضمیر پہیری جاتی ہی۔ جائز ہی۔ کہ جسطرف اور سب ضمیرین پہرتی ہین۔ اسی طرف یہ ضمیر بھی پہرے اور یہ امر تمامتر قرینہ اور واقعہ کے بھی مطابق معلوم ہوتا ہی۔ پس ایسی صورت مین جب ضمیر کا یہ پھیر پہار ایک نزاعی اور احتمالی امر ہو گیا۔ تو حضرت ابو بکر کا مورد نزول سکینہ ہونا بھی ایک نزاعی اور احتمالی امر ٹھیرا۔ پس ایسے نزاعی اور احتمالی نزول سکینہ کے مضمون پر نہ کوئی اہل فہم ناز و افتخار کر سکتا ہے اور نہ ایسے نزاعی اور احتمالی امر کو ذریعہ استدلال بنا سکتا ہی۔ مختصر یہ ہی کہ اس آیت غار کو حضرت ابو بکر یا کسی شخص کی خلافت یا امارت یا کسیطرح کی تعریف سے علاقہ نہین ہی اس آیت کا مطلب اسیقدر رہی۔ کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ اے دشمنان دین اگر تم نے میرے نبی کی مدد نہین کی تو اس سے کیا ہوا۔ اللہ اسکا مددگار ہے اللہ نے تو اُسوقت اسکی مدد کی کہ جب کافرون نے اُسے گھر سے نکالا اور وہ ایک غار مین جا چھپا۔ اسوقت اُس غار مین دو شخص تھے ایک خود وہ اور دوسرا

اُسکا ساتھی جو مضطرب الحال ہو رہا تھا۔ ایسی حالت مین وہ یعنی نبی اُسکو سمجھا جاتا تھا۔ کہ گھبرا نہین۔ اللہ ہم لوگون کے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اُس نبی پر تسکین نازل فرمائی۔ اور لشکر ملائکہ سے اُسے مدد دی بات اسیقدر ہے۔ مگر تاویلات سے اِس آیت کریمہ کی جو درگت کی گئی ہے۔ وہ محتاج بیان نہین ہے اہل انصاف خود حق و ناحق کا موازنہ فرمالین۔ راقم کو اس سے زیادہ عرض حال کی ضرورت نہین ہے۔ ذیل مین دو امر جو اس معاملۂ غار کے متعلق ہین۔ توجہ سامعین کے طالب ہوتے ہین۔

(۱) اگر ہم یہ بھی مان لین۔ کہ حضرت ابوبکر غار مین دلیری کے ساتھ جناب رسول خدا کے شریک حال رہے تب بھی جب آپ کی اِس معیت کا موازنہ علی مرتضےٰ کی اُس کارروائی کے ساتھ کیا جاتا ہے جو آپ کے بسترِ رسول اللہ پر سو رہنے سے تعلق رکھتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی کی کارروائی حضرت ابوبکر کی معیت سے بہت زیادہ شجاعت کا پیرایہ رکھتی ہے۔ اس کارروائی سے کہ حضرت علی بلا خوف جان رسول اللہ کے بستر پر سو رہے۔ علی کی خلقی شجاعت اور مستقل مزاجی کا موازنہ کرنا دشوار نظر آتا ہے یہ ایک سچے بہادر خلوص پرور استقلال کیش دوست پرست باوفا خدا شناس خدا ترس اور دیندار آدمی کا کام تھا۔ جو حضرت علی سے ظہور مین آیا۔ انصاف یہی ہے۔ کہ اس معاملہ سے حضرت ابوبکر کے معاملۂ غار کو کوئی مناسبت نہین ہے۔ اسپر بھی حضرت ابوبکر حضرت علی پر مرجح کیے جاتے ہین اور رسول اللہ کے بعد ادائے مناصب دینی کے مستحق بتائے جاتے ہین۔ یہ عجب دنیا ہے حقیقت حال یہ ہے۔ کہ دنیا مین انصاف نہین ہے۔ انصاف اگر ہے۔ تو خدا کے پاس ہے۔ یا قیامت مین ہوگا۔ میری دانست مین انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا ہی بڑی مسلمانی ہے۔ جسمین ہٹ دھرمی ہے وہ کیا مسلمان ہو سکتا ہے حضرت ابوبکر کو مردانگی کے ساتھ رسول اللہ کے شریک حال رہنے مین تو علی پر کوئی ترجیح کی صورت نکلتی ہی نہین ہے مگر اہل انصاف اُسے کیا کہینگے۔ جب حضرت ابوبکر کی مضطرب الحالی پر رسول اللہ نے بہ صیغۂ نہی ”لَا تَحْزَنْ“ فرمایا۔ جس سے آنحضرت کی ممانعت صاف طور پر حضرت ابوبکر کے ایک فعل ناپسندیدہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی صورت مین تو کسی پہلو سے بھی حضرت علی کی مفضولیت ثابت نہین ہوتی پھر آپ پر حضرت ابوبکر کو اس معاملۂ غار کی بنیاد پر ترجیح دینا جادۂ انصاف سے منزلون دور ہے۔ خدا ہی جانے کہ حضرات اہل سنت کو حضرت ابوبکر کی اسطرح کی بے سروپا محبت عاقبت مین کیا کیا تماشے دکھلائے گی یہ عجب انصاف کش محبت ہے۔ کہ قرآن حدیث عقل وفہم سب کا خون کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ؕ۔

(۲) علامہ جلال الدین سیوطی حضرت ابوبکر کی نسبت لکھتے ہین۔ کہ آپ اشجع الصحابہ یعنی شجاع ترین صحابی رسول اللہ کے تھے۔ اگر علامہ موصوف آپ کو مجرد شجاع کہتے تو ایک بات تھی مگر علامہ موصوف کا یہ فرمانا۔ وَاِنَّہٗ اَشْجَعُ الصَّحَابَۃِ ایک حیرت انگیز قول ہے۔ لیکن اُسپر زہ یہ ہے۔ کہ علامہ موصوف

روایت علی ایک حدیث کی رو سے حضرت ابوبکر کو اَشْجَعُ النَّاس بھی ثابت کرتے ہین یعنی صرف
علی ہی سے نہین بلکہ حضرت ابوبکر رسول اللہ اور جمیع بنی آدم سے بھی شجاع ترین شخص تھے۔ علی کی
زبانی حضرت ابوبکر کو اشجع الناس کہلانا علامہ موصوف کی بڑی ذہانت سے خبر دیتا ہے اہل انصاف
غور فرماوین۔ کہ حضرت ابوبکر کو اشجع الناس قرار دینے سے دو نا راست امر وجود مین آئے ایک
یہ کہ حضرت ابوبکر جو معمولی شجاع بھی نہ تھے۔ اشجع الناس قرار دیے گئے۔ دوم یہ کہ حضرت رسول خدا
اور علی مرتضٰے جو واقعی اپنے اپنے طور کے اشجع الناس تھے۔ شجاعت مین مفضول بنا دیے گئے۔ غار کے
معاملہ سے ہویدا ہے۔ کہ پیغمبر خدا اور حضرت ابوبکر ان دونون مین سے کون شجاع تر کہلانے کا
مستحق ہے۔ ابھی تک راقم کو قرآن حدیث اخبار آثار تاریخ سیر وغیرہ سے اسکا پتا نہین لگا ہے کہ حضرت ابوبکر کی
شجاعت کا کون ایسا کام نمایان ہوا ہے۔ کہ جس سے آپ اَشْجَعُ الصَّحَابَہ اور اشجع الناس کہے جانے کا
استحقاق رکھتے ہین۔ غار کا معاملہ تو آپ کی کسی قسم کی شجاعت سے خبر نہین دیتا ہے۔ بدر مین آپ سے
کیا شجاعت ظہور مین آئی۔ اسکی حقیقت اہل دنیا پر آج تک نہین کھلی۔ غزوات احد خندق خیبر حنین
وغیرہ مین آپ کی غیر ثابت قدمی تو اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر لڑائی
بھڑائی کے آدمی تھے ہی نہین۔ البتہ آپ کو تجارت کا مذاق بہت اچھا تھا۔ اور اس کام کو خوب جانتے تھے۔
اور بازار مدینہ مین تجارتی ضرورتون سے تشریف لیجاتے تھے۔ کسب معاش فرماتے تھے یہ ضرور نہین
کہ ہر شخص مرد میدان ہو۔ فطرت نے نہ آپ کو سپاہی مخلوق کیا تھا۔ اور نہ حضرت عمر کو ہر دو بزرگوار
جداگانہ صفات سے متصف تھے۔ جسطرح حضرت ابوبکر تجارتی قابلیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر کو ایک
نادر پولیٹکل صلاحیت فطرت نے بخشی تھی۔ اسی لیے غزوات رسول اللہ مین آپ دونون صاحبون
کسی سے بھی کوئی خاطر خواہ کارروائی ظہور مین نہ آسکی۔ ان غزوات مین لڑنے بھڑنے والے حضرت علی
اور دیگر بنی ہاشم اور بھی اکثر انصار مدینہ سے تھے۔ علی کی تلوار نے کیا کیا تماشے دکھلائے۔ سیر و تاریخ
کی کتابین شاہد حال ہین۔ اگر علی نہوتے۔ تو اسلام مدینہ مین استحکام حاصل نہ کر سکتا۔ حقیقت حال یہ ہے۔
کہ یون جسکو جسکا جی چاہے۔ اشجع الصحابہ یا اشجع الناس قرار دیدے۔ مگر شجاعت کی صفت
لاریب حضرت علی پر ختم تھی۔ کیا جائے تعجب ہے۔ کہ علامہ سیوطی جیسے عالم بھی ایسی ایسی بے سر و پا
باتین حوالہ قلم کر جاتے ہین۔ کہ جنکی تطبیق واقعات سے امکان ہی نہین رکھتی۔ اسیطرح کا بے تکا
قول حضرت علامہ کا یہ بھی ہے۔ کہ حضرت ابوبکر "اعلم الصحابہ و اذکیھم" یعنی عالم تر اور ذکی تر
صحابی رسول اللہ کے تھے۔ لاریب اعلم الصحابہ و اذکیھم کے مصداق علی تھے اور کوئی نہ تھا
واقعہ یہی ہے۔ مگر اسمین شک نہین۔ کہ حضرت عمر کے مقابلہ مین حضرت ابوبکر اعلم و اذکی تھے کما لا
یخفی علی اہل التحقیق۔ مختصر یہ ہے۔ کہ تعصب ایمان کا دشمن ہے۔ خدائے تعالے اپنے بندون کو

حق گوئی اور حق پسندی کی توفیق مرحمت فرمائے حق شناسی کے بغیر آدمی کو دارین کی عافیت نصیب نہین ہوسکتی

آیت وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ پر تحقیق کی نظر

واضح ہو۔ کہ ہم آیت غار سے اوپر دکھا چکے ہین۔ کہ حضرت ابوبکر یا کسی شخص کی خلافت یا امارت یا کسی طرح کی کسی کی تعریف یا توصیف ثابت نہین ہوتی ہے۔ اب ہم اُس آیت کی طرف حضرات ناظرین کی توجہ کے طالب ہوتے ہین جس سے بڑی شد و مد کے ساتھ خلفائے اربعہ کی خلافت ترتیب کے ساتھ ثابت کیجاتی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ مثبتین خلافت فرماتے ہین۔ کہ اس آیت مین "مَعَہٗ" سے مراد حضرت ابوبکر اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے حضرت عمر "رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ" سے حضرت عثمان رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ہین اور اسی ترتیب سے خلافت بھی ظہور مین آئی ہے۔ اور یہ چارون خلافتین نص قرآنی کی رو سے ترتیب کے ساتھ حق ثابت ہوئی ہین۔ حق یہ ہے۔ کہ ناواقف حقیقت کو یہ بیان دھوکے مین لاسکتا ہے۔ چنانچہ ہزارون مسلمان ایسے ہین۔ جو اس دھوکے مین مبتلا دیکھے جاتے ہین۔ خدائے تعالے انھین حق بینی کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرات اہل انصاف اس آیت شریفہ کا نہایت صاف مطلب ہے۔ نہ اسمین غیر مانوس الفاظ مستعمل ہوئے ہین۔ اور نہ اسکی نحوی ترکیب ایسی پیچ در پیچ واقع ہوئی ہے۔ کہ اُسکے سمجھنے مین کسی قسم کی دقت نظر آتی ہو۔ ترجمہ اسکا یہ ہے۔ کہ محمد اللہ کے رسول ہین۔ اور جو اُن کے ساتھی ہین۔ شدید تر ہین اوپر کفار کے اور رحیم تر ہین آپسمین تو دیکھتا ہے۔ انہین رکوع کرتے ہوئے۔ اور سجدہ کرتے ہوئے خواہان ہین وہ لوگ خدا کے فضل اور خوشنودی کے اور اُن کے چہرہ سے آثار سجدہ عیان ہین۔ مطلب اُسکا اسیقدر ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہین۔ اور جو اُنکے ساتھی ہین۔ اُن کی تعریف یہ ہے۔ کہ وہ حضرات اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ وغیرہ وغیرہ الٰی آخرہا ہین اور لاریب آنحضرت کے صحابی جنکا دل شرک و نفاق سے پاک تھا۔ اور جو مومن صادق تھے۔ وہ ان صفات سے متصف تھے۔ جنکا ذکر خدائے پاک اس آیت مین فرماتا تھا۔ اس آیت سے یہ بات نہین نکلتی ہے۔ کہ فلان صحابی مین فلان خاص صفت تھی۔ یعنی کوئی اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ تھا کوئی رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تھا۔ کوئی بڑا راکع اور ساجد تھا۔ الٰی آخرہا۔ بلکہ یہ آیت رسول اللہ کے سچے صحابیون کی ایک سچی تصویر دکھلاتی ہے۔ جس سے رسول اللہ کے سچے صحابیون کا سچا فوٹو پیش نظر ہوجاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس آیت کے سیدھے معنی و مطلب کو چھوڑ کر جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین اس آیت کو بہ سند ابن عباس یون بیان فرماتے ہین۔ کہ "محمد اللہ کے رسول ہین" اور "وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ"

ابوبکر ہین "تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" علیؑ ہین "يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا" طلحہ و زبیر ہین۔ "سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ" عبدالرحمن بن عوف و سعد ابن ابی وقاص و ابوعبیدہ ابن الجراح ہین۔ خدارا اے اہلِ انصاف اِس بے تکی بات کا کوئی بھی جواب ہے نہایت جائے غور ہو کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے پایہ کا عالم ایسی لایعنی باتین کرے۔ اور ایسے پوچ و لچر مقامات کو داخل تصنیف کرکے اُنکی اشاعت عامہ روا رکھے۔ اگر کوئی جاہل ایسی بے سروپا باتین حوالۂ قلم کرتا۔ تو اُسکی یہ تحریر جہالت پر محمول کیجاتی۔ اور پڑھنے والے اُسکے اُس سے درگذر کر جاتے مگر اتنے بڑے عالم کی قلم سے ایسی تحریر کا صفحہ کاغذ پر جلوہ گر ہونا صاف صاف اِس امر سے خبر دیتا ہی کہ تعصب ایک بڑی بلا ہے۔ تعصب عالم سے عالم کو بھی نافہم کر دیتا ہے۔ وقت تحریر جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ نہین خیال فرمایا۔ کہ کیا مہملات حوالۂ قلم ہو رہے ہین۔ اور طرفہ یہ کہ اُسکی سند حضرت مصنف ابن عباسؓ سے لیتے ہین۔ ابن عباسؓ ایک تعلیم یافتہ آدمی تھے علم قرآن انھون نے جناب امیرؑ سے حاصل کیا تھا۔ لاریب نہ حضرت امیرؑ نے اِس آیت کی ترکیب نحوی کو اسطور پر غارت غول کیا ہوگا۔ اور نہ ابن عباسؓ نے ظاہر بظاہر "الَّذِينَ مَعَهُ" کو جو مبتدا ہی اور جس کی چند خبرین یکے بعد دیگرے واقع ہوئی گئی ہین اور وہ خبرین نسخ ہو۔ فسخ ہو۔ وغیرہ ہین۔ جس سے صاف طور پر یہ معنی ظاہر ہوتے ہین۔ کہ "الَّذِينَ مَعَهُ" یعنی وہ لوگ جو اس رسولؐ کے ساتھ ہین "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" وغیرہ ہین۔ نہ یہ کہ کوئی "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" ہے اور کوئی "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" ہے۔ اور کوئی کیا ہے اور کوئی کیا ہے الیٰ آخرہا۔ جیسا کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے تاویلات سے عیان ہوتا ہے۔ یہی تاویلات غنیۃ الطالبین و دیگر کتب اہل سنت مین بھی موجود ہین۔ نہایت جائے تعجب ہی۔ کہ اتنے بڑے بڑے علما تاویلات آیات مین فطری معنے سے انحراف کرنے پر تل گئے ہین اور بکمال خود غرضی سے نحو و معنی و بلاغت و واقعہ سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب ذیل مین ہم اِس آیت کریمہ کے ہر ٹکڑے پر تحقیق کی نظر ڈالتے ہین اور جو امر دریافت مین آتا ہے۔ اُسے بلا تعصب اور بپابندی انصاف کے ساتھ حوالۂ قلم کرتے ہین۔

واضح ہو کہ پہلا ٹکڑا اس آیت کریمہ کا جو نزاعی بنایا گیا ہے۔ "الَّذِينَ مَعَهُ" ہی جس سے جناب شاہ ولی اللہ صاحب حضرت ابوبکر کو مراد لیتے ہین۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے اِس "مَعَهُ" کو اس معیت رسول اللہؐ کا حوالہ سمجھا ہے۔ جسکا بیان سابق مین آیت غار کے ذکر آچکا ہے۔ لاریب غار کی معیت حضرت ابوبکر کے لیے کوئی فخر و ناز کی وجہ نہین معلوم ہوتی ہے جیسا کہ راقم نے اوپر اسکو واضح طور پر ثابت کر دکھایا ہی۔ اور جب یہ حال ہی تو یہ کسی اور آیت مین

خدائے تعالےٰ آپکے غار کی معیت کو کیون یاد دلانے لگا۔ پس ہرگز ایسا نہین معلوم ہوتا کہ خدائے تعالےٰ نے اس آیت مین آیت غار کی طرف کوئی اشارہ فرمایا ہو۔ ایسی صورت مین "مَعَہٗ" کی نسبت حضرت ابوبکر کے ساتھ سخن سازی کے سوا کچھ نہین ہی۔ حقیقت حال یہ ہی کہ دنیا سے حق جوئی حق گوئی اور حق بینی معدوم ہوگئی ہے۔ کیا غضب کی بات ہی۔ کہ اہل علم تقاضائے خود غرضی سے تاویلات رکیک کے مرتکب نظر آتے ہین۔ علم کا تقاضا تقویم حق ہے۔ نہ کہ اتلاف حق۔ مگر اسکے برعکس معاملات بعض اہل علم کے دکھائی دیتے ہین۔ اہل انصاف دیکھین کہ اس "مَعَہٗ" کو حضرت ابوبکر کی معیت غار سے کیا تعلق ہی۔ اگر اسکو حضرت ابوبکر کے ساتھ کسی قسم کی خصوصیت حاصل ہوتی۔ تو قرآن مجید مین جہان جہان لفظ مَعَ استعمال ہوا ہی۔ وہ سب مواقع مَعَ کے بھی حضرت ابوبکر کی معیت غار سے ضرور تعلق رکھتے۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ کبھی زبان کو لغو گفتاری سے آشنا نہونے دے حرف نا راست سرودن روشن اہرمن است۔ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مین حضرت پیر دستگیر فرماتے ہین "والذین معہ فی العسر والیسر والغار والعریش ابوبکر" خدائے تعالےٰ نے تو صاف صاف طور پر رسول اللہ کے باوفا ساتھیون کی اجمالی صفتین ارشاد فرمائی ہین۔ مگر حضرت غوث اعظم بھی دیگر علما اہل سنت کے طریقہ پر "مَعَہٗ" کی نسبت کو حضرت ابوبکر کے ساتھ مختص کیے دیتے ہین اول تو حضرت کی تحریر پر تنویر سے قول خدا کی نحوی ترکیب مین جھول پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہر نحوی پر یہ امر روشن ہی۔ دوم یہ کہ تفسیری بیان کی حضرت کے واقعات کے ساتھ پورے طور پر تطبیق کی شکل نہین پیدا ہوتی۔ حضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت ابوبکر کی معیت رسول اللہ کے ساتھ چار مواقع کی بیان کی جاتی ہے۔ اول معیت فی العسر دوم معیت فی الیسر سوم معیت فی الغار چہارم معیت فی العریش۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ یہ معیتین کیا حقیقت رکھتی ہین معیت فی العسر یعنی حضرت ابوبکر کا رسول اللہ کا ساتھ دینا یا ساتھ رہنا تکلیف کی حالت مین اسکا پتہ کہین سے بھی نہین لگتا۔ بلکہ اسکے خلاف بہت سی باتین ظاہر ہوتی ہین۔ قابل لحاظ سب سے پہلی معیت حضرت ابوبکر کی جناب رسول اللہ کے ساتھ معیت غار ہی۔ اس معیت پر راقم اپنی رائے ظاہر کر چکا ہے۔ حقیقت مین یہ معیت کسیطرح کا وزن نہین رکھتی۔ اس معیت پر نظر ڈالنے سے صاحب انصاف اسکے سوا دوسری رائے نہین قائم کر سکتا۔ کہ کاش جناب رسول خدا کو غار مین حضرت ابوبکر کی معیت نصیب نہوئی ہوتی۔ حضرت ابوبکر کے لگاؤ سے غار کا قصہ ایک ایسا قصہ ہی۔ کہ ہر کریم النفس شخص کو اسے بھول جانا چاہیے۔ حضرت سعدی نے جو شعر کریما مین لکھدیا ہی۔ نہایت حق آگین اور اہل جہان کی زبان زد ہو رہا ہے۔ اس معیت فی العسر مین داخل معیت فی الغزوات بھی ہی۔ اب انکو احد خندق و خیبر و حنین وغیرہ کے واقعات کی ادھیڑبن کون کرے۔ اہل واقفیت سے کیا پوشیدہ ہے

ان امور کے اعادہ کی حاجت نہین۔ مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کی کوئی معیت فی العسر جو
درجہ امتیاز رکھتی ہو۔ معروف عام نہین معلوم ہوتی۔ یون بات بنانے کے لیے از زمین تا بہ
آسمان سخن است۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ معیت فی الیسر کا کیا حال ہے۔ اس سے راقم کو کسی
طرح کا انکار نہین۔ لاریب حضرت پیران پیر کا یہ قول نہایت قرین حق ہے اور کوئی حق پرست
اس سے گریز نہین کر سکتا۔ تیسرے معیت حضرت ابوبکر کی معیت غار ہے۔ اسکی تحقیق ہو چکی
اور اب اس کے اعادہ کی حاجت نہین ہے۔ آخر معیت حسب فرمودہ حضرت غوث اعظم
معیت فی العریش ہے۔ اگر عریش سے مراد وہ تخت ہے۔ جو جنگ بدر مین (حسب تحریر علامہ سیوطی)
جناب رسولؐ خدا کے واسطے قائم کیا گیا تھا۔ تو اس معیت مین بھی راقم کو جائے گفتگو نہین
اسلیے کہ یہ معیت حضرت ابوبکر کے واسطے معیت فی الیسر کا حکم رکھتی ہے۔ حال یہ ہے کہ
جنگ بدر مین مسلمانون نے ایک جگہ مرتفع لکڑیون سے جناب رسول خدا کے واسطے بنادی تھی
آپ جنرل کیطرح اُس مقام سے ساری جنگی کارروائیون کو ملاحظہ فرما سکتے تھے۔ اسوقت مین
بھی ایسی بلند جگہ کی ضرورت افسران فوج کو ہوا کرتی ہے۔ جنرل فوج کی روح ہوتا ہے۔ اُسکو
ہمیشہ فوج کی حالت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ہر چند فوج لڑتی ہے۔ مگر اسکی نگرانی کے بغیر فوج کو
کامیابی نہین ہو سکتی۔ غرض اسکی ساخت سے یہی تھی۔ چونکہ حضرت ابوبکر لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے
جناب رسول خدا کے پاس بیکار تا اختتام جنگ رہا کیے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ مگر علامہ سیوطی نے
اسکو اسطور پر رنگا ہے۔ کہ چونکہ حضرت ابوبکر بڑے تلوریے تھے۔ جناب رسولؐ خدا کی حفاظت
کے لیے تلوار کھینچے آپ کے نزدیک کھڑے رہے۔ حضرت ابوبکر کو تلوریا ہونے سے کیا علاقہ
آپ ایک نیک آدمی تھے۔ آپ کی تیغ نہ بدر مین چلی۔ نہ احد مین نہ خندق مین نہ خیبر مین نہ حنین مین
اور نہ کسی اور معرکہ مین۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ دنیا مین حق گوئی صرف خاصان خدا کو دی گئی ہے۔
یہ نعمت ہر شخص کے حصہ مین نہین آئی۔ جنکو یہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ اُن کو معاملات عالم کچھ اور ہی
طرح پر دکھائی دیتے ہین خدائے تعالے حق بینی کی صلاحیت انسان کو عطا فرمائے کہ یہ ذریعہ نجات
ہے۔ اب ہم "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کی تحقیق کیا چاہتے ہین۔ ظاہر ہے۔ کہ اصحاب جناب رسولؐ خدا
سے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق وہی حضرات تھے۔ جو حکم خدا و رسول کے مقابلے مین
جان تک کو دریغ نہین رکھتے تھے۔ کشادہ پیشانی کے ساتھ اعدائے دین کا سامنا کرتے تھے۔
جان جائے تو جائے۔ مگر لڑائی سے منہ نہین موڑتے تھے۔ جناب رسولؐ خدا کے غزوات مین
برابر ثابت قدم رہتے تھے۔ اعدائے رسولؐ اللہ سے مقابلہ کرنے مین جان نہین چراتے تھے
میدان جنگ سے جناب رسول خدا کو نرغۂ اعدا مین چھوڑ کر بھاگ نہین نکلتے تھے۔ مختصر یہ ہے

کہ ایسے حضرات پورے شجاعت شعار تھے۔ اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کہے جانیکا تمام تر استحقاق رکھتے تھے۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور دیگر حضرات علمائے اہل سنت فرماتے ہین۔ کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے مراد آیت بالا مین حضرت عمر ہین۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ضروری کہ آپ کے معاملات عمری پر نظر غور ڈالی جائے۔ یہ بات عقلی طور پر قابل پذیرائی ہے۔ کہ کوئی شخص اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق تب ہی ہوگا۔ جب اسمین شجاعت شعاری داخل ہوگی۔ ایسی صورت مین لازم ہے۔ کہ ہم پہلے آپ کی شجاعت شعاری سے بحث کرین۔ اگر آپ کی شجاعت شعاری کامل العیار ثابت ہوجائے۔ تو آپ کو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق جاننا قرین حق ہوگا۔

شجاعت کے متعلق پہلے پہل جو حضرت عمر کی کسی ممتاز کارروائی پر کسی محقق کی نظر پڑتی ہے۔ تو وہ یہ ہے۔ کہ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ کہ محمد بن عبد اللہ یعنی جناب رسولؐ خدا ایک نیا دین شائع کیا چاہتے ہین۔ تو آپ کو اسکی دریافت سے نہایت غیظ پیدا ہوا۔ اور چھ برس تک آپ اس غیظ مین مبتلا رہے۔ اتنے عرصہ تک آپ برابر جناب رسولؐ خدا کے قتل پر مستعدی سمجھتے رہے۔ مگر ارادہ دلی کو پورا نہ کرسکے۔ بہرحال ایک روز حالت غیظ مین جناب رسولؐ خدا کے قتل کا قصد مصمم کر کے شمشیر بدست گھر سے نکلے۔ مگر راہ مین ایک شخص نے یہ کہا۔ کہ قتل محمد پر تو چلے ہو۔ مگر اس خون کا معاوضہ بنی زہرہ اور بنی ہاشم تم سے لینگے۔ یہ سنتے ہی آپ آنحضرت کے قتل سے درگذرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ارادہ شدت غیظ مین پیدا ہوگیا تھا۔ مگر جب ایسے ارادہ کے مآل پر آپ نے نظر ڈالی تو وہ مستعدی زائل ہوگئی۔

دوسری مثال حضرت عمر کی شجاعت کی یہ پیش کیجاتی ہے۔ کہ آپ نے مکہ سے بڑی دلیری کے ساتھ کھلے طور پر مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ ناواقف حقیقت کو تعجب گزریگا۔ کہ جب جناب رسولؐ خدا نے اخفا کے ساتھ مکہ کو چھوڑا۔ اور دیگر یاران رسولؐ بھی اُسی پوشیدہ طور پر مکہ سے نکلے۔ تو واقعی حضرت عمر کچھ ایسے ہی بہادر بے رعب اور بے خوف صاحب ہونگے۔ کہ برملا طواف کعبہ سے فراغت کر کے اہل مکہ کے روبرو ہجرت فرمائی۔ واقعی اس طرح کی ہجرت کرنے کے واسطے ایک غیر معمولی جرات درکار تھی۔ بس لازم آتا ہے۔ کہ حضرت عمر ایسے ہی شجاع تھے۔ کہ اہل مکہ آپ کی ہیبت سے کچھ بھی آپ کے مزاحم نہو سکے۔ مگر حضرت عمر کی یہہ شجاعت تب ایک نادر شجاعت شمار کیجاتی۔ اگر آپکے ماموں یعنی ابوجہل صاحب آپکو امان نہ دے چکے ہوتے۔ جسکے سبب سے کسی اہل مکہ کی یہ مجال نہ ہوئی۔ کہ ایک رونگٹا بھی آپکا میلا کرتا۔ آپ کے مکہ کو ہجرت کرنے کا تو یہ معاملہ ہے۔ جو ابھی ذکر پایا۔ اب آپ کے ایک دوسرے

معاملہ پر نظر درکار ہے۔ جسکی رو سے آپ کو مدینہ سے مکہ جانا ہوا۔ اور آپ مکہ شریف لیجا سکے اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ صلح حدیبیہ کے پہلے جب جناب رسولؐ خدا نے حضرت عمر سے مکہ جانیکے لیے ارشاد فرمایا۔ کہ تم مکہ جاؤ۔ اور قریش کو مطمئن کر دو۔ کہ ہم صرف عمرہ کے ارادہ سے داخل مکہ ہوا چاہتے ہین۔ تو حضرت عمر تعمیل ارشاد نبوی سے قاصر رہے۔ آپ نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ مجھے کفار قریش جیتا نہ چھوڑینگے۔ اب میرا حامی یا مددگار مکہ مین نہین ہے۔ یہ عذر آپکا نہایت درست تھا۔ اس لیے کہ ابو جہل صاحب جسکے اطمینان پر سابق مین علانیہ طور پر آپ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ جنگ بدر مین فی النار ہو چکے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس شجاعت کے ساتھ آپ ایک وقت مین مکہ سے نکلے تھے۔ اب اس دلیری کے ساتھ مکہ مین پھر نہین جا سکتے تھے۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور زمانہ ایک رنگ پر نہین رہتا۔ خیر ان دو مثالون کے سوا راقم کو اور کوئی مثال آپ کی عام شجاعت شعاری کی نہین معلوم ہوئی۔ اُن پر رائے زنی کی کوئی حاجت نہین۔ اب ذیل مین آپ کی غزواتی شجاعت کا بیان مختصر طور پر حوالۂ قلم ہوتا ہے۔

حضرت عمر کو جناب رسولؐ خدا کی چند بھاری لڑائیون مین حاضر رہنے کا اتفاق ہوا۔ پہلی جنگ بدر کی تھی جسمین آپ کا فرار ثابت نہین ہے۔ صرف عدم کارگزاری ثابت ہے عدم کارگزاری کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ اس جنگ مین آپ کے ماموں ابوجہل صاحب اہل مکہ کے ساتھ جناب رسولؐ خدا سے لڑنے آئے تھے۔ ماموں صاحب کے خلاف مین آپ کسی حال مین نہین لڑ سکتے تھے۔ آپ محسن کشی کا داغ اپنے اوپر لگانا پسند نہین فرما سکتے تھے۔ اسلیے میدان جنگ سے کنارہ ہی رہے۔ خندق کی لڑائی مین آپ نے صاف صاف طور پر عمرو ابن عبدود سے لڑنے مین انکار فرمایا۔ یہ عذر آپ کا بے سبب نہ تھا۔ وہ کافر ایک غیر معمولی خلقت کا آدمی تھا۔ آدم زاد نہ تھا۔ دیوزاد تھا۔ ایسے شخص سے سامنا کرنا نہایت خلاف عقل تھا۔ احد مین مجاہدین اسلام پر برا وقت آپڑا۔ جناب رسولؐ خدا بھی سخت زخمی ہوئے۔ بہت مسلمان میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ حضرت عمر نے بھی فرار اختیار فرمایا۔ ایسا نہ کرتے۔ تو کیا کرتے۔ مجال قرار نہین۔ تو فرار سے کیا چارہ ہے۔ کتاب بخاری مین فرار سے آپ کا اقرار صاف صاف طور پر درج ہے۔ اسیطرح آپکا فرار امام فخر الدین رازی اور علامہ نیشاپوری قمی کی شہادت سے بھی ثابت ہے۔ ان دونون علما کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمان بھی علاوہ حضرت عمر کے منہزمین احد یعنی فرارین احد سے تھے۔ علامہ سیوطی اپنی تفسیر در منثور مین حضرت عمر کے فرار کو خود حضرت عمر سے روایت فرماتے ہین۔ اور وہ یہ ہے۔ عن عمر لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد

اَلْحَاجَتِہٖ اب رہا حضرت ابوبکر کا فرار اسکا ثبوت حضرت عمر کے قول سے ملتا ہے۔ اسکی صورت یہ ہے۔ کہ جب جنگ اُحُد مین حضرت رسولؐ خدا کو چھوڑ کر میدان جنگ سے حضرت کے صحابی بھاگ نکلے۔ اور آنحضرت زخمی ہو کر بیہوش ہو گئے۔ تو کسی نے یہ آواز بلند کی کہ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ فَارْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَدْیَانِکُمْ۔ یعنی بہ تحقیق کہ محمد مارے گئے۔ پس تم لوگ اپنے اپنے مذہب جاہلیت کیطرف پلٹ جاؤ۔ اسکا اشارہ قرآن مین بھی پایا جاتا ہے۔ بقولہ تعالےٰ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا۔ یعنی محمد خدا کے رسول ہین۔ انکے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے۔ پس اگر وہ محمد مرجائین یا مارے جائین۔ تو دین محمدی سے پلٹ جاؤ گے۔ پس جو شخص یون پلٹ جائیگا۔ تو ایسا شخص خدا کا کوئی نقصان نہ کرے گا۔ اپنا نقصان کریگا۔ کس نے یہ آواز بلند کی۔ اسکی دریافت کی غرض سے بروایت مسند احمد بن حنبل حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے پوچھا کہ اَلَسْتَ الْمُنَادِیْ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ فَارْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَدْیَانِکُمْ۔ یعنی آپ نے ایسی صدا بلند کی تھی۔ کہ محمد صاحب قتل ہو گئے۔ پس تم لوگ اپنے اپنے مذہب جاہلیت کی طرف عود کر جاؤ۔ اس سوال کے جواب مین حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ بہ تحقیق ایسی صدا بلند کی حضرت ابوبکر نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر فرار کی حالت مین کسی جگہ پر قریب ایک دوسرے کے تھے اور ایسے ایک دوسرے کے قریب تھے کہ حضرت عمر اطمینان کیساتھ فرما سکے۔ کہ وہ صدا بلند کردہ حضرت ابوبکر کی تھی۔ یہ واقعہ کچھ رنگ رکھتا ہے۔ اس سے عجب عجب طرح کے نتائج نکلتے ہین۔ مگر مین اُن سے اس جگہ پر درگزر کرتا ہون علاوہ اس روایت احمد بن حنبل کے تاریخ خمیس مین قول حضرت ابوبکر کا مندرج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروز اُحُد حضرت ابوبکر نے بھی فرار اختیار فرمایا تھا۔ آپ کا قول یہ ہے۔ اِنْصَرَفَ النَّاسُ یَوْمَ اُحُدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ جَآءَ۔ یعنی اُحد کے دن سب آدمی جناب رسولؐ خدا کو چھوڑ کر چل نکلے مگر واپس آنے والون مین ہم پہلے شخص تھے جو واپس آئے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُحُد کی لڑائی کے دن حضرت ابوبکر بھی اور اشخاص کی طرح جناب رسولؐ خدا کو میدان جنگ مین چھوڑ کر چل نکلے تھے۔ مگر جب بھاگ جانے والے واپس آئے۔ تو آپ پہلے شخص تھے جو ماشاء اللہ واپس آئے اس سے یہ نہین سمجھنا چاہیے۔ کہ میدان جنگ کو واپس آئے۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ جب تو اُن مین حضرت ابوبکر پہلے واپس آنے والے تھے۔ دیگر حضرات بعد جنگ دوسرے یا تیسرے روز مدینہ کو واپس آئے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ اس اُحُد کی لڑائی مین بنی ہاشم اور انصار مدینہ کے سوا جتنے اکابر مہاجرین تھے سب کے سب میدان اُحُد سے چل نکلے تھے۔ علیؑ کی ثابت قدمی اور جانبازی کے ذکر کی تو کوئی حاجت ہی نہین۔ غیب سے ندا آئی۔ کہ لَا فَتٰٓی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ۔ خیبر مین مجبوراً

دو دن تک حضرات شیخین حارث سے شکستین کہا کہا کر خیمہ گاہ جناب رسولؐ خدا تک بہاگ بہاگ آئے - اور وہ یہودی دونون صاحبون کا برابر دو روز خیمہ جناب رسولؐ خدا تک تعاقب کیا کیے - میری دانست مین یہ باتین کوئی الزام کی نہین ہین - اور بہادری کی حضرت عمر اور نیز حضرت ابو بکر میدانی کارروائیون کے لیے مخلوق ہی نہین ہوئے تھے - فطرت پر کسی طرح کا الزام نہین لگایا جا سکتا - ان بہادری کے اور میدانی کارروائیون کے واسطے خدائے تعالے نے علیؑ ابن ابی طالب کو مخلوق فرمایا تہا - جن کامون کے واسطے شیر خدا پیدا ہوئے تھے - انہین حسب مرضی الٰہی آپ انجام فرماتے رہے - حنین مین بھی حضرت عمر اور حضرت ابو بکر سے کوئی میدانی کارروائی ظہور مین نہین آئی جسطرح پر بہت سے مسلمان میدان جنگ سے بہاگ نکلے حضرت عمر اور حضرت ابو بکر بھی بہاگ نکلے - یہان بہی جناب علی مرتضےٰ کی تلوار نے اسلام کو تباہ ہونے سے بچا لیا - شیر یزدان سے جو کام اسلام کے انجام ہونے کو تھے - انجام ہوئے - شاہ مردان شیر یزدان قوت پروردگار + لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار - میدانی کارروائیون مین جو حال حضرت عمر کا تہا - وہی حال حضرت ابو بکر کا بہی دکھائی دیتا ہے - حقیقت حال یہی ہے - کہ جناب شیخین لڑائی بہڑائی کے ڈہب کے تھے ہی نہین - یہ ایک کذب عظیم ہے - کہ حضرت ابو بکر اشجع الناس اور حضرت عمر عرب کے ایک بڑے شجاع تھے - ان دونون مین سے کوئی صاحب مرد میدان نہ تھے - عہد جناب رسولؐ خدا مین جناب شیخین سے کوئی ایسی شجاعت ظاہر نہو سکی کہ جسکی بنیاد پر یہ دونون صاحب مرد کارزار سمجھے جا سکتے - یہ جناب شیخین کے ہوا خواہون کی کم حوصلگی ہے - کہ ایسے صفات کی نسبت آپ صاحبون کی طرف کرتے ہین جن صفات سے آپ دونون صاحب متصف ہی نہ تھے - ایسی ایسی بے بنیاد باتین اسلیے گھڑی جاتی ہین کہ آپ حضرات کی خلافتین قرآنی ذرائع سے حق ثابت کیجائین - یہ ایک فضول امر ہے - کہ اس نہج سے حقیت خلافت ثابت کی جاتی ہے - جب واقعہ یہ ہے - کہ یہ سب خلافتین اجماع و استخلاف و شورے و قہر و غضب کے ذریعہ سے قائم ہوگئی ہین - تو انکا نصی ذرائع سے حق ثابت کیا جانا نہایت ہی خلاف عقل ہے - خیر - عہد جناب رسولؐ خدا مین بالیقین جناب شیخین سے کوئی ایسی شجاعت ظاہر نہو سکی - کہ جس سے حضرت ابو بکر اشجع الناس یا حضرت عمر شجاع عرب کہلا سکین - لیکن بعد وفات جناب رسولؐ خدا کے جو میدانی کارروائیان جناب شیخین سے ظہور مین آئی ہون - انکو آیت بالا سے تعلق ہو نہین سکتا - ظاہر ہے کہ آیت بالا کو جناب رسولؐ خدا کے زمانہ سے تعلق ہے - نہ آپ کے بعد کے زمانہ سے - اب ہم جناب رسولؐ خدا کے بعد کے زمانہ پر نظر ڈالتے ہین - کوئی شک نہین - کہ حضرت عمر کے زمانہ مین مسلمانون کے ہاتھ سے بہت سے

ملک فتح ہوئے۔ اور کچھ ملک حضرت عثمان کے زمانے مین بھی۔ مگر جائے لحاظ ہے کہ یہ فتحین بدر وخندق وخیبر وحنین وغیرہ کی فتحون کی طرح کی نہ تھین۔ یہ فتحین جو مسلمانون کو نصیب ہوئین۔ وہ اس قسم کی تھین۔ جسطرح پر قوم گاتھ اور وینڈل (Goths & vandals) کو سلطنت روما کے مقابلہ مین حاصل ہوئی تھین۔ جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہین۔ یہ بھوکے عرب مور وملخ کیصورت اجزائے سلطنت کسرےٰ وروم شرقی پر ٹوٹ پڑے۔ اور انھون نے ایرانیون اور رومیون سے بہت سے ملک چھین لیے۔ ان فتحون مین خلیفہ کی ذاتی شجاعت کو کوئی بھی دخل نہ تھا۔ مدینہ کا خلیفہ کوئی شخص ہوتا۔ عربون کو یہ فتحین ضرور نصیب ہوتین۔ عربون سے اُسوقت جسقدر ملکون کا فتح ہونا احاطہ امکان مین تھا۔ فتح ہوگئے۔ اس سے زیادہ فتحیاب ہونے کے لیے نہ اہل عرب کو اُسوقت استعداد حاصل تھی اور نہ زمانہ ان کے ساتھ موافقت کرسکتا تھا۔ ظاہر از زیادہ فتحین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین اہل عرب کو نصیب ہوئین۔ اور کم حضرت عثمان کے عہد مین لیکن اگر حضرت عثمان کا عہد خلافت حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے ہوا ہوتا۔ تو زیادہ فتحین حضرت عثمان ہی کے عہد مین ظہور پکڑتین۔ مختصر یہ ہے کہ ان ملک گیریون مین حضرت عمرؓ یا حضرت عثمان کی ذاتی شجاعت کو کسی طرح کا دخل نہ تھا۔ ہان اگر جناب رسول خداؐ کے غزوات مین حضرت ابوبکر یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمان کی تلوار سے جناب رسول خداؐ کو فتحین نصیب ہوتین تو حضرات خلفائے ثلثہ کی شجاعت شعاری سے کسی اہل فہم کو انکار نہو سکتا۔ المختصر عہد جناب رسول خداؐ کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی ذاتی شجاعت کا کوئی پتہ نہین لگتا۔ پس شجاعت شعاری کی نسبت آپ کے ساتھ کسی زمانہ مین قسم مین واقعہ نہین معلوم ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس صفت کے فقدان کے ساتھ کفار پر آپ کو تشدد کی صلاحیت کا حاصل رہنا کیونکر قرین قیاس سمجھا جاسکتا ہے۔ پس امور بالا کو ملحوظ رکھکر آپ کیونکر اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق مانے جاسکتے ہین اسے اہل انصاف خود تجویز فرمالین۔ کفار پر آپکا اشد ارہونا تو ثابت نہین ہوتا۔ مگر آپ مین چونکہ فطرت سے شدید المزاجی داخل تھی اسار اسے جنگ کے ساتھ آپ نے شدت کے دکھانے مین کبھی کمی نہین فرمائی۔ دوست احباب بیٹے بہن اور گھر والون کے ساتھ بھی شدت کے ساتھ پیش آیا کیے۔ اور سب سے زیادہ آپ نے شدت جناب بی بی فاطمہؑ اور انکے شوہر کے ساتھ جائز رکھی۔ جیساکہ راقم نے اس مضمون کو قبل مین تحقیق بلیغ کے ساتھ اس کتاب مین حوالہ قلم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسطرحکی شدید المزاجی سے کوئی شخص۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق نہین سمجھا جاسکتا۔ یون اہل غرض جو چاہین کہین۔ خلق کو حلق ہے۔ کوئی کسیکی زبان پکڑ نہین سکتا۔ مگر حق گوئی کی توفیق ایک بڑی نعمت ہے۔ اس سے اللہ اپنے بندونکو محروم نہ رکھے۔ لاریب اس سے وہی محروم ہوا کرتا ہے جو مورد قہر الٰہی ہوتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کے ساتھ حضرت عثمان کو کوئی خصوصیت حاصل ہے یا نہیں۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ ثالث کی زندگی چار حصوں پر تقسیم ہوتی ہے پہلا حصہ حالت کفر کا ہے یعنی وہ حصہ جو آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے قبل کا ہے۔ ظاہر آپ کے اس حصہ عمر کی کوئی تعریف کہیں قرآن مجید میں نہیں دیکھی جاتی۔ حضرات اہل سنت کا بھی یہ دعوےٰ نہیں ہے کہ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کے مصداق آپ اپنے اُس عرصۂ عمر میں تھے۔ دوسرا حصہ آپ کی زندگی کا وہ ہے جو آپکے اسلام قبول کرنے سے وفات آنحضرت تک گذرا ہے۔ بلا گفتگو اُسی عرصہ کے اندر اس آیت شریفہ یعنی "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" اِلٰی اٰخِرِهَا کا نزول بھی واقع ہے۔ مگر اس عرصے کے اندر کوئی ایسی رحیمانہ کارروائی جو پایۂ امتیاز رکھتی ہو آپ سے منسوب نہیں معلوم ہوتی۔ پس کیونکر رب العزت آپکو اس شرف مخصوص کے ساتھ یاد فرماتا۔ عہد جناب رسولؐ خدا میں خاص طور پر کوئی رحیمانہ سلوک آپ کا جناب رسولؐ خدا کے کسی اصحابی کے ساتھ [illegible] سے بھی نہیں ملتا۔ پس "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کی تخصیص آپ کے ساتھ کسی طرح پر چسپاں نظر نہیں آتی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اپنے قبیلہ بنی امیہ و دیگر قبائل قریش میں جو فتح مکہ کے قبل مشرک تھے آپکے مسلمان ہو جانے پر بھی آپکو اقتدار اور درخور سابق کے انداز کا حاصل تھا اور آپ کے ساتھ انکے مشرک عزیزوں کو وہی سابق کی محبت باقی تھی۔ یہ اس لیے کہ آپ کا اُنکے ساتھ وہی سابق مخلصانہ برتاؤ قائم تھا۔ جس بنا پر آپ بلاخوف جان اُن مشرکین میں آمد و رفت فرما سکتے تھے اور آپکے وہ مشرک عزیز آپ کے محبت فرمانے کی وجہ سے آپ کو عزیز رکھتے تھے۔ آپکا محبوب قریش سمجھا جانا اس بنیاد پہ تھا ورنہ مسلم اور مشرک میں اتحاد کا موجود رہنا توقع کے خلاف تھا۔ پس اس اتحاد کو ملحوظ رکھکر ایک شوخ طبع عالم کہتے ہیں کہ اگر "بَیْنَھُم" کی ضمیر مشرکین قریش کی طرف پھیری جائے تو واقعات کے رو سے آپکا "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کا مصداق ہونا ثابت ہو جائیگا۔ لیکن اگر ضمیروں کے پھیر پھار کرنیوالے یہ فرمائیں کہ قول خدا میں اس "بَیْنَھُم" کے اوپر قریش کا ذکر نہیں ہے تو "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کے قبل ہی تو لفظ "الْکُفَّار" کا ہے شوق سے یہ حضرات "ھُم" کی ضمیر کو "الْکُفَّار" کیطرف پھیر دیں۔ اس سے اتنا تو ہوگا کہ آپ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کے مصداق قرار پا جائینگے اور یہ بات واقعۂ تاریخی کے خلاف بھی نہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ظریفانہ تقریر ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں۔ مطلب خداوندی "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" سے "رُحَمَآءُ مِنَ الْکُفَّار" نہیں ہے بین المسلمین یا بَیْنَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ہے۔ واضح ہو کہ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُم" کے مصداق بھی وہی لوگ تھے جو "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کے مصداق تھے۔ یعنی جن لوگوں نے کافروں سے مقابلے کیے۔ کافروں کو مارا اسلام کو بربادی سے بچایا۔ جناب رسولؐ خدا کی اعانت کی۔ دین خدا کی بے آبروئی ہونے نہ دی کبھی لڑنے سے دل نہ چرایا۔ ہمت نہ ہاری۔ مدام ثابت قدم رہے۔ کبھی جناب رسولؐ خدا اور انکے

ساتھی کلمہ گویون کو میدان جنگ مین چھوڑ کر بھاگ نہ نکلے۔ مسلمانون کو کفار کی ایذا رسانیون سے امن مین رکھا۔ انھین کفار کے ہاتھ مین پڑنے ندیا۔ انکو عذاب اسیری سے بچاتے رہے ان کے زن و فرزند پر کفار کو دسترس نہ پانے دیا۔ دین خدا اور رسول خدا اور اپنے دینی بھائیون کی بجا آوری خدمات مین پس پائی نکی۔ خوب خوب خدا کی راہ مین لڑے بھڑے۔ بڑے بڑے یلان کفار کا سامنا کیا۔ لشکر کفار سے کبھی مُنہ نہ موڑا۔ اپنی جان کی کبھی پروا نکی۔ اپنے دینی بھائیون کے ساتھ ہمدردی کرتے رہے۔ ایسے ہی لوگ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ نیز۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُم کے مصداق تھے۔ عند العقل یہ دونون صفتین "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" اور۔ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" لازم و ملزوم ہین یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص رُحَمَآءُ بَیْنَهُم۔ کا مصداق ہو اور "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کے مصداق سے خالی ہو "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کا مصداق ہوئے بغیر کوئی شخص "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" کا مصداق ہو ہی نہین سکتا۔ اب ارباب عقل و انصاف تجویز فرمائین کہ حضرت عثمان آیا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے جو رُحَمَآءُ بَیْنَهُم کے بھی مصداق قرار دیے جاسکتے۔ عند التحقیق جیسا کہ سابق مین دکھلایا جاچکا ہے آپ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق نہین ثابت ہوتے۔ تو ایسی صورت مین۔ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" کے مصداق بھی نہین قرار دیے جاسکتے واقعات پر نظر ڈالنے سے ہویدا ہے کہ نہ جناب شیخین "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کے مصداق تھے اور نہ حضرت عثمان۔ اسی لیے یہ حضرات ثلثہ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" کی صفت سے بھی تمامتر خالی ہین یہ اہل تعصب کی پوری پوری ہٹ دھرمی ہی ہٹ دھرمی ہے کہ آیت بالا مین ہر صفت ایک خاص شخص کے لیے مختص کیے دیتے ہین یعنی "اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ" حضرت ابوبکر کے لیے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ حضرت عمر کے لیے اور "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" حضرت عثمان کیلیے۔ حالانکہ مطلب اس آیت کریمہ کا صاف صاف طور یہ ہے کہ جناب رسول خدا کے ساتھ جو لوگ ہین انمین صفتین۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" وغیرہ وغیرہ کی ہین نہ یہ کہ فلان ساتھی مین یہ صفت خاص ہے۔ اور فلان مین یہ اور فلان مین یہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان صفات سے علحدہ علحدہ طور پر اشخاص خاص مراد ہوتے تو ایسی صفتین قول خدا مین مذکور نہوتین کہ جن صفتون مین درحقیقت اشتراک یا مجانست یا تلازم یا اور کسی قسم کا تعلق ایک دوسرے سے پایا جاتا ہے۔ اور جو صفتین ضرور ہین کہ صحابی مومن مین موجود ہون جیسا کہ جناب رسول خدا کے صاحب ایمان اور غیر منافق صحابیون مین موجود تھین۔ واقعی یہ آیت کریمہ ایک پوری تصویر جناب رسول خدا کے سچے صحابیون کی ہے جو صفات بالا سے مجموعی طور پر بلا کم و کاست متصف تھے۔ رضوان اللہ تعالے علیہم۔

تیسرا حصہ حضرت عثمان کی زندگی کا وہ ہے کہ جو حضرات شیخین کی خلافتون مین گذرا۔ اس مین بھی کوئی بات ایسی نہین دکھائی دیتی جس سے "رُحَمَآءُ بَیْنَهُم" کی خصوصیت آپ کے ساتھ پائی جائے۔

اب رہا چوتھا حصہ جو آپکی خلافت خاص کا زمانہ ہے - اس زمانہ پر نظر ڈالنے سے آپ کے مزاج کا انداز ظاہر ہوتا ہے - عامہ مومنین اور اصحاب جناب رسول خدا کے ساتھ اپنے عہد خلافت مین - آپ کیا رحیمانہ برتاؤ فرماتے رہے - اسکی حقیقت آپ کے زمانہ کے واقعات سے روشن ہوتی ہے - ان امور پر لحاظ کرنے سے - اہل انصاف خود تجویز فرمالینگے کہ آپ کو کسقدر "رحماء بینہم" کے مصداق ہونے کا استحقاق حاصل ہے - ذیل مین کچھ آپ کے عہد کے واقعات گذارش ہوتے ہین -

واقعہ نمبر ۱ - حضرت خلیفہ ثالث نے مغیرہ ابن شعبہ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے انکی جگہہ پر سعد ابن ابی وقاص کو جو اہل سنت کے عشرہ مبشرہ سے ہین مقرر فرمایا - یہ صاحب ایک برس حاکم کوفہ رہے ہونگے کہ انکی جگہہ پر حضرت خلیفہ نے ولید ابن عقبہ کو حاکم مقرر فرمایا اس شخص کی مختصر روداد یہ ہے کہ وہ بنی امیہ ہونے کے ساتھ رشتہ مین حضرت خلیفہ کا سوتیلا بھائی مان کی طرف سے تھا - حاکم ہونے پر شراب خواری مین یہ شخص غرق رہنے لگا - یہانتک کہ ایک روز کی حقیقت یہ ہے کہ ولید نے نشہ کی حالت مین داخل مسجد ہو کر صبح کی نماز دو رکعت کے عوض چار رکعت پڑھا دی اور مصلاے مسجد پر جو شراب پی تھی قے کر ڈالی - پھر نمازیون سے فرمایا کہ اگر تم لوگون کی خواہش ہو تو کچھ اور رکعتین بھی پڑھا دون - ان لوگون نے جواب مین یہ بات عرض کی کہ زیادہ کی حاجت نہین ہے - حضرت اسیقدر کافی ہے - انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون مین لکھا ہے کہ ابن مسعود نے اس واقعہ کے بعد یہ کہا کہ خدا تعالے نہ تیری خیر کو زیادہ کرے اور نہ اسکی خیر کو جسنے تجھے ہم لوگون کیطرف بھیجا - یعنی حضرت عثمان کی جنہون نے ولید بن عقبہ کو انکی طرف حاکم بنا کر بھیجا تھا عبارت عربی کی یہ ہے - فقال لہ ابن مسعود لا زادک اللہ خیراً ولا من بعثک الینا - تاریخ ابو الفدا اور مدارج النبوۃ شاہ عبد الحق صاحب محدث مین بھی یہ قصہ درج ہے - اسکے صحیح ہونے مین کوئی گفتگو نہین ہے - واضح ہو کہ یہ ولید شرابی فاسق ہے - ایسے کمبخت اور گمراہ کو بلاد اسلام مین حاکم مقرر کرنا حضرت خلیفہ کا ایک حیرت خیز فعل معلوم ہوتا ہے پھر دو شخص کی پے در پے معزولی کا کوئی سبب نہین معلوم ہوا - مگر ولید کی بحالی کا سبب محتاج بیان نہین ہے - یہ شخص بنی امیہ مین سے تھا - اور حضرت خلیفہ صاحب سے رشتہ داری بھی رکھتا تھا اسکے واسطے ایک عشرہ مبشرہ کی بے آبروئی اور تضحیک روا سمجھی گئی - یہ شخص سعد ابن ابی وقاص پر حضرت خلیفہ کے رشتہ دار ہونے کے سوا کوئی ترجیح نہ رکھتا تھا - ایسے شخص کو حاکم مقرر کرنا حضرت خلیفہ کی برادر پروری سے تو خبر دیتا ہے - مگر ایسی برادر پروری بھی کوئی برادر پروری ہے کہ جس سے خلق خدا پر ستم ہو اور حکم خدا اور سنت رسول خدا مین فتور واقع ہو - برادر پروری کے خیال سے ایک فاسق فاجر کو حاکم بلاد اسلام بنانا عجب طرفہ مضمون ہے - مگر معلوم ہوتا ہے کہ اہل تعصب

حضرت خلیفہ کی اس بے سروپا کارروائی کو صلۂ رحمی قرار دیتے ہین - چنانچہ ایک عالم صاحب حضرت
خلیفہ صاحب کی طرفداری مین مجھسے یہ کہتے تھے کہ حضرت خلیفۂ ثالث جو اپنے عزیز و اقربا کو بلاد اسلام
کی حکومتون پر مقرر فرماتے تھے تو اس حکم خداوندی کی تعمیل کرتے تھے جو ذوی القربے کے لیے
صدور پایا ہے - پڑھے لکھے اشخاص کے منھ سے ایسی ایسی باتونکا نکلنا عجب حیرت خیز ماجرا ہے
مسخ درونی کے بغیر کوئی شخص ایسی نامربوط باتین زبان پر نہین لاسکتا - بھائیو خدارا انصاف کرو
کیا اللہ تعالے نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے عزیز و اقربا کی پرورش کے لیے عامۂ خلایق کی تکلیف و
تضییع کے باعث ہو - اور حکم خدا اور رسولؐ مین اگر فساد واقع ہو تو ہو مگر عزیز و اقربا کے ساتھ سلوک
کیے جاؤ اور صلۂ رحم کا حکم اپنے اپنے اموال و مملوکات سے ہوا ہے یا حقوق مشترکۂ اہل اسلام سے
المختصر مغیرہ اور سعد کے ساتھ جو سلوک حضرت خلیفہ نے جائز رکھا اسکو سلوک رحیمانہ کوئی کیونکر
کہہ سکتا ہے - اب جو کچھ رحم و کرم آپنے اپنے بھائی صاحب کے حال پر مبذول رکھا اسکے رو سے
آپ "رحمآء بینہم" کے مصداق قرار دیے جاسکتے ہین یا نہین - اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمائین
راقم کو اس سے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہین - حضرات حق بین قبیلۂ بنی امیہ کے اطوار پر اس جگہہ نظر
ڈالین - اس قبیلۂ ملعونہ کے آدمی اکثر ولید ابن عقبہ کے انداز کے دکھائی دیتے ہین - یہ شخص اپنے
قومی اطوار کا نمونہ تھا - اس قبیلہ کا آدمی ہزار مین نہین چھپ سکتا - ابوسفیان و معاویہ و یزید و
مروان وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اشخاص تھے کہ انکو ہزارون مین تمیز کرلینا کوئی دشوار امر نہین معلوم ہوتا
ہر ایک انمین سے قبیلۂ بنی امیہ کا ایک پورا نمونہ نظر آتا ہے - ان اشخاص کے اطوار انکے قبیلے کے
اطوار کو مشخص کرا دینے کے انداز رکھتے ہین - اطوار افراد سے قومی اطوار کی تشخیص عمل مین آیا کرتی
اسیطرح حضرت ہاشم حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ حضرت ابوطالب حضرت حمزہ جناب محمد
مصطفے حضرت علی مرتضے حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ - اور جمیع ائمۂ خاندان پیغمبرؐ کے فرداً
فرداً ایسے اطوار ہین کہ جنسے بنی ہاشم کے قومی اطوار کی تشخیص مین کوئی دقت نہین پیش آتی - ان افراد
گرامی کے اطوار ایسے ہی ہین کہ فرداً فرداً انکا ہر بزرگ قبیلۂ بنی ہاشم کے قومی اطوار کا اچھا نمونہ ہے -
سبحان اللہ بنی ہاشم کسقدر خوش اطوار تھے - اگر بنی ہاشم ایسے نہوتے تو اس قبیلۂ گرامی مین نہ نبوت
اترتی اور نہ نزول قرآن مجید ہوتا - جب ایسے تھے تب ایسے اعزاز پائے - رب العزت بنی ہاشم پر درود
سلام بھیجتا ہے - اے ایمان والو تم بھی انپر درود و سلام بھیجو - اللّٰھم صل علے محمد و آل محمد ۰
واقعہ نمبر ۲ - حضرت خلیفہ نے عبداللہ ابن سعد کو مصر کی حکومت بخشی یہ شخص مرتد تھا - ظاہراً
آپ کی رحیمی ایسے ہی شخصون کے ساتھ ظہور مین آیا کرتی تھی - ولید جو حاکم کوفہ بنایا گیا سخت فاسق
تھا اور یہ شخص جو حاکم مصر بنایا گیا معروف مرتد تھا - فاسق اور مرتد کو مسلمانون کا حاکم بنانا کونسی

رحم دلی ہے - کیا ایسی ہی رحیمی سے کوئی شخص "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" کا مصداق ہو سکتا ہے - فریبی تیغے دیگر و آماس چیزے دیگر -

واقعہ نمبر ۳۳ - حضرت خلیفہ نے ابو موسے اشعری کو حکومت بصرہ سے معزول کر کے ابن عامر اپنے خالہ زاد بھائی کو حاکم بصرہ بنایا - یہ تقرر بھی صلۂ رحمی کے اصول پر عمل میں آیا - اب اہل انصاف خود تجویز فرمالیں کہ ابو موسے اشعری کی معزولی ایک رشتہ دار کے تقرر کے واسطے "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" کے مضمون کی تائید کرتی ہے یا نہیں - یہ صحابی یعنی ابو موسے اشعری اہل سنت کے عشرۂ مبشرہ سے ہیں - اُنکے ساتھ اس طرح کا سلوک کسی سبب معقول کے بغیر قرین رحیمی متصور ہے یا نہیں ؟

واقعہ نمبر ۳۴ - حضرت عثمان کے عہد خلافت میں سعد ابن ابی وقاص جو حاکم کوفہ تھے - اور مالک اشتر کے درمیان بحث و نزاع واقع ہوئی - حاکم کوفہ کے آدمیوں نے مالک اشتر کو سخت مار ماری کہ مالک اشتر بیہوش ہو گئے - یہ بات اشراف و اعیان کوفہ پر گراں گذری اور ثابت ابن قیس وغیرہ جو اشراف کوفہ سے تھے - اس بنا پر سعد سے ناراض ہو کر انکی شکایت مجلسوں میں کرنے لگے اور حضرت عثمان کو بھی نارضامندی کے ساتھ یاد کرتے گئے - جب سعد نے حضرت خلیفہ کو اُن لوگوں کی حکایت شکایت سے اطلاع دی تو حضرت خلیفہ نے اُن لوگوں کو کوفہ سے شام کی طرف نکلوا دیا - پھر اُن بیچاروں کے لیے اسیقدر سزا کافی نہ سمجھی گئی - حضرت معاویہ حاکم شام نے حضرت خلیفہ سے اُنکے حق میں یہ حکم صادر کرا دیا کہ وہ بیچارے شام سے شہر حمص کی طرف بھیجدیے جائیں تاکہ عبد الرحمٰن بن ولید جو شہر حمص کا ایک نہایت درشت خو حاکم تھا اُن اشراف کوفہ کی اچھی طرح خبر لے - اہل انصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ کچھ عجب فساد اور بیرحمی کا زمانہ تھا - بنی امیہ جو حضرت خلیفہ کے رشتہ دار تھے حکومتوں کے زور پر جو بیرحمی اور شیطنت کے کام چاہتے تھے کرتے تھے - مالک اشتر کے ساتھ جو کیا گیا سو کیا گیا - جن اشراف کوفہ نے مالک اشتر کی حالت پر ترس کھا کر حاکم کوفہ اور حضرت خلیفہ سے نارضامندی ظاہر کی انکے ساتھ یہ عجیب ظالمانہ کارروائی کی گئی جس سے حضرت خلیفہ کا رحیم فراج ہونا تو درکنار آپ کا ظلم پرور ہونا ثابت ہوتا ہے - جائے لحاظ ہے کہ وہ بیچارے اشراف کوفہ پہلے نفی بلد کیے گئے - پھر حضرت معاویہ کی دستگیری سے ایسی طرف بھجوائے گئے - جہاں انکی رگ گردن کے نرم کیے جانے کا سامان کامل طور پر مہیا تھا - ان سب باتوں پر نظر کر کے کون عقل کا مارا حضرت خلیفہ کو "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" کا مصداق سمجھے گا -

واضح ہو کہ مالک اشتر جناب رسول خدا کے ایک معروف صحابی تھے - مگر اس وصف کے ساتھ

اُنھین ایک بڑا نقصان یہ تہا کہ وہ خاندان پیغمبرؐ خدا کے بڑے دوستدار تہے - آپ حضرت علیؑ کی ایک ذاتی دوست تہے - لاریب اُسوقت اور اِس وقت کی اسلامی دنیا مین اس سے زیادہ بہاری دوسرا عیب ہو نہین سکتا تہا - حضرت عثمان اور بنی اُمیہ کی حکومتون کے زمانہ مین علیؑ کے دوستدارون کی جو درگتین ہوائی ہین اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہین - محبان علیؑ مین سے کوئی بہی ایسا شخص نظر نہین آتا جو حضرت عثمان یا دیگر بنی امیہ کی حکومتون کے زمانہ مین زدوکوب یا نفی بلد کے سلوک سے بچ رہا ہو -

واقعہ نمبر ۵ - حضرت ابوذر غفاری کے ساتھ جو سلوک اس عہد خلافت مین ہوا - وہ بہت کچہ قابل لحاظ ہے - بیچارے ایک مشہور اور معروف صحابی جناب رسولؐ خدا کے تہے - مگر خاندانِ پیغمبرؐ کی محبت کے عیب سے مالک اشتر سلمان مقدادؓ اور عمار بن یاسر کی طرح پاک نہ تہے - عہد بنی امیہ مین حضرت علیؑ کے طرفدارون کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا ظہور مین آنا - کوئی خلاف قیاس امر نہ تہا - چنانچہ ابوذر سے ناراض ہوکر حضرت معاویہ نے جو حضرت خلیفہ کو یہ لکہا کہ اگر تجہے ولایت شام کی حاجت ہے تو ابوذر کو شام کسی دوسرے ملک مین بہیجدے - اسپر حضرت خلیفہ نے معاویہ کو حکم بہیجا کہ تو ابوذر کو ایک مجنون اور برہنہ پشت اونٹ پر سوار کر کے میرے پاس مدینہ مین بہیجدے - حضرت خلیفہ کے اس حکم کی ویسی ہی تعمیل کی گئی جیسا کہ منشای حکم تہا - یعنی حضرت معاویہ نے ابوذر کو ایک برہنہ پشت اور مجنون شتر پر سوار کر کے مدینہ تک پہنچوا دیا - حضرات ناظرین حضرت خلیفہ صاحب کے اس ایجاد سزا پر لحاظ فرمائین کہ اس مین کسقدر لطفِ جدت ہے اور اُس سے کسقدر حضرت خلیفہ کی رحم دلی کا پتہ لگتا ہے - کیا "رحماء بینھم" ایسے ہی حضرات ہوا کرتے ہین جو جناب رسول خداؐ کے بہی نامی صحابی کو منزلون مجنون اور برہنہ پشت شتر پر چڑہوایا کرتے ہون ابوذر جیسے سن رسیدہ آدمی کا شام سے مدینہ تک اس طور پر پہنچایا جانا ایک طرفہ مضمون ہے - تعجب یہی ہے کہ ابوذر کیونکر زندہ رہکر مدینہ تک پہنچ سکے - خدا حافظ حقیقی تہا - ورنہ اس ترکیب عزیب سے اُنکا سختی کے ساتھ مرجانا بہت قرین قیاس تہا - بقرینۂ غالب ایسے بے سروپا حکم کا مطلب بہی یہی تہا کہ ابوذر کے سرچوٹی راہ مین برابر ہو جائین - مگر چونکہ حیات مستعار باقی تہی کسی نہ کسیطرح زندہ رہ گئے - یہ معاملہ کہے دیتا ہے کہ حضرت خلیفہ کو نہ صرف بیرحمی کی طرف میلان قوی تہا بلکہ صاحب حیا ہونیکی نسبت بہی جو آپ کیطرف عموماً کی جاتی ہے وہ بہی محض ایک خیالی بات معلوم ہوتی ہے - ظاہر ہے کہ کوئی صاحب حیا ایسی سزا ایجاد نہ کریگا جسکے اعادہ مین اُسکے بیان کرنے والے کو بہی حیا دامنگیر ہوتی ہو - حضرت خلیفہ کے اس شتر بے مہار حکم کا ذکر تاریخ خمیس مین ہے جو چاہے دیکہ لے -

بہرحال اس خرابی و خستگی کے ساتھ جو ابوذر مدینہ پہنچے تو یہان حضرت خلیفہ نے اُس صحابی رسولؐ کو مدینہ سے بہی

نکلجانے کا حکم دیا - ابوذر اس حکم کو پاکر ربذہ کو چلے گئے (دیکھو تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۵۲۵ و اعثم کوفی ۲۰۲ و ابوالفدا صفحہ ۱۰۸ و روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۱۹ و روضۃ الاحباب) حکم حضرت خلیفہ کا یہ بھی تھا کہ کوئی شخص اُس مظلوم کی مشایعت نکرے چنانچہ کسی نے مشایعت نکی الا علی ابن ابیطالب اور عمار بن یاسر نے جو تھوڑی دور تک مشایعت کے طور پر اُس غریب الوطن کے ساتھ گئے - اہل سیر لکھتے ہین کہ جب حضرت خلیفہ سے ابوذر نے اخراج کا حکم پایا تو اُس جفا رسیدہ نے فرمایا کہ ہمنے پیغمبر خدا سے سُنا ہے کہ ابوذر تنہا زندگی کریگا اور تنہائی مین مریگا - چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا تھا - حضرت ابوذر کی اِن مصائب کشیون کو خیال کر کے کسکا دل نہین بھر آتا - جو جو جفائین اُس غریب صحابی پر گذری ہین اُنکا انصاف قاضی محشر کے ہاتھ ہے واضح ہو کہ جو کچھ الزامات حضرت خلیفہ کی طرف سے ابوذر پر عائد کیے گئے تے وہ سب کے سب محض بے بنیاد تھے - ابوذر بھی اُنسے انکار رکہتے تے - اور حضرت امیرؑ نے بھی ابوذر کے حق مین یہ فرمایا کہ مینے جناب پیغمبر خدا سے سُنا ہے کہ ابوذر نہایت سچا آدمی ہے - مگر مولائے کائنات کی شہادت حضرات بنی امیہ کے واسطے کب کافی متصور تھی - چنانچہ اس فرمودہ علیؑ پر کوئی توجہ نکی گئی اور ابوذر بیگناہ اس ذلت اور خرابی کے ساتھ نفی بلد کیے گئے - اصل وجہ ان ایذا رسانیون کی کوئی خطاواری ابوذر کی نہ تھی - جو کچھ خطا اُس بیگناہ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ مظلوم دوستدار ان علیؑ سے تھا اور محامد اور محاسن علیؑ مرتضٰے کے بیان کیا کرتا تھا - اگر ابوذر علیؑ کے محب نہوتے تو ان سب آفتون مین نہ پڑتے - اب اہل انصاف معاملات ابوذر پر لحاظ فرماکر خود تجویز کرلین کہ ایسی بیرحمی کی کارروائیان ایسے کسی شخص سے عمل مین آسکتی ہین جو - رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ - کے مصداق ہونیکا استحقاق رکھتا ہو -

واقعہ نمبر ۶ - محمد ابن ابی بکر کے ساتھ جو بے عنوانی کا برتاؤ ظہور مین آیا وہ یہ تھا کہ مصر کے نامہ مین "اقبلوہ" کے عوض - "اقتلوہ" لکھدیا گیا - اگر یہ کہیے کہ مروان نے ایسا لکھدیا تو بھی الزام سے حضرت خلیفہ پاک نہین ہوتے - مروان تو حضرت خلیفہ کا دست راست تھا یہ شخص حضرت خلیفہ کا مقرر کردہ وزیر تھا اور حضرت خلیفہ کے تمام ملکی اور مالی کام سے سراسر تعلق رکھتا تھا - پس جو کچھ نیک و بد حضرتِ مروان کیا کرتے تے - اسکا جواب دہ حضرت خلیفہ کے سوا کوئی دوسرا شخص قرار نہین دیا جاسکتا - یہ شخص حکم نبوی کے رو سے تمام بلاد اسلام سے نکالا ہوا تھا - حتے کہ حضرات شیخین نے بھی اس کمبخت کو اپنے اپنے عہد خلافت مین بلادِ اسلام سے خارج رکھا تھا - مگر حضرت خلیفہ نے رشتہ داری کی بنا پر اپنے عہد خلافت مین اُسے مدینہ ملبوا کر اپنا وزیر اور مشیر بنایا (دیکھو محاضرات راغب اصفہانی ایسی صورت مین اُس مردود خدا و رسول سے جو جو افعال قبیحہ صادر ہوتے گئے - اُن سب کا جوابدہ

حضرت خلیفہ کے سوا کوئی دوسرا انہین قرار پا سکتا۔ مروان کو محمد ابن ابی بکر سے عداوت کی وجہ اسکے سوا اور نہ تہی کہ یہ صاحب خلیفہ اول صاحب کے صاحبزادے ہوکر بہی طرفداران علیؑ مین سے تہے اتنی بات قوم بنی امیہ کو انکا دشمن جانی بنا دینے کے واسطے کافی تہی ورنہ محمد بن ابی بکر ایسے شخص تہے کہ انکی صاحبزادگی کا مضمون علیؑ کے مخالفین مین ضرور قابل خیال ہوتا۔ آخر محمدؒ بن ابی ابکر کی جان بہی بنی امیہ کے ہاتھ سے گئی۔ حضرت معاویہ نے انہین قتل کراکر انکی لاش کو ایک گدہے کی چمڑے مین رکھکر جلوا ڈالا۔ (دیکھو تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۵۹۲ و ابوالفدا صفحہ ۲۳۴)۔

واقعہ نمبر ۷۔ عمار ابن یاسر کے ساتھ جو اصحاب جناب رسولؐ خدا سے تہے کیا۔ رحیمانہ سلوک حضرت خلیفہ صاحب کے عہد مین کیا گیا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے۔ واضح ہو کہ جب حضرت خلیفہ کی بے اعتدالیان حد سے گذر گئین اور عامہ مسلمین کی آسائش مین سخت خلل لاحق ہونے لگا تو پچاس اشخاص مہاجرین و انصار نے عمار بن یاسر کو ایک نامہ دیکر حضرت خلیفہ صاحب کی خدمت مین بہیجا جسکا مضمون یہ تہا کہ اگر حضرت خلیفہ اپنی ضرر رسان کارروائیون سے باز نہ آئینگے تو خلافت سے معزول کر دیے جائینگے۔ اس سفارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمار ابن یاسر پر اسقدر مار پڑی کہ وہ عارضہ فتق مین مبتلا ہو گئے۔ اہل انصاف تجویز فرما دین کہ یہ بہی کیا ہی ایک عمدہ مثال رحیمانہ کارروائی کی ہے جو جناب رسولؐ خدا کے ایک معروف صحابی کے مقابلہ مین عمل مین لائی گئی۔

اگر دوستداران حضرت خلیفہ صاحب یہ فرما دین کہ اپنے ہاتہون سے اس طرح کا صدمہ حضرت خلیفہ نے عمار ابن یاسر کو نہین پہنچایا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت خلیفہ نے عمار کے جفا کارونکو اس مار پیٹ سے کیون نہ روکا اور اگر یہ مار پیٹ کے وقت انسداد نہ کر سکے تو اس وقوع کے بعد ان جفا کارونکو سزا کیون نہ دی۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ چونکہ ان جفا کارون نے یہ فعل خود حضرت خلیفہ صاحب کے نفع کے لیے کیا تہا حضرت خلیفہ صاحب انہین کیون روکتے یا انہین سزا کیون دیتے یہ ہم تنزلاً عرض کر رہے ہین حقیقت امر تو یہ ہے کہ اس وضع کی بے اعتدالیان حضرت خلیفہ صاحب کے عہد مین نہ فقط امر جائز بلکہ ضروری سمجہی جاتی تہین۔ اور خود حضرت خلیفہ صاحب ایسی بے اعتدالیون کے باعث ہوا کرتے تہے۔ بلکہ بعض اوقات بے اعتدالیان ایجاد بہی فرمایا کرتے تہے۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کے برہنہ پشت اور مجنون شتر پر سفر کرانیکی سرگذشت اوپر عرض ہو چکی ہے۔ حضرت عمار کے ساتھ ایسی بیرحمی کے سلوک کی وجہ قوی یہ تہی کہ آپ بہی حضرت علیؑ کی دوستداری کا عیب رکہتے تہے۔ یہان ایک موقعہ جو حضرت علیؑ کی محبت کے معاوضہ کا۔ ہاتھ آگیا تو پہر کیا تہا۔ بیچارے عمارؓ پر جو گذرنی تہی گذر گئی۔ وہ ران ابقا چہ بادصحرا بگذشت الخ۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ عجب بدنظمی کا زمانہ تہا۔

خود حضرت خلیفہ صاحب مین مُلکداری کی صلاحیت مطلق نہ تھی اور آپکے قبیلہ کے اشخاص فطرتاً شر کیجانب میلان رکھتے تھے - انہین جب جب موقع شر کا ملتا تھا یا خود شر کے مرتکب ہوتے تھے یا حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے شر کا فعل کرا دیتے تھے - آپ کی ضعیف المزاجی کے باعث آپکے قبیلہ کے آدمی جو چاہتے تھے کرتے تھے - اور عامۂ مسلمین کو اُنکے افعال سے طرح طرح کی ایذائین پہنچتی تھین - بڑے بڑے عہدون پر مردمان بنی امیہ ہی سرفراز تھے اور جو کچھ سلوک نیک ممکن تھا حضرت خلیفہ صاحب کی جانب سے اُنکے ساتھ کیا جاتا تھا - مثلاً - مروان کو آپنے طلب کرکے اپنا وزیر بنایا اور اُسے خمسِ افریقہ عنایت فرمایا - حکم ابن عاص کو ایک بار ایک لاکھ درم دیدیے اور اُسکے بیٹے حارث کے واسطے دسوان حصہ زرِ ثمن کا ہر دوکاندار مدینہ سے مقرر کرا دیا - اسیطرح مختلف ملکون مین اپنی قوم کے حاکم مقرر فرما دیے - یہانتک کہ ہر طرف بنی اُمیہ ہی کی حکومت نظر آنے لگی - یہ حکام بنی امیہ فعالٌ مایرید کی طرز پر اپنے عہدونکا کام انجام دیا کرتے تھے اور اُسپر طرہ یہ تھا کہ حضرت خلیفہ صاحب اُنکی پشت پناہی مین کوئی کوتاہی نکرتے تھے - شام مین تو بنی اُمیہ کی حکومت ابتدائے خلافت راشدہ سے ہی قائم ہو چکی تھی اور شام اور اُسکے اطراف کا ملک مملوکۂ بنی امیہ ہو ہی چکا تھا - حضرت خلیفہ صاحب کے عہد مین سارا بلاد اسلام بنی امیہ ہی کے زیر حکومت ہو گیا اور یہ اشرار کوسِ اَنَا وَ لَا غَیرِی بجانے لگے - چونکہ یہ بنی اُمیہ شرالناس تھے - ہر طرح کے فسادات اس عہد مین ظہور کرنے لگے اور کوئی تعجب نہین ہے کہ بے اعتدالی کے افعال یہ عاقبت برباد خود حضرت خلیفہ صاحب کے ہاتھ سے کراتے رہے - بے اعتدالیون کا یہ دفتر جو اہل انصاف کے پیش نظر کیا جاتا ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ صاحب اور آپ کے قبیلہ کے اہل حکومت عامۂ مسلمین کی رفعت کی رعایت کو مدنظر رکھنے کے عوض اپنے اغراض ذاتی کے حاصل کرنے مین ہر طرح کی بیرحمیون کے کاربند ہوتے تھے

واقعہ نمبر ۸ - عبد الرحمٰن بن عوف حضرات اہل سنت کے یکے از عشرۂ مبشرہ ہین - آپ جناب رسول خدا کے صحابی تھے - مگر حضرت خلیفہ صاحب کے حکم سے نفی بلد کیے گئے - یعنی مدینہ سے آپ بھی نکالے گئے - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت عثمان عبد الرحمٰن بن عوف ہی کے زور سے خلیفہ مقرر کیے گئے تھے - (دیکھو تاریخ طبری) اگر یہ صحابی نہوتے تو خلافت حضرت عثمان تک ہرگز نہ پہنچتی - مگر اس نیکی کے عوض اُنکے ساتھ جو اس طرح کا سلوک بدعمل مین لایا گیا تو اس سے ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُنھین اپنے غیر منصفانہ کارروائی کی خدا کی جانب سے سزا ملی حقیقت حال یہ ہے کہ خلیفہ قرار پاتے ہی حضرت عثمان عبد الرحمٰن بن عوف سے ناخوش رہنے لگے - اسی ناخوشی کی بنیاد پر حالت پشیمانی مین عبد الرحمٰن بن عوف نے ایک بار حضرت خلیفہ

یہ کہا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ تم ہمسے مخالفت کروگے تو ہم تمکو خلیفہ ہی نہونے دیتے - حضرت عثمان کے خلیفہ بنائے جانیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب حضرت عمر ابو لولو فیروز کے ہاتھ سے زخمی ہو کر قریب رحلت ہوئے تو آپ نے اپنی جانشینی کا ایسا ایک معقول سامان فرمایا کہ جس سے حضرت علیؑ کو خلافت کا ملنا خارج از امکان تھا - بلکہ اگر علیؑ حصول خلافت کے درپے ہوتے تو آپکا قتل کیا جانا امر یقینی تھا واقعی حضرت عمر بڑے قابل شخص تے - آپنے حضرت علیؑ کو اپنے سے پہلے خلیفہ نہونے دیا اور اپنے بعد بھی خلیفہ ہونے سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ روکا - لاریب حضرت عمر کا پولیٹیکل دماغ نہایت ہی غیر معمولی ترکیب کا واقع ہوا تھا - آپ نے حضرت ابو بکر اور اپنی خلافت کے زمانون کو نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کاٹا - حضرت علیؑ اور تمام بنی ہاشم پر بڑے زورون کے ساتھ اپنا پولیٹیکل اثر پہنچاتے رہے - یہ آپ ہی کی قابلیت تھی کہ جسنے بنی امیہ کو تھوڑے عرصہ مین منتہائے ثروت کو پہنچا دیا اور بنی ہاشم جیسے زبردست قبیلہ کو صرف کمزور ہی نہین کر ڈالا بلکہ آپ اُن لوگون کو اُس راہ پر لے آئے جس مین وہ قبیلہ کا قبیلہ آیندہ ہمیشہ ہر ہر قدم پر سخت ٹھوکرین کھاتا رہا - اللہ رے حضرت کے پولیٹیکل دماغ کی قوت - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ وقت آخر مین آپ ایسی زخمی ہو رہے تھے کہ جس سے پھر آپکو جانبری نہو سکی - مگر ایسی بُری حالت مین بھی آپ اپنی جانشینی کا انتظام اس قوت دماغی کے ساتھ عمل مین لائے کہ جسکو دیکھکر عقل دنگ ہو جاتی ہے - آپنے بڑی دوربینی کے ساتھ اپنی جانشینی کو شورے پر چھوڑا - شورے کے لیے چھ آدمیون کو انتخاب فرمایا اور نہایت پولیٹیکل مصلحت بینی کے ساتھ حضرت علیؑ کو بھی یکے از اہل شورے قرار دیا - یہ آپکو معلوم تھا کہ دیگر اہل شورے عداوت کی بنیاد پر علیؑ کا ساتھ ندینگے - جس سے علیؑ خلیفہ مقرر نہو سکینگے اس ہدایت کے ساتھ ایک عجیب پیچ حضرت عمر نے - یہ بھی لگا دی کہ اگر اہل شورے کی تجویز کے بعد کوئی شخص اہل شورے کی تجویز سے اختلاف کرے تو اُسے قتل کر ڈالنا ضرور ہے - ایسی نازک وقت مین کہ آپکی جان لبون تک آ گئی تھی اس طرح کے پیچ در پیچ معاملات کو ذہن مین رکھکر اُنکی پولیٹیکل نتائج کو پیش نظر رکھنا ایک معمولی دماغ کا کام نہ تھا - خیر - جب حضرت عمر رحلت فرما گئے تو اہل شورے نے خلیفہ کے انتخاب کی کارروائی شروع کی - عبد الرحمن بن عوف نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اگر تم خلیفہ بنائے جاؤ تو معاملات خلافت کا انجام احکام قرآنی اور سنت جناب رسول خدا اور سیرت شیخین کے مطابق کروگے یا نہین؟ جناب علیؑ ایک سچے آدمی تے - آپ نے فرمایا کہ جہانتک ممکن ہوگا کرینگے (دیکھو تاریخ طبری) لیکن محقق امر یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ فرمایا کہ حکم خدا اور سنت رسولؐ کے مطابق ہم عمل کرینگے - اور اسکے بعد جو از روے اجتہاد کے ہمکو مناسب معلوم ہوگا ویسا کرینگے - سیرت شیخین ہمارے نزدیک کوئی چیز نہین ہے - اس جواب سے

عبدالرحمن بن عوف بظاہر ناخوش ہوئے۔ آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم شرط کے ساتھ جواب دیتے ہو۔ اسکے بعد عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے وہی سوال کیا جس پر حضرت عثمان نے بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ جواب مین فرمایا ہان ہم ایسا ہی کرینگے۔ یہ جواب بلا شرط حضرت عثمان سے پاکر عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ قرار دیدیا۔ جناب علیؑ خاموش ہو رہے۔ اور جاہلانہ طور پر اپنی جان کو معرض ہلاکت مین ڈالنا پسند نہ فرمایا۔ اگر اُس وقت آپ کچھ بھی لاؤ نعم کو راہ دیتے تو خلیفہ متوفی کی ہدایت آخری کے مطابق آپ قابل قتل قرار دیے جاتے اور قتل کر ڈالے جاتے۔ یہ بھی حضرت عمر کی ہدایت قابل لحاظ ہے آپ زخمی ہو کر مر رہے تھے۔ مگر حضرت علیؑ کی خبر لینے سے اُسوقت بھی غافل نہ تھے۔ اگر کارروائی شوریٰ کے وقت اہل شوریٰ کی تجویز سے آپ خاموش نہ رہتے تو آپ کا قتل کر دیا جانا امر یقینی تھا کوئی شک نہین کہ حضرت عمر بہت گہرے تھے۔ مگر حضرت علیؑ نے بھی اپنی نظری دانشمندی سی بڑی دوربینی کو راہ دی اور محل خطر سے اپنے آپکو محفوظ رکھا۔ خلیفہ ہو کر حضرت عثمان جسقدر احکام قرآنی اور سنت رسولؐ و سیرت شیخین کی پیروی کرتے رہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے

واقعہ نمبر ۹۔ جب حضرت خلیفہ نے اور نسخہ جات قرآن مجید کے ساتھ حضرت عائشہ کے پدر بزرگوار کے نسخہ قرآن کو بھی جلوا ڈالا تو حضرت ام المومنین کو اسکا سخت رنج ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "اُقْتُلُوا نَعْثَلاً" یعنی مار ڈالو اس نعثل کو۔ نعثل ایک یہودی تھا کہ جس سے حضرت خلیفہ صاحب بہت ہم شبیہ تھے۔ یا نعثل سے مراد پیر فرتوت اور احمق ہے۔ بعض اشخاص نے نعثل کو کفتار یعنی لگڑ بگہ کا مترادف بھی جانا ہے۔ خیر۔ جو بھی معنی نعثل کے ہون یہ جملہ حضرت ام المومنین کی بیزاری سے خبر دیتا ہے۔ غرض اس معاملہ کو عرض کرنے کا یہ ہے کہ حضرت خلیفہ کے عہد کے لوگ آپ سے بہت کم راضی تھے (دیکھو تاریخ الخلفا سیوطی کی اور تاریخ طبری) اسکی مثالین اور بھی پیش کیجا سکتی ہین۔ مگر اُنکے اعادہ کی یہان ضرورت نہین معلوم ہوتی ہے کیا سمجھکر حضرت عمر نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کا سامان کیا تھا۔ راقم کچھ کہہ نہین سکتا حضرت عثمان کو مطلق صلاحیت خلافت رانی کی نہ تھی۔ بہی خواہ اسلام ہو کر حضرت عمر کا فرض منصبی تھا کہ ایک لائق خلیفہ کی جانشینی کا سامان فرماتے۔ شوریٰ پر معاملۂ خلافت کو چھوڑ دینے سے صرف اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے حضرت علیؑ تک خلافت نہین پہنچ سکتی تھی جیسا کہ ظہور مین آیا۔ اسمین بھی کوئی شک نہین کہ حضرت عمر نے کبھی یہ نہ چاہا کہ حضرت علیؑ خلیفہ ہون خواہ اپنے پہلے خواہ اپنے بعد۔ مگر اس عداوت کے لیے حضرت عثمان کو خلیفہ بنوا کر تمام بلاد اسلام کو بدحالی مین مبتلا کر دینا ہرگز اسلام کی بہی خواہی کی بات نہ تھی

خلیفہ کے انتخاب کے لیے حضرت عمر کو لازم تہا کہ حضرت علیؑ کی عداوت کو بالکل بہولجاتی لاریب اگر علیؑ انتخاب مین در آتے تو ہزار گونہ حضرت عثمان سے بہتر خلیفہ نکلتے - حضرت عمر کے بعد بہی خلیفہ ہوجانے سے بہت سے فتنہ و فساد جو حضرت علیؑ کو حضرت عثمان کے بعد خلیفہ ہونے سے پیش آئے ہرگز پیش نہ آتے - مثلاً حضرت علیؑ کو جنگ جمل کی نوبت نہ پہنچتی معاویہ صاحب آسانی کے ساتھ معزول ہوجاتے اور جتنی خونریزیون کے باعث یہ صاحب دنیا مین ہوئے ہین اُنکی نوبت نہ آتی - ان سب آفتون سے محفوظ رہکر حضرت علیؑ اطمینان کے ساتھ انتظام خلافت بہی عمل مین لاتے - کوئی شک نہین کہ حضرت علیؑ ایک بڑے مادے اور استعداد کے آدمی تہے - آپ کے وقت مین ایسے ایسے نامعقول واقعات ظہور مین نہ آتے جنکا ذکر اوپر حضرت عمر کی خلافت کے لگاؤ سے کیا جاچکا ہے - بہت جائے افسوس ہے کہ حضرت علیؑ بعد حضرت عمر کے بہی خلیفہ قرار نہ پاسکے - آپ ایسے وقت مین خلیفہ بنائے گئے کہ بہت شور و فساد کا وقت تہا - بے ایمانون کی بغاوتون سے آپ کو اتنی فرصت کہان نصیب ہوئی کہ ملکی انتظامات کی طرف پوری توجہ مبذول فرماسکین -

اب تمام حالات بالا کو ملحوظ رکہکر ارباب انصاف تجویز فرمائین کہ جو خلیفہ صاحب ولید بن عقبہ جیسے فاسق کو کسی بلاد اسلام کا حاکم بنادین - مروان جیسے مردود درگاہ خدا و رسولؐ کو عہدۂ وزارت پر سرفراز فرمائین - حکم بن عاص کو بلا استحقاق زر کثیر عنایت کرین - حارث کو مفت مین دسوان حصہ زر ثمن کا دوکانداران مدینہ سے دلوادین (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی کی حال عثمان باب السابع فصل الثالث) - تمام حکومتونکو مفسدان بنی اُمیہ اور دیگر اشرار کے سپرد کردین - ناحق مغیرہ بن سعد اور ابو موسےٰ اشعری کو جو اہل سنت کے عشرۂ مبشرہ سے ہین حکومتون سے معزول کرین - ایک اور کو عشرۂ مبشرہ سے یعنی عبد الرحمن بن عوف کو مدینہ سے نکلوادین - نہایت بیرحمی کے ساتھ ایسے ممتاز صحابیون کے ساتھ جیسے کہ مالک اشتر ابوذر غفاری عمار ابن یاسر تہے پیش آوین - محمد بن ابی بکر کے قتل کیے جانیکا بندوبست کرین یا بندوبست ہونے دین - ام المومنین حضرت عائشہ کو اپنی بے اعتدالیون سے رنج دین - شرفائے کوفہ کو انواع طرح کی عقوبتون مین مبتلا کرین اور عامۂ مسلمین کو اپنے ایذا رسان کارروائیون سے بیحد آزردہ کرڈالین - تو پہر ایسے خلیفہ صاحب کو جناب شاہ ولی اللہ صاحب کیونکر رُحماءُ بینہم کا مصداق قرار دیتے ہین - جاننا چاہیے کہ صرف شاہ صاحب موصوف ہی ایسا نہین فرماتے ہین یہی مضمون فقیر کی نظر سے کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ مین بہی گزرا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی [illegible] سے چلی آتی ہین - خدا تعالےٰ اپنے بندون کو حق جوئی حق بینی

اور حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے۔ واضح رہے کہ نجات انسان حق جوئی حق بینی اور حق گوئی پر موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ غلط خیالیون کا پابند نہ خدا کا دوست ہو سکتا ہے اور نہ اُسکی عاقبت بخیر ہو سکتی ہے۔ المختصر حضرت عثمان کے کسی حصۂ زندگی سے ایسا نہین معلوم ہوتا کہ آپ۔ "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" کے مصداق کسی وقت مین بہی تہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا۔ کے مصداق حضرت علیؑ ہین یا نہین۔ ظاہرا کسیکو جناب علی مرتضےٰ کی توفیق عبادت سے انکار نہین ہو سکتا ہے۔ لاریب آپ دولت تعبّد سے مالامال تہے۔ ہمیشہ خالق کی بندگی مین مشغول رہا کرتے تہے۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب یا اُنکے جیسے اور علمانے جو حضرت امیرؑ کو اس صفت خاص کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے تو یہ بہی خالی از علت نہین ہے۔ یعنی اس صفت کی تخصیص سے یہ بات نکلتی ہے کہ جناب مرتضوی خالی روزہ و نماز کے آدمی تہے اور گو یہ صفت کسی درجہ کی اچھی ہو مگر اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ رکوع و سجود مین مبتلا رہیگا وہ قومی خدمتون مین بمقابلہ ایسے لوگون کے جو مصداق۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ کے سمجہے جاتے ہین ضرور قاصر رہیگا۔ اس لیے ایسے عبادت گزار شخص کو بمقابلہ ایسے بکار آمد حضرات کے کسی طرح کی ترجیح حاصل نہین ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص صرف نماز و روزہ کیا کرتا ہے وہ اپنی ذات خاص کو نفع پہنچاتا ہے۔ مگر اسکو کسی صورت سے ایسے حضرات پر ترجیح نہین دیجا سکتی۔ جو دین خدا کیلیے اپنے زور بازو اور قوت دل سے ہمیشہ کفار پر بڑی شدّت کرتے تہے یا آپسمین غایت درجہ کا رحیمانہ برتاو رکھتے تہے جنکی وجہ سے عامۂ مسلمین اور برادران دینی کو فوائد کثیرہ پہنچاتے تہے۔ لاریب ان صفات کے حضرات مجرد رکوع و سجود مین مشغول رہنے والے پر ہزار درجہ ترجیح رکہتے ہین۔ پس علمائے متعصب شعار کا حضرت علیؑ کو رُکَّعًا سُجَّدًا کی تخصیص کے ساتھ یاد فرمانا خالی از علت نہین ہے۔

شعر۔

محبت بہی نہین قاتل کی خالی ہے عداوت سے ۔۔۔ اشارہ بہی جو کرتا ہے تو انگشت شہادت سے

لیکن اگر اُن علما کو انصاف نصیب ہوتا تو اور صفتین جنکو حضرات خلفائے ثلٰثہ کے ساتھ مخصوص جانتے ہین۔ اُنکو بہی ذات پاک مرتضوی کے ساتھ مخصوص سمجہتے۔ اسلیے کہ اُن صفات کو بہی تمامتر حضرت علیؑ ہی کی ذات پاک کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔ اب ہم اُن صفات کے تعلق کی تحقیق ذیل مین حوالۂ قلم کرتے ہین۔

واضح ہو کہ سب سے بڑی صفت اہل سنت کے نزدیک معیت جناب رسول خدا کی ہے اور اس صفت کی تخصیص حضرت ابوبکر کے ساتھ کیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکر کی بڑی سی بڑی

معیت جناب رسولؐ خدا کے ساتھ آپ کی معیت غار ہے البتہ یہ معیت ایک بڑی ممتاز معیت ہوتی اگر آپ ضعف قلب کے باعث مضطرب الحالی نہ دکھلاتے۔ آپکی یہ معیت تو جناب رسولؐ خدا کے واسطے مصداق نہ شد بلا شد ہو گئی تھی۔ حضرت ابوبکر ترسندہ جانی کے باعث اُس غار مین کسی طرح پر جناب رسولؐ خدا کی مدد کرنے کے قابل نہین رہے تھے۔ یہ وقت جناب رسولؐ خدا کے لیے نہایت نازک تھا۔ غار کے باہر کفار آپ کو تلاش کر رہے تھے اور اندر غار کے آپکے ساتھی صاحب یعنی حضرت ابوبکر مضطربانہ طور پر جزع و فزع مین مبتلا ہو رہے تھے۔ واقعی یہ عجب وقت جناب رسولؐ خدا پر آپڑا تھا۔ مگر آپ کی خلقی شجاعت نے ایسے نازک وقت مین بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ نہایت استقلال کے ساتھ حضرت ابوبکر کو جزع و فزع سے منع کرتے رہے۔ حتےٰ کہ وہ نازک وقت سر سے ٹل گیا۔ اب اہل انصاف غور فرمائین کہ ایسی معیت سے کیا کسی شخص کو بوجہ فخر و ناز ہو سکتی ہے۔ اور ایسی معیت سے کیا تعریف حضرت ابوبکر کی ثابت ہوتی ہے۔ آیت غار سے اسیقدر تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر جناب رسولؐ خدا کے ساتھ غار مین تھے اور مضطرب الحال ہو رہے تھے اور انکی مضطرب الحالی اسدرجہ کو پہنچ گئی تھی کہ جناب رسولؐ خدا کو مجبوراً لا تحزن فرمانا پڑا۔ یہ کیسی معیت ہے۔ اور اس معیت سے حضرت ابوبکر کی کیا فضیلت عیان ہوتی ہے۔ اسکو اہل انصاف خود تجویز فرمالین۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ اس معیت کے سوا اور کوئی معیت جناب رسولؐ خدا کی جو قابل لحاظ ہو حضرت ابوبکر کو نصیب نہین ہوئی۔ اب حضرات ناظرین حضرت علیؑ کی معیت ہائے فراوان پر اپنی توجہ مبذول فرمائین۔ ذیل مین کچھ معیتین عرض کیجاتی ہین۔

اوّل معیت حضرت علیؑ کی یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ ایک نور سے ہین جیساکہ خود جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ۔ اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ۔ (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی کی) اس حدیث کے حق ہونے مین علمِ حدیث کے رو سے کسی مسلمان کو عذر نہین ہو سکتا۔ وہ جلد عبقات کی جسمین حدیث نور کی تحقیق مندرج ہے قابل ملاحظہ ہے۔ اسکے معاینہ سے کسی شخص بے تعصب کو اس حدیث کی صحت مین کسی طرح کا شک باقی نہین رہ سکتا۔ المختصر خدا ہی جانے کہ یہ معیت کس قسم کی ہے۔ کسوقت سے یہ معیت وجود مین تھی اسکو خدا تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا نہین جان سکتا۔

دوسری معیت یہ ہے کہ حسب قولِ نبویؐ علیؑ مرتضےٰ جناب رسولؐ خدا کے خون گوشت نفس اور روح ہین۔ اس معیت سے زیادہ قابلِ لحاظ کونسی دوسری معیت ہو سکتی ہے۔

قول نبوی یہ ہے۔ دَمُكَ دَمِي وَلَحْمُكَ لَحْمِي وَنَفْسُكَ نَفْسِي وَرُوحُكَ رُوحِي۔

سوم معیت یہ ہے کہ علی بمنزلہ ہارون کے تہے۔ قول نبوی یہ ہے کہ "یَا عَلِيُّ اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى" یہ حدیث بخاری کی ہے۔ یہ معیت کیا کم قابل لحاظ ہے۔ جس طرح ہارون کو موسٰی کے ساتھ معیت حاصل تہی علی مرتضٰے کو جناب رسول خدا کے ساتھ حاصل تہی۔

چہارم معیت یہ ہے کہ حسب فرمودہ نبوی علی مرتضٰے جناب رسول خدا کے بہائی دنیا اور آخرت مین ہین۔ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ "یَا عَلِيُّ اَنْتَ اَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی مرتضٰے کو معیت جناب رسول خدا کی دنیا اور آخرت مین یکسان حاصل ہے۔ اس سے بڑھ کر معیت کسی نصیب ہوئی ہے یا ہوگی۔

پنجم معیت یہ ہے کہ آیت مباہلہ مین جناب علی مرتضٰے جناب رسول خدا کے ساتھ ہین۔ (دیکھو صواعق محرقہ ابن حجر مکی) آیت مباہلہ یہ ہے۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔

سبحان اللہ معیت اسکو کہتے ہین۔

ششم معیت یہ ہے کہ جناب علی مرتضٰے آیت تطہیر مین جناب رسول خدا سے جدا نہین ہین (دیکھو مشکوٰۃ شریف)۔ آیت تطہیر یہ ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ مرحبا۔ کیا معیت ہے۔

ہفتم معیت یہ ہے کہ قول نبوی کے رو سے جسکے مولے جناب رسول خدا ہین اُسکے مولے جناب علی مرتضٰے ہین۔ اہل غرض مولے کی معنی جو کچھ بتلائین مگر مولائیت مین علیؑ رسول خدا کے ساتھ ہین۔ یہ معیت کیا کم معیت ہے؟

ہشتم معیت یہ ہے کہ معراج مین جب باریتعالے نے کلام فرمایا تو لہجہ علیؑ کی آواز کا تہا۔ (دیکھو سوانح عمری مصنفہ مولوی عبید اللہ امرتسری) یہ اس غرض سے کہ جناب رسول خدا جس آواز سے مانوس تہے وہی آواز گوش مبارک مین جگہہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالے نے بہی علیؑ کی معیت کو ملحوظ رکہا۔ اہل انصاف اس معیت کے درجہ پر نظر غور ڈالین۔

نہم معیت یہ ہے کہ جب خانۂ کعبہ مین جناب رسول خدا بُت شکنی کے لیے گئے تو حضرت علیؑ ساتھ تہے اور بحکم جناب آنحضرت کے دوش مبارک پر چڑہکر آپ نے خانۂ کعبہ کے بتون کو توڑا (دیکھو زین الفتی عاصمی) اس معیت کا جواب کہین بہی نظر آتا ہے؟ سبحان اللہ معیت اسکو کہتے ہین!

دہم معیت یہ ہے کہ جب جناب رسول خدا طیر بریان کو نوش فرمانے کو بیٹہے تو اُسوقت یہ فرمایا کہ ای اللہ بہیج تو اُس شخص کو جو احب ہے تیرا۔ میرے لیے تاکہ وہ میرے ساتھ اس طیر بریان کو کہالے۔

لپکے ساتھ علیؑ آ گئے۔ اور جناب رسولؐ خدا کے ساتھ اُس طیر بریان کو نوش فرمایا۔ واہ کیا مزہ دار معیت ہے یاروں کے مُنھ مین تو پانی بھر آیا ہوگا۔ (دیکھو مشکوٰۃ شریف)

١١ یازدہم معیت یہ ہے کہ کسی غزوہ مین علیؑ مرتضےٰ جناب رسولؐ خدا کو چھوڑ کر نہ بھاگے۔ بدر و اُحد و خندق و خیبر و حنین وغیرہ مین برابر جناب رسولؐ خدا کے معین اور مددگار رہے۔ خدا کے دشمنون کو زیر و زبر کرتے رہے (دیکھو تاریخ کی کتابین)۔ یہ معیت فرارین کو کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ معیت غزوات کی بہت قابلِ لحاظ معیت ہے۔ اس معیت کا شرف حضرات خلفائے ثلثہ مین سے کسیکو نصیب ہی نہین ہوا۔ یہ حضرات جب ہوا تب جناب رسولؐ خدا کو نرغۂ اعدا مین چھوڑ کر بھاگ نکلے اور اس طرح کی عادتِ فرار سے جناب رسولؐ خدا کی ایسی معیت سے اپنے کو محروم رکھا۔ حیف صد حیف بلکہ ہزار حیف

١٢ دوازدہم معیت یہ ہے کہ بچپن سے جو علیؑ کی معیت جناب رسولؐ خدا کے ساتھ شروع ہوئی تو آنحضرتؐ کے آخر وقت تک قائم رہی۔ اسکو عمری معیت کہتے ہین۔ بچپن کی معیت کی مثال یہ ہے کہ جب نبوت کی ابتدا مین جناب رسولؐ خدا نے قبیلۂ بنی ہاشم کی دعوت فرمائی اور قوم کیطرف اس طرح پر خطاب فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا تو کسی نے آنحضرتؐ کا جواب نہ دیا اور سب کے سب خاموش رہگئے۔ مگر علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بہ آواز بلند بولے کہ ہم آپکے بھائی آپکے وصی آپکے وزیر اور آپکے خلیفہ ہونگے (دیکھو تاریخ ابو الفدا)۔ سبحان اللہ اس معیت کا کیا کہنا ہے حقیقت حال بھی یہی ہے کہ جب تک جناب رسولؐ خدا اس عالم مین جلوہ افروز رہے علیؑ مرتضےٰ جناب رسولؐ خدا سے کبھی جدا نہوئے۔

١٣ سیزدہم معیت یہ ہے کہ جب رسولؐ مقبول نے رحلت فرمائی تو دفن کے وقت تک علیؑ لاشۂ اطہر سے جدا نہوئے۔ ساتھی ہو تو ایسا ہو کہ جیتے مرتے ساتھ نہ چھوڑے۔ یہ بھی سعادت علیؑ ہی کے لیے مقدر تھی کہ لاشۂ سرورِ کائنات کو چھوڑ کر پیٹ کی فکر مین کہین چلے نہ گئے۔ ؎ این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

١٤ چہاردہم معیت یہ ہے کہ جب مقام غدیر مین جناب رسولؐ خدا نے پالان شتر سے منبر بنوایا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو منبر پر کھینچ لیا اور اُسکے بعد فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ الخ۔ اس معیت کا جواب کہیں نہین ہے۔ ہزارون آدمی کے سامنے حضرت رسولؐ خدا نے علیؑ مرتضےٰ کو اپنے برابر جگہ دی اور مولےٰ مومنین کی حیثیت بخشی۔ اندھے کو یہ معیت عظیم صورت نظر نہ آئے تو نظر نہ آئے۔ مگر اہلِ بینش اس معیت کو جس نظر سے دیکھتے ہین محتاجِ بیان نہین ہے۔ اب اہلِ انصاف غور فرمائین کہ معیت کی صفت حضرت علیؑ پر ختم ہوتی ہے یا کسی اور پر۔ اسیطرح علیؑ مرتضےٰ ہی کو۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ اسلام تمامتر ذو الفقار علیؑ کا ممنون ہے۔ اسلام کو استحکام شاہ لافتیٰ کے

زور بازو سے نصیب ہوا ہے۔ کفر کی کمر اُس دست خدا نے توڑی ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ
کی نسبت نہ حضرت ابوبکرؓ کی جانب کسی قاعدہ سے کیجا سکتی ہے اور نہ حضرت عمرؓ کی جانب۔ ان دونون
بزرگوارون نے تو کسی لڑائی مین کسی کافر کو مارنا تو درکنار کسی کافر پر ایک خط بھی نہین لگایا۔ ہر معرکہ
سے فرار ہی فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرات شیخین کا فرار آٹھ لڑائیون سے تاریخی طور پر ثابت ہے
مشہور فرار آپ صاحبون کے اُحد و خیبر و حنین سے ہین۔ تماشے کی بات یہ ہے کہ جن لڑائیون مین
جناب شیخین معطل رہے یا جس جنگ مین کسی پہلوان سے آپ صاحبون نے لڑنے سے انکار کیا یا
جن لڑائیون سے آپ صاحبون نے فرار گوارا فرمایا۔ اُن سب معرکون مین علیؑ ہی کی تلوار نے
دشمنان دین خدا کا قلع و قمع کر ڈالا۔ المختصر جس طرح پر حضرت علیؑ صفت معیت کے ساتھ متصف ہین
"اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ" کے بھی مصداق ہین۔ ہم دکھلا چکے ہین کہ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" سے حضرت
عثمان کو کوئی علاقہ نہین ہوسکتا۔ اب ہم دکھلاتے ہین کہ اس صفت کو بھی علیؑ ہی سے تعلق ہے
رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کے مصداق ہونیکے واسطے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین انسان مین اعلےٰ درجہ کی
ہمدردی کی بڑی ضرورت ہے اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ہمدردی کی صفت شجاعت
کے بغیر نہین پائی جاسکتی جسقدر انسان زیادہ شجاع ہوگا اُسیقدر اُسمین ہمدردی کی صفت زیادہ
موجود ہوگی۔ ہمدردی رحیمی سے جدا نہین ہے۔ اسی لیئے شجاعت اور رحیمی دست و گریبان
ہونے کا حکم رکھتی ہین چونکہ جناب علیؑ اشجع الناس تھے اسواسطے اُس جناب مین کمال درجہ کی۔
ہمدردی بھی موجود تھی۔ اسی واسطے آپ نہایت رحیم بھی تھے۔ جو شجاع نہین ہے اُس مین
صفت ہمدردی نہین پائی جاسکتی۔ پھر وہ رحیم بھی نہین ہوسکتا۔ علیؑ میدان جنگ سے کبھی نہین
بھاگے۔ ساتھیون کو کبھی نرغۂ اعدا مین نہین چھوڑا۔ مسلمانون کو دست کفار مین پڑنے نہ دیا۔
اسلام کی بھلائی مین کبھی جان نہ چرائی نہ کبھی اپنی جان کی پروا غزوات جناب رسولؐ خدا مین کی
کمال درجہ کی ہمدردی کا برتاؤ اسلام والون کے ساتھ فرماتے رہے۔ کیا اس سے زیادہ رحیمانہ کارروائی
کسی بنی آدم سے عمل مین آسکتی ہے۔ پس کیونکر آپ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کے مصداق نہین سمجھے جاسکتے ہین
اس رو سے صفت رحیمی کی بھی خصوصیت ذات مرتضوی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور اس خصوصیت
کو زنہار ایسے لوگون کے ساتھ تعلق نہین ہے۔ جو اپنی جان بچانے کے واسطے بار بار اپنے برادران
دینی کو نرغۂ کفار مین چھوڑ چھوڑ کر میدان جنگ سے ایسے فرار ہو ہو گئے ہین کہ تین تین دن تک اُن کا
پتہ نہ ملسکا کہ ہو کیا گئے اور کدھر گئے۔ آپ اہل انصاف دیکھین کہ ایسے حضرات مین جب شجاعت کی صفت موجود
نہ تھی تو ایسے حضرات ہمدردی کی صفت سے بھی خالی تھے۔ اور جب انمین ہمدردی نہ تھی تو انمین
رحیمی کی صفت بھی مفقود تھی۔ پس ایسے حضرات "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کے مصداق کیونکر قرار دیئے جاسکتے ہین

مختصر یہ ہے کہ یہ اہل تعصب کی ناانصافی ہی ناانصافی ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ کو صرف تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کا مصداق جانتے ہین حالانکہ وہ جناب تمام آیہ شریفہ کے مصداق ہین نیز اس آیت شریفہ کے مصداق وہ مہاجرین اور انصار بھی ہین جو حضرت علیؑ کی روش پر چلنے والے تھے۔

واضح ہو کہ حضرات اہل سنت آیت بالا سے ترتیب وار خلفائے اربعہ کی خلافت ثابت کرتے ہین یہ ایک محض بے بنیاد بات معلوم ہوتی ہے۔ اِس آیت سے نہ خلافت اور نہ ترتیب خلافت ثابت ہوتی ہے۔ یہ آیت جناب رسولؐ خدا کے اچھے بکار آمد اور وفادار صحابیون کی حقیقت سے خبر دیتی ہے اور اس سے زیادہ اس آیت کا کوئی مطلب ہی نہین ہے۔ یہ نہایت ہٹ دھرمی کی بات ہے جو اِس آیت سے اہل غرض اثبات خلافت کرتے ہین۔ راقم کی تحریرات بالا سے عیان ہے کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی علاقہ ہی نہین ہے۔ یہ خلافت جسے اہل سنت خلافت راشدہ کہتے ہین نہ نص قرآن مجید کے رو سے ہے اور نہ قول نبوی سے اسکا کوئی ثبوت کافی طور پر ملتا ہے۔ لاریب یہ خلافت من الناس ظہور مین آئی اور اسکی حقیقت اسی قدر ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر اجماع کے ذریعہ سے خلیفہ قرار پائے جیساکہ شرح عقائد نسفی اور کتب تاریخ و سیر سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ اجماع اگر بالفرض کامل مان بھی لیا جائے تو بھی پریسیڈنٹون کے ایلکشن سے زیادہ حیثیت رکھنے والا تصور نہین کیا جاسکتا دوسری خلافت حضرت عمر کی ہے۔ یہ خلافت استخلاف کے ذریعے سے قرار پائی۔ تیسری خلافت حضرت عثمان کی ہے جو حسب ہدایت حضرت عمر کے شورے کے ذریعہ سے شکل پذیر ہوئی۔ چوتھی خلافت حضرت علیؑ کی ہے۔ جو نہ معلوم کس بنا پر ظہور مین آئی۔ حضرات اہل سنت اس خلافت کی نسبت خاموش معلوم ہوتے ہین۔ حضرت علیؑ کی خلافت کی شرط کا نام راقم کو ابتک دریافت نہین ہوا۔ اسلیے اس خلافت کی نسبت کچھ عرض نہین کرسکتا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خلافت راشدہ محقق کی نظر مین کوئی دینی عظمت نہین رکھتی۔ یہ خلافت راشدہ اہل تحقیق کی نظر مین اتنی ہی حیثیت رکھتی ہے کہ اگر حضرت عمر نہوتے اور اہل بیت نبوی سے مخالفت نہ رکھتے تو نہ حضرت ابوبکر خلیفۂ اول قرار پاتے اور نہ استخلاف اور شورے کے ذریعے سے خود آپ اور حضرت عثمان خلیفۂ ثانی اور خلیفۂ ثالث کی لقب سے نامزد ہوتے۔ چونکہ یہ خلافت راشدہ ایسی خلافت ہے جو منجانب الناس ظہور مین آئی ہے۔ ممکن تھا کہ حضرت ابوبکر کی جگہہ حضرت زبیر یا حضرت طلحہ یا انصار مین سے کوئی شخص خلیفہ قرار دیا جاتا۔ اتفاق وقت سے حضرت عمر کی قابلیت نے حضرت ابوبکر ہی پر معاملۂ خلافت کو طے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی خلافت منجانب اللہ نہین کہلاسکتی۔ لاریب دینی عظمت اُسی خلافت کو حاصل ہوسکتی ہے جو منجانب الناس نہ قرار پائی ہو۔ جیساکہ خلافت منجانب اللہ ائمۂ اثنا عشر کی دیکھی جاتی ہے۔ اسی لیے اُس خلافت کو دینی وقعت حاصل ہے۔ اسی دینی وقعت کو ملحوظ رکھکر جناب شاہ ولی اللہ صاحب اور بعض دیگر

علمائے اہل سنت خلافت خلفائے اربعہ کو نصی ثابت کیا چاہتے ہین - تاکہ یہ خلافت بہی خلافت منجانب اللہ قرار پاجائے - مگر راقم کی تحریرات بالا سے ظاہر ہوچکا کہ یہ خلافت کوئی نصی حیثیت نہین رکہتی ہے - ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کوئی نصی حیثیت رکہتی تو پہر آپکو خلیفہ جماعت اور آپکی خلافت کو خلافت اجماعی کہنا درست نہوتا - المختصر خلافت منجانب اللہ خاندان پیغمبر خدا مین محدود رہی اور اس سلسلۂ خلافت کے پہلے خلیفہ جناب علیؑ مرتضےٰ دوم جناب امام حسنؑ مجتبیٰ سوم جناب امام حسینؑ شہید کربلا چہارم جناب امام زین العابدینؑ پنجم جناب امام محمد باقرؑ ششم جناب امام جعفر صادقؑ ہفتم جناب امام موسیٰ کاظمؑ - ہشتم جناب امام علی رضاؑ نہم جناب امام محمد تقیؑ دہم جناب امام علی نقیؑ یازدہم جناب امام حسن عسکریؑ دوازدہم جناب امام محمد مہدی ہادی صاحب العصر والزمان ہین صلوات اللہ علیہم اجمعین - خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ منجانب اللہ کی کہلی مثال یزید اور جناب امام حسینؑ ہین بلاشبہ دونون ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تہے - مگر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو خلافت منجانب اللہ حاصل تہی - یزید شروط خلافت کے ساتہ خلیفہ قرار پایا تہا - اسی لیے اسکی خلافت منجانب الناس تہی - جناب امام حسینؑ رسولؐ اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تہے اس لیے آپ کی خلافت منجانب اللہ تہی -

جاننا چاہیے کہ حضرات اہل سنت مثلاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب اپنی اپنی تصنیفون مین آیات بالا سے دو کام لیتے ہین - ایک تو یہ حضرات اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت ترتیب وار ثابت کیا چاہتے ہین - دوم یہ کہ عشرہ مبشرہ کے مضمون کو بہی ایک نصی پیرایہ دینے مین کوشان نظر آتے ہین - واضح ہو کہ حضرات اہل سنت کے عشرہ مبشرہ مین سے چار حضرات تو یہی حضرات خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علیؑ ہین - باقی رہے چہ حضرات اُن کے نام نامی یہ ہین - حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت عبدالرحمن ابن عوف حضرت سعد ابن ابی وقاص حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح اور حضرت ابوموسےٰ اشعری - عموماً دس حضرات کہے جاتے ہین کہ عشرہ مبشرہ ہین مگر اہل سنت کی کتابون کے دیکہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دس عدد کوئی مستقل حیثیت نہین رکہتے ہین - مشکوٰۃ مین تسعہ مبشرہ مذکور ہے اور اُس کتاب مین حضرت علیؑ داخل عشرہ مبشرہ نہین پائے جاتے پہر اُس کتاب مین سعید بن عمرو بن نفیل دسوین اہل جنت دیکہے جاتے ہین - پہر کسی روایت مین ابوعبیدہ بن الجراح و سعید بن عمرو بن نفیل مذکور نہین ہین - اسیطرح خلاف سب روایتون کے سعد بن مالک بہی اشخاص مبشرہ مین ایک روایت کی رو سے داخل ہین - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر سب روایتون کو جمع کرین تو اشخاص مبشرہ کا عدد بارہ تک پہنچتا ہے - یہ تو کیفیت عشرہ مبشرہ کی ہے - بہرحال حضرت ابوموسےٰ اشعری کو چہوڑ کر بقیہ پانچون

حضرات کی نسبت جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہین کہ یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر مراد ہین - ان دونون بزرگوارونکے وقائع عمر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر دو حضرات فتنہ پردازی کے سوا اور کسی صفت حمیدہ کے ساتھ متصف نہ تھے واقعی ان دونون بزرگوارونکی خلقت کچھ عجب ترکیب پر واقع ہوئی تھی - حق یہ ہے کہ ان دونون صاحبون کو خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے طلب کرنے سے تو کوئی علاقہ نہ تہا - دونون حضرتون نے ادہر خلیفہ چہارم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسیکے ساتھ شکست بیعت کرکے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوگئے - وہان جاکر حضرت عائشہ کو خلیفہ وقت کے مقابلہ پر آمادہ کیا - اس فساد انگیزی سے مسلمانون کو خلیفہ وقت سے برگشتہ کرایا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک بغاوت عظیم برپا کی اور کرا دی پہر حضرت ام المومنین کے ساتھ جنگ جمل مین شریک ہوئے اس جنگ مین ہزارون مسلمانون کی جانین ضائع گئین اور اسی مارکاٹ مین خود تہ تیغ ہوگئے - حارب علیؑ کے لیے جو حکم نبوی ہے اُس سے اہل واقفیت بیخبر نہین ہین - حدیث نبوی کے رو سے قاتل اور مقتول حضرت علیؑ کے قطعی دوزخی ہین یہ دونون صاحب حضرت علیؑ سے لڑکر مقتول علیؑ ہوگئے - کیا تماشا ہے کہ عشرہ مبشرہ مین داخل ہونیکی وجہ سے آپ دونون صاحب قطعی جنتی سمجھے جاتے ہین اور مقتول علیؑ ہونے سے بلاگفتگو قطعی دوزخی بہی ثابت ہوتے ہین - غضب خدا کا ہے کہ ایسے بزرگوار حارب و مقتول علیؑ ہونے پر بہی "یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا" کے مصداق قرار دیے جاتے ہین - ظاہرا اہل عناد کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ساتھ زیادہ شغف اور راسخ الاعتقادی کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ہر دو صاحب حضرت علیؑ کے کہلے کہلے مخالف تہے - حضرات اہل سنت ان دونون صاحبون کی طرف سے خطائے اجتہادی کا عذر پیش کرتے ہین - یہ عذر حضرت معاویہ کی طرف سے بہی پیش کیا جاتا ہے - یہ نہین معلوم کہ ان باغیان علیؑ کو اجتہادی حیثیت کہان سے حاصل ہوئی تہی - اے اہل انصاف کیا طلحہ زبیر اور معاویہ کی بغاوتین خطائے اجتہادی کہلا سکتی ہین - علمائے اہل سنت ان حضرات ثلثہ کی بغاوتون کا جو کچھ بہی نام رکہلین مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ حضرات ثلثہ بلاگفتگو خلیفہ وقت سے باغی تہے ان تینون حضرات نے بہت سوچ سمجہکر بغاوت کا جہنڈا بلند کیا تہا اور اس بغاوت کی بنا پر پوری طور پر سزائے موت کے مستوجب تہے - بلاشبہ یہ حضرات خلیفہ وقت کے مجرم تہے - مگر علمائے اہل سنت کو خطائے اجتہادی کا ایک عجیب ہتکنڈا ملگیا ہے - جو مخالفان علیؑ کو الزامات سخت سے بچانے کے لیے ہمیشہ کام مین لایا کرتے ہین - اے اہل انصاف ملاحظہ فرمائیے کہ خلیفہ وقت کی موجودگی مین خلیفہ وقت کے خلاف عقلاً یا مذہباً کسیکو اجتہاد کا کیا حق حاصل ہو سکتا ہے - واقعی خطائے اجتہادی کا مضمون ایسا ہی ہے کہ حق پرست حق بین اور حق شناس کے دماغ مین

کسی طرح جگہ نہین کر سکتا - اسکو ایک امر حق ماننے کے واسطے حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہ کا سا دل و دماغ ہونا چاہیے کوئی ایماندار آدمی خطائے اجتہادی کو قرین ایمان نہین سمجھ سکتا اسکی قدر وہی کر سکتا ہے جسکا دل حضرات بالا کی خوبیون کا محل واقع ہوا ہے - اب سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ کے فرضی مصداقون کی طرف اہل انصاف اپنی توجہ مبذول فرمائین جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہین کہ اس جزو آیت سے عبد الرحمن ابن عوف سعد ابن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح مراد ہین - تمام حالات سے ان تینون حضرات کے کچھ نہین معلوم ہوتا کہ اس جزو آیت کو آپ حضرات کے ساتھ کیا خصوصیت حاصل ہے - شاہ صاحب ممدوح خود بھی کوئی اظہار خصوصیت نہین فرماتے اور فکر بلیغ سے بھی راقم کو کوئی خصوصیت کا پہلو نہین دکھائی دیا - مگر بیان پر ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عبد الرحمن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص ایسے بزرگوار تھے کہ انکی طرف اس جزو آیت مین خدا کا اشارہ ہے یا اس جزو آیت سے یہ دونون بزرگوار مراد خدا تھے تو حضرت عثمان کا فرض منصبی تھا کہ عبد الرحمن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ ایسی درشتیون کے ساتھ جسکا بیان سابق مین آچکا ہے پیش نہ آتے کسواسطے کہ نہایت جائے تعجب ہے کہ جن لوگون کی عظمت ان زورون کے ساتھ اہل سنت کے نزدیک نص قرآنی سے ثابت ہو اُنکے ساتھ حضرت خلیفہ ثالث ایسی ایسی کاروائیان جائز رکھین

اب حضرات اہل انصاف راقم کی تمام تحریرات بالا پر نظر غور ڈالنے کے بعد تجویز فرمائین کہ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اِلٰی اٰخِرِھَا - کا کیا منشا ہے - راقم نے اوپر صاف صاف طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس آیت مین کسی طرح پر خاص شخصون کا ذکر نہین پایا جاتا - اس مین خدا تعالے اپنے رسول کے ساتھیون کی اجمالی تعریف بیان فرماتا ہے کہ وہ ساتھی ایسے ہین اور ایسے ہین - مگر نہ اُس سے ترتیب خلافت ظاہر ہوتی ہے اور نہ اس سے امر خلافت کو کسی طرح کا علاقہ معلوم ہوتا ہے اسی طرح اِس سے حضرات اہل سنت کے عشرہ مبشرہ کا بھی کچھ لگاؤ نظر نہین آتا - تعجب ہے جناب شاہ ولی اللہ صاحب سے کہ ایسی پوچ اور لچر باتون کو اپنی کتاب ازالۃ الخفا مین جگہ دیگئے ہین معلوم ہوتا ہے کہ کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ مین جو کچھ آیت بالا کی نسبت تحریرین پائی جاتی ہین وہ بلا تحقیق جناب شاہ صاحب ممدوح نے اپنی تصنیف مین حوالہ قلم کر دین - عوام الناس کو اس سے کیا مطلب کہ امر حق کیا ہے - یہ بیچارے جو کچھ کسی بڑے آدمی کی کتاب مین دیکھتے ہین یا کسی بڑے آدمی کو سُنتے ہین اُسکو کالوحی سمجھ لیتے ہین - نہایت جائے تعجب ہے کہ یہ آیت شریفہ عموماً امر خلافت اور ترتیب خلافت پر دال سمجھی جاتی ہے - اس مغالطہ مین ایک بھاری حصہ اسلامی دنیا کا گرفتار نظر آتا ہے - مگر اس غلط خیالی کے جوابدہ وہی علما ہین جنہون نے ایسے باطل عقیدہ کا عوام کو

پابند بنا رکھا ہے۔

واضح ہو کہ راقم نے یہ کتاب ایسے حضرات کے لیے لکھی ہے جو حق و باطل کی تمیز رکھتے ہین اور تمیز کے ساتھ تحقیقِ حق کو امر ضروری جانتے ہین - ایسے حضرات سے فقیر کی گزارش یہ ہے کہ میری تحریرات پر وہ حضرات محققانہ نظر ڈالین - اُسکے بعد مختار ہین کہ میرے ساتھ موافقت رائے فرمائین یا نفرمائین - مین نے اپنی دانست مین ہر امر کو اس کتاب مین تحقیق بلیغ کے ساتھ حوالۂ قلم کیا ہے اور رائے قائم کرنے مین کسی طرح پر تعصب کو دخل نہین دیا - مین اپنے زعم مین اپنے کو تعصب سے اسقدر دور سمجھتا ہون کہ کسی دین کے برحق ثابت ہونے پر مجھے اُس دین کو اختیار کر لینے مین کوئی عذر نہین ہو سکتا - تیس برس کی تحقیق کے بعد مین جس دین کا پابند ہون اُسکی پابندی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اِس وقت تک اُس سے بہتر دین میری تحقیق مین نہین آیا - اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ تحقیق ادیان مین راقم نے کوئی کوشش اُٹھا نہین رکھی - اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اس وقت کے عقائد کی پابندی کے ساتھ مجھے اس عالم سے جانا ہوگا - خیر - سردست ذیل مین معاملۂ خلافت و ماتعلق بہا پر کچھ اور بھی اپنے خیالات کا اظہار ضروری سمجھکر حضرات حق پسند کی توجہ کا طالب ہون -

معاملۂ خلافت پر جسقدر غور کو راہ دیجیے اُسیقدر گوناگون مضامین پیش نظر ہونے لگتے ہین جاننا چاہیے کہ خلافت معروفہ جیسا کہ سابق مین دکھایا گیا ہے نہ قرآن مجید کی رو سے وجود پذیر ہوئی ہے نہ کسی حدیث کی رو سے قرآن مجید سے اسکا نصی ہونا کسی طرح پر ثابت ہی نہین ہوتا - خلافت کی حدیث موجود ہے مگر خلافت معروفہ کی حدیث جو اسکی مثبت ہو کوئی بھی اطمینان بخش درجے کی نہین دکھائی دیتی - جو حضرات اہل سنت قرآن مجید یا حدیث سے خلافت معروفہ کی حقیت کو ثابت کیا چاہتے ہین وہ سراسر اپنے متعصبانہ خیالات کے تائید کرنے والے دیکھے جاتے ہین - اکابر علمائے مذہب اہل تسنن - جیسا کہ اوپر اپنے محل مین دکھلایا گیا ہے اسی قدر فرماتے ہین کہ اجماع کے رو سے حضرت ابو بکر نے خلافت سے پائی اور استخلاف شورے اور قہر و غصب کی بنیاد پر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ مسند آرائے خلافت ہوگئے اور اہل سنت کے دیگر خلفا بھی اُنہی شروط کی پابندی کے ساتھ درجۂ خلافت کو پہنچے - البتہ منجملہ دوازدہ خلفائے اہل سنت کے خلیفۂ چہارم یعنی حضرت علیؑ کی شرط خلافت کا پتہ اہل سنت کی کسی کتاب سے نہین لگتا کہ آپ کس شرط کے رو سے خلیفہ قرار پائے - بہر حال ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ ان خلفائے اثنا عشر کی خلافتون کو خلافت منجانب الناس کے سوا خلافت منجانب اللہ نہین کہہ سکتے - پوشیدہ نہین ہے کہ ان حضرات خلفائے اہل سنت کی خلافتین کسی خاص اصول کی پابند نہین ہین - تمام تر یہ خلافت

دوازدہ گانہ منتشر الاصول نظر آتی ہین جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ۔ صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اصول
خلافت تو پیچھے قائم ہوئے ورنہ جسکو جس طرح موقعہ ملا خلیفہ پہلے ہی بن بیٹھا لازم یہی تہا کہ اگر حضرت
ابو بکر اجماع کے روسے خلیفہ قرار پائے تہے تو اُس اجماع کے ذریعہ سے بقیہ گیارہ خلفائے اہل سنت
بہی قائم ہوتے ۔ یعنی اُسی اجماع کے ذریعہ سے حضرت عمر حضرت عثمان حضرت معاویہ و دیگر خلفائے
اہل سنت خلیفہ بنائے جاتے ۔ یہ تو عجب وحشت خیز معاملہ نظر آتا ہے کہ خود حضرت ابو بکر تو اجماع
کے روسے خلیفہ مقرر ہون ۔ مگر اصول اجماع کو ترک فرما کے آپنے حضرت عمر کو استخلاف کے روسے
خلیفہ بنا دیا اور چلتے بنے اگر ایلکشن Election کا قاعدہ اچہا تہا تو حضرت ابو بکر کا فرض
منصبی تہا کہ اُسکو کسی حال مین نہ توڑتے ۔ لیکن اُسکے توڑنیکی ضرورت یہ ہوئی کہ اُسکی پابندی سے
احتمال تہا کہ حضرت عمر کو خلافت حاصل نہو اور امر واقع تہا بہی یہی کہ اگر تجویز خلیفہ کی ایلکشن کے ذریعہ
ہوتی تو جس آسانی کے ساتھ حضرت ابو بکر خلیفہ قرار پا گئے تہے حضرت عمر کو خلیفہ بننے مین وہ آسانی
نصیب نہوتی ۔ حضرت عمر نے بہی اپنی رحلت کے وقت اپنی جانشینی کے لیے نہ تو ایلکشن کو کارآمد
پسند فرمائی کہ اگر آپ ایلکشن پر اپنی جانشینی کو چہوڑ دیتے تو حضرت عثمان تک خلافت بہت ہی مشکل
سے پہنچ سکتی ۔ اسی لیے آپنے اس معاملہ کو شورے پر چہوڑا اور اہل شورے ایسے ہی لوگ قرار دیے
جنکا عدد چہہ سے زیادہ نہ تہا اور وہ سب کے سب حضرت عثمان ہی کا دم بہرنے والے تہے ۔ آخر مین
حضرت معاویہ نے اجماع ۔ استخلاف یا شورے کسی کا کچہ انتظار نفرمایا ۔ جسکی لاٹھی اُسکی بہینس کے
قاعدہ سے خلیفہ بن بیٹھے ۔ اسی لیے آپکی خلافت قہر و غصب کی شرط کی خلافت کہلاتی ہے ۔ المختصر
تمام ان معاملات خلافت پر محققانہ نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب خلافتین خلافت
منجانب اللہ کی حیثیت نہین رکہتی ہین اور اس روسے اِنکو کوئی دینی پایہ حاصل نہین ہوسکتا ۔ عند اللہ
وعند العقل ایسی خلافتون کو کوئی ذی فہم جناب رسول خدا کی خلافت نہین کہہ سکتا ۔ برخلاف اسکے
فرقۂ امامیہ کا عقیدۂ خلافت یہ نظر آتا ہے کہ وہ خلافت کو ایک امر منجانب اللہ مانتے ہین ۔ اور رسول
کی خلافت کے لیے عصمت کو ضروری شرط جانتے ہین اس اصول کی پابندی سے اُنکے بارہ خلفا معصوم
ہونیکی بنا پر رسول اللہ کے خلفا ہین اور اُنکی خلافتین منجانب اللہ ظہور مین آئی ہین ۔ ان خلفائے
اثنا عشر کی خلافتون مین کوئی انتشار اصول نہین دیکہا جاتا ۔ یعنی جس اصول پر ان بارہ خلفا مین سے
ایک خلیفہ قرار پایا ہے اُسی اصول کی پابندی سے بقیہ گیارہ خلفا بہی خلیفہ قرار پائے ہین ۔ ظاہر ہے کہ
یہ خلافتین خلفائے امامیہ کی تمامتر روحانی انداز رکہتی ہین ۔ برخلاف خلافت ہائے خلفائے اہل سنت کے
جنمین مادی رنگ شوخی کے ساتھ جلوہ گر دیکہا جاتا ہے ۔ کوئی شک نہین کہ اس مادی جلوہ گری
کے باعث حضرات اہل سنت اپنے معاملۂ خلافت کو تشفی کی نظر سے نہین دیکھتے ۔ اسی لیے

اُنکے بعض علما اپنے امر خلافت کو قرآن اور حدیث سے منسوب کرنے مین کوشان نظر آتی ہین نصّی طور پر اثبات خلافت حضرات اہل تسنّن کے لیے امر دشوار ہے جیسا کہ فقیر نے اُسکی ردّ و بحث مین حوالۂ قلم کی ہے۔ قرآن تو قرآن کوئی حدیث بھی ایسی زور آور دیکھنے مین نہین آتی جو کسی ذی فہم کی نزدیک مثبت خلافت معروفہ ہو۔ پس بہ اسباب ظاہر حضرات اہل تسنّن کو اپنے دوازدہ خلفا کی خلافتون کو روحانی پہلو بخشنے کا کوئی موقعہ ملتا نہین دکھائی دیتا۔ البتہ یہ امر دینی وقعت کا بڑھانیوالا متصوّر نہین ہے۔ ظاہر ہے کہ روحانی پیرایہ بغیر آجتک کوئی دین نہ موقر ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ پوشیدہ نہین ہے کہ مذہب موسوی مذہب عیسوی اور دیگر ادیان مختلفہ مین روحانی معاملات کا پورے طور پر دخل دیکھا جاتا ہے۔ اس روحانی پہلو کی معدوم ہونے سے مذہب اہل تسنّن بڑے گھاٹے مین رہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ خالی سرمایۂ خلافت منجانب النّاس سے مذہب اہل تسنّن کو روحانی وقعت حاصل نہین ہو سکتی تھی۔ پس اس مذہب مین روحانیات سے مدد لینا امر مجبوری ہوا اسکی یہ صورت پیدا ہوگئی کہ اس مذہب مین تصوف نے بڑا دخل حاصل کیا یونانیون مین تصوف جگہ پا ہی چکا تھا اور فارس مین بھی تصوف چند صدیون سے رواج پائے ہوئے تھا۔ مسلمانون مین یونانیون اور زردشتیون کے علوم سے یہ علم بھی آ ہی گیا۔ پھر مسلمانون کو ہندوستان مین جب ہندو فقرا سے سابقہ رہنے لگا تو اہل ہند کے تصوف نے اُنکے مذہبی معاملات پر پورا اثر ڈالا رفتہ رفتہ آخرکار تصوف اعلےٰ طبقہ کے سنّی مسلمانون کا جزو مذہب ہوگیا۔ ذکر و اذکار و مکاشفات و مجاہدات و مراقبات و حال و قال و وجد و سماع وغیرہ وغیرہ نے مذہبی طور پر رواج پکڑا۔ مختصر یہ ہے کہ روحانیات کی جو کمی مذہب اہل تسنّن مین محسوس ہوتی تھی وہ تصوف یونان و فارس و ہند کی بدولت پوری کرلی گئی۔ اسکے برخلاف فرقۂ امامیہ کو باہر سے تصوف کے لانے کی حاجت نہ تھی۔ انکا مذہب ہی روحانی پہلو رکھتا تھا۔ اُنکے امامون کی تعلیمات ہی جانِ تصوف تھی۔ پس جب مذہب امامیہ مین روحانیات کی کوئی کمی نہ تھی تو اس فرقہ کا اپنی حالت موجودہ پر قانع رہنا فطری امر تھا۔ عوام کی یہ ایک غلط فہمی ہے جو یہ سمجھتے ہین کہ مذہب امامیہ تصوف سے بے تعلقی رکھتا ہے۔ مذہب امامیہ مین بھی تصوف ہے مگر یہ تصوف وہ ہے جو عین قرآن و حدیث و تعلیم ائمۂ معصومین ہے اور یہ ایسا تصوف ہے کہ اُس سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی دوسرا تصوف ہو ہی نہین سکتا۔

تصوف مروجہ پر نظر

مین اوپر عرض کرچکا ہون کہ بہترین تصوف قرآن مجید اور حدیث ہے۔ مگر جو تصوف کہ مروج عام ہے اُسکی حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ تک علم دینیات کا رواج رہا مگر اُسکے بعد بدعتین

ظہور میں آنے لگیں۔ ان بدعتوں میں سے فرقۂ اہلِ سُنّت کا تصوف ایک قابلِ لحاظ بدعت ہی جس و قت سے فرقہ ہائے صوفیہ کی ابتدا ہوئی (دیکھو چلپی جلد ا صفحہ ۲۲۲) اس مذہب نے مذہب اہلِ سُنّت میں سخت انقلاب پیدا کر دیا یہاں تک کہ اہلِ سُنّت کے بعض متصوفین نے حلول و اتحاد کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کر دیا کہ اُن کا عقیدہ نصاریٰ کے عقیدہ تک پہنچ گیا۔ (دیکھو شرح مواقف صفحہ ۵۷۷) ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ ان اہل تصوف نے فرفوریوس حکیم یونانی کا مذہب اختیار کیا ہی (دیکھو حاشیہ سواد الہدیٰ برحاشیہ غلام یحیےٰ بہاری صفحہ ۱۸۳)۔

اب ہندوستان میں رفتہ رفتہ اس مذہب نے ایسی صورت نکالی ہی کہ اکثر امور جو شرع محمدی میں ممنوع ہیں وہ سب پورے طور سے متصوفین حال میں رواج پا گئے ہیں۔ اس وقت کے بہت سے ایسے مشائخ ہیں کہ حقیقت میں اُنہیں فقیری سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ یہ حضرات صرف "پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند" کے مصداق ہو رہے ہیں حقیقت یہ ہی کہ تصوّف روزی کمانے کا ایک ذریعہ ہو گیا ہی فقیری شکم پروری کا وسیلہ ہو گئی ہی۔ "چو احمق در جہاں باقی است کس بے زر نمے ماند"۔ زور، مکر و شعبدات داخل تصوف کر لیے گئے ہیں۔ منہیات شرعیہ سے اجتناب کی حاجت نہیں رہی۔ ایسی چیزیں جیسے گانجہ اور بھنگ وغیرہ تصوف کے زور کو قائم رکھنے کے واسطے ضروریات کا حکم رکھتی ہیں جس نے پرستی تو تصوف کی جان اور روح قرار پا گئی ہی۔ ڈھولک ستار، راگ ٹھمری وغیرہ بغیر تو حال کا آنا ہی محال ہی متصوفین کی مجلسیں ہنود کی سنگت کا سماں دکھلاتی ہیں جس طرح گانا بجانا کبیر پنتھیوں و نانک شاہیوں میں جزو مذہب ہی متصوفین بھی اُسے اسی قدر ضروریات مذہب سے جانتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہی تو کیوں اُن کی مجلسیں قوال وغیرہ سے خالی نہیں رہتیں۔ کہیں رنڈیاں بھی پیر صاحب کو اپنے گانے اور ناچنے کے تماشے عاقبت بخیر ہونے کی غرض سے دکھلاتی ہیں۔ زندہ اور مردہ دونوں طرح کے پیروں کے آگے ناچتی ہوئی رنڈیوں کا ہجوم ہوا کرتا ہی۔ الٰہی یہ کیسا اسلام ہی جو شریعت محمدی سے بدیہی طور کا مخالف دکھائی دیتا ہی۔ ہنود معابد سے ہزاروں رنڈیاں مذہبی اغراض سے متعلق رہتی تھیں اور اب بھی بدستور رہیں۔ اسی طرح حضرات متصوفین کی خانقاہوں میں بھی ان کا گذر ہوا کرتا ہی۔ مختصر یہ ہی کہ اس قسم کی جتنی باتیں شرع محمدی نے منع کر دی ہیں۔ نہایت کشادہ پیشانی سے اچھی قرار پا کر عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کچھ اہلِ تصوف صوم و صلوٰۃ سے بھی کنارہ کش نظر آتے ہیں۔ خاص کر صلوٰۃ کہ اس کا ترک اولےٰ سمجھا گیا ہی۔ ان کے علاوہ اور بھی عجیب عجیب حرکات ہیں جو پیر پرستیاں کہلاتی ہیں اور لوازم تصوف سے شمار کی جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ مختصر یہ ہی کہ اس طرح کی ساری کارروائیاں حضرات تصوف پرور کی ایسی ہیں کہ نہ رسول اللہ کے اور نہ اہلِ سُنّت کے خلفائے راشدین کے اور نہ صحابہ کے اور نہ اہلِ تشیع کے دوازدہ امام اور نہ اہلِ بیت نبوی کے کسی فعل یا قول کے ساتھ انطباق کی صورت

رکہتی ہین - تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تصوف نے زمانۂ بنی امیہ اور بنی عباس مین ایجاد پایا اس تصوف کے ایجاد سے مطلب یہ تہا کہ اسکی وجہ سے عوام کالانعام مذہب اہل سنت کی طرف مائل رہین اور اہل بیت نبوی کے فضائل کی طرف رخ کرنے کا موقعہ نہ پائین - عوام کے گرفتار کرنیکا بڑا زبردست آلہ مکاشفہ ہے - یہ درحقیقت کوئی بڑی چیز نہین ہے - بقول ملا علی قاری مکاشفہ کافر اور مسلم دونون کو حاصل ہو سکتا ہے (دیکہو شرح فقہ اکبر صفحہ ۹) خلاصہ سب کا یہ ہے کہ راقم کی دانست مین بہترین تصوف پیروی خدا و رسول و ائمۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی ہے - ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا — توان رفت جز در پے مصطفےٰ

واضح ہو کہ فرقۂ امامیہ مین بہی تصوف ہے مگر فرقۂ امامیہ کا تصوف شرع محمدی کے خلاف ایک جو برابر بہی نہین ہے - امامیہ بہی اولیاء اللہ کے قائل ہین مگر نہ اُس بدحواسی کے ساتھ جیسا کہ متصوفین اہل سنت دیکہے جاتے ہین - صوفی فرقۂ شیعہ مین بہی گذرے ہین مثلاً صدر الدین شیرازی عبد الرزاق لاہجی ملا محسن کاشی - حافظ رجب برسی وغیرہ - قاضی نور اللہ شوشتری کی کتاب مجالس المومنین مین تو ایک اچہی فہرست شیعہ متصوفین کی دیکہی جاتی ہے - انہین قابل ذکر اسمائے گرامی یہ ہین - محی الدین ابن العربی - امام غزالی - شیخ شہاب الدین سہروردی نجم الدین کبرے - بایزید بسطامی - جلال الدین رومی - شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی - خواجہ حافظ شیرازی فرید الدین عطار - سید اشرف الدین جہانگیر کچہوچہ سید معین الدین چشتی اجمیر ان بزرگوارون مین سے اکثر ضرورت وقت کے باعث پابند تقیہ تہے - اسی لیے اہل سنت نے اُنہین سُنّی تصور کر لیا ہے اسوقت بہی شیعان صوفی طریقت موجود ہین فرقۂ کشفی سید کاظم رشتی کے - اور فرقۂ شیخی شیخ احمد احسائی کے نام لیوا ہین - اسی طرح ایران مین فرقۂ خاکسار ہے اور ابہی تک انہین پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے یہان پر امام غزالی کی نسبت یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین آپ سوفسطائی تہے یعنی کسی فرقۂ اسلام کے پابند نہ تہے - جب مسلمانی اختیار کی تو حنفی بنے اسکے بعد شافعی ہو گئے پہر صوفی طریقت ہو گئے - آخر مین مذہب اہل بیت اختیار کیا - یہی وجہ ہے کہ آپکی تصنیفات مختلف وقتون کی مختلف رنگ رکہتی ہین - محقق کا یہی حال ہوتا ہے کہ اسکے خیالات مذہبی مین انقلابات پیدا ہوتے رہتے ہین آخر کار جب اسکی تحقیق کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے تحقیق کردہ مذہب مین دکہائی دیتا ہے - تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی کا خاتمہ مذہب اہل بیت یعنی مذہب امامیہ پر ہوا - مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ الحمد للہ کہ راقم کا مذہب آخر بہی امامیہ ہوا اور انشاء اللہ تعالےٰ اسی پر راقم کا خاتمہ بالخیر بہی ہو گا -

اب ہم تصوف کی بحث کو مختصر کر دیتے ہین اس لیے کہ اس کتاب مختصر مین اسکی گنجایش امکان نہین

رکھتی ہے۔ والسلام۔ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الھُدیٰ۔

حضرت ابوبکر کی امامتِ نماز

جناب رسولِ خدا جب مرض الموت مین مبتلا ہوئے تو آپکی اُمت سے اور آپ سے دو امر مین مخالفت کی صورت پیدا ہوئی ایک بشکل قصہ قرطاس اور دوسری بشکل جیش اسامہ جیسا کہ ان دونون مخالفتون کے حالات بہ سبیل اختصار قبل مین عرض ہو چکے ہین۔ لیکن اتنا اس جگہ حوالۂ قلم کر دینا خلاف موقعہ نہین ہے کہ ان دونون معاملات مخالفت سے جناب رسول خدا کو سخت بیدلی لاحق ہو گئی تھی۔ جیسا کہ مسلمانون کی اس درخواست پر کہ حالتِ مرض مین زیارت کی اجازت دیجائے آنحضرت نے بقول ابوالفدا جواب مین یہ فرما بھیجا کہ میری بیماری کی مصیبت تمہاری موجودگی کے اعتبار سے کم ہے۔ بالیقین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت اپنی اُمت کی طرف سے بہت آزردہ خاطر عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ اس سے زیادہ کیا خفگی کی صورت ہو سکتی ہے کہ آپنے مرض الموت مین نہ مسلمانون کو زیارت کی اجازت دی نہ اُنکی عیادت گوارا فرما سکے اور نہ اُنسے تیمارداری کی خدمت لینا پسند فرمائی۔ ہر چند مورخین نے ایسی درخواست کرنے والون کے نام اپنی تصانیف مین درج نہین کیے۔ مگر عقل بتا دیتی ہے کہ آنحضرت کے ایسے رنج دینے والے کون کون مسلمان حضرات ہو سکتے تھے۔ ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی حضرات مسلمان ہونگے جو قصۂ قرطاس اور جیش اُسامہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جناب رسول خدا کے وقتِ آخر کے معاملات پر نظر ڈالنے سے اسکا یقین ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت دو چار سال اور بھی بقید حیات رہتے تو مسلمانان وقت کھلے کھلے طور پر آپ سے روگردانی اختیار کر لیتے روگردانی کی پولیٹیکل ابتدا جیش اُسامہ کے تخلف سے ہو گئی تھی۔ آئندہ کس درجہ تک مسلمانون کا تخالف پہنچ جاتا۔ اسکو کوئی نہین کہہ سکتا مگر تخالف کا پیدا ہو کر مخالفت کا رو بہ ترقی رہنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال آپکے اسی مرض موت کے متعلق حضرت ابوبکر کی امامت نماز کا بھی معاملہ ہے جس سے حضرات اہل سنت اُن حضرت کی خلافت کو حق ثابت کرتے ہین۔

خود یہ معاملہ کیا وزن رکھتا ہے۔ اہل دانش سے پوشیدہ نہین ہے۔ حضرات اہل سنت فرماتے ہین کہ جب وقت آخر مین جناب رسول خدا کو شدت مرض سے بہت تکلیف لاحق ہوئی اور آپ فرط ضعف سے اس قابل نرہے کہ مسجد نبوی مین جاکر امامتِ نماز فرما سکین تو آپ نے حضرت ابوبکر کو امامتِ نماز کے لیے کہلا بھیجا اور حضرت ابوبکر نے حسب ارشاد آنحضرت امامت نماز فرمائی۔ پس یہ شرف ایسا ہے کہ جو حضرت ابوبکر کی جانشینی کے بحق ہونیکے لیے ثبوت کافی ہے

آیا امامتِ مسجد دلیل خلافت ہو سکتی ہی یا نہیں اہلِ فراست اس کی تجویز کر لیں۔
مگر یہاں امرِ امامت ہی امرِ نزاعی نظر آتا ہی ایک ابنِ خلدون حضرت ابو بکر کی امامتِ نماز کا قائل دکھائی دیتا ہی۔ ورنہ طبری۔ اعثم کوفی صاحبِ مناقبِ مرتضوی صاحب حیات القلوب وغیرہ تمامتر ابنِ خلدون سے اس امر میں بین طور پر اختلاف رکھتے ہیں۔ خلاصہ اس مورخ کی تحریر کا یہ ہی کہ جب حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم آنحضرت کی طرف سے ملا تو آپنے نماز پڑھانا شروع کر دی آپ نماز پڑھا ہی رہے تھے کہ آنحضرت درد مرض کے کم ہو جانے سے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر نے پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ آنحضرت نے آپکا مونڈھا پکڑ کر دبا دیا جس سے آپ اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے اور خود آنحضرت آپ کے پہلو میں بیٹھکر نماز پڑھنے لگے حتّٰی کہ آپ نے نماز تمام کی۔ آپ کی امامت نماز کا یہ بیان پورے طور پر تشفّی بخش نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ جناب رسول خدا کا مسجد میں اس طور پر تشریف لانا کہ شدت مرض کے باعث اپنے پاؤں چل نہیں سکتے تھے اور اس سبب سے اپنے دو عزیزوں کے سہارے سے مسجد میں لائے گئے تھے درحالیکہ آپ کے پائے مبارک ناطاقتی سے لٹک رہے تھے صرف اتنی غرض سے تھا کہ حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کرتے تمامتر بعید از عقل و قیاس ہی ایسی ناتوانی کی حالت میں آنحضرت کا حضرت ابو بکر کے مونڈھے کو دبا دینا بلاشبہ ایک نرالا بھی طرفہ مضمون ہی۔ اور طرفہ تر مضمون آنحضرت کا حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز کا پڑھنا ہی۔ اس حالت میں کہ حضرت ابو بکر جیش اُسامہ کی شرکت کے حکم کو بجا نہ لائے تھے اور نہ وہ حکم آپ سے آنحضرت نے واپس لیا تھا۔ ابنِ خلدون کو لازم تھا کہ جناب رسول خدا کی اقتدائے نماز کی وجہ کو واضح طور پر حوالۂ قلم کرتا۔ اُس کی تحریر سے اتنا ظاہر ہوتا ہی کہ جناب رسول خدا کو کوئی خاص آرزو حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنے کی تھی جو ایسی حالتِ بیماری میں دو آدمیوں کے سہارے پر نہایت پریشانی کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے لیکن کوئی ایسی آرزو جناب رسول خدا کو کیوں تھی اس کی نسبت یہ مورخ کچھ نہیں حوالۂ قلم کرتا۔ ظاہرا یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ یہ آرزو ہو کر حضرت رسول خدا حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنے کو ایسی تکلیف جسمانی کی حالت میں تشریف لائے بلکہ زیادہ تر ایسا ہی معلوم ہوتا ہی کہ حضرت ابو بکر کی امامت نماز کو روک دینے کے لیے یہ تکلیف سخت گوارا فرمائی تھی۔ طبری کی تحریر راقم کے خیال بالا کی پوری تائید کرتی ہی۔
یہ مورخ لکھتا ہی کہ جب حضرت رسول خدا مسجد میں تشریف لائے تو نمازیوں نے نہ صرف امامت ابو بکر کی نیت توڑ ڈالی بلکہ خود حضرت ابو بکر نے بھی نماز توڑ دی۔ طبری کی اس تحریر سے یہ بات نہیں ظاہر ہوتی ہی کہ حضرت ابو بکر کو کوئی حکم امامتِ نماز کا حضرت رسول خدا کی طرف سے ملا تھا اگر کوئی ایسا حکم ملا ہوتا تو آپ کیوں نماز توڑ ڈالتے۔ اسکی تائید صاحبِ مناقب مرتضوی کی

تحریر سے ہوتی ہے۔ یہ صاحب لکھتے ہین کہ "امامت مسجد کا حکم جناب رسول خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ حضرت عائشہ کے ایماء سے تھا۔ کیونکہ اگر جناب رسول خدا کا حکم ہوتا تو خود آنحضرت باہر تشریف نہ لاتے"۔ اس تحریر کی تائید صاحب حیات القلوب کی تحریر سے بھی ہوتی ہے جو فرماتے ہین کہ حضرت عائشہ نے ابوبکر کو علالت جناب رسول خدا کی وجہ سے لشکر اسامہ کے ساتھ جانے سے روکا اور جب مرض کی زیادتی ہوئی تو ابوبکر کو نماز پڑہانے کیلیے کہلوا دیا۔ اسکے بعد یہ مصنف گرامی لکھتے ہین کہ جب حضرت ابوبکر مسجد مین گئے تو لوگون نے پوچھا کہ آپ کو کسنے بھیجا ہے اسپر حضرت بلال نے کہا ٹھہرو مین دریافت کرآتا ہون۔ بلال گئے اور فضل ابن عباس سے ملاقی ہوئے۔ فضل نے پوچھا کہ کیا ابوبکر جیش اسامہ کے ساتھ نہین گئے۔ اسکے بعد حضرت رسول خدا حقیقت حال سے واقف ہوئے اور مسجد مین تشریف لائے۔

اعثم کوفی بھی ان مصنفان نامی کا ہم خیال پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات مصنفین کے سارے بیانات تمامتر قرین عقل وقیاس معلوم ہوتے ہین اور اہل عقل ورائے کے نزدیک پایۂ امتیاز رکھتے ہین۔ آخر مین عرض راقم یہ ہے کہ بندہ تمامتر حضرت عائشہ کو جمیع الزامات سے جو اس قصۂ امامت نماز سے متعلق ہین بری سمجھتا ہے۔ اگر حضرت عائشہ نے اپنے باپ کو اپنے مصالح خاص کی بناپر لشکر اسامہ کی شرکت سے روکا یا اپنے باپ کو امامت نماز کے واسطے کہلا بھیجا تو کوئی کام فطرت کے خلاف نہین کیا۔ فرزند فرزند ہے اور انسان انسان ہے۔ خدا حضرت عائشہ ام المومنین ہین۔ آپکی جسقدر عزت وعظمت حضرت مولائے کائنات فرماتے تھے ہم غلامان مولے کا بھی فرض منصبی ہے کہ اس مین ذرہ برابر کمی نکرین۔ باقی رہا حضرت ابوبکر کے امامت نماز کو آپکی حقیت کا ثبوت سمجھنا عقل سے دشمنی کرنا ہے۔ جو حضرات ایسا کرتے ہین اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ۔ کا مصداق اپنے آپکو بناتے ہین۔ یعنی مرتا کیا نکرتا۔ تنزلاً اگر جناب رسول خدا نے امامت مسجد کا حکم حضرت ابوبکر کو دیا بھی اور پھر خود بھی حضرت ابوبکر کے ساتھ اقتدائے نماز کی تو اس سے حقیت حضرت ابوبکر کی خلافت کی کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ مدارج النبوۃ اور موطا صفحہ ۲۰۱ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے بھی نماز پڑھی تھی۔ اگر ایسی ہی امامت مثبت خلافت ہے تو عبدالرحمن مذکور کو حضرت ابوبکر سے پہلے خلیفہ قرار پاتا تھا۔ راقم ذیل مین کچھ حدیثین بھی درج بذا کرکے اسپر رائے زنی کی جرأت کرتا ہے

بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۳۰ سے بروایت انس بن مالک یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے روز دوشنبہ کی نماز صبح مین امامت کی اور یہ اس خیال پر کہ حضرت رسول خدا کو مسجد مین تشریف لانیکی قوت حاصل نہ تھی۔ مگر ناگاہ پردہ حجرہ کو سرکا کر آپنے ملاحظہ فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر نے خیال

کہ شاید جناب رسولؐ خدا آنا چاہتے ہین اسلیے صف چھوڑنے کا قصد کیا۔ لیکن حضرت رسولؐ خدا نے اشارہ سے کہا کہ اپنی نماز کو تمام کرو۔ واضح ہو کہ اس روایت سے حضرت ابوبکر کا امامت کرنا خودرائی سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر حضرت ابوبکر جناب رسولؐ خدا کی طرف سے امامت کے لیے مامور ہوئے ہوتے تو صف چھوڑنے کا قصد کیون کرتے ؟

بخاری کی جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۶ سے بروایت سہل بن سعد الساعدی ہویدا ہوتا ہے کہ نماز میں حضرت ابوبکر نے امام ہوکر پڑھا اور حضرت رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کے پیچھے اقتدا کی اور جب حضرت ابوبکر کو حضرت رسولؐ خدا کے موجود رہنے کا علم ہوا تو حضرت ابوبکر نے جدا ہونے کا ارادہ کیا۔ اسپر حضرت رسولؐ خدا نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ واضح ہو کہ اس حدیث مین حضرت رسولؐ خدا کا اقتدا فرمانا اُن احادیث صحاح ستہ کے خلاف نظر آتا ہے۔ جنکا مضمون یہ ہے کہ ماموم سے امام کو افضل ہونا چاہیے۔ ایسی صورت مین کہ حضرت رسولؐ مقتدی بنے تو نماز بہ اقتداے مفضول کیونکر جائز ہوئی۔ علاوہ اسکے حضرت ابوبکر کی غلطی تسبیح و تصفیق پر آنحضرت نے اصلاح فرمائی۔ تو امام کی غلطی کے ساتھ ماموم کی نماز کیونکر درست ہو سکی بڑی حیرت کا مقام ہے کہ حضرت ابوبکر کو نماز بھی صحیح طور پر نہ آتی تھی۔ آپ نماز نسوان و رجال کے فرق سے بیخبر تھے۔ اس پر بھی علامہ سیوطی آپکو بحوالہ قول نبوی اَعْلَمُ الصَّحَابَۃِ وَاَرْ کُنھُمْ تحریر فرماتے ہین۔ ہائے علیؑ ہائے علیؑ بیشک آپکی قدردان عرب کی جاہل قوم نہین ہو سکتی تھی۔ مگر تعجب ہے اُن پڑھے لکھے جہل مرکب جاہلون پر جو آپکو چھوڑکر حضرت ابوبکر کو اعلم الصحابہ قرار دیتے ہین۔ واضح ہو کہ اس حدیث مین نماز عصر کے وقت حضرت ابوبکر کی امامت بیان کیجاتی ہے۔ اسکے پہلے کی حدیث مین نماز صبح کا وقت درج ہے۔ سنن نسائی جلد ۱۔ صفحہ ۲۳۴ مین جو حدیث امامت نماز پر حضرت ابوبکر کی مشتمل ہے وہ بخاری کی حدیث بالا کی طرح ہے۔

بخاری کی جلد ۱۔ صفحہ ۲۵۷۔ اور نیز بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۸ و صفحہ ۳۹ کی حدیثون سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنے مرض الموت مین فرمایا کہ کہو ابوبکر کو کہ نماز پڑھائین۔ تب مین نے عرض کی کہ یا حضرت۔ ابوبکر بہت رقیق القلب ہین فرط بکا سے آپ کی جگہ پر قیام نہ کر سکین گے۔ آپ حضرت عمر کو فرمائیے کہ وہ امامت کرین۔ اسکے بعد حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ اس امر مین تم حضرت رسولؐ خدا کو سمجھاؤ۔ حضرت حفصہ نے ایسا ہی کیا۔ مگر اسپر آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اصرار اور ہمکلامی مین عاشقان حضرت یوسفؑ کی مانند ہو کہو ابوبکر کو نماز پڑھائین۔ واضح ہو کہ اس امامت نماز کی راوی صرف حضرت عائشہ ہی نظر آتی ہین۔ کیونکہ اور کسی نے روایت نہین کی یہ تعجب سے خالی نہین ہے۔

بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۹۷، ۳ میں یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں جناب رسول خدا کو اپنے باپ کی خلافت کی طرف رجوع کراتی تھی۔ اس حدیث سے حضرت عائشہ کی نیت کا خوب پتہ لگتا ہے۔ پس روایت بالا اقتدا کی عقلاً قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ابوبکر کی امامت نماز وقت میں اختلافات کثیر دیکھے جاتے ہیں۔ سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۵۹ ۴ اور تاریخ خمیس کی جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز عشا کے ساتھ حضرت ابوبکر کی نماز امامت کو تعلق ہے۔ واضح ہو کہ بخاری میں بہت سی حدیثیں حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے مادے میں دیکھی جاتی ہیں اور وہ سب پُر از اختلاف نظر آتی ہیں کسی سے حضرت رسولؐ خدا کا اقتدا کرنا ظاہر ہوتا ہے اور کسی سے اقتدا نکرنا ظاہر ہوتا ہے۔ کسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ خدا کے ساتھ اقتدا کی اور نمازیوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ اقتدا کی یعنی ایک نماز میں دو امام اور دو اقتدا والے بتلائے جاتے ہیں۔ پھر حضرت رسولؐ خدا کے روز وفات میں اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ یعنی مشہور روز انتقال دوشنبہ ہے مگر بخاری کی ایک روایت سے سہ شنبہ روز وفات ظاہر ہوتا ہے۔ بخاری کی روایت سے وقت انتقال عشا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ترمذی کی روایت سے ظہر معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ کی ایک روایت بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے گھر میں نہ کہ مسجد میں شدت مرض کی باعث نماز پڑھی اور نمازیوں نے اقتدا کی۔ اس روایت سے حضرت رسولؐ خدا کا اقتدا فرمانا حضرت ابوبکر کی ساتھ بیکار ہوا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ خود بخاری کی روایتیں اختلافات سے خالی نہیں ہیں۔

اب صحیح ابوداؤد کی جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ کو دیکھیے تو بروایت عبداللہ بن زمعہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کسی کو کہ نماز پڑھائے۔ پس عبداللہ آدمیوں کے مجمع کی طرف گئے اور اس مجمع میں حضرت عمر کو پایا اور حضرت ابوبکر وہاں نہ تھے۔ تب عبداللہ نے حضرت عمر سے کہا کہ ای عمر آپ نماز پڑھائیے۔ حضرت عمر نے امامت کی اور حضرت رسولؐ نے حضرت عمر کی آواز جو بہت کرہ اور کڑی تھی سنی۔ اسپر آپنے فرمایا کہ ابوبکر کہاں ہیں۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر کی امامت کے ختم ہونیکے بعد آئے اور از سر نو حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ تعجب ہے کہ حضرت رسول خدا نے پہلے تو یہ حکم دیا کہ کوئی شخص نماز پڑھائے لیکن حضرت عمر نے امامت کی تو حضرت ابوبکر بلائے گئے اور حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ بہرحال اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت کے بغیر امامت کی۔ ترمذی کی حدیث صفحہ ۱۳۰ سے جسکے راوی سالم ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کو حکم نماز دیا مگر حضرت رسولؐ خدا کی یہ حالت شدتِ مرض سے ہو رہی تھی کہ غش پر غش آرہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے امامت کی مگر حضرت رسولؐ خدا شریک نماز نہو سکے اور رحلت

فرماگئے۔ مگر قسطلانی کی جلد ۶ صفحہ ۵۰۸ سے عیان ہوتاہے کہ حضرات شیخین اُسوقت حضرت رسولؐ خدا کے نزدیک موجود نہ تھے اُسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باہر جا چکے تھے۔ ایسی حالت مین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی پیش نمازی چہ معنی دارد۔ کتاب المغازی کی جلد ۱ صفحہ ۶ سے ظاہر ہوتاہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ کہو تم لوگ حضرت عمر کو کہ نماز پڑھا ئین پس بلال نے جاکر حضرت فاروق سے کہا کہ حضرت رسول خدا نماز کو فرماتے ہین۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھسے نہو گا کہ مین حضرت صدیق کے رہتے نماز پڑھاؤن۔ تب بلال حضرت رسولؐ خدا کے پاس واپس گئے اور عرض کی کہ حضرت ابوبکر دروازے پر کھڑے ہین اور حضرت عمر کی تقریر کو بھی بیان کیا اسپر حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اچھا جیسی رائے اُن صاحبون کی ہو۔ کہو کہ ابوبکر ہی نماز پڑھائین۔ اور ابوبکر نے آٹھ دن تک نماز پڑھائی۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی صحیح ابوداؤد کی روایت عبداللہ سے انطباق نہین رکھتی (دیکھو روایت بالا)۔ المختصر روایت بالا مین اختلافات پائے جاتے ہین اور وہ اختلافات یہ ہین نمبر ۱) کسی روایت مین حضرت ابوبکر کا روز امامت دوشنبہ اور کسی مین سہ شنبہ مذکور ہے۔ نمبر ۲) کسی روایت مین وقت امامت صبح اور کسی مین ظہر اور کسی مین عشا بیان کیا جاتاہے۔ نمبر ۳) کسی روایت سے اقتدا کرنا حضرت ابوبکر کا اور کسی روایت سے اقتدا کرنا حضرت رسولؐ خدا کا ظاہر ہوتاہے۔ نمبر ۴) کسی روایت سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت سے امامت کی اور کسی سے بلا اجازت امامت کرنا ظاہر ہوتاہے۔ نمبر ۵) کسی روایت مین حضرت عمر کا امامت کرنا درج دیکھا جاتاہے۔ نمبر ۶) قیام وقعود مقتدی و امام مین اختلاف دیکھا جاتاہے۔ نمبر ۷) مقام نماز بھی اختلاف سے خالی نہین ہے کسی روایت مین حجرہ مین نماز جماعت کا ہونا مذکور ہے اور کسی روایت مین مسجد مین۔ نمبر ۸) ایک روایت سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت رسولؐ خدا شدت مرض مین حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کی اعانت سے مسجد مین تشریف لائے۔ پس جس حال مین کہ آنحضرت کو منظور تہا کہ نمازی حضرت ابوبکر کے ساتھ اقتدا کرین تو حضرت رسولؐ خدا کو پھر مسجد مین تشریف لانیکی کیا ضرورت تھی۔ نمبر ۹) چند روایتون سے حضرت ابوبکر کا حضرت رسولؐ خدا کی اجازت کے بغیر امامت کرنا ظاہر ہوتاہے۔ صرف حضرت عائشہ کی ایک روایت سے حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا حضرت رسولؐ کی اجازت سے عیان ہوتاہے۔ مگر یہ حدیث قابل اعتماد نہین معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ اپنے والد بزرگوار کی خلافت کے لیے بڑی کوشان تہین جیسا کہ اوپر خود آپ کے قول سے دکھلایا جاچکاہے۔ تعجب ہے کہ ایک حضرت عائشہ اپنے باپ کی اجازت امامت کی راوی ہین مگر کسی اور شخص نے اس مضمون کی روایت نہین بیان کی حالانکہ نماز باجماعت تھی اور تیمارداری کی وجہ سے عزیزان و اقربان و اصحاب جناب رسولؐ خدا کے پاس ہی رہا کرتے تھے۔

انمین سے کوئی شخص بہی تو حضرت عائشہ کی روایت کا ساتھ دیتا۔ ایسی صورت مین خبرِ واحد اور وہ بہی اس طرح کی خبرِ واحد کیونکر قابل پذیرائی ہوسکتی ہے۔ نمبر(۱۰) جب حضرت رسولؐ خدا کا یہ فرمودہ ہے کہ مصلّی کا قیام وقعود امام کے قیام وقعود پر موقوف ہے۔ پس ایسی حالت مین کہ جب حضرت رسولؐ خدا امامت فرمائین نشستہ اور نمازی سب حضرت ابوبکر کے قیام کی باعث جلوس نکرین تو یہ کس قسم کی نماز تہی قسطلانی نے بہی یہی اعتراض کیا ہے اور خوب اعتراض کیا ہے نمبر(۱۱) اکثر ناقلین سیر واخبار کہتے ہین کہ حضرت شیخین لشکر اُسامہ کے ساتھ روانہ کیے گئے تہے۔ جیسا کہ قسطلانی کے فحوائے تحریر سے بہی ظاہر ہوتا ہے تو پہر پیش نمازی کی روایتین کیسی ہین۔ نمبر(۱۲) کسی روایت مین ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر نے پیش نمازی کی اور نکلوا دیے گئے۔ اور کسی روایت مین ہے کہ حضرت عمر نے امامت کی اور برطرف کر دیے گئے۔ کسی روایت مین دیکھا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ خدا کی اجازت سے امامت کی مگر خود حضرت رسولؐ خدا اس اجازت دہی کے بعد بہی مسجد مین چلے آئے۔ پہر ایک روایت مین ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت رسولؐ خدا نے اپنے پیچہے کہڑا کیا پہر ایک روایت مین ہے کہ حضرت ابوبکر مکبّر بنے پہر ایک روایت مین ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت رسولؐ خدا کے جانب راست کہڑے ہوئے۔ پہر ایک روایت مین ہے کہ جانب چپ کہڑے ہوئے۔ مختصر یہ ہے کہ ایک حضرت ابوبکر کی امامت کیا ہے تو وہ طوفان ہے اور سارا مطلب اس امامت کا صرف اسیقدر ہے کہ اس امامت سے حضرت ابوبکر کی خلافت حق سمجہی جائے۔ لیکن جب ایک بار قبل مین حضرت رسولؐ عبد الرحمن بن عوف کے پیچہے اقتدائے نماز کر چکے تہے اور جب اقتدائے نماز ہی استحقاق خلافت کا ذریعہ ہوسکتی ہے تب عبد الرحمن بن عوف نے کیا قصور کیا تہا کہ خلافت سے محروم رہ گئے۔ یہ معاملہ بہی عجب حیرت انگیز ہے کہ حضرات اہل سنت کے نزدیک پیش نمازی اور امامت جماعت کوئی باوقعت منصب نہین ہے کہ ہر نیک وبد کے لیے اُسکی اہلیت حاصل ہے۔ وہ حضرات اس طرح لکہتے ہین کہ۔ صَلُّوا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ۔ پس اگر یہ بات مان بہی لیجائے کہ حضرت ابوبکر نے نماز جماعت پڑہائی یا رسولؐ اللہ نے اُنسے پڑہوائی یا خود اقتدا فرمائی تو اسمین فخر کیا ہوگیا پیش نماز تو ہر نیک وبد ہوسکتا ہے۔ بہرحال پیش نمازی کسی نیکی یا عزت یا شرف کی دلیل نہین ہوسکتی۔ مگر حیرت انگیز ہمنے اس واقعہ کو اسلیے کہا کہ یا تو پیش نمازی نیک نفسی کے ثبوت سے بہی قاصر تہی یا وہی پیش نمازی خلافت ایسے منصب جلیل کی صلاحیت کی دلیل ہوگئی۔ یہ عجیب معمّے ہے۔

سادات کرام کا لونڈی بچہ قرار دیا جانا

تحریر ذیل کے حوالۂ قلم کرنیکی وجہ یہ ہوئی کہ میرے ایک کرم فرما جو کسی زمیندار کے مینیجر یعنی منتظم ہین اور اپنے خاص طور پر کتب بینی کا مشغلہ بھی رکھتے ہین ایک روز مجھسے فرمانے لگے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت خاندان پیغمبرؐ کی مقبولہ تھی اسلیے اُسکے برحق ہونے مین کوئی گفتگو نہین ہوسکتی اگر مقبولہ نہوتی تو حضرت علیؑ غنائم جہاد مین سے حصہ نہ لیا کرتے اور حضرت شہربانو کو جناب امام حسینؑ اپنے تصرف مین نہ لاتے۔ منیجر صاحب موصوف کا یہ کوئی نیا خیال نہین ہے۔ عموماً بے خبر مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہین کہ جب حضرت شہربانو جہاد کے ذریعہ سے قیدی کی حیثیت مین آئین اور چونکہ جہاد کی قیدی عورتون کے ساتھ تمتع کے لیے نکاح کی کوئی حاجت نہین ہے تو جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس آپ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کی حیثیت سے رہین۔ ایسی صورت مین ظاہر ہے کہ آپکے بطن سے جو اولاد ہوئی اور اسوقت تک جو آپکی اولاد در اولاد موجود ہے سب کی سب ولد الجاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مواصلت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان پیغمبر غنائم جہاد مین شرکت کرتے تھے جس سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت حق ثابت ہوتی ہے یعنی اگر اہل بیت نبوی خلافت ثلثہ کو باطل جانتے تو غنائم جہاد مین شرکت نکرتے۔

واضح ہو کہ پیروان علیؑ کا عقیدہ خلافت حضرات خلفائے ثلثہ کی نسبت بیشک یہ ہے کہ ان حضرات خلفا کی خلافت حق نہین ہے۔ مگر اسکے ساتھ اُس فرقہ کا یہ عقیدہ نہین ہے کہ جتنی اسلامی کارروائیان اُن تینون حضرات خلفا کے وقت مین ہوگئین سب کی سب کو ناجائز سمجھنا چاہیے۔ بلکہ جو جو کارروائیان جائز مانے جانے کے قابل تھین اُنکو جائز ماننا چاہیے اور جو اس قابل نہ تھین اُنکو ناجائز ماننا چاہیے۔ مثلاً اگر کسی خلیفہ کے وقت مین کوئی مسجد تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ناجائز شے نہین قرار دیجاسکتی یا اگر کسی خلیفہ کے وقت مین کسی صوبۂ اسلام کی مالگذاری ترقی پذیر ہوئی تو یہ ترقی ناجائز نہین مانی جاسکتی یا اگر کسی خلیفہ کے وقت مین کوئی ملک فتح ہوا تو اس فتح کو ناجائز نہین کہینگے۔ پھر اس فتح کے ساتھ مال غنائم بھی جو حاصل ہوا تو اُسپر مال ناجائز کا اطلاق نہوگا۔

اسی طرح ہزارون باتین ہین کہ خلیفہ غیر برحق کے ہاتھ سے عمل مین آسکتی ہین مگر اسلام سے خلاف نہونیکی حالت مین پیروان علیؑ کو اُنکے جائز مانے جانے سے انکار نہین ہوسکتا۔ اس اصول کی پابندی سے حضرت علیؑ کا مال غنائم سے حصہ لینا کوئی امر مذہب اہل تشیع کے خلاف متصور نہین ہوسکتا۔ حضرت علیؑ کی اس کارروائی سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ حضرت علیؑ ان خلافتون کو امر حق سمجھتے تھے اس لیے مال غنائم مین سے حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ کا ان خلافتون کو غیر حق سمجھنا اصول پر تھا اور مال غنائم مین شریک ہونا اور اصول پر۔ جائے غور ہے کہ جب حضرت علیؑ مسند آرائے خلافت ہوئے اُسوقت تک بہت سے ملک کفار کے بلاد اسلام مین فتوحات کے ذریعہ سے داخل ہو چکے تھے۔

خلیفہ ہوکر آپ نے اُن ملکون کو داخل خلافت رکھا۔ ہرگز یہ نہین فرمایا کہ یہ ملک سب خلفائی ثلثہ کے وقت مین فتح ہوے ہین ان ملکون کو انکے سابق کے فرمانروایون کو واپس دیدو اور اسیقدر ملکون کو خلافت سے متعلق رکھو جو حضرت رسول خدا کی رحلت کے وقت بلاد اسلام مین داخل تھے۔ راقم نے منیجر صاحب موصوف سے مثلاً یہ کہا کہ اگر موقعہ وقت سے ایسا ہو کہ آپ اپنے مالک کے سب علاقون کو غصباً اپنا خالصہ کر ڈالین اور ایک عرصہ دراز تک آپ قابض رہکر اُن علاقون مین خوب گل اندازی کرائین۔ نہرین چاہ تالاب وغیرہ تعمیر کرائین۔ مکانات کچہری اور انبار خانہ کے بنوائین۔ پھر نئے نئے علاقہ خرید کرکے اسٹیٹ مین داخل کرین اور اپنے حسن انتظام سے اُن علاقون کو نہایت خوش حیثیت کر ڈالین۔ مگر ایک وقت ایسا آجائے کہ یہ علاقہ آپکے بیدخل شدہ مالک کے قبضہ مین حق بحق دار رسید کے طور پر واپس ہوجائے تو کیا آپکے مالک کو اسکی شرعی یا عرفی مجبوری لاحق ہوگی کہ وہ صاحب آپکے تمام انتظامات کو بدل ڈالین۔ مثلاً آپ نے جسقدر سامان سیرابی مواضع اور انکی آبادی کے کیے ہون یا نئی زمینداریان داخل ریاست کی ہون یا جتنی ٹھیکے پٹے وغیرہ کی کارروائیان عمل مین لائے ہون سب کی سب کو آپکے مالک غت ربود کرکے ریاست کی پہلی حیثیت کی طرف عود کرنا گوارا کرین۔ کوئی آدمی صحت دماغی کے ساتھ اس طرح کی مجنونانہ کارروائیون کو اختیار نہین کر سکتا۔ آپکا قبضہ جو کچھ اس ریاست پر مخالفانہ اور غاصبانہ رہا ہو مگر آپکی معقول کارروائیان نامعقول نہین سمجھی جا سکتین اسی پر معاملہ خلافت اور اسلام کے فتوحات و انتظامات اور حضرت علی مرتضےٰ کی شرکت غنائم وغیرہ کو قیاس کر لیجیے۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ جناب پیغمبر خدا کے لونڈی بچہ ہونیکے الزام کو اپنی کوشش بلیغ سے غفران مآب نواب عارف جنگ سر سید احمد خان صاحب بہادر نے دور دفع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ سر سید مرحوم نے اطمینان تمام کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت اسمعیل کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہ کسی طریقہ سے لونڈی نہ تھین بلکہ شاہزادی تھین اور اب یہ آثم دکھلاتا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت شہربانو بھی لونڈی نہ تھین بلکہ شاہزادی اور جناب امام حسین علیہ السلام کی منکوحہ بی بی تھین۔ یہ عجیب بات ہے اہل غرض حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتون کو حق ثابت کرنے مین ایسے غرق ہوجاتے ہین کہ انہین پھر کسی پہلو کا لحاظ ہی نہین رہتا۔ قرآن شریف کی بلاغت یا نحو اگر بالائے طاق ہوجائے تو ہوجائے احکام قرآنی غت ربود ہوجائین تو ہوجائین۔ جناب رسول خدا کی توہین ہوجائے تو ہوجائے مگر کسی طرح خلفائے ثلثہ کی خلافت برحق ثابت ہوجائے۔ خدارا یہ کیسی بات ہے۔ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتون کے حق ثابت کرنیکو کون منع کرتا ہے۔ مگر راہ تحقیق مین سے عنوانیدون اور

بے اعتدالیوں کو دخل دینا کسی محقق کا کام نہیں ہے۔ اعتراض پیش نظر کے رو سے صرف یہی نہیں ظاہر ہوتا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام (معاذ اللہ) لونڈی بچہ تھے بلکہ آپ نعوذ باللہ ولد الحرام بھی قرار پاتے ہین۔ مینیجر صاحب موصوف کا ایسا ہی خیال تھا۔ مگر صاحب موصوف کو بڑا تعجب گذرا جب ہم نے اُنسے کہا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کے ناحق ہونیکی صورت مین بھی جناب امام حسین کی مواصلت حضرت شہربانو کے ساتھ ناجائز نہین قرار دی جاسکتی۔ جیساکہ اوپر حوالہ قلم ہوچکا ہے۔ اور مزید برآن یہ ہے کہ لونڈی کی حیثیت سے حضرت شہربانو جناب امام حسین علیہ السلام کے تصرف مین نہین لائی گئی تھین۔ واضح ہو کہ حضرت شہربانو کے مدینہ مین اسیر ہوکر آنیکے زمانہ مین اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ آپ حضرت علیؑ کے عہد مین تشریف لائین۔ شیخ ابن بابویہ لکھتے ہین کہ آپ کا تشریف لانا حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ مین ہوا اور قطب راوندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت مین تشریف لائین۔ زمانہ آپکی تشریف آوری کا کوئی بھی ہو مگر اہل غرض کا مدعا کسی پہلو سے ثابت نہین ہوتا۔ حضرت علیؑ کی شرکت غنائم مورد اعتراض نہین ہوسکتی جیساکہ اوپر حوالہ قلم ہوچکا ہے ارباب انصاف کے نزدیک اُن حضرت کی شرکت غنائم سے حضرات خلفا کی خلافت حق ثابت نہین ہوتی۔ فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت شہربانو جیساکہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہین حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ مین مدینہ منورہ آئین۔ حضرت شیخ فرماتے ہین کہ جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے بعد حضرت سید الساجدین امام زین العابدینؑ ہادی و پیشوائے خلق ہین ماں حضرت کی شاہ زنان یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ کی بیٹی ہین اور بعضوں نے کہا ہے کہ نام اُن کا شہربانویہ ہے۔ جناب امیرؑ نے حریث بن جابر جعفی کو پورب کے کسی ملک پر مامور فرمایا تھا اُنہوں نے وہان سے دو بیٹیاں یزدجرد کی اسیر کرکے حضرت کی خدمت مین بھیجین۔ حضرت نے شاہ زنان یعنی حضرت شہربانو کو جناب امام حسینؑ علیہ السلام کو عطا کیا اور دوسری کو محمد بن ابوبکر کو دیا۔ حضرت شہربانو سے حضرت سید الساجدین امام زین العابدینؑ اور دوسری سے قاسم ابن محمد پیدا ہوئے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی تحقیق کی تائید جناب مولوی سید شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی داناپوری رحمۃ اللہ تعالےٰ کی تحقیق سے پورے طور پر ہوتی ہے۔ جناب شاہ صاحب غفران مآب اپنی کتاب معروف بہ تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام کی تیسری فصل صفحہ ۳۰۵ مین اس واقعہ کو حضرت علیؑ علیہ السلام کے عہد خلافت سے متعلق بتلاتے ہین۔ واضح ہو کہ یہ کتاب انگریزی اور فارسی کتابوں سے منتخب کرکے تالیف کی گئی ہے اور منشی نولکشور کے مطبع نامی مین چھپی ہے۔ اسکے مصنف ایک معزز اہل علم اور صاحب تقوے نیز ایک ممتاز بزرگ صوفیان کرام سے تھے جب

جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ اور جناب حضرت شاہ صاحب کی تحقیق سے حضرت شہربانو کا آنا عہد خلافت حضرت علیؑ مین ثابت ہوتا ہے تو اس واقعہ کے متعلق کسی قسم کا اعتراض وارد ہی نہین کیا جاسکتا یعنی جس طرح پر حضرت امیرؑ کے عہد کی ساری کارروائیان جائز مانی جائینگی آپکے وقت کی جہادبھی جائز مانے جائینگے اور جب آپکے جہاد جائز مانے گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کا تعلق بھی حضرت شہربانو کے ساتھ امر جائز مانا جائیگا ۔ پس وہ اعتراض میجر صاحب کا جو اس تعلق پر عائد ہوتا تہا اب عائد نہین ہوسکتا ہے اب راقم کو اسیقدر اور ثابت کرنا ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کا عقد حضرت شہربانو کے ساتھ عمل مین لایا گیا یعنی حضرت شہربانو جہادی لونڈیون کی طرح حضرت امام حسین کے تمتع مین نہین لائی گئین ۔ واضح ہو کہ جناب شاہ صاحب ممدوح رحمہ اللہ تعالےٰ اپنی تصنیف شریف کے اسی صفحہ بالا مین فرماتے ہین کہ ”حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے زمانہ مین حریث بن جابر جعفی کو خراسان کے بعض شہرون کا حاکم مقرر فرمایا تہا ۔ حریث کو یزدجرد کی تین لڑکیان مہربانو وماہ بانو وشہربانو غنیمت مین ملین ۔ اُسنے انہین حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت مین روانہ کیا ۔ آپنے فرمایا کہ یہ بادشاہ کی لڑکیان ہین معزز شخصون کی خدمت مین انکو دینا چاہیے ۔ چنانچہ مہربانو کو محمد ابن ابی بکر کی زوجیت مین دیا اور ماہ بانو کو عبد اللہ ابن عمر کی زوجیت مین دیا اور شہربانو کو حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی زوجیت مین دیا اور انہی سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے“ جناب شاہ صاحب ممدوح کی تحریر بالا سے عیان ہے کہ حضرت شہربانو کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عمل مین آیا ۔ جیسا کہ حضرت کا لفظ ”زوجیت“ اس امر پر صاف صاف طور پر دال ہے ۔ آپکے اس قول کی تائید شیعون کی کتاب بحار سے بھی پورے طور پر ہوتی ہے جس سے بین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شہربانو کا نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ انجام پایا اور بحکم جناب علی مرتضےٰ نکاح کا خطبہ حضرت حذیفہ نے پڑہا ۔ الغرض تحقیقات بالا سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہے کہ حضرت علیؑ کی شرکت غنائم جہادی مین مورد اعتراض نہین ہوسکتی ہے اور یہ کہ مواصلت جناب امام حسین علیہ السلام کی حضرت شہربانو کے ساتھ مناکحت پر مبنی تہی جسکی وجہ سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام لونڈی بچہ ہونیکے داغ سے تمامتر محفوظ ہین یہان ایک رمز لطیف کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جو جہاد امام وقت کی اجازت سے نہوئے ہون انمین جو غنائم آئین وہ سب کے سب امام وقت کا مال ہین لہذا جو مال یا اسیر شیخین کے وقت مین اسلام والے غنیمت مین لائے وہ سب جناب امیر المومنینؑ کا مال تہا ۔ جسقدر حضرت کو اسمین سے ملگیا وہ حق بحقدار رسید کا مضمون ہوا اور جو اور لوگ لیگئے اُسکے ذمہ دار وہ لوگ رہے علاوہ برین اکثر جہاد حضرت امیر المومنین ہی استصواب

رائے کے بعد ہوئے تھے لہذا وہ صحیح بھی مانے جائینگے اور جہاد کا صحیح ہونا خلافت کی صحت کے لیے
مستلزم نہین ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امام ممدوح پدری اور مادری دونون جانب سے شاہزادگی
کا شرف رکھتے ہین پدری سلسلہ شاہنشاہ کونین جناب محمد مصطفےٰ اور شاہ ولایت جناب علیؑ مرتضےٰ
تک جاتا ہے۔ یہ آپکی دینی شاہزادگی ہے۔ اور مادری سلسلہ نوشیروان عادل تک پہنچتا ہے
یہ آپ کی دنیوی شاہزادگی بھی جناب امام زین العابدینؑ کے لیے کافی ہین۔ انکو نیچی نگاہ سے وہی
دیکھے گا جو ازل مین کور باطن تھا اور اس عالم مین آکر بھی کور باطن رہا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ
آخر مین اتنا عرض کردینا ضرور ہے کہ راقم کو اپنے ایسے خیالات کے اظہار سے جو مندرج ہوا ہوتی
گئے ہین کسی شخص یا کسی فرقہ کی دل شکنی منظور نہین ہے۔ جہانتک ممکن ہوتا ہے فقیر قلم کو روک کر
واقعات نگاری کرتا ہے اور اپنی دانست مین حق کے سوا زبان پر امر ناحق کو لانا حرام جانتا ہے
اسپر بھی ایک جلسہ مین چند صاحبون نے یہ فرمایا کہ فلان شخص یعنی یہ غلام اہل بیت محامد اور محاسن اپنے
آقاؤن کے لکھا کرتا ہے۔ اب اسکی ویسی ہی درگت کیجائیگی جیساکہ پٹنہ کے فلان مصنف کی درگت کیگئی
بخدا میری درگت میرے لیے سرمایۂ نازہی نہین بلکہ سرمایۂ نجات ہوگی۔ مخالفان اہل بیت شوق سے
اس ناچیز کی درگت عمل مین لائین۔ جیساکہ ثابت ہے حضرت بی بی فاطمہ جناب علیؑ مرتضےٰ حضرت حسنؑ و حسینؑ
و ائمہؑ خاندان پیغمبر کی مخالفانِ خاندان پیغمبر کے ہاتھون خوب درگت ہوچکی ہے۔ مین ان حضرات کے
غلامون کا غلام ہون۔ زہے نصیب میرے کہ ان حضرات کے اثبات حق کے سبب میری بھی
درگت عمل مین لائی جائے۔ مین اپنی درگت کو اُن حضرات کے غلامون کی ایک بڑا بھاری
سرٹیفکٹ سمجھونگا۔ واقعی مجھے اپنی درگت کا خوف رتی برابر بھی نہین ہے۔ جب میرے اتنے بڑے بڑے
آقاؤن کی درگت ہوچکی ہے تو مین کیا ہون جو اپنی درگت کا خیال کرون۔ مین تو اس آیت شریفہ کا
محفوظ رکھنے والا ہون۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔ ترجمہ۔ کہدو اے محمد مین کسی
اجر رسالت کچھ نہین چاہتا ہون مگر یہ چاہتا ہون کہ تم میرے عزیزونکی محبت اختیار کرو۔ ظاہر ہے کہ
اس آیت کریمہ کا ملحوظ رکھنے والا مخالفان خاندان پیغمبر کی درگت کا کیا خوف کرسکتا ہے۔ ہزار حیف
کہ ہر عہد کے مخالفان اہل بیت اس قول خدا سے ہمیشہ منہ موڑا کیے اور خاندان پیغمبر کی محبت تو درکنار
انکی ذرہ برابر بھی توقیر اُن سے عمل مین نہ آسکی۔ گذشتہ تحریرات فقیر سے کسیقدر ہویدا ہوچکا ہے کہ
مخالفان اہل بیت کا سلوک خاندان پیغمبر کے ساتھ کس طرح پر ہوتا رہا ہے۔ اختصار اور نیز خاطرداری اہل
زمانہ کی بنا پر راقم نے معاملات اہل بیت کو گویا کچھ بھی حوالۂ قلم نہین کیا ہے۔ اگر انکو شرح طور پر درج
ہذا کرتا یہ کتاب بہت طولانی ہوجاتی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جناب رسول خدا کے مرض موت کے
زمانہ سے جب بے عنوانیان شروع ہوئین اُنکا سلسلہ آجتک برابر چلا جاتا ہے۔ اگر تمام واقعات خود

جناب رسول خدا اور اہل بیت نبوی کی ایذا یابیون کے مسلسل طور پر احاطۂ تحریر مین لاے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ اسوقت بھی اہل بیت کی مخالفت سے دنیا خالی نہیں ہے اہل بیت کو تکاہر نہیں ہین۔ مگر دوستداران اہل بیت کی دلگمعی کے لیے اس عہد کے بدخواہان اہل بیت اُسیطرح کمربستہ ہین جس طرح خود زمانۂ اہل بیت مین تھے۔

حضرات شیخین اور اسلام

اس مُضمون پر کسی قسم کی تحریر کی چندان حاجت نہ تھی مگر راقم کو ایک ایسا معاملہ پیش آگیا کہ جس سے اس مادّے مین مجھے اپنے خیالات کو حوالۂ قلم کرنا پڑا حقیقت حال یہ ہے کہ میرے ایک کرم فرما جو قوم کے رو سے سیّد اور مذہب کی حیثیت سے متصوف ہین۔ یہ صاحب ہمیشہ میلاد شریف اور مجلس عزا کی تقریبین کیا کرتے ہین اور اہل سنت اور اہل تشیع دونون کو ایسی تقریبون مین مدعو فرمایا کرتے ہین۔ ایکبار مین میلاد شریف کی تقریب سے اُنکے دائرۂ دولت پر حاضر تھا کہ وہان مجھے ایک نئی آمد کے ایسے مولود خوان نظر پڑے کہ جنکی مولود خوانی کا ذکر شہر مین ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اکثر حضرات اُنکے سُننے کے لیے شریک تقریب ہوئے تھے اور اس وجہ سے اُس دن کا مجمع کچھ غیر معمولی انداز کا ہو گیا تھا۔ مولود خوان صاحب نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ مولود خوانی فرمائی۔ جب مولود خوانی کر چکے تب کچھ وعظ فرمانے لگے۔ اتنے عرصہ مین مولود خوان صاحب کو معلوم ہو گیا کہ مین اہل سنت سے نہین ہون۔ اسکی دریافت سے آپ دل مین بہت پیچ وتاب کھانے لگے۔ حتےٰ کہ اُس عداوت کے تقاضہ سے جو اُنکے دل مین میرے آبائے کرام کی طرف سے لاحق تھی۔ دوران وعظ مین یون فرمانے لگے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایمان مین کامل تھے اور (معاذاللہ) علیؑ کا ایمان ناقص تھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرات اہل سنت کو کیا غرض پڑی تھی کہ مولود خوان صاحب کو ایسی بیہودہ گوئی سے منع کرتے۔ وہ اسی طرح لایعنی بکا کیے اور یہ سب حضرات سُنا کیے۔ خیر۔ وہ صحبت تو تمام ہو گئی۔ مگر اب مین ذیل مین ایک ایسی تحریر نذر ناظرین حق پسند کرتا ہون کہ جس سے حضرات شیخین اور حضرت علیؑ کے ایمان کی حقیقت پورے طور پر منکشف ہوتی ہے۔ وہو ہذا۔

حضرت ابوبکر کی نسبت یہ گزارش ہے کہ اگر آپ کامل اندازکا ایمان رکھتے تو آپ ہرگز جناب رسول خدا کو جنگ اُحد اور جنگ حنین مین چھوڑ کر بھاگ نہ جاتے۔ جسکا ایمان کامل ہوگا وہ ایسی پوچ حرکت نہین کر سکتا کوئی کامل الایمان راہ خدا مین جان نذر کرنے سے مُنہ نہین موڑ سکتا۔ حضرت ابوبکر تو جناب رسول خدا کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوست کو چھوڑ کر کوئی دعویدار دوستی ایسا نہین کر سکتا۔ میری دانست مین کوئی آدمی جسکے مزاج کی افتاد شریفانہ واقع ہوئی ہے دوست کو مخدوش حالت مین چھوڑ کر اپنی جان کے

بچانے کی نظر سے فرار گوارا نہیں کر سکتا ہے۔ مرد کے لیے تو مر جانے کی بات ہے۔ کہیے تو کیسی مسلمانی ہے کہ کوئی شخص جناب رسولِ خدا کے ساتھ جہاد کے لیے جائے اور جب برا وقت آپڑے تو رسول اللہ کو دریچہ ہلاکت میں چھوڑ کر میدان جنگ سے کافور ہو جائے۔ لاحول ثم لاحول۔ یہ کیسا کمالِ ایمان ہے۔ اس فعل کا مرتکب کوئی مسلمان تو ہو نہیں سکتا ہے۔ بار بار کے فرار سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا ایمان ایک معمولی درجہ کے مسلمان کے برابر بھی نہ تھا۔ جنگِ خیبر میں بھی آپ دو دن تک حارث و مرحب کے مقابلہ سے راہ فرار ہی اختیار کرتے رہے۔ عند العقل ہرگز ہرگز ایسے فرار پسند حضرت کا ایمان کامل نہیں مانا جا سکتا ہے۔ جنگِ خندق میں آپ سینہ میں کہاں چھپے رہے اسکو آپ جانتے ہونگے یا آپکے دوست حضرت عمر۔ عمرو بن عبدود کی صورت پر بھی آپکی نظر پڑنے نہیں پائی۔ کیا یہ سب غزوات حضرت ابوبکر کے نقصان ایمان کے ثابت کرنے کے لیے ناکافی سمجھے جا سکتے ہیں؟۔ ہرگز نہیں۔ شخص کامل الایمان کبھی ایسی نامردی کا کام نہیں کر سکتا۔ کہ اپنی جان کی خیر کے لیے رسول اللہ کو مخدوش حالتوں میں چھوڑ کر بھاگ جایا کرے اور جہادِ فی سبیل اللہ سے اس بدقرینگی کے ساتھ جان چراتا رہے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہنے میں مضائقہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ کا خلیفہ ماننا تو درکنار۔ یہ تو حضرت ابوبکر کے غزواتی معاملات ہیں جو آپکی عادت فرار اور عدم کارگذاری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب میں آپکے ایک قول سے دکھلاتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے کامل طور سے آپ کے دل میں جگہ ہی نہیں کی تھی۔ کچھ شک نہیں ہے کہ اگر آپکا ایمان پورا ہوتا اور اسلام نے کامل طور سے آپ کے دل میں جگہ کی ہوتی تو آپ جنگ اُحد کے دن ایسا کلمہ نہ فرماتے کہ ”قد قُتِلَ مُحَمَّدٌ فَارجِعُوا اِلٰی اَدیانِکُم“ یعنی کہ بہ تحقیق محمد مارے گئے پس تم لوگ اپنے اپنے مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جاؤ۔ حضرات ناظرین راقم کی سابق کی تحریر کو ملاحظہ فرمائیں جس سے اس قول کی پوری حقیقت ظاہر ہوگی۔ لاریب ایسی قول کا قائل ہرگز کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ خدائے پاک بھی اس قولِ مکروہ کی رد فرماتا ہے۔ کقولہ تعالیٰ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا۔ یعنی محمد خدا کے رسول ہیں اُنسے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر وہ (رسول) مر جائیں یا مارے جائیں تو دین محمدی سے تم پلٹ جاؤ گے؟ پس جو شخص یوں پلٹ جائیگا تو ایسا شخص خدا کا کوئی نقصان نہیں کریگا اپنا نقصان کرے گا“ نہایت جائے تعجب ہے کہ خدا تعالے تو اس طرح زوروں کے ساتھ مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جانیکو منع فرمائے اور حضرت ابوبکر اسکے خلاف میں مسلمانوں کو مذہب جاہلیت کی طرف پلٹ جانیکی ہدایت کریں۔ لاریب یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں اسلام نے پورے طور پر جگہ نہیں کی تھی جسکے سبب سے آپ کامل الایمان نہ تھے۔ تمامتر ناقص الایمان تھے۔

حضرت عمر کے غزواتی معاملات وہی ہیں جو حضرت ابو بکر کے ہیں دونوں صاحبوں کے فرار وغیرہ وغیرہ برابر درج کیے گئے ہیں۔ ان کیفیتوں کے ساتھ کیونکر کوئی آپ کو کامل الایمان مان سکتا ہے آپ بھی حضرت ابو بکر کی طرح ناقص الایمان نظر آتے ہیں۔ علاوہ نامطبوع غزواتی معاملات کے آپ کا یہ قول بھی جو صلح حدیبیہ سے متعلق ہے کہ "جیسا کہ آج مجھکو شک نبوت رسول اللہ میں ہوا ہے کبھی نہیں ہوا" کافی طور پر اسکا مثبت ہے کہ آپکو حضرت رسول کی نبوت میں شک لاحق رہا کرتا تھا مگر صلح کے وقوع سے زیادہ شک پیدا ہو گیا۔ اس شک سے عیان ہوتا ہے کہ آپکو بھی حضرت ابو بکر کی طرح کمال ایمان تو در کنار کسی درجہ کا شرف ایمان حاصل نہ تھا۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جن جن غزوات میں حضرات شیخین نے فرار اختیار فرمایا۔ یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے میں جی چرایا کیے اُنھی غزوات میں حضرت علیؑ سے برعکس کارزار ایمان ظہور میں آیا کیں۔ علاوہ اسکے حضرت علیؑ کی زبان مبارک پر کبھی ایسا لفظ نہیں آیا جس سے کسی طرح کا بھی نقصان ایمان ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ قولاً وفعلاً حضرت رسول خدا کے پیرو رہے۔ کبھی کسی امر میں انحراف ورزی نہیں کی۔ پس لاریب آپ پورے نمونہ کامل الایمان کے تھے اور اپنے قول و فعل سے پورے طور پر جناب رسول خدا کی جانشینی کا استحقاق رکھتے تھے۔ حق یہ ہے کہ جب آپ ہر غزوہ میں ثابت قدم رہے۔ صرف ثابت قدم ہی نہیں رہے بلکہ ہر غزوہ کی فتحیابی کے سبب اعظم ہوئے کبھی کسی غزوہ میں جناب رسول خدا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی۔ ہمیشہ رسول اللہ کو اعدائے دین سے بچاتے رہے ذرہ برابر بھی ترسندہ جانی اور بزدلی کو اپنے گرد نے دیا۔ پھر آپکی کارگزاریوں کی بنا پر دو موقعہ پر اس طور پر آنحضرت نے فرمایا کہ موجود و گذشتہ و آئندہ کے نیکوکاروں کی نیکوکاریاں آپکی غزواتی خدمتوں کے برابر نہیں قرار دیجا سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں تو آپ کے کامل الایمان ہونے میں کسی حق شناس کو عذر نہیں ہو سکتا ہے بلکہ نہایت انصاف کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں آپ کے برابر کا کوئی کامل الایمان نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہی کیا غضب کی بات ہے کہ مخالفین آپکے۔ آپ کے ایمان کو ناقص اور جناب شیخین کے ایمان کو کامل قرار دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ متعصب کے بینائی کی قوت جاتی رہتی ہے۔

سورہ نور کی آیت

(وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الی اٰخرھا)

پر نظر

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ آیت۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الی اٰخرھا دال ہے

خلافت راشدہ یعنی خلافت ثلثہ پر۔ یہ آیت کامل طور پر سورہ نور مین یون واقع ہے۔
وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ یعنی وعدہ کیا اللہ نے تم مین سے ایسے لوگون کے ساتھ جو خدا پر ایمان لائے اور کیے نیک کام کہ ہر آئنہ اللہ اُن لوگون کو حاکم کرے گا ملک مین جیساکہ حاکم کیا تھا اُن سے اگلون کو اور اللہ ہر آئنہ جمادیگا اُنکو دین اُنکا جو پسند کردیا اُسی اللہ نے اُنکے واسطے اور اللہ دیگا اُنکو اُنکے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کرینگے شریک نہین کرین گے میرا کسیکو اور جو کوئی ناشکری کریگا اُسکے بعد پس وہی لوگ بےحکم ہین۔ مگر اس آیت کے کسی لفظ سے خدا کا وعدۂ استخلاف مخصوص بہ حضرات خلفاے ثلثہ ظاہر نہین ہوتا ہے یہان صاف صاف طور خدا تعالے عام مومنین صالحین سے وعدۂ استخلاف فرماتا ہے کہ تم سے مُلک مین لوگون کو حاکم کریگا جیساکہ حاکم کیا تھا اُن سے اگلون کو۔ خدا کا یہ خطاب عام جمیع مومنین کے ساتھ ہے جیساکہ تفسیر زاہدی وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اور مخصوص باصحاب کرام یا حضرات خلفاے ثلثہ نہین ہے اور نہ اس آیت مین کوئی قید زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ وعدہ ایسا ہے کہ اسمین حضرت رسول خدا کے زمانے سے لیکر آئندہ تک کے مومنین صالحین سب پر صادق دکھائی دیتا ہے۔ یہ آیت ایسی عام انداز کی ہے کہ دوستداران حضرات ثلثہ کہہ سکتے ہین کہ اسکی مخصوصیت حضرات ثلثہ کی خلافت کے ساتھ ہے۔ بنی امیہ اپنی خلافت کی طرف اسکو منسوب کر سکتے ہین۔ بنی عباس اپنی خلافت کی طرف اسکو کھینچکر لیجا سکتے ہین۔ بنی ہاشم اسکو اپنے لیے وعدۂ استخلاف قرار دے سکتے ہین۔ ایسی صورت مین اس آیت کو بالتخصیص حضرات ثلثہ کی خلافت پر دال سمجھنا سخت ہٹ دہرمی ہے۔ اگر یہ آیت خلافت حضرات ثلثہ پر دال ہوتی تو حضرت ابوبکر یا حضرت عمر اسکو سقیفہ کے ہنگامہ کے وقت اہل سقیفہ کے آگے بطریق استدلال پیش کرتے۔ مگر کسی نے ایسا نہین کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد شیخین مین یہ آیت دلیل خلافت نہین سمجھی جاتی تھی۔ عہد شیخین تو عہد شیخین صدر اول اور صدر ثانی مین بھی یہ آیت حقیت خلافت ثلثہ کے ثبوت مین کبھی کسیکی طرف سے نہین پیش کی گئی۔ یہ مابعد کے زمانہ کا ڈھکوسلا ہے کہ خلافت خلفا کو نصی ثابت کرنے کیلیے نامربوط قرآنی تاویلات اختیار کی ہین راقم کی دانست مین اس آیت سے کسی طرح پر خلافت حضرات خلفا کی حقیت بلکہ کسی خلافت کی حقیت ثابت نہین ہوتی۔ لیکن ایک حدیث نبوی کی بنا پر آیت بالا ائمہ خاندان پیغمبر کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے اور وہ حدیث کتاب روضۃ الاحباب مین محدث میر جمال الدین حسینی کی بروایت حضرت جابرؓ بن عبد اللہ انصاری یون منقول ہے کہ جب آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ - نازل ہوئی تو مین نے جناب رسولؐ خدا سے عرض کی کہ مین نے خدا و رسول خدا کو
تو پہچانا مگر اولوالامر کون ہین جنکی اطاعت کو خدا تعالےٰ نے فرض فرمایا ہے - اسپر حضرت رسول خدا
نے ارشاد فرمایا کہ هُمْ خُلَفَائِیْ مِنْ بَعْدِیْ اَوَّلُهُمْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْطَالِبْ ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْحُسَیْنُ
ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ نِ الْمَعْرُوْفُ فِی التَّوْرٰىةِ بِالْبَاقِرِ وَسَتُدْرِکُهٗ یَا جَابِرُ فَاِذَا لَقِیْتَهٗ
فَاَقْرِءْهُ مِنِّی السَّلَامَ ثُمَّ الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ مُوْسٰی بْنُ جَعْفَرٍ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُوْسٰی ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ
عَلِیٍّ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثُمَّ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ ثُمَّ حُجَّةُ اللّٰهِ فِی اَرْضِهٖ یعنی جناب رسول خدا نے فرمایا کہ
اولوالامر میرے بعد میرے خلفا ہین اوّل انمین علیؑ ابن ابی طالب ہین انکے بعد حسنؑ ہین انکے بعد
حسینؑ ہین انکے بعد علی بن الحسینؑ ہین انکے بعد محمد بن علیؑ ہین جو باقر کے نام سے توریت مین کو ہین
اور قریب ہے اے جابر کہ تم انکو جا ملوگے پس جب تم اُنسے ملاقی ہو تو میرا سلام اُنسے کہنا اُنکے
بعد جعفر صادق بن محمد ہین انکے بعد موسےٰ بن جعفر ہین انکے بعد علی بن موسےٰ ہین انکے بعد محمد بن
علی ہین انکے بعد علی بن محمد ہین انکے بعد حسن بن علیؑ ہین انکے بعد حجۃ اللہ یعنی امام مہدی صاحب الزمان
ہین - یہ کتاب روضۃ الاحباب ایسی ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ اصول حدیث
مین اسکو خوبی کے ساتھ یاد کرتے ہین - جاننا چاہیے کہ حضرات ائمہ اثنا عشر ایسے بزرگوار ہین کہ جنکا
ذکر توریت مین واضح طور سے دیکھا جاتا ہے - خدا تعالےٰ اُس کتاب عتیق مین فرماتا ہے کہ ہم
نسل اسمٰعیل کو برگزیدہ اور ممتاز بنائینگے اور انمین بارہ شاہزادے ہونگے وغیرہ وغیرہ - علاوہ
اسکے حدیث بالا سے بہی معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام محمد بن علی توریت مین باقر کے نام سے
مذکور ہین - پس کوئی تعجب نہین کہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ الیٰ اٰخرھا مین جو استخلاف کا مضمون
پایا جاتا ہے وہ اشارہ ہے حضرات ائمہ اثنا عشر کی طرف جنکو حسب روایت حضرت جابرؓ انصاری
جناب رسول خدا نے اپنا خلیفہ فرمایا ہے - سچ یہ ہے کہ ان حضرات ائمہ سے بڑھکر کون جناب رسول خدا
کا جانشین ہو سکتا ہے - ہرچند ان حضرات کو مسلمانون کی ناہمواری کے باعث دنیوی حکومت
نہین حاصل ہوئی مگر انکی دینی حکومت تو خدا کی طرف سے ہمیشہ سے تہی اور تا بقائے اسلام رہیگی
ظاہر ہے کہ دنیوی حکومت کیا چیز ہے - یہ حکومت تو نمرود شداد فرعون معاویہ یزید وغیرہ کو
بہی حاصل ہوتی رہی ہے - اس سے کیا ہوتا ہے کیا ایسے لوگ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ مین مراد خدا
ہو سکتے ہین - ہرگز نہین ہرگز نہین - لاریب جو کچہ ہے دینی خلافت ہے اور یہ تمامتر بقول جناب
رسول مقبول حق حضرات ائمہ اثنا عشر کا ہے - اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ -

حدیث پنجم

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ

یہ حدیث کہ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ "میرے اصحاب تارون کی مانند ہین جسکے ساتھ تم اقتدا کروگے ہدایت یاب ہوگے" ایک غیر مستند قول ہے۔ امام ابن تیمیہ اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہین (دیکھو منہاج) بزار کہتے ہین کہ جناب رسول خدا سے نقل اس حدیث کی کسی طرح صحیح نہین ہے اور حدیث کی کتب معتمدہ مین یہ دیکھی نہین جاتی۔ اسی طرح ابن حزم اپنے رسالہ کبرے مین اس حدیث کو مکذوب و موضوع و باطل قرار دیتے ہین۔ احمد و مزی و ذہبی و حبکی اور ابو الحجاج کا بھی اس حدیث کی نسبت ایسا ہی قول ہے جناب مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم شرح مسلم مین اور جناب ملا نظام الدین صاحب انکے پدر گرامی صبح صادق شرح منار مین اس حدیث کو بہ سند حزم و احمد و بزار و مزی و ذہبی و حبکی و ابو الحجاج باطل و موضوع جانتے ہین۔ جناب مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی بھی اپنی کتاب تحفۃ الاخیار مین اس حدیث کو بنائی ہوئی تحریر فرماتے ہین اور اسکی صحت کے ذرہ برابر قائل نہین۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث اصحابی کالنجوم کی ہرگز قول جناب رسول خدا نہین ہے جب یہ حال ہے تو پھر کیون عوام اہل سنت اسکے استقدر دلدادہ نظر آتے ہین۔ ظاہرا اسکا سبب یہ ہے کہ حضرات اہل سنت حدیث ثقلین سے اپنی مشکین بندھی ہوئی پاتے ہین۔ تو پھر اس حدیث نجوم کو اگر غنیمت نہ جانین تو کیا کرین۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ایک قدیم مثل ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا یہ فعل صریحی طور پر جناب رسول خدا پر افترا و کذب و بہتان ہے۔ مگر حضرات خلفائے ثلثہ کی محبت مین انہین کچھ سجھائی نہین دیتا۔ اسلیے عموماً حدیث زیر بحث کی موضوعیت سے چشم پوشی کرتے ہین خدا تعالے اپنے ہر بندے کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

وجود حضرت مہدی صاحب العصر علیہ السلام

واضح ہو کہ یہودیون کو اسکا عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ ایک وقت مین مسیح موعود اس دنیا مین تشریف لائینگے۔ حضرت مسیح علیہ السلام جو تشریف لائے تو یہودیون نے آپکو مسیح موعود نہ مانا اور یہانتک آپکے دشمن ہے کہ آپکی ہلاکت مین کوئی کوشش اٹھا نرکھی ابھی تک یہودیون کو مسیح موعود کا انتظار ہی ہے۔ نصارے بھی رجعت حضرت مسیح کے منتظر ہین۔ اہل اسلام بھی اس عقیدہ کے شریک ہین۔ فرق اسیقدر ہے کہ مسلمان حضرت صاحب العصر والامر علیہ السلام کے بعد حضرت مسیح کے تشریف لانیکے انتظار کش ہین۔ حضرت دوازدہم کا پیدا ہوچکنا فریقین کی کتابون سے ثابت ہے۔ آپ ائمہ اثنا عشر مین سے آخر امام ہین اور اولاد حضرت خاتون جنت سے ہین پدر عالی مقام آپکے جناب امام حسن عسکری ولد امام علی نقی بن امام محمد تقی ابن امام علی رضا ابن امام موسی کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین علی ابن الحسین ابن علی مرتضی

صلوات اللہ علیہم اجمعین ہین (دیکھو اسعاف الراغبین صفحہ ۱۴۰) آپکی والدۂ ماجدہ کا نام نرجس خاتون تہا مگر ملا عبد الرحمٰن جامی کی کتاب شواہد النبوت کے صفحہ ۲۴۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مخدومہ کا نام صیقل تہا اور بعضون نے سوسن بہی لکہا ہے - آپکا اسم شریف وہی ہے جو حضرت رسول خدا کا تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ مین مذکور ہے کہ آپکی ولادت باسعادت بروز جمعہ نصف شعبان ۲۵۵ھ مین ظہور مین آئی - اور جسوقت آپکے والد ماجد یعنی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے رحلت فرمائی اسوقت آپکا سن مبارک پانچ برس کا تہا - ابن الازرق لکھتے ہین کہ آپکی ولادت نوین ربیع الاول ۲۵۸ھ کو واقع ہوئی اور یہ بہی کہا گیا ہے کہ تاریخ ولادت آپکی آٹہوین شعبان کی تہی اور سن ولادت ۲۵۵ھ تہا راقم کی دانست مین ابن خلکان کی تحقیق یعنی نصف شعبان مین آپکا پیدا ہونا درست معلوم ہوتا ہے اور اکثر اس وقت کے اہل تحقیق ۱۵ شعبان ہی کو تاریخ ولادت قرار دیتے ہین - اسی طرح جب آپ سرداب مین داخل ہوکر غائب ہوگئے تو آپکی عمر اسوقت چار برس کی تہی اور بعض نے کہا ہے کہ اسوقت آپ پانچ برس کے تہے - اور یہ بہی کہا گیا ہے کہ آپکا سرداب مین داخل ہونا ۲۶۵ھ مین ظہور پذیر ہوا اور اس وقت عمر آپکی ۱۰ سال کی تہی - عبد الوہاب شعرانی کہتے ہین کہ امام مہدی بیٹے امام حسن عسکری کے ہین اور نصف شعبان مین پیدا ہوئے اور زندہ و موجود ہین - آپکی ولادت سنن ابی داؤد و صواعق محرقہ مین بہی مذکور دیکہی جاتی ہے - شیخ محی الدین الفتوحات مین فرماتے ہین کہ امام مہدی کا ظہور فرمانا ضرور ہے مگر جب تک دنیا جور و ظلم اور گناہون سے خوب پر نہو لے تب تک ظاہر نہون گے اور جب وہ امام ظاہر ہون گے تب دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینگے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے معمور ہوگی - اور وہ عترت رسول خدا اور اولاد فاطمہ زہرا سے ہین استاد فن شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی نے ایک غزل جناب امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کی مدح مین لکہی ہے - اسکے دو شعر ذیل مین عرض ہوتے ہین - ؎

دکہا یارب جہان مین غل ہے جسکی آمد آمد کا — الٰہی ہون بہت مشتاق دیدار محمد کا
بہار گلشن دین محمد اب دکہا یارب — ترشحہ بلبلِ دل کہتا ہے فصل گل کی آمد کا

واقعۂ جد امجد

واضح ہو کہ صرف ایک فرقہ اہل اسلام کا یہ کہتا ہے کہ ابہی تک حضرت صاحب العصر علیہ السلام پیدا نہین ہوئے ہین - آئندہ پیدا ہونگے - مگر فریقین کی کتابون سے تمام تحقیقات کا مختصر یہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہین - اور کچھ روز اس دنیا مین رہکر لوگون کی نظر سے غائب ہوگئے ہین - آپ ابہی تک زندہ ہین - اور ایک وقت مین پہر ظہور فرمائین گے

آپکے ظہور کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائینگے اور جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کی اقتدا فرمائینگے - یہانتک تو خیر فریقین مین گویا اختلاف نہین ہے - مگر اب علمائے احناف کی ڈھکوسلے شروع ہوتے ہین - درمختار مین مرقوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایام رجعت مین تقلید امام ابو حنیفہ کی کرینگے - یہ عجب عقیدہ ہے - خیر - اسکی تردید ہدایہ کے مقدمہ مین خود عالم حنفی مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی یون فرماتے ہین کہ "یہ ایک بے دلیل امر ہے" اسی طرح سیوطی نے کہا ہے کہ تقلید کرنا حضرت عیسیٰ کا چارون امام مجتہدین کے قول پر محض بے اصل ہے - اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ نبی مقلد مجتہد کا ہو بلکہ وہ شریعت محمدی پر بالوحی و بالقرآن عمل کرینگے - اور ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی کہا ہے کہ اختراعات سے جہالت مآب علمائے احناف کے یہ بھی ہے کہ حضرت خضر نے تیس برس شاگردی امام ابو حنیفہ صاحب کی آپکی حیات مین اور آپکی ممات کے بعد آپکی قبر کی کردی ہے ملا علی قاری کہتے ہین کہ خضر وہ شخص ہین کہ جنکی نسبت سورہ کہف مین خدا نے انکو علم لدنی کے بخشنے کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حضرت - حضرت موسیٰ کے اُستاد ہوئے تھے - پس کس طرح ایسا شخص امام ابو حنیفہ صاحب کا مقلد ہو سکتا ہے - اور یہ بھی علمائے احناف کا افترا ہے جو کہتے ہین کہ امام مہدی علیہ السلام ظہور کرکے امام ابو حنیفہ صاحب کی تقلید کرینگے - ملائے محمد ہی کہتے ہین کہ امام مہدی خود مجتہد ہین انکو کسی کی تقلید جائز نہین اور محی الدین ابن العربی نے کہا ہے کہ آپ یعنی حضرت صاحب العصر قیاس حرام ہے - اور جو کچھ آپ حکم کرینگے خدا ایک فرشتہ مبعوث کریگا آپ پر کہ وہ القا کیا کرے گا اور کسی تقدیر مین امام ابو حنیفہ صاحب کی تقلید آپ پر جائز نہین ہو سکتی" اب مجھے علمائے حنفی کی ایسے بے بنیاد دعوے کی تردید کی حاجت باقی نہین رہی - جناب مولوی عبدالحی صاحب غفران مآب کی تحریر پر تنویر کی بدولت مین اسکی زحمت سے محفوظ رہا - لیکن اہل انصاف غور فرمائین کہ حضرات علمائے حنفی کسقدر مبتلائے تعصب نظر آتے ہین کہ آنکھ بند کیے ہوئے امام اعظم صاحب کی محبت مین جیسا چاہتے ہین فرما جاتے ہین - واہ واہ کیا خوب حضرات علمائے حنفی نے اپنے امام صاحب کو اتنا بڑہایا کہ وہ حضرت ایک معروف نبیؑ کے سالہا سال کے اُستاد ہوگئے اور نیز امام صاحب العصر علیہ السلام کے مقتدا قرار پا گئے - اس بے تکاپن کا کوئی بھی جواب دنیا مین ہے - حنفی بھائیو! حق اور حق گوئی کا بڑا درجہ ہے - حق پرستی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہین رہ سکتا ہے - ذرا سوچو - جو چیز حق ہی حق ہے امام صاحب کی محبت مین جادۂ اعتدال سے گذر کر ایسی باتین کرنے لگے ہو کہ عقل اُسے ہرگز قبول نہین کر سکتی -

واضح ہو کہ ظہور جناب امام صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق جو حضرات اہل سنت کے قابل لحاظ عقائد ہین درج ذیل ہوتے ہین اور اُن پر جو اعتراضات اہل تشیع کی طرف سے وارد ہوتے ہین

وہ بھی اُنکے ساتھ جگہہ پاتے ہین

١
عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ جناب امام مہدی علیہ السلام امام اور خلیفہ مبعوث منجانب اللہ ہین اور آپکو منصوصی حیثیت حاصل ہے (دیکھو صواعق محرقہ بحث فی المہدی صفحہ ۱۱۴) عبارت عربی یہ ہی فَجَعَلَ اللّٰہُ الْقَائِمَ بِالْخِلَافَۃِ الْحَقِّ - یہ روایت ابوداوٗد کی ہے پھر بروایت احمد اسی کتاب مین یہی مندرج ہے - یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِیْفَۃٌ " پھر بروایت حضرت علیؑ سنن ابوداوٗد کے صفحہ ۲۳۲ مین قول نبوی یہ ہے کہ لَبَعَثَ اللّٰہُ رَجُلاً مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یَمْلَاُھَا عَدْلاً کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا - اس عقیدہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امر خلافت اجماع اور بیعت پر منحصر ہے - مگر امام مہدی علیہ السلام کے واسطے اجماع حل وعقد نہین ہے - پس اصول مذہب اہل سنت کی روسے آپکی خلافت کیونکر صحیح ہوگی - دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک استقرار خلافت وامامت خلق پر واجب ہے نہ خدا پر - مگر ابوداوٗد کی حدیث مین تجھے جَعَلَ اللّٰہُ الْقَائِمَ بِالْخِلَافَۃِ الْحَقِّ وَلَبَعَثَ اللّٰہُ رَجُلاً کے دیکھے جاتے ہین جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استقرار خلافت وامامت خدا نے اپنے اوپر واجب جانا خلق پر نہین - پس جب امام مہدی علیہ السلام کی شان مین جعل اور بعث کے الفاظ وارد ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے متعلق تقرر خلافت وامامت بید اللہ ہوا ہے نہ بدست انسان - ایسی صورت مین اہل سنت کا کلیہ خلافت وامامت کے مادے مین جو مبنے اجماع وبیعت پر ہے باطل ثابت ہوتا ہے

٢
حسب عقیدۂ اہل سنت خلافت وامامت وولایت حضرت امام مہدی علیہ السلام کی منصوصی تب بقیہ ائمہ اطہار کی خلافت وامامت وولایت کیون نہین منصوصی مانی جائیگی - اسکا کیا مطلب ہے کہ ایک امام آخر کی خلافت وامامت وولایت تو منصوصی مانی جائے اور بقیہ ائمہ کی خلافت وامامت وولایت از امام اول یعنی حضرت علی مرتضےٰ تا بہ امام یازدہم یعنی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اسکے برخلاف سمجھی جائے - پوشیدہ نہین ہے کہ اہل تشیع اصول واحد کے پابند ہین یعنی جس اصول کی گیارہ امام کی خلافت وامامت وولایت کو نصی طور پر حق مانتے ہین اسی اصول کی پابندی کے ساتھ جناب امام مہدی علیہ السلام کی خلافت وامامت وولایت کو بھی نصی طور پر حق مانتے ہین تب معلوم ہوا کہ حضرات اہل سنت جو اسکے برخلاف پابند دکھائی دیتے ہین وہ صرف اس غرض کی ہے کہ پابندی بالا کی وجہ سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت وامامت وولایت سب کی سب بجا ہوجاتی ہے -

٣
حضرات اہل سنت کے نزدیک جناب امام مہدی علیہ السلام امام دوازدہم ہین - مگر اہل سنت کے ائمہ اثنا عشر مین خلفائے بنی امیہ وبنی عباسیہ بھی داخل ہین - ظاہر ہے کہ یہ خلفا تو ختم ہوگئے - پس

امام مہدی علیہ السلام کو تیرہوین خلیفہ ہونے سے چارہ نہین رہتا ہے۔ جب یہ حال ہے تو اہل سنت امام مہدی علیہ السلام کو امام دوازدہم کیونکر کہہ سکتے ہین۔

بعض محدثین اہل سنت نے مہدی عباسی کو مہدی موعود مانا ہے۔ مگر حضرت عیسے علیہ السلام نے کب مہدی عباسی کے پیچھے نماز پڑہی یا کسی قسم کی اقتدا کی۔

حضرت عمر سے صحیحین مین یہ حدیث کہ لم یستخلف رسول اللہ دیکھی جاتی ہے مگر امام مہدی علیہ السلام کے متعلق کی حدیثون مین لفظ خلیفہ کا پایا جاتا ہے۔ پس ان حدیثون کو حضرت عمر کی حدیث کے ساتھ کیونکر تطبیق دیجاسکتی ہے۔

حضرات اہل سنت کے نزدیک ائمۂ اطہار سے انبیا افضل ہین۔ پس نماز پڑہنا حضرت عیسے کا حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے ناجائز ہوگا۔

جب حضرت عیسے علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ اقتدا کرکے آپکے پیچھے نماز پڑہینگے تو ضرور ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرت عیسے علیہ السلام کے مقابلہ مین افضلیت کی حیثیت رکھین۔ مگر حسب عقیدۂ اہل سنت حضرات خلفائے ثلثہ حضرت عیسے علیہ السلام سے افضل نہین تو ضرور ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرات خلفائے ثلثہ سے افضل یا افضل سے بھی زیادہ افضل ہون۔ مگر امام مہدی علیہ السلام سے حضرت علی مرتضے افضل ہین تو ضرور ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرات خلفائے ثلثہ سے اور بھی کچھ زیادہ تر افضل ہون۔ مگر حسب عقیدۂ اہل سنت حضرت علی حضرات خلفائے ثلثہ سے مفضول مانے جاتے ہین یہ کیا گورکھ دہندا ہے اسکا فیصلہ خود حضرات اہل سنت کرلین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات اہل سنت کی بہت باتین ایسا انداز رکھتی ہین کہ عقل سلیم اُنکو ہرگز قبول نہین کرسکتی ہے۔ منجملہ اُنکے ایک بات امامت کے لگاؤ سے یہ بھی ہے کہ حضرات اہل سنت آل عباسی کو بھی اہل بیت نبوی مین داخل کرتے ہین۔ مگر حدیث ثقلین کے روسے اہلبیت نبوی کے ساتھ متمسک ہونا امر ضروری ہے اس روسے کل عباسی واجب الاطاعت امور دین مین قرار پاتے ہین۔ ایسی صورت مین کیون ائمۂ اربعہ سے امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام حنبل نے معتصم و متوکل و ہارون و مامون کی جو خلفائے معتزلی تھے اطاعت قبول نہین کی۔ سچ ہے کہ ایک عقیدۂ باطل کی پیروی سے ہزارہا امور باطل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

واضح ہو کہ راقم حضرت امام مہدی صاحب العصر علیہ السلام تک کے مضامین کو حوالۂ قلم کرکے اپنی اس تصنیف مختصر کو ختم کردینے کو تھا مگر دل مین یہ خیال گزرا کہ کچھ اور امور مذہبی بھی جو فریقین سے تعلق رکھتے ہین تصنیف ہذا مین داخل کردیے جائین۔ اب یہان سے وہ امور لبقیہ نمبروار درج ہوتی ہین۔ راقم اہل انصاف سے توجہ فرمائی کا خواستگار ہے۔

بعض امور ضروری پر نظر عبد اللہ بن سبا اور تشیع

۱ حضرات اہل سنت فرماتے ہین کہ موجد مذہب شیعہ کا عبد اللہ بن سبا ہے - چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بہی اپنی کتاب تحفہ مین بہ تبعیت نصر اللہ کابلی ایسا ہی لکھا ہے کتاب ملل ونحل شہرستانی کے صفحہ ۱۰۰ مین یہ عبارت دیکھی جاتی ہے ۔ اَلسَّبَائِیَّۃُ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَبَا الَّذِیْ قَالَ لِعَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنْتَ الْاِلٰہُ فَنَفَاہُ اِلَی الْمَدَائِنِ وَزَعَمَ اَنَّہٗ کَانَ یَہُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ وَزَعَمُوْا اَنَّ عَلِیًّا حَیٌّ لَمْ یُقْتَلْ وَفِیْہِ الْجُزْءُ الْاِلٰہِیُّ وَھُوَ فِی السَّحَابِ الرَّعْدُ صَوْتُہٗ وَالْبَرْقُ سَوْطُہٗ وَاَنَّہٗ سَیَنْزِلُ بَعْدَ ذٰلِکَ اِلَی الْاَرْضِ - یعنی سبائیہ فرقہ عبد اللہ بن سبا کا ہے حضرت علی کو خدا کہتا ہے - حضرت علیؑ نے ابن سبا کو مداین کی طرف نکال دیا تہا - اور گمان کیا جاتا ہے کہ ابن سبا ایک یہودی تہا جسنے اسلام قبول کیا تہا - فرقہ سبائیہ کا یہ عقیدہ تہا کہ علیؑ زندہ ہین مارے نہین گئے ہین اور انمین جزو الٰہی شامل ہے اور بادل اور بجلی مین جو آواز ہے وہ علیؑ کی ہے اور بجلی انکا کوڑہ ہے اور زمانۂ قریب قیامت مین وہ دنیا مین پہر آئینگے - اس تحریر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن سبا فرقہ نصیری کا موجد ہے - شیعہ اثنا عشری تو حضرت علیؑ کے ساتھ ایسے عقائد واہیہ نہین رکہتے ہین - شیعیان اثنا عشری نہ حضرت علیؑ کو خدا کہتے ہین اور نہ آپکی شہادت کا انکار کرتے ہین تعجب ہے جناب شاہ عبد العزیز صاحب سے کہ ایسی بے سروپا باتین اپنی تصنیف مین لکہہ گئے جنکو پڑہکر جناب شاہ صاحب پر بیحد افسوس آتا ہے - راقم کو اسی تحفۂ اثنا عشریہ نے مذہب اہل سنت سے کنارہ کرایا ہے - کہان شیعیان اثنا عشری اور کہان اصحاب عبد اللہ بن سبا - عبد اللہ بن سبا کو مذہب اثنا عشری کے موجد ہونے سے کیا علاقہ -

تفضیل شیخین بروایت سادات زیدیہ

۲ حضرات اہل سنت فرماتے ہین کہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ مین دار قطنی کے واسطے سے سادات وائمۂ زیدیہ وغیرہ سے ایسی روایتین مروی ہین جنسے تفضیل شیخین کی ظاہر ہوتی ہے اور مخرج انمین سے ہر حدیث کا حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام تک مسلسل طور پر انتہا پذیر ہوتا ہے - پس ایسی صورت مین فضائل شیخین سے شیعون کا انکار اہل بیت طاہرین کے اقوال پاک کا مخالف نظر آتا ہے - اس اعتراض کی رد یون ہوتی ہے کہ فرقہ زیدیہ حسب تحقیق صاحب ملل ونحل مذہب معتزلہ کا پابند تہا اور متاخرین معتزلہ مائل بہ تشیع ہو گئے تہے ایسی صورت مین اہل سنت کے اصول فقہ کے مطابق دونون فرقون کی روایت غیر مقبول متصور ہے - علاوہ اسکے اعتراض بالا قابل

توجہ جب ہوتا کہ جب یہ اعتراض کتب صحیحہ شیعہ سے بھی صورت پذیر ہوسکتا۔ اہل سنت کی کسی کتاب کی بنا پر اس طرح کا اعتراض وارد کرنا جادۂ انصاف سے باہر قدم رکھنا ہے۔ بہر حال اب دیکھنا چاہیے کہ صواعق محرقہ میں سادات زیدیہ کی روایات تفضیل شیخین کے مادے میں کیسی ہین اُنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایتین محذوف الاسناد ہین۔ علاوہ اسکے کوئی اُن کے راویون مین سے بنی امیہ کا فضلہ خوار و وضاع حدیث و کاذب و راشی و دشمن اہل بیت ہے اور کوئی راوی جیسا کہ صیرفی ہے معتزلی ہے اسیطرح ایک روایت امام شافعی کی طرف منسوب دیکھی جاتی ہے مگر امام شافعی کا حضرت امام صادق علیہ السلام سے ملاقی ہونے کا کہین ثبوت نہین پایا جاتا ہے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ امیر معاویہ حدیثین مشعر بفضائل شیخین وضع کرایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے اور شاہ عبد الحق دہلوی بھی اشعۃ اللمعات کے باب مناقب شیخین مین لکھتے ہین کہ بہت سی حدیثین فضائل شیخین کی موضوع ہین۔ چنانچہ آخر سفر السعادت مین موضوعات فضائل شیخین موجود ہین۔ اسیطرح شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین مین لکھتے ہین کہ اہل سنت نے چودہ ہزار حدیثین فضائل شیخین مین وضع کرائین اور ابن جوزی نے اُن موضوعات کو جمع کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر فضائل شیخین مین حدیثین موجود ہوتین تو ایسی حدیثون کے وضع کرانیکی کیا ضرورت پیش آتی جائے غور ہے کہ اگر حضرات ائمہ طاہرین جناب شیخین کے فضائل کے قائل ہوتے تو اُنکے اور اُنکے پیروان کے خلاف کیون فتوے دیا کرتے اسی طرح جب عبد الرحمن بن عوف نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ اگر آپ خلیفہ ہوجیے گا تو سیرت شیخین پر عامل ہوجیے گا یا نہین تو آپنے صاف صاف طور انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی فضائل شیخین کے معترف ہوتے تو ایسا جواب باصواب ارشاد نفرماتے۔ حضرت علی کسی طرح پر فضائل شیخین کے قائل نہ تھے۔ اگر ہوتے تو خطبہ شقشقیہ مین اس ملال سخت کے ساتھ حضرت ابو بکر کو یاد نفرماتے۔ پس تفضیل شیخین مذہب سادات ہو نہین سکتا سادات مین سے جو تفضیل شیخین کے قائل تھے یا ہین مذہب سادات کے خلاف عمل کرنیوالے تھے اور ہین۔ یہ سادات زیدیہ اگر تفضیل شیخین کے قائل تھے تو تمامتر برسر غلط تھے اور انکا ایسا اعتراف ضرور حصول دنیا کی بنیاد پر تھا جیسا کہ مال دنیا کے طلبگار ہونیکے باعث اقوال عباس و ابن عباس و ابن عقیل و عبد اللہ و یحییٰ و متوکل و جعفر کذاب پایۂ اعتبار نہین رکھتے۔ فضائل شیخین کے حضرات ائمہ طاہرین مطلق قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت سید الساجدین نے دمشق مین ایک ایسا خطبہ پڑھا جسمین صرف اپنے اور اپنے آبائے طاہرین کے فضائل بیان کیے اور جناب شیخین کو ایک حرف سے بھی یاد نفرمایا۔ اس خطبہ کو ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل مین درج کیا ہے اور یہ ایسا خطبہ تھا کہ جسکو سنکر نعرہ ہائے آہ کے ساتھ روسائے دمشق خوب روئے اور یزید لعین کو ملامت کرتے ہوئے اُٹھے۔ اسی طرح

اُس مناظرہ مین جو درمیان حضرت امام محمد جواد اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے خلیفہ مامون کے حضور مین واقع ہوا حضرت امام علمائے بغداد کے سامنے تفضیل شیخین سے بر سرِ انکار رہے اور جناب شیخین کو طرح طرح کے الزام دیتے رہے - اس مناظرہ کا ذکر ابن اثیر نے تاریخ کامل مین کیا ہے پس جاننا چاہیے کہ مذہب سادات تفضیل شیخین ہو نہین سکتا - دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے اب مین آخر مین اُس امر کو بھی حوالہ قلم کرتا ہون جو حضرات سادات کرام کو کبھی کبھی تفضیل شیخین کے اقرار پر مجبور کرتا تھا - یہ امر تقیہ تھا اگر اُس مجبوری کے زمانہ مین حضرات سادات تقیہ کے عامل نہ ہوا کرتے تو آج دنیا مین نہ سادات کا نشان دکھائی دیتا اور نہ اُنکے آبائی مذہب کا - تقیہ کی بحث آئندہ آنیکو ہے - حضرات اہل سنت کے وار روکنے کے لیے شیعون نے تقیہ کی سپر خوب نکالی تھی - مرتا کیا نکرتا - ایک نہایت سچی مثل ہے - ایسے فرقہ کے مقابلہ مین جسکے مذہب کی بنا اہل بیت کی مخالفت اور عداوت پر واقع ہوئی ہے شیعون کو اس سے کوئی چارہ ہی نہ تھا - کہ اپنے کو قولاً و فعلاً سُنی صورت مین دکھلائین - الحمد للہ کہ اِس عہد انگلشیہ مین اس وضع کے تقیہ کی کوئی ضرورت باقی نہین ہے - المنۃ للہ والحمد للہ - خیر - حضرت زید شہید کے اکثر اقوال مبنے بر تقیہ ہین اور مصلحتاً للوقت تھے - یہی زیدیہ سادات ہین جو ایک وقت مین فضائل شیخین کے قائل نظر آتے ہین اور وہی زیدیہ سادات ہین جو بغداد کی مسجدون مین طائع للہ اور معز الدولہ کے زمانہ مین جناب شیخین کے نام سے مسجدون کے دروازون پر لعنت لکھ دیا کرتے تھے - اسی طرح زیدیہ تبرائی شیخین ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت مین ایسی درج کی ہین جو امر خلافت کے متعلق ظلم شیخین کا اظہار کرتی ہین -

صحیفۂ کاملہ اور فضائل شیخین

اہل سنت فرماتے ہین کہ صحیفۂ کاملہ کی دعا اتباع الرسل مین فضائل خلفائے راشدین مذکور ہین وہ دعا اس طور پر ہے - اللھم و اصحاب محمد خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ الذین ابلوا البلاء الحسن الی آخرہ - اس دعا مین کسیکا نام درج نہین ہے مگر وہ صحابہ جنہون نے دین کی نصرت کی اور مصیبتین اُٹھائین اور استحکام دین مین کوشش عظیم کی ایسے حضرات صحابہ اس دعا مین مقصود ہین - لیکن اس دعا مین حضرات خلفائے ثلثہ کی طرف کوئی اشارہ نہین ہو سکتا - اس لیے کہ ان حضرات نے کوئی نصرت دین کی نہین کی اور دین کے لیے کوئی مصیبت نہین اُٹھائی اور استحکام دین مین کوئی کوشش نہین کی جب ہوا تو یہی ہوا کہ آپ حضرات جناب رسول خدا کو نرغۂ کفار مین چھوڑ چھوڑ کر اپنی جان عزیز کے بچانے کے واسطے میدان جنگ سے بھاگ نکلے - کبھی یلان کفار کا سامنا نہین کیا

ہمیشہ جہاد کی سختیون سے جان چراتے رہے - پس ایسے حضرات کے لیے امام علیہ السلام صحیفہ کاملہ مین کیون دعا کرنے لگے - مگر چونکہ اس دعا مین اصحاب کا لفظ وارد ہوا ہے - حضرات اہل سنت کو اپنے خلفائے ثلثہ کا خیال فوراً سامنے آ کھڑا ہوا کہ بجنبان لب بحرین دہ بہ وجہی بدانکہ منظور اوست اس معاملہ مین حضرات اہل سنت کی حالت اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ کی سی دیکھی جاتی ہے آخر مین راقم کی یہ عرض ہے کہ اگر حضرت امام زین العابدین کا مطلب اصحاب جناب محمد مصطفےٰ سے خلفائے ثلثہ ہوتا تو آپ کو اُنکے نام لینے مین کوئی امر مانع نہ تھا -

کچھ اہل سنت کہتے ہین کہ یزید کی دلی خواہش قتل حسینؑ کی نہ تھی -

قتل حسینؑ اور خواہش یزید

اسپر دوستداران یزید طبری سے (دیکھو صفحہ ۱۷۶) حجت لاتے ہین کہ یزید نے جناب امام زین العابدینؑ سے بعد واقعہ کربلا کے یہ کہا کہ بخدا میرا ارادہ آپ کے والد ماجد کے قتل کا نہ تھا - خدا کی لعنت پسر مرجانہ یعنی ابن زیاد پر - مین نے اُسے قتل حسینؑ کا حکم نہین دیا تھا - یہ سب کچھ سہی - مگر تاریخ ابوالحسن مداینی و سیرت ابن ہشام کلبی و ابن اثیر صاحب تاریخ کامل و ابوجعفر طبری و ابومخنف و ابواسحٰق اسفراینی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے کھلے کھلے طور پر ولید حاکم مدینہ کے پاس یہ حکم بھیجا تھا کہ اگر حسینؑ بیعت سے انکار کرین تو اُنکی گردن مار دے اور سر اُنکا میرے پاس بھیجدے - پوشیدہ نہین ہے کہ یہ انکار یزید کا اس مصلحت پر مبنی تھا کہ اہل شام کی ملامت سے اُسے نجات ہو اور یہ کہ ملک مین بلوا نہ ہو جائے جسکا نتیجہ زوال سلطنت ہو ورنہ یزید کے خطوط جو ولید کے نام سے ہین اسوقت تک تاریخون مین موجود ہین - ابومخنف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یزید اہل شام کی تنبیہ اور ملامت سے ڈرا تو اُسنے اپنے ہر سردار سے پوچھنا شروع کیا کہ آیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے - سب ملاعین انکار کرتے گئے حتےٰ کہ شمر و خولی نے بھی قسمین کہا کہا کر قتل حسینؑ سے انکار کیا - آخر مین قیس نے یزید سے کہا کہ تو نے حسینؑ کو قتل کیا اس سے یزید کو پشیمانی لاحق ہوئی - اور اُسیوقت سے یزید اپنے مُنہ پر طمانچے مارا کرتا تھا پھر اُسنے قیدیان حرم اہل بیت سے معذرت بھی کی - دوستداران یزید کہہ سکتے ہین کہ اس پشیمانی سے یزید کے گناہ معاف ہو گئے ہونگے - لیکن ایسے حضرات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ غرق نیل ہونے کے وقت فرعون نے بھی کہا تھا کہ "آمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسیٰ وَہَارُوْنَ" کیا یہ قول فرعون کے ایمان کی دلیل ہو سکتا ہے ہرگز نہین فعل اضطراری ہرگز پایۂ وثوق نہین رکھتا ہے اور لائق تسلیم متصور نہین ہو سکتا مین پوچھتا ہون کہ دوستداران یزید کو قتل حسینؑ کے مادے مین اسقدر اضطراب کیون ہے - ایسے حضرات

یزید کی بے جرمی کی دلیل میں یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ حسینؑ باغی خلیفہ تھے اگر انکا قتل ظہور میں آیا تو خلیفہ پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا - دوستداران یزید کو ایسا کہنے کا حق ہے - اسلیئے کہ یزید اُنکے اصول خلافت کے رو سے خلیفہ برحق تھا اور حسینؑ باغی خلافت تھے - اس عقیدہ کے مسلمان اگر بہت نہیں ہیں تو بھی بے وجود نہیں ہیں - ظاہرا یہ عقیدہ اُنکے اصول مذہب کے خلاف بھی نہیں ہے - پس دوستداران یزید کو ایسے کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ یزید کو حسینؑ کے قتل کی دلی خواہش نہ تھی وغیرہ وغیرہ - اس معذرت کی ضرورت ہی کیا ہے - شرط خلافت اگر یزید کے حسب حال نہوتی تو یہ ایک دوسری بات تھی - یزید کی خلافت کے حسب حال تو شرط واحد ہی شامل حال نہیں ہے بلکہ شروط ہیں - سچ ہے کہ ایک گمراہی کے اختیار کر لینے سے ہزاروں گمراہیوں میں مبتلا ہونا ہوتا ہے - ایک معاملہ سقیفہ نے مسلمانوں کو ہزاروں گمراہیوں میں مبتلا کر دیا -

حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ

حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ دونوں ام المومنین ہیں اور اس حیثیت سے یہ دونوں بیبیاں اہل اسلام کے نزدیک واجب التعظیم ہیں مگر دونوں مادران مومنین کا فرق اُنکے حالات بالخودیا کے بیان سے ظاہر ہوگا - تحریر ذیل خواستگار توجہ ہے -

حضرت خدیجہؓ کو جناب رسولؐ خدا سے قرابت داری تھی - حضرت ممدوحہ ایک خوشحال بی بی تھیں اور حضرت رسولؐ خدا آپکے کاروبار کو دیکھ دیا کرتے تھے - ابتدائے جوانی میں جناب رسولؐ خدا اکثر اہل مکہ کے مال تجارتی کو ملک شام کی طرف لیجایا کرتے تھے اور مکہ کو واپس آکر اُسکے نفع و نقصان کو مال والوں کو سمجھا دیا کرتے تھے - اس دیانت اور امانت کے ساتھ حضرت اس کام کو انجام دیتے تھے کہ اہل مکہ آپ کو لقب امین سے یاد کیا کرتے تھے - منجملہ دیگر اہل مکہ کے حضرت رسولؐ خدا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارتی بھی شام کی طرف لیجایا کرتے تھے - آنحضرت کی خوش سلیقگی اور دیانت نے حضرت خدیجہؓ کے دل پر ایسا اثر پیدا کیا کہ آپنے آنحضرت سے عقد کا ارادہ فرمایا - اس عقد کے انجام میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا تھا - اسلیئے کہ حضرت خدیجہؓ مکہ کے نہایت اعلےٰ طبقہ کی بی بی تھیں اور حضرت رسولؐ خدا بھی آپ ہی کے برابر کے آدمی تھے - چنانچہ آپکے چچا اور محسن یعنی حضرت ابوطالب نے بھی اس مواصلت کو پسند فرمایا اور حضرت خدیجہؓ سے جناب رسولؐ خدا کا عقد انجام پاگیا - اس عقد کے وقت سن شریف آنحضرت کا ۲۵ برس کا تھا اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں سن کا بڑا فرق تھا مگر جس طرح پر یہ بیاہ فریقین - یعنی جناب رسولؐ خدا اور حضرت خدیجہؓ کے لیے مبارک ہوا خدا تعالےٰ تمام مومنین کے ازدواج اسی طرح مبارک فرمائے

ہر چند حضرت خدیجہؑ جناب رسولؐ خدا سے پندرہ برس بڑی تھین مگر جناب رسولؐ خدا آپ سے بیحد مانوس تھے۔ افراط محبت اس سے عیان ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی زندگی مین جناب رسولؐ خدا نے کوئی دوسرا عقد نہین فرمایا۔ اگر کرتے تو رواج ملکی اور اجازت مذہبی کے رو سے کوئی شے آپ کو اسکی مانع نہین ہو سکتی تھی۔ ایسا نکرنے کی وجہ یہ تھی کہ جناب رسولؐ خدا کو حضرت خدیجہؑ کے ساتھ تعلق روحانی تھا۔ حسی لذائذ کی بنا پر آپنے یہ عقد نہین فرمایا تھا۔ اسمین تمامتر روحانی اسباب کو دخل تھا۔ جناب رسولؐ خدا حضرت خدیجہؑ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور عمر بھر یکسان طور پر آپ کی محبت اُن حضرت کے ساتھ قائم رہی۔ حضرت خدیجہؑ کی حیات مین تو آنحضرت محبت خلوص اور دردمندی کے ساتھ پیش آتے ہی رہے۔ حضرت ممدوحہؑ کی رحلت کے بعد بھی تا حیات آپ حضرت ممدوحہؑ کو ہرگز نہ بھولے۔ ہمیشہ اُسی محبت اور خلوص کے ساتھ یاد فرمایا کیے۔ ایسی محبت زن و شو مین کم دیکھی جاتی ہے۔ اس محبت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہؑ جناب رسولؐ خدا کی بڑی قدر فرماتی تھین اور آنحضرت کی تبعیت مین ذرہ بھر قصور نہین کرتی تھین۔ فوراً آپ سمجھ گئین کہ جناب رسولؐ خدا رسولؐ برحق ہین اور لاریب آپ اول بی بی ہین جو جناب رسولؐ خدا پر ایمان لائین۔ افعال و حرکات مین حضرت خدیجہؑ ایک نہایت شائستہ بی بی تھین اور فطرت و تعلیم سے ایک نہایت اعلےٰ درجہ کی لیڈی یعنی خاتون کے اوصاف حمیدہ سے اتصاف رکھتی تھین۔ عورت کی بڑی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک کامل لیڈی کہے جانے کا استحقاق رکھے مگر روحانیات کے شمول سے حضرت خدیجہؑ لیڈیون یعنی خاتونون کی سردار سمجھی جانیکی بلا شبہ مستحق تھین۔ روحانیات کا جلوہ آپ مین اسلیے نمایان تھا کہ آپکے بطن شریف سے خاتونؑ محشر بلکہ خاتون خواتین عالم صلی اللہ علیہا و ابیہا عالم وجود مین تشریف لانیکو تھین۔ اور یہ وہ خاتون خواتین عالم ہین کہ جو شاہ لافتےؑ کی بی بی ہوئین اور جنکے بطن مبارک سے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہما السلام پیدا ہوکر اور پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل پاک سے نو ائمہؑ طاہرین دارین کے روشن کرنیوالے یکے بعد دیگرے ظہور مین آئے۔ انہین روحانی خوبیون کی بنا پر جناب رسولؐ خدا اپنی بی بی حضرت خدیجہؑ کی اتنی بڑی قدر کرنے والے تھے۔ لاریب روحانی اسباب کے بغیر ایسی محبت شوہر کے دل مین زوجہ کی طرف سے قائم نہین ہو سکتی۔ حضرت خدیجہؑ آنحضرت کی ہجرت کے قبل مکہ ہی مین انتقال کر گئین۔ آنحضرت کو آپکی رحلت کا بہت بڑا غم ہوا اور کچھ ایسا ہی غم ہوا کہ تا بقیہ عمر آپ اپنی اُن پیاری بی بی کو بھول نسکے۔ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنے کے بعد جناب رسولؐ خدا نے حضرت عائشہ سے عقد فرمایا اور اسکے بعد چند بیبیان اور بھی آپکے حبالۂ نکاح مین در آئین۔ مگر حضرت خدیجہؑ کی جو بات تھی اُسے حضرت خدیجہؑ اپنے ساتھ قبر مین لے گئین۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنی ۲۵

برس کی عمر مین حضرت خدیجہؓ سے بیاہ کیا تہا - اور اپنا سارا شباب اور شباب سے گزر کر کچہ اور حصہ بہی زندگی کا آپ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتہ بسر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کس درجہ کی شائستہ بی بی تہین کہ جناب رسول خدا کی محبت اُن سے روز بروز بڑہتی ہی گئی کبہی کم نہوئی - لاریب تائید غیبی کے بغیر اس طرح کی محبت انجام نہین پا سکتی ہے - ایسی محبت کے اسباب روحانی انداز رکہتے ہین اور خاصان خدا کے لیے مختص ہین -

اب راقم ام المومنین حضرت عائشہ کے کچہ حالات درج ہذا کرتا ہے - حضرت عائشہ جو صاحبزادی حضرت ابوبکر کی ہین - نہایت کم عمری مین جناب رسولؐ خدا کے عقد مین آئین - اس سے آپکی کم عمری عیان ہے کہ جسوقت آنحضرت نے رحلت فرمائی اُسوقت آپ کا سن شریف صرف اٹھارہ برس کا تہا - آپ کا عقد مدینہ مین واقع ہوا اور آپ صرف چند سال سہاگن رہین - آپ کے عقد کے بعد جناب رسولؐ خدا نے اور بہی چند عقد فرمائے - جیساکہ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے - حضرت عائشہ صاحبِ جمال تہین اور جناب رسولؐ خدا آپ کی اس صفت کی پوری قدر فرماتے تہے - باوجود حاصل ہونے حسن و شباب کے حضرت عائشہ جناب رسولؐ خدا کے دل مین وہ عظمت نہین پیدا کر سکین جسے کاتب قدرت نے حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے نصیب مین لکہہ دیا تہا - اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو وہ اوصاف روحانی واہب العطایا نے عطا ہی نہین فرمائے تہے جن سے حضرت خدیجۃ الکبرےٰ متصف کی گئی تہین - آپکے روحانی اوصاف حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے مقابلہ مین گویا کچہ بہی نہ تہے - اور ہو کیونکر سکتے جب کہ مشیت خداوندی یہ نہ تہی کہ آپ کے بطن مبارک سے کوئی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے درجہ کی پیدا ہو اور جو حضرت علیؑ جیسے شوہر سے بیاہی جائے اور اُس بیٹی کے ذریعہ سے ایسے گیارہ ائمہ طاہرین ظہور پائین جنکا ذکر توریت مین دیکہا جائے اور جو منجانب اللہ حقیقی خلفا جناب رسولؐ خدا کے ہون ہم حضرت عائشہ کا موازنہ حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے ساتہ ہرگز روا نہین رکہتے - اس لیے کہ ہمارے لیے دونون صاحبہ ام المومنین ہین - مگر حضرات اہل سنت اس معاملہ مین حسب عادت قدیمہ کچہ ایسے جادۂ اعتدال سے گذرے ہوئے نظر آتے ہین کہ ناچار حق نگاری سے ہم باز نہین رہ سکتے - حضرات اہل سنت کو حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے مقابلہ مین حضرت عائشہ کا افضل النسا قرار دینا کونسی انصاف پروری ہے - مگر چونکہ اُنکے مذہب کی بنا مخالفت اہل بیت پر واقع ہوئی ہے ایسا نکرتے تو کیا کرتے - زیادہ سبب اسکا یہی ہے کہ حضرت عائشہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی ہین اگر یہ صفت آپکے شامل حال نہوتی تو حضرات اہل سنت کی سرگرمی اس درجہ کی نہوتی - لاریب اگر حضرت پیر دستگیر حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کو افضل النسا کے لقب سے یاد فرماتے تو بمقابلہ ازواج

حضرت رسولؐ کے یہ لقب آپکے لیے نہایت زیبا و درست ہوتا۔ غضب خدا کا ہے کہ آپ حضرت
خدیجۃ الکبرےٰ کو بھولکر حضرت عائشہؓ کو اس لقب سے یاد فرماتے ہین۔ راقمؔ کی دانست مین حضرت
عائشہ مین جناب رسولؐ خدا کی زوجہ ہونے کے سوا کوئی ایسی ممتاز خوبی نہین دکھائی دیتی جو روحانی
انداز رکھتی ہو یا جو کسی عورت کو ایک پوری لیڈی یا خاتون سمجھے جانے کے لیے کافی متصوّر ہو۔ آپکی
روحانی اور اخلاقی معاملات کی تحقیق کے لیے بہت دور جانیکی ضرورت نہین ہے۔ صحیح مسلم کی جلد
۲ صفحہ ۲۸۴ کو حضرات ناظرین ملاحظہ فرمالین جس سے ام المومنین حضرت عائشہ کے قلبی معاملات
کا اندازہ معلوم ہو جائیگا۔ اُس کتاب مین مندرج ہے کہ جناب رسولؐ خدا حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کو
ہمیشہ یاد فرمایا کرتے تے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ ہالہ بنت خویلد جو حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کی بہن جناب
رسولؐ خدا کو دیکھنے آئین۔ جناب رسولؐ خدا اُنکے ساتھ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔
آنحضرت کی اس اخلاق فرمائی پر حضرت عائشہ کے دلمین آتش حسد بلند ہوئی۔ آپ جناب رسولؐ
خدا سے بولین کیا آپ اُس بڑھیا کو برابر یاد ہی کرتے رہینگے جسکے دانت گر گئے تے۔ اور جس کے
گالون کی سرخی جاتی رہی تہی اور جسکی رانین خشک ہو گئین تہین۔ خدا نے اب آپکو اس سے بہتر
عورت دیجے!! صاحبو ہم آپ سے پوچھتے ہین کہ اس ساری گفتگو مین کہین بہی روحانیت کا پتہ لگتا ہے
یہ ایسی گفتگو ہے کہ کوئی لیڈی یا کوئی اعلےٰ درجہ کی بی بی اسپر قادر نہین ہو سکتی۔ حضرت عائشہ جناب
رسولؐ خدا کی بی بی ہین ہم اُن حضرت کے مقابلہ مین اپنے خیالات آزادی کے ساتھ حوالۂ قلم نہین
کر سکتے۔ مگر اتنا کہنے سے چارہ نہین کہ یہ کیا اخلاق ہے کہ ایک مردہ سوتن کی بہن جو مہمان کی حیثیت سے
گھر آئے تو اُسکے ساتھ اس طرح کی بعید از اخلاق گفتگو کیجائے۔ لاریب حضرت عائشہ کی سمجھ سے
یہ بات باہر تہی کہ جناب رسولؐ خدا کس درجہ کے جوہر شناس تے۔ حضرت ممدوحہ اسکو سمجھ ہی نہین
سکتی تہین کہ آنحضرت حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کے مرنے کے بعد بہی اُنکو کیون اس محبت کے ساتھ
یاد فرمایا کرتے تے۔ حق یہ ہے کہ اسکو وہی سمجھے کہ جو روحانی تقاضون سے باخبر ہو۔ یہ حضرت عائشہ
کے سمجھنے کی بات تہی بہی نہین۔ البتہ ایسے روحانی معاملات کو حضرت خدیجۃ الکبرےٰ خوب سمجھتی تہین
اسی لیے اپنے روحانی تقاضون سے جناب رسولؐ خدا پر اپنا روحانی اثر ڈالے ہوے تہین اور وہ
ایسا اثر تہا کہ اُنکی ممات کے بعد بہی جناب رسولؐ خدا اُس اثر سے علٰحدہ نہو سکے۔ یہ بات بڑی وجہ
تہی کہ آنحضرت نے حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کو حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہ کا ہم پلہ قرار دیا تہا۔
(دیکھو نووی صفحہ ۲۸۴)۔ یہ دونون بیبیان بہی حضرت خدیجۃ الکبرےٰ کی طرح پاک اور صاف روحین رکھتی
تہین۔ اسی حدیث مین جناب رسولؐ خدا نے حضرت عائشہ کی بہی تعریف فرمائی ہے۔ آپکو آنحضرت نے
ایک خستہ روٹی کے ٹکڑے سے تشبیہ دی ہے جسکی لذت ظاہر طور پر صرف مادیات سے تعلق رکھتی ہے

اور روحانیات سے تمامتر بے لگاؤ ہے آپ مناسبت طبیعت سے ام المومنین حضرت حفصہ کے ساتھ ربط رکھتی تھین - یہ ام المومنین حضرت عمر کی صاحبزادی ہین اور اسقدر بدمزاج تھین کہ آپ سے بیاہ کرنا کوئی گوارا نہین کرتا تھا - جب حضرت عمر نے دیکھا کہ حضرت حفصہ کے بیاہے جانے کا کوئی قرینہ نہین ہے تو آپ کو نہایت جلال آیا اور آپنے میان سے تلوار کھینچی - نہین معلوم کہ اس جلال کا کیا نتیجہ ہوتا - مگر حضرت رسول خدا نے اس بے سروپا فساد کو دفع کرنے کی نظر سے حضرت حفصہ سے عقد کر لیا - مردون مین حضرت عائشہ کو حضرت علی سے نہایت درجہ نفرت تھی اور حقیقت یہ ہے کہ جنگ جمل اسی نفرت کا نتیجہ تھی - حضرت عائشہ کی رحلت کی نسبت صاحب روضۃ الشہدا لکھتے ہین کہ امیر معاویہ نے آپ کو کنوئین مین گرا کر ہلاک کر ڈالا - ایسی کارروائی حضرت معاویہ سے بعید نہ تھی - اگر ایسا کیا ہو تو کوئی جائے تعجب نہین ہے -

راقم اوپر عرض کر چکا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ مین مناسبت طبیعت کے باعث موانست تھی جسکے تقاضہ سے یہ دونون بیبیان آپس مین بے تکلفانہ باتین کیا کرتی تھین اور صلاح مشورے انکے درمیان ہوا کرتے تھے اور بہت سی پالیسی کی کارروائیان برتی جاتی تھین - چنانچہ پالیسی کی کارروائیون کا ایک نمونہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کا یہ دستور تھا کہ آپ بیبیون کے گھرون مین اکثر آجایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے گھر اگر چلے جاتے تو کچھ کھا بھی لیا کرتے تھے یا شربت بھی پی لیا کرتے تھے - اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کسی بی بی کے گھر سے شہد کا شربت پیکر حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کے گھر تشریف لاتے تھے - اس بات سے یہ دونون بیبیان واقف تھین ان دونون بیبیون نے آپس مین یہ مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کیجیے کہ جناب رسول خدا اور بیبیون کے گھر نہ جایا کرین - اس غرض سے ان دونون بیبیون نے یہ رائے قائم کی کہ جب جناب رسول خدا حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کے گھر آئین تو آنحضرت سے کہا جائے کہ آپ کیا شے نوش کرکے آئے ہین کہ آپکے دہن پاک سے ناگوار بو آتی ہے چنانچہ یہ دونون بیبیان جناب رسول خدا سے ایسا ہی کہتی گئین - نعوذ باللہ العلی العظیم - قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ سے حضرت حفصہ نے حضرت رسول خدا کی کسی راز کو افشا کیا جسپر خدا تعالی نے حضرت رسول خدا کو اس امر سے متنبہ فرمادیا کقولہ تعالی فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ (دیکھو سورہ تحریم تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ و تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۹۱۶ و تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ و تفسیر کبیر رازی جلد ۸ صفحہ ۲۳۳ -) پس خطاب عتاب آمیز دونون بیبیون پر خدا کی جانب سے نازل ہوا - وہ آیت خطاب اسی سورہ تحریم مین یون ہے کہ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا " یعنی اے عائشہ اور حفصہ دونون خدا کی جناب مین توبہ کرو جبکہ تحقیق کہ تم دونون کے دل حق سے ہٹ گئے ہین تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ و تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۹۱۶ و تفسیر کبیر رازی جلد ۸ صفحہ ۲۳۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ

یہ خطاب خدا کا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی جانب ہے اور مفسرین یہ کہتے ہین کہ امر عتاب کے نازل ہونیکی یہ وجہ ہوئی کہ راز رسول کے افشا سے رسول اللہ کو ایذا پہنچی - یہ تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے ساتھ خداوندی عتاب وخطاب ہے - مگر اس پر بھی حضرت پیر دستگیر غنیۃ الطالبین مین حضرت عائشہ کو تمام عالم مین افضل النسا قرار دیتے ہین - واقعی حضرات اہل سنت کی کوئی بات بھی سمجھ مین نہین آتی - کہان خدا کا عتاب اور کہان افضل النسا کا خطاب - ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کی بنا اتلاف حق اور مخالفت اہل بیت پر واقع ہوئی ہے - لاریب ایسی بنا پر جو عمارت مذہب کی قائم کیجائیگی وہ کمزور واقع ہوگی - اب اہل انصاف حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کا موازنہ ایمان اور انصاف کے ساتھ کر کے پیش خدائے پاک اظہار رائے فرمائین کہ حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ مین کون بی بی افضل النسا قرار دیے جانیکا حق رکھتی ہین - آیت ہائے مذکورۂ بالا کے علاوہ سورۂ احزاب پارہ ۲۲ مین آیت - یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی - موجود ہے جس سے خدا تعالے کی نارضامندی ہویدا ہوتی ہے اور جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کہہ تو اپنی بیبیون سے کہ اگر تم لوگون کو حیات دنیا اور زینت دنیا پسند ہے تو آؤ ہم تمکو طلاق دین اور تم اپنے گھرون مین رہا کرو مگر زنان کافرہ کی روش اختیار نہ کرو - بیبیون سے یہان مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہین - اس لیے کہ ان دونون بیبیون سے حضرت رسول خدا کو اسقدر ایذا پہنچ چکی تھی کہ انمین سے حضرت عائشہ کے ساتھ طلاق دینے کی بات کی تھی اور دوسری صاحبہ یعنی حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دے چکے تھے (دیکھو تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ وتفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۵۱ وتفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۹۰) - ان سب معاملات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے رضامند نہ تھے - ظاہر ہے کہ آنحضرت کی ایسی نارضامندی کے ساتھ حضرت عائشہ کو حضرت خدیجۃ الکبرے کے مقابلہ مین برابری کا دعوے تو ہو ہی نہین سکتا - آپ حضرت خدیجہ سے افضل کیونکر مانی جاسکتی ہین - لطف اسپر طرہ یہ ہے کہ حضرت پیر دستگیر صاحب نے آپ کو افضل نسائے عالم بنا ہی دیا - ای خدا کے بندو! تمکو تمہارے خالق نے بے عقل نہین پیدا کیا ہے - خدا را کچھ تو عقل سے کام لو - کس قاعدہ اور قانون سے حضرت خدیجۃ الکبرے کے ہوتے حضرت عائشہ افضل النسا مانی جاسکتی ہین - حضرت خلیفۂ اول صاحب کی محبت مین اسقدر از خود رفتگی چہ معنی دارد - اگر تم خدا تعالے سے اپنے واسطے حق پرستی کی دعا نہین مانگتے تو مین تمہارے واسطے اس توفیق کی دعا مانگتا ہون - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبرے کو بڑی سیر چشمی واہب العطایا

بخشی تھی - آپ نے جناب رسول خدا کو کبھی کسی دنیاوی شے کے واسطے تکلیف نہین دی - اپنے سارے مال و اموال کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنے شوہر یعنی شہنشاہ رُسل کو سپرد کردیا اور خود الفقر فخری کی مصداق ہوگئین - ایک تو فطرت سے حضرت خدیجہ بڑے بڑے اوصاف حمیدہ سے متصف تھین اس پر آنحضرت کی صحبت پاک و مقدس نے آپ کے اُن اوصاف گرامی کو جلا دیدی - اسکے برعکس حضرت عائشہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت جناب رسول خدا کا کوئی اثر آپ مین نہین ہوا - سیرچشمی جو لوازمہ قناعت سے ہے آپکی سرشت مین داخل ہی نہین تھی - چنانچہ جب مال غنیمت جہاد سے آتا تو حضرت عائشہ اُس مال سے حصہ لینے مین زور اور شدت کو راہ دیتی تھین - المختصر تمام معاملات پر نظر ڈالکر چشم انصاف مین حضرت خدیجہ ایک لاجواب بی بی دکھائی دیتی ہین - اور حضرت عائشہ ہرگز آپ کا مثل نہین قرار پا سکتین حضرت پیر دستگیر کا حضرت عائشہ کو عالم کی تمام بیبیون سے افضل قرار دینا صرف حضرت ابوبکر کی محبت کے تقاضے سے ہے - محبت مین محویت ہوتی ہے - محویت مین حق و ناحق کی تمیز باقی نہین رہتی - اس سے زیادہ اور راقم کیا عرض کرے -

آخر مین راقم اپنی ایک ایسی سرگزشت کو حوالہ قلم کرتا ہے جسکو مضامین بالا سے پورا پورا تعلق ہے - واقعہ یہ ہے کہ یہ ہیچمدان ایک دوست کے گھر مولود شریف کی شرکت کی غرض سے مدعو ہوا تھا - دو صاحب مولود خوان جو اہل علم سے مانے جاتے تھے جب مولود خوانی سے فارغ ہو چکے تو سرگرم وعظ بھی ہوگئے - وعظ مین دونون صاحب یکے بعد دیگرے کسیقدر محامد سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان کرکے فضائل ام المومنین حضرت عائشہ کو دیر تک طول دیکر بیان کرتے رہے - ہر صاحب نے آپ کے فضائل کے بیان مین کوئی کوشش اُٹھا نہین رکھی بیچارے سامعین کہ اکثر بے علم تھے اور کچھ حضرات جو اہل علم سے ہونگے - نہایت رغبت کے ساتھ دونون صاحبون کے بیانات کی طرف متوجہ رہے - لیکن راقم اپنی اُس تکلیف کو عرض نہین کرسکتا کہ جب دونون صاحبون نے بڑی لسانی کے ساتھ حضرت عائشہ کی اس فضیلت کو بیان کیا کہ جناب رسول خدا حضرت ممدوحہ کو اپنے کاندھے پر چڑھا کر پٹے اور بانک کا تماشا آپ کو دکھلاتے تھے - اسی فضیلت کو حضرات اہل سنت اکثر بیان فرمایا کرتے ہین - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابوبکر کی محبت مین اُن حضرات کو فراز و نشیب کا کوئی خیال نہین رہتا خیر - اس فعل سے بھی جناب رسول خدا کی نیک مزاجی ظاہر ہوتی ہے - مگر اس سے حضرت عائشہ کی کونسی فضیلت ثابت ہوتی ہے - صغر سنی کے باعث تماشا دیکھنے کی خواہش فرماتی ہونگی اور جناب رسول خدا تماشا دکھلا دیتے ہونگے - خود یہ قصہ مہمل نظر آتا ہے اور اگر بالفرض ایسا تھا بھی

اس پر فخر و مباہات کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس سے کوئی روحانی تعلق جناب رسول خدا کا حضرت عائشہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے اسیقدر معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا حضرت عائشہ پر بہت مہربان تھے اور اس سے بھی زیادہ مہربان ہوتے اگر حضرت ممدوحہ سے آنحضرت کو ایذائیں نہ پہنچتیں جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے اور وہ ایسی باتیں تھیں کہ آنحضرت کا رنج اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ آپکے دماغ پاک میں طلاق تک کا مضمون جگہہ کر چکا تھا۔ خیر مجلس وعظ دیر تک رہی مگر آخر اس میں سامعین ذی فہم کو چھٹکارا نصیب ہوا۔ فالحمد للہ علے ذالک۔ جائے غور ہے کہ دو ذی علم بزرگ دیر تک ام المومنین حضرت عائشہ کے فضائل بیان کیا کیے۔ مگر انمیں سے کسی صاحب نے بھولے سے بھی حضرت خدیجہ کا نام تک نہ لیا بیان فضائل تو درکنار اس سے سمجھنا چاہیے کہ حضرات اہل سنت کو حق پرستی اور حق گوئی کی طرف کتنا کچھ میلان ہے۔ سنی بھائیو! سوچنے کی بات ہے۔ اتلاف حق کسی مذہب میں روا نہیں ہے۔ آپ تو اپنے کو فرقہ ناجیہ جانتے ہیں۔ پھر یہ حق کشی کیسی۔ کتابیں آپکے مذہب کی موجود ہیں۔ انہی کے مطابق حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ کے فضائل کا فیصلہ فرمائیے۔

جعفر کذّاب

جعفر معروف بہ کذاب۔ یہ بیٹے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے اور بھائی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کے تھے۔ چونکہ جعفر نے بمقابلہ حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے امامت کا دعویٰ کیا تھا اس واسطے انکو اہل سیر کذاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ صاحب اوائل میں نہایت ناہموار اور بدترکیب آدمی تھے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے کوئی درجہ عداوت کا اٹھا نہیں رکھا تھا انہیں کو حضرت امام ہمام کے قید کرا دینے میں کسی کوشش سے باز نہ آئے۔ مگر ہمیشہ آپ اپنے ارادوں میں ناکامیاب ہی رہے۔ جعفر کذاب اور انکے بیٹے کی نسبت حضرت امام صاحب العصر علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ انکی حالت مشابہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے۔ علیہ سبیل العہد بعض اشخاص جعفر کذاب کی توبہ کے قائل ہیں اور حق یہی ہے کہ جعفر نے اسی طرح توبہ کی جیسا کہ برادران حضرت یوسف نے توبہ کی تھی۔ اس توبہ کے بعد جعفر کذاب جعفر تواب کہلانے لگے اس بیان کی معین ریاض الشہادۃ کی روایت بھی ہے۔ مختصر یہ کہ توبہ کے بعد جعفر مجانبہ معصیت سے پاک ہوگئے اور کذاب کی جگہہ اب ملقب بہ تواب ہیں۔

حضرت محمد ابن حنفیہ اور امام زین العابدین علیہ السلام

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت محمد ابن حنفیہ پسر حضرت علیؑ نے حضرت

امام زین العابدینؑ کی امامت سے انکار کیا اور خود مدعی امامت ہوئے اسپر بھی شیعہ حضرت محمد ابن حنفیہ کی مدح کرتے ہیں۔ پس اسی طرح حضرات خلفائے ثلٰثہ کی مدح کیون نہین کرتے ؟

ظاہرا محمد ابن حنفیہ کی مدح کیے جانے کا سبب اسکے سوا اور کچہ نہین معلوم ہوتا کہ محمد ابن حنفیہ سادات علویہ سے تہے اور سیادت کی بنیاد پر آپکی عظمت کی جاتی ہے ؟ جواب اسکا شیعون کی طرف سے یہ ہے کہ جب محمد ابن حنفیہ نے جناب امام زین العابدین سے کہا کہ میرے والد ماجد کی وصیت امامت حسنین علیہما السلام کے متعلق تہی اور تمہارے والد ماجد حسینؑ شہید ہوئے بلا وصیت اور مین تمہارا بزرگ ہون اور سن مین بہی تمسے زیادہ اور اپنے باپ کی نشانی ہون ایسی صورت مین تم مجہسے امر امامت مین نزاع و مخالفت نکرو۔ پس جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے جواب مین فرمایا کہ اے چچا میرے والد ماجد نے سفر عراق سے پہلے میرے واسطے وصیت امامت فرمائی اسکے ثبوت مین میرے پاس سلاح جناب رسول خدا ہے مناسب یہی ہے کہ آپ میرے ساتھ امر امامت کے مادے مین نزاع نکرین۔ ایسے فعل سے کمی عمر و خرابی مال متصور ہے۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ خدا نے صلب حسینؑ مین منصب امامت عطا فرمایا ہے۔ یہ جواب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا حضرت محمد ابن حنفیہ جیسے ذی فہم اور حق پرست آدمی پر اثر معقول پیدا کرنے کے واسطے کافی تہا۔ آپ اسکے بعد ہمیشہ جناب امام زین العابدین کو اپنا آقا اور امام جانتے رہے کاش حضرات خلفائے ثلٰثہ بہی اسی طرح حضرت علیؑ کے دعوے خلافت کو حق مان لیتے جسکی بنا پر شیعہ شوق سے حضرات ممدوحین کی مدح و عظمت کیا کرتے حق یہ ہے کہ محمد ابن حنفیہ ایک غلطی مین مبتلا ہوئے اور پہر بخت کی یاوری سے اُس غلطی کی اصلاح کر لی۔ حضرات خلفائے ثلٰثہ آخر دم تک اپنی سینکڑون غلطیون پر قائم رہے۔ ایسی صورت مین اہل تشیع سے اُنکی مداحی اور تعظیم کیونکر عمل مین آسکتی ہے۔ واضح ہو کہ یہ روایت کتاب احتجاج تالیف شیخ عز الدین حجت الاسلام بن ابی منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی کے صفحہ ،، امین دیکہی جاتی ہے۔ اس کتاب کی روایت مین اتنا اور زائد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت محمد ابن حنفیہ کا جواب دیکر حضرت محمد ابن حنفیہ سے فرمایا کہ اس مقدمہ کو ہم اور آپ حجر اسود کی شہادت پر حوالہ کرین کہ وہ بقدرت خدا ناطق ہو کر فریقین کے دعوے امامت کا فیصلہ کر دے۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے اسے قبول کیا اور فریقین حجر اسود کے نزدیک آکر اپنا اپنا دعوے پیش کر کے خدا تعالے کی طرف رجوع لائے۔ حکم خدا سے حجر اسود زبان عربی مین بولا کہ حسینؑ کی وصیت امامت علیؑ بن الحسینؑ یعنی امام زین العابدین کے واسطے امر حق ہے۔ یہ فیصلہ حجر اسود کا سنکر حضرت محمد ابن حنفیہ اپنے دعوے امامت سے باز آئے اور بقیہ عمر حضرت امام زین العابدین کو اپنا امام جانتے رہے۔ راقم کی دانست مین جناب امام

زین العابدین کا دعوائے امامت اسقدر پُر زور رہتا کہ حضرت محمد ابن حنفیہ جیسے حق پسند آدمی کو حجر اسود کی طرف تصفیہ کی نظر سے رجوع لانے کی بھی کوئی حاجت نہ تھی۔

اہل سنت اور حضرت شہربانو

اہلسنت فرماتے ہین کہ اگر جہاد خلفائے ثلٰثہ حسب اعتقاد اہل تشیع درست نہ تہے۔ تب حضرت شہربانو جو غزوہ قادسیہ کی فتح کے بعد بندی کی حیثیت سے مدینہ مین آئین اور اُنکے بطن مبارک سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے تو اس معاملہ کو شرعی پہلو سے کیونکر درست کہینگے یعنی امام حسینؑ کا تعلق حضرت شہربانو کے ساتھ اور اُنکے بطن سے امام زین العابدین کا پیدا ہونا کیا حیثیت شرعی رکہے گا۔ راقم سابق مین ایک کافی تحریر اس مواصلت کی نسبت حوالہ قلم کر چکا ہے۔ مگر یہان پر بحار الانوار کی جلد عاشر کے مطابق یہ عرض کرتا ہے کہ حضرت شہربانو کا نکاح جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پڑہوایا گیا اور جہاد کی قیدی عورتون کے ساتھ جو کارروائی جائز رکہی گئی ہے وہ کارروائی عمل مین نہین لائی گئی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجت نکاح کی تہی اور یہ حاجت کیون ہوئی اُسکا سبب یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ کے جہاد صحیح نہ تہے۔

والدین نبیؐ و امامؑ

اہلسنت فرماتے ہین کہ اعتقاد اہل تشیع کے مطابق امام اور نبی کے والدین کو مسلمان ہونا چاہیے کافر ہونا چاہیے۔ پس جناب امام زین العابدین کی والدہ شریفہ کی نسبت کیا کہا جائے گا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ملا اخوند مجلسی رحمۃ کی جلاء العیون کی روایت کے مطابق جناب سیدہ علیہا السلام نے خواب مین حضرت شہربانو کو اسلام اور ایمان کی تعلیم و تلقین فرمائی تہی۔ اس سے حضرت شہربانو متمنی جگر گوشۂ حضرت رسالت مآب کی رہتی تہین۔ اسی خواب مین حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا و ابیہا نے حضرت شہربانو کو نام پاک سے بہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے آگاہ کر دیا تہا آپ کے بالون مین دست مبارک سے شانہ بہی کیا تہا۔ اور بشارت تزویج بہی دیدی تہی۔ راقم عرض کرتا ہے کہ جو بخت حضرت شہربانو کو کافرہ سمجھے وہ خود اکفر الناس ہے۔ الزام کفر کا حضرت شہربانو پر عائد نہین ہو سکتا۔ آپ کا نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اسلامی قاعدہ کے ساتھ انجام پایا تہا۔ اور آپ اپنے مذہب آبائی سے کنارہ ہو چکی تہین اور تا دمِ مرگ مومنہ رہین۔ حضرات اہل سنت کا اعتراض محض عنادی ہے۔

آیا حضرت ابوطالب کافر تھے؟

اسپر بھی حضرات اہل سنت کہتے ہین کہ حضرت ابوطالب بھی کافر تھے۔ پس راقم ذیل مین اسکی بھی تحقیق عرض کرتا ہے۔ جناب رسول خدا کے والد ماجد حضرت عبد اللہ چند بھائی تھے۔ انمین سے ایک زبیر اور ایک ابوطالب تھے۔ زبیر کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ زبیر نے جناب رسول خدا کی پرورش وکفالت حضرت کی طفلی کے زمانہ مین کی تھی۔ مگر تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۵۳ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب اور زبیر نے اس کام کے لیے قرعہ ڈالا تھا اور قرعہ نام سے حضرت ابوطالب کے نکلا تھا اور خود جناب رسالتمآب نے فرط موانست کی وجہ سے حضرت ابوطالب کی پرورش اور کفالت کو اختیار فرمایا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسول خدا کو اپنی اولاد سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ محبت کے تقاضا سے یہ چچا حضرت رسول خدا کے پہلو مین سویا کرتے تھے اور جہان حضرت رسول خدا جاتے آنحضرت کی حفاظت کی نظر سے ساتھ ساتھ رہتے۔ جب حضرت رسول خدا سن رشد کو پہنچے تو آنحضرت سے حضرت ابوطالب نے کہا کہ مین کثیر العیال اور مفلس ہون اور حضرت خدیجہ تجارت شام کے لیے کسیکو مشخص کرنیوالی ہین اگر تم حضرت خدیجہ کے پاس جاؤ اور اس کام کی انسے درخواست کرو تو وہ تمکو قبول کرینگی۔ جب اس امر کی خبر حضرت خدیجہ کو پہنچی تو آپنے خود آنحضرت کے پاس اپنا وکیل بھیجکر تجارت شام کی تقرری کا پیغام بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ اسکو قبول فرمائینگے تو دگنا محنتانہ آپکو دونگی۔ یہ معلوم ہے کہ آپنے اس عہدے کو بڑی دیانت داری سے انجام دیا۔ اسکی وجہ سے حضرت خدیجہ آپ کی بڑی قدر کرنے لگین۔ حضرت خدیجہ جناب رسول خدا کی رفتار وگفتار سے سمجھ گئی تھین کہ آنحضرت ایک غیر معمولی حیثیت کے آدمی ہین اسلیے آپ نے آنحضرت سے عقد کرلینے کا بھی مصمم قصد کرلیا تھا۔ حضرت ابوطالب نے بھی اس مواصلت کو نہایت مناسب جانکر اپنی خوشنودی ظاہر کی اور یہ مواصلت انجام پاگئی۔ تاریخ خمیس وسیرۃ المحمدیہ وسیرۃ الحلبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نکاح کا خطبہ خود حضرت ابوطالب نے پڑہا تھا۔ اور اس خطبہ مین یہ فرمایا کہ احسان اس خدا کا ہے کہ جسنے ہملوگون کو ذریت ابراہیم کا وارث بنایا اور حفاظت کعبہ اور حجاج کی ہملوگونکو سپرد کی اور ہم لوگ احکام الٰہی کے قائم کرنیوالے ہوئے اور حرم کعبہ جائے امن قرار پایا اور ہملوگ آدمیون کے حکام مقرر ہوئے اور برادرزادہ میرے یعنی حضرت رسول خدا اگرچہ بے مقدور ہین الانسب وحسب وعقل وعلم مین سب سے افضل ہین او مال وثروت چند روزہ ہے اور دین دولت دائمی ہے اور عنقریب انشاءاللہ وہ دولت ظاہر ہوگی۔ یہ آخر کا جملہ نہایت قابل لحاظ ہے اس سے

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسولؐ خدا میں اسی طرح کے آثار برتری پاکر آپکے مؤید من اللہ ہونے کا یقین رکھتے تھے۔ اسکے پہلے کے فقروں سے روشن ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسولؐ خدا کی دنیوی ترقی کو پیش نظر نہین رکھے ہوئے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ مال ثروت چند روزہ ہے اور دولت دین دائمی ہے۔ سبحان اللہ حضرت ابوطالب کیسے پاک خیال آدمی تھے۔ اور دینداری کسکو کہتے ہین؟ کیون اے مخالفین ابوطالب اب بھی اس عمّ رسولؐ خدا کو کافر ہی قرار دوگے؟ یہ ناممکن تہا کہ جناب رسولؐ خدا کا وصی اور خلیفہ برحق کسی کافر کا بیٹا ہو۔ خیر۔ جناب رسولؐ خدا کے عقد کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کے حسب الطلب حضرت خدیجہؓ کے پاس جناب رسولؐ خدا تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا کہ میری مان باپ تم پر فدا۔ میری تزویج قبول کرو مجھے اُمید ہے کہ تم نبی ہوگے۔ میرے حق احسان کو مانو۔ جناب رسولؐ خدا نے جواب مین فرمایا کہ اگر مجھے نبوت ہوگی تو بیشک تمہارا کہا کرونگا۔ بہرحال نکاح جناب رسولؐ خدا کا سفر شام کے بعد ہوا۔ آپکے اس نکاح کے بعد کفار قریش نے آپکو قتل کر ڈالنیکا قصد کیا۔ حضرت ابوطالب نے جمیع بنی ہاشم کافر و مسلم دونون کو جمع کیا اور فرمایا کہ میرے مکان پر جاؤ اور کفار قریش کو اس فعل سے باز رکھو پس تمام بنی ہاشم نے ایسا ہی کیا۔ اے حضرت ابوطالب کے کافر کہنے والو! سچ کہو کہ یہ کام حضرت ابوطالب کا مسلمان کا سا تہا یا کافر کا سا؟ جناب رسولؐ خدا کی جان بچانے والا اور کافر؟ اے سبحان اللہ! حضرت ابوطالب تو کافر قرار دیے جائین اور ایسے حضرات جو جناب رسولؐ خدا کو نرغۂ کفار مین چھوڑ چھوڑ کر بار بار میدان جنگ سے بھاگ نکلتے ہون (جیسے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کا فرار جنگ اُحد اور جنگ حُنین سے ثابت ہے) اور کبھی رشتہ داری کے عذر پر کفار سے مقابلہ کرنے مین عذر کرین (جیسے کہ حضرت عمرؓ نے جنگ بدر مین شرکت جنگ سے اس بنا پر انکار کیا کہ ابوجہل آپکے ماموں تھے) اور کبھی مخالف کی قوت و ہیبت کی وجہ سے اُس سے مقابلہ کرنے مین انکار کرین (جیسے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عبدود کے ساتھ مقابلہ کرنے مین عذر کیا) ایسے لوگ مسلمان کامل درکنار ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے خلیفہ اور اسلامی دنیا کے امام مانے جائین اگر مسلمانون کے حق و ناحق کی یہی تمیز ہے تو لاریب مسلمانون کا مذہب اعجب العجائب ہے۔

اسکے بعد سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۸۰ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوطالب جناب رسولؐ خدا کے رسوا و برباد کرنے سے منکر ہوے تو عمارہ قریشی کو حضرت ابوطالب کے پاس لائے اور کہا کہ عمارہ حسین ہے آپ اسکو متبنّٰی لے لیجیے اور محمدؐ یعنی جناب رسولؐ خدا کو ہمین دیدیجیے پھر یہ الزام دیا کہ آپ کیسے آدمی ہین جو ایسے شخص کا ساتھ دیتے ہین کہ جس نے آپکے دین کی مخالفت

اور آپ کی قوم اور آپ کے بزرگان قوم کو سفیہ بنایا - حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ تمہارا خیال بد مجھے نہایت ناگوار گزرا - تم ہمین کیا خوب صلاح بتلانے آئے ہو کہ تمہارے فرزند کو تومین پرورش کرون اور اپنے فرزند کو قتل کرنیکے لیے تمہین حوالہ کردون - قسم بخدا ایسا کبھی ہونیوالا نہین ہے - اسکے بعد قریش جناب رسول خدا کے درپے ایذا ہوئے - اُسوقت جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے چچا ابوطالب قریش کے دفع شر کی راہ نکالیے - اسپر حضرت ابوطالب نے تمام قبیلۂ بنی ہاشم کو طلب کرکے یکجا کیا اور اُن سے کہا کہ تم سب محمد یعنی جناب رسول خدا کی حفاظت کرو اور آنحضرت کو شر اعدا سے بچاؤ - سارے بنی ہاشم نے سوائے ابولہب حضرت ابوطالب کے اس ایمار کو قبول کیا - مگر اسکے بعد قریش علانیہ طور پر جناب رسول خدا پر ظلم کرنے لگے - حضرت ابوطالب کو کافر کہنے والے حضرت ! کیا آپکی دانست مین یہ کوئی بے حقیقت خدمت بانی اسلام کے حق مین حضرت ابوطالب کی طرف سے ظہور مین آئی - صاحبو خدا سے ڈرو - جو شخص بانی اسلام کا ایسا دوستدار جان نثار کارگذار اور خیر اندیش ہو وہ مسلمانون کے عقیدہ کے مطابق کافر سمجھا جائے - اگر مسلمانی اسیکو کہتے ہین تو ایسی مسلمانی کو سات نہین سات ہزار بلکہ سات لاکھ سلام - جس مذہب کے پابند ایسی ناسپاسی کی بلا مین مبتلا ہین انکی نسبت یہ کہنا نہایت جائز ہوگا کہ مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم -

تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ اے میرے چچا خدا نے دنیا مین نبوت بھیجی ہے قرآن کے ذریعہ سے اور اس قرآن مین خدا کا نام ہے اور وہ قرآن منہیات سے منع کرتا ہے - یہ سُنکر حضرت ابوطالب قریش کی طرف تشریف لے گئے - اور انکو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور اُنسے یہ کہا کہ قطع رحم کرنا ملتوی رکھو پھر دیکھو کہ اگر محمد یعنی جناب رسول خدا اپنے دعوے مین کاذب نکلے تو مین انہین تم ہی لوگون کو دیدونگا لیکن اگر راست نکلے تو تم اپنے فعل سے باز آؤ" اس پر سارے قریش راضی ہوگئے - ایسے معاملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب ہر قدم پر اسلام و بانی اسلام کی خدمت عمل مین لایا کرتے تھے - اسپر بھی مخالفان ابوطالب کو شرم نہین آتی کہ آپکو کافر کہتے ہین - سچ یہ ہے کہ اگر حضرت ابوطالب اس طرح کے محافظ اور خیر اندیش جناب رسول خدا کے نہین ہوتے تو قریش کے ہاتھون جناب رسول خدا کی جان نہ بچتی -

اہل انصاف ملاحظہ فرمائین کہ اس جگہہ کس حسن و خوبی کے ساتھ حضرت ابوطالب نے جناب رسول خدا کا پیغام رسالت قوم قریش کو پہنچا بھی دیا اور انہین برسر شر ہونے سے روک بھی دیا - اے حضرات حق پسند حضرت ابوطالب کے اس قول کو حضرت ابوبکر کے اُس قول سے کہ "یہ تحقیق محمد مارے گئے

اب تم لوگ اپنے مذہب جاہلیت کی طرف عود کر جاؤ" یا حضرت عمر کے اُس قول سے کہ "مجھے آج جسقدر نبوت جناب رسول خدا مین شک ہوا کبھی اسقدر شک نہین ہوا تھا" ملایئے تو معلوم ہو جائے گا کہ کونسا قول مقر اسلام کا ہے اور کونسا قول منکر اسلام کا ہے۔ اسپر بھی بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ ابوطالب کافر ہے اور جہنم کے عذاب مین مبتلا ہین۔ لاریب یہ روایت وضع کردہ جماعت بنی امیہ کی ہے۔ اسلیے کہ تمام عقل و قرینہ کے مخالف ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید اپنی شرح جلد ۳ مین لکھتے ہین کہ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو جناب رسول خدا کافر سے محبت نہ فرماتے۔ اس لیے کہ خدا نے کفار کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ واضح ہو کہ منجملہ دو حدیث کفر کے ایک راوی مغیرہ ہے اور اسکا بغض بنی ہاشم کے ساتھ اور خاصکر حضرت علیؑ کے ساتھ مشہور زمانہ ہے۔ یہ شخص بلا تامل سخت فاسق بھی تھا۔ اور دوسری حدیث کا راوی شعبہ ہے جسپر دار قطنی نے جرح کرکے کہا ہے کہ "یہ شخص جو فروش و گندم نما ہے۔ ظاہر مین یہ شخص ثقہ اور باطن مین ابلیس ہے علاوہ اسکے فاسق بھی تھا" غضب خدا کا ہے کہ ایسے ذرائع روایت پر تکیہ کرکے مخالفان حضرت ابوطالب آپ کو کافر قرار دیتے ہین۔ کوئی شک نہین کہ یہ سب کچھ اسلیے کیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت حضرت شیخین پر کسی پہلو سے ثابت نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ حضرات شیخین کے باپ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے پس اگر حضرت ابوطالب مسلمان مانے جائین گے تو حضرات شیخین سے حضرت علیؑ کو جہت پدری کی وجہ سے فضیلت حاصل ہو جائیگی۔ پس مصلحت اسی مین ہے کہ سب کے باپ کافر مطلق ہی سمجھے جائین۔ اس مین ایک مصلحت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مذہب امامیہ کی روسے نبی اور امام کے باپ کو دین خدا کا پابند ہونا چاہیے پس اگر حضرت علیؑ کے باپ مسلمان مان لیے جائین گے تو بمقابلہ حضرات شیخین کے حضرت علیؑ کو بالیقین مرجح حیثیت امامت کی پیدا ہو جائیگی۔ پس حضرت ابوطالب کے کافر ہونیکی حدیثین نہ گھڑی جائین تو کیا کیا جاتا۔ حدیثون کے موضوع کرنیکا تو بڑا اہتمام امیر معاویہ کے وقت مین تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے چودہ ہزار حدیثین حضرت ابوبکر کی شان مین گھڑی گئی ہین اور اسی کے خلاف مین کتنی حدیثین مشعر بہ توہین حضرت علیؑ وضع کی گئی ہین جو حضرت علیؑ پر تبرا کی متقاضی ہین۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

سیرۃ الحلبیہ جلد ا صفحہ ۲۶۶ مین مندرج ہے کہ اہل قریش نے حضرت ابوطالب سے جناب رسول خدا کی شکایت کی اسپر حضرت ابوطالب نے جناب رسول خدا سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے میری دانست مین تمہارا کوئی فعل ناپسندیدہ نہین ہے۔ اس کہنے سے چچا کی مہربانی کو دریافت کرکے آنحضرت حضرت ابوطالب سے بولے کہ اے چچا آپ کلمہ پڑھیے تاکہ میری شفاعت آپکو قیامت مین کام آئے اگرچہ کیسی ہی معصیت آپ سے

سرزد ہوئی ہو۔ یہ سنکر حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ اے فرزند اگر مجھے قریش کی ایذا رسانی اور عداوت کی ترقی کا اور مسلمانون کے ضعف کا تردد نہ ہوتا تو بیشک مین کلمہ زبان پر برملا لاتا اور تمہاری آنکھین ٹھنڈی کر دیتا۔ لیکن مین مرونگا دین آباؤ اجداد ہی پر مگر حضرت ابوطالب نے وقت رحلت تمام بنی ہاشم سے وصیت کی کہ محمدؐ یعنی حضرت رسولؐ خدا کی اطاعت کرنا اور تصدیق رسالت کرنا تاکہ تمہین نجات اور ہدایت نصیب ہو اسپر جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے عم آپ دوسرونکو تو نصیحت کرتے ہین اور آپ خود اس نصیحت پر عمل نہین کرتے۔ اسکے جواب مین حضرت ابوطالب نے کہا کہ اے فرزند مین جانتا ہون کہ تم اپنے دعوے مین صادق ہو لیکن مجھے اس سے شرم آتی ہو کہ قریش کہینگے کہ بخوف موت مین نے اقرار رسالت کیا۔

روایات سابقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب دل سے اسلام کی اعانت کرتے تھے اور در پردہ اسلام کے جاری ہونے مین کوشش کرتے تھے۔ یہ اتنا امر آپ کے باایمان سمجھے جانے کے لیے کافی ہے۔ آپ کا برملا اسلام کا اختیار نکرنا خالی از مصلحت نہ تھا۔ اگر آپ قوم قریش یا اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے آگے کھلے کھلے طور پر اسلام کا اقرار کر لیتے تو آپ کا وہ اثر جو قوم قریش اور قبیلہ بنی ہاشم پر تھا زائل ہو جاتا۔ معتقد اسلام ہو کر آپ جناب رسولؐ خدا کو دشمنان اسلام سے بچا نہ سکتے۔ آپ کے مسلمان ہو جانے پر پھر قوم قریش اور قبیلہ بنی ہاشم کے کفار آپ کی کچھ نہ سنتے۔ اپنا اثر معقول قائم رکھنے کی نظر سے آپ بظاہر کافر بنے رہے۔ اس اثر کا زائل ہونا جناب رسولؐ خدا کے حق مین سم ہو جاتا تب قوم قریش آپ کو قتل کر ڈالتی اور اسلام بہ اسباب ظاہر شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتا۔ حضرت ابوطالب بہت دانا آدمی تھے اور اپنے زمانہ کے نشیب و فراز کو خوب سمجھتے تھے۔ یہ آپ پر روشن تھا کہ ظاہر کافر رہکر آپ اسلام اور بانی اسلام کی زیادہ خدمت کر سکینگے اسلیے بظاہر آپ نے دین اسلام کو قبول نہ کیا۔ ورنہ در باطن آپ کو پورے طور پر اسلام کا اقرار تھا اور اس دین کی خوبیون کو آپ خوب سمجھے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے ہر ہر قدم پر اسلام اور بانی اسلام کی مددگاری کو آپ ملحوظ رکھتے تھے۔ فجزاہ اللہ تعالے خیر الجزاء

حضرات خلفاء کے خلاف مین حضرت علیؑ کے جہاد نکرنیکا سبب

حضرات اہل سنت کہتے ہین کہ جب جناب رسول خدا نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر خلیفہ قرار پائے تو آپ نے یعنی حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے خلاف مین جہاد کیون نکیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت ابوبکر کی خلافت برحق تھی - جواب اسکا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کو آپ ہرگز حق نہین جانتے تھے مگر آپ جناب رسول خدا کے فرمودہ پر عامل ہوئے جیساکہ انوار نعمانیہ کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ - اس کتاب مین سلیم بن قیس ہلالی کی یہ روایت دیکھی جاتی ہے کہ حضرت علیؑ سے کسی نے یہ سوال کیاکہ آپ نے بنی تیم و بنی عدی اور بنی امیہ سے انکے خلیفہ ہونے پر کیون نہ جہاد فرمایا - حضرت نے جواب دیاکہ مجھے جناب رسول خدا نے فرمایا تھاکہ جبتک تم اپنا معین نہ پاؤ جہاد سے سکوت کرنا - اور پھر ارشاد کیاکہ جب حضرت موسےٰ کوہ طور پر میقات مین تشریف لے گئے اور اپنی جگہہ اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت ہارون کے خلاف مین گوسالہ پرستی اختیار کی - اسپر بھی حضرت ہارون نے جہاد سے سکوت اختیار کیا - حالانکہ حضرت ہارون نبی تھے اور جہاد کتاب موسےٰ کے رو سے جائز تھا - پس جب جناب رسول خدا نے وفات پائی اہل مدینہ اور اصحاب جناب رسول خدا حضرت ابوبکر کی طرف مائل ہوئے - اور سب نے حضرت ابوبکر سے بیعت کی درحالیکہ مین جناب رسول خدا کے کفن و دفن مین مشغول رہا اور اسکے بعد جمع و ترتیب آیات قرآنی کرتا رہا" جاننا چاہیے کہ جہاد سے حضرت ہارون اور حضرت علی مرتضےٰ کا سکوت اختیار فرمانا مبنی بر مصلحت تھا اور وہ یہ کہ اگر حضرت ہارون بنی اسرائیل کے خلاف جہاد اختیار فرماتے تو بنی اسرائیل حضرت ہارون کی اس کارروائی سے تباہ و خراب ہوکر نیست و نابود ہوجاتے اسی طرح اگر حضرت علی حضرت ابوبکر اور انکے طرفدارون پر جہاد کرتے تو حضرت رسول خدا کا دین جو آنحضرت کی وفات کے وقت ایک گونہ ابتدائی حالت مین تھا بہت جلد صفحۂ دہر سے مٹجاتا - یہ تشبیہ حکم تشبیہ تامہ کا رکھتی ہے - بنی اسرائیل کا گوسالہ پرستی اختیار کرنا اور اہل مدینہ کا امام وقت سے منہ موڑکر اپنا خلیفہ آپ بنا لینا دونون ایسے امر ہین کہ بہت کچھ آپسمین مشابہت رکھتے ہین واقعی حضرت امیرؑ کی بلاغت کوئی حد نہین رکھتی - جن صاحبون نے آپکے خطبات آپ کے اشعار اور آپکے اقوال پر نظر غور ڈالی ہے وہ کہہ سکتے ہین کہ آپکی بلاغت کیسی اعلےٰ درجہ کی ہے - کلام الامیر امیر الکلام کا مصداق - آپکا ہر فرمودہ ہے - کیون نہو - کلام معصوم گویا کلام خدا ہوتا ہے کلام خدا کی خوبیان محتاج بیان نہین ہین -

اسی کتاب انوار نعمانیہ مین یہ بھی درج ہے کہ کسی شخص نے جناب امام رضا علیہ السلام سے یہ سوال کیاکہ جناب علی مرتضےٰ نے بعد جناب رسول خدا ۲۵ برس تک اپنے اعدا کے برخلاف جہاد کیون نکیا

حالانکہ اپنے عہد خلافت مین جہاد فرمایا- حضرت امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ نے جناب رسولؐ خدا کے ساتھ ترک جہاد مین اقتدا کی- جناب رسولؐ خدا نے نبوت حاصل ہونے کے بعد ۱۳ سال تک مکہ مین اور ۱۸ مہینے تک مدینہ آنے پر بھی کفار کے برخلاف جہاد نہین کیا- اسکا سبب یہ تھا کہ اتنے عرصہ تک آپ کے اعوان و انصار بہت ہی قلیل تھے- لیکن اتنے عرصہ تک جہاد نکرنے سے آپکی نبوت باطل نہین ہوئی- اسی طرح ترک جہاد سے حضرت علیؑ کی امامت مین بھی کوئی فرق نہین آیا- جاننا چاہیے کہ رسولؐ اور امامؑ کا فعل علم الٰہی کے موافق ہوا کرتا ہے- رسولؐ اور امامؑ جانتے ہین کہ کون امر کب ہونے والا ہے اور امور ماضی و حال و استقبال سب کے سب رسولؐ اور امامؑ پر منکشف ہوتے رہتے ہین- جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کے اعوان و انصار کی ایسی قلت تھی کہ صرف تین کس اصحاب رسولؐ خدا مین سے آپکے طرفدار تھے اسکے برعکس اکثر اصحاب رسولؐ خدا آپ سے منحرف ہو کر خلفائے ثلثہ سے موافقت و اتفاق کرتے تھے-

عبداللہ ابن عمر پر بیعت یزید کا الزام

۱۲ اہل سنت کہتے ہین کہ جو اعتراض حضرت عبداللہ ابن عمر پر اہل تشیع کی طرف سے بیعت یزید کی نسبت وارد کیا جاتا ہے اس سے کوئی الزام حضرت عبداللہ پر عائد نہین ہوتا ہے- اسلیے کہ اہل تشیع کے امام زادے محمدؐ ابن حنفیہ نے بھی جو حضرت علیؑ کے ایک ذی رتبہ فرزند ہین دست یزید پر بیعت کی- اسکا جواب حضرت محمدؐ ابن حنفیہ کے لگاؤ سے یہ ہے کہ جب یزید نے ایک طویل خط حضرت محمدؐ ابن حنفیہ کو لکھا کہ جسمین وہ آپ سے بیعت کا مستدعی ہوا تو آپنے جواب مین لکھا کہ ہان ہمنے بیعت تمہاری کی- حضرت عبداللہ ابن عمر کی طرح آپ مدینہ سے دمشق کو بیعت یزید کے حاصل کرنے کے لیے تشریف نہین لے گئے- مدینہ مین بیٹھے بیٹھے یزید کے خط کا ایسا جواب دیدیا کہ یزید کے شر سے آپ محفوظ رہے آپ دیکھ رہے تھے کہ اسی بیعت طلبی کی بنا پر یزید جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ کس طرح پر پیش آچکا ہے- اور اب کہ نہ جناب امام حسنؑ زندہ ہین اور نہ جناب امام حسینؑ اور بنی ہاشم ایک حد درجہ کی کمزوری مین مبتلا ہوچکے ہین اور خود حضرت محمدؐ ابن حنفیہ جنگ صفین کے واقعے کے بعد دونون ہاتھون کی رگون کے کٹ جانے سے اس قابل نہ رہے تھے کہ کسی سے بھی نبرد آزمائی کرسکین ایسی حالت ناچاری مین اگر محمدؐ ابن حنفیہ ایسا جواب یزید کو نہ لکھ بھیجتے تو کیا کرتے- جاننا چاہیے کہ یہ روایت بیہقی کی ہے جو اہل سنت سے ہین اہل تشیع کے ہان کوئی ایسی روایت نہین ہے (دیکھو بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹) یہ الزام اہل سنت

خود اُنکے مذہب کی روایت پر مبنی ہے۔ اہل تشیع کی کوئی روایت ایسی نہین ہے کہ جس سے حضرت محمد ابن حنفیہ کا دست یزید پر بیعت کرنا ثابت ہوتا ہو۔ خیر۔ راقم کی دانست مین اہل تشیع کا ایسا اعتراض حضرت عبد اللہ ابن عمر پر بیکار ہے۔ اگر کسی اہل سنت نے حضرت معاویہ یا حضرت یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو اُسنے اپنے مذہب کے تقاضا کے خلاف کونسا کام کیا۔ حضرت معاویہ جس طرح اہل سنت کے نزدیک خلیفہ برحق ہین اُسی طرح حضرت یزید بھی خلیفہ برحق ہونیکا استحقاق رکھتے ہین۔ خلیفہ برحق سے بیعت کرنے مین کسی اہل سنت پر الزام کیونکر عائد ہو سکتا ہے۔ یہ امر کہ حضرت یزید اہل سنت کے خلیفہ برحق تھے امام غزالی صاحب کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لکھتے ہین کہ حسینؑ پر یزید کی اطاعت واجب تھی اسلیے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو استخلاف کے ذریعے سے خلیفہ بنایا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس امر مین حضرت ابو بکر کی نسبت اختیار کی تھی یعنی جس طرح آپ نے حضرت عمر کو استخلاف کے ذریعے سے خلیفہ بنایا تھا اسی طرح حضرت معاویہ نے اپنے صاحبزادے کے حق مین وہی استخلاف کی کارروائی اختیار کی۔ سنی ہوکر اگر حضرت عبد اللہ ابن عمر نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو کوئی کام اپنے مذہب کے خلاف نہین کیا جو کچھ کیا خوب کیا۔ یہ کام اہل تشیع کی نظر مین بُرا معلوم ہوتا ہے لیکن اہل سنت کی آنکھ مین بُرا نہین دکھائی دے سکتا۔ علاوہ استخلاف کے اجماع و شوریٰ و تسلط و قہر کی شرطین بھی حضرت یزید کے موافق حال تھین۔ پس اصول خلافت کے رو سے حضرت یزید بلا گفتگو اہل سنت کے خلیفۂ وقت تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کا اُنکے ہاتھ پر بیعت کر لینا امر ضروری تھا خاصکر ایسی حالت مین کہ آپ بلا بیعت زندہ رہنے کو اپنے مذہب کے تقاضا سے موت جاہلیت سمجھتے تھے۔

حضرت معاویہ ابن حضرت ابوسفیان

۱۲ مین سابق مین لکھ چکا ہون کہ بنی امیہ سے جناب رسول خدا کو نفرت تامہ تھی یہانتک کہ حضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی۔ شجرۂ ملعونہ جو قرآن شریف مین مذکور ہے باتفاق مفسرین اُس سے مراد قبیلہ بنی امیہ کا ہے۔ جناب رسول خدا فرماتے ہین کہ مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے منبر پر بنی امیہ بندر کی طرح چڑھتے اُترتے ہین (دیکھو تفسیر نیشاپوری اور تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر رازی) یہ بھی مین سابق لکھ چکا ہون کہ بنی امیہ کس کس طرح سے حاکم شام ہو گئے اور آخرکار عرب کی سلطنت کیونکر اُنکے ہاتھ مین چلی گئی۔ بنی امیہ کو جناب رسول خدا دس برس کی محنت مین اسقدر کمزور کر گئے تھے کہ اب انمین سلطنت کی قابلیت باقی نہین رہی تھی مگر حضرات شیخین نے اپنی خلافت بچانیکی

اس قبیلہ کے سردار ابوسفیان کو حاکمِ شام کر دیا۔ مگر چونکہ یہ صاحب خود شام کو نہ جاسکے آپکے بڑے صاحبزادے یزید بن ابی سفیان آپکے بدلے شام کے حاکم بنائے گئے۔ چار برس کے اندر جب یہ بھی فوت ہوگئے تو انکی جگہہ انکے چھوٹے بھائی یا حضرت معاویہ حاکم شام قرار پائے اس صورت سے بنی امیہ کی ثروت دنیوی کی ابتدا ہوئی۔ اور اس ثروت کا تخم بونے والے حضرات شیخین ہوئے۔ سچ یہ ہے کہ جسقدر خاندانِ پیغمبر پر تباہی آئی اُسکے سبب قریب و بعید جو کچھ ہوئے یہی حضرات شیخین ہوئے۔ حضرت معاویہ حضرات اہل سنت کے خلیفہ پنجم ہین۔ اور آپ خلیفہ شرط قہر و غلبہ کے ساتھ قرار پائے۔ مگر آپکی خلافت مین اجماع کی شرط بھی شامل تھی۔ ذیل مین آپکے فضائل علاوہ قلم ہوتے ہین۔

تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۴ اور نیز ازالۃ الخفا مین درج ہے کہ امیر معاویہ نے کہا کہ جبسے جناب رسول خدا نے یہ فرمایا کہ "جب تو بادشاہ ہو تو خدائق کے ساتھ نیکی کیجیو" تب سے مجھپر ہمیشہ سلطنت کا لالچ غالب رہا۔ بادشاہ ہوکر معاویہ صاحب نے بندگان خدا کے ساتھ جو کچھ بھی نیکی کی ہو کی ہو مگر پیغمبر خدا کے خاندان کے ساتھ تو ضرور آپ بہت بڑی بڑی نیکیان عمل مین لاتے رہے۔

ان نیکیون کی شہادت بروز جزا حضرت علیؑ حضرت حسنؑ اور جناب رسول خدا کے بہت سے صحابی ضرور ادا کرینگے۔ جناب رسول خدا کو اپنی قوت نبوت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ امیر معاویہ علی جناب سے کیا کیا خوبی بھرے افعال سرزد ہونگے اسلیے آپنے خلائق کے ساتھ نیکی کرنیکی ہدایت کی ہوگی

مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ مین روایت جابر بن سعدؓ کی یہ ہے کہ معاویہ نے سعد ابن ابی وقاص سے حکم کے طور پر یہ کہا کہ تو علیؑ پر لعنت کیون نہین کرتا؟ اسی طرح دراسات اللبیب مین مسطور ہے کہ معاویہ نے بطریق جبر لوگون کو منع کیا کہ جو روایت علیؑ کی روایت کے موافق ہو اُسپر کوئی شخص عمل نکرے اور نہ آپکی روایت کی روایت کرے۔

تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ مین مذکور ہے کہ ابتدا زمانہ جناب امام حسنؑ کے خلع خلافت کی سنہ ہجری تا سنہ ۹۹ ہجری خلفائے بنی امیہ منبرون پر حضرت علیؑ پر لعن کیا کیے تا اینکہ عمر بن عبد العزیز نے اس رسم تبرا کو موقوف کروایا (دیکھو تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۱۰) تاریخ ابو الفدا کی جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ مین بھی درج ہے کہ عاملان معاویہ ہر جمعہ مین بعد خطبہ کے حضرت علیؑ پر لعن کرتے تھے۔ اسی طرح ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۹۶ مین دیکھا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے اپنی نوابان حکام ماتحت کو اپنی بیعت خلافت کے بعد یہ لکھا کہ جو کوئی فضائل علیؑ بیان کرے تو تم سب علیؑ پر تبرا کرو۔ پس خطیبون نے منبرون پر حضرت علیؑ کے نام پر لعن پڑھنا شروع کی۔ آفت شیعیان کو فہ پر بہت سخت آپڑی تھی۔ چنانچہ مخالفان علیؑ نے زیاد بن سمیہ کو جو رفقائے علیؑ سے تھے پکڑ کے

نیچے رکھکر مار ڈالا اور اُنکے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالے اور اُنکی لاش کو درخت سے باندھکر لٹکا دیا۔ اُسوقت کوئی مشہور شیعہ باقی نہین رہا تھا۔ اسکے بعد امیر معاویہ نے اپنے افسرون کو یہ لکھ بھیجا کہ جو کوئی شیعان علیؑ سے تمہارے سر رشتہ مین ہو اُسکو صیغہ ملازمت سے باہر کر دو اور کسی طرح کا صلہ اور انعام اُسے نہ دیا جائے۔ اور جو کوئی محب علیؑ پایا جائے اُسے بلائے سخت مین مبتلا کرو اور اُسکا گھر ڈہا ڈالو۔ اُسوقت مین شیعون پر ایسا بُرا وقت آپڑا تھا کہ عراق و کوفہ مین اگر کوئی شیعہ کسی شیعہ کے گھر جاتا تھا تو نہایت مخفی طور سے وہ اُس سے ملتا تھا۔ اور وثوق و اعتماد کافی کیے بغیر اس طرح کی آمد و شد نہین کرتا تھا۔ آقا اپنے غلام و کنیز سے ڈرتے تھے اور اُنسے سخت قسمین اس امر کی لیتے تھے کہ میرے تشیع کا راز افشا ہونے نہ پائے ورنہ یہ امر اُنکی ہلاکت کا باعث ہوگا پس وہ زمانہ جسمین جناب امام حسنؑ نے انتقال کیا شیعون کے لیے ایک نہایت سخت زمانہ تھا۔ شیعہ ہمیشہ تقیہ مین عمر بسر کرتے تھے اور یہ اُنکی ایک خوفناک حالت تھی۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان خلیفہ ہوا۔ یہ زمانہ شیعون کے واسطے شدت مین کچھ کم نہ تھا بلکہ شاید کچھ زائد ہی تھا۔ اس زمانہ مین حکم خلیفہ یہ تھا کہ بغض علیؑ و اہل بیت علیؑ اختیار کرین اور اسکو تقویٰ جانین۔

تاریخ الخلفا صفحہ ۲۰۳، سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل شام نے امیر معاویہ کی ہدایت سے جنگ صفین مین براہ مکر قرآن مجید کو نوک نیزہ پر بلند کیا۔ واہ حضرت معاویہ صاحب کسقدر پُر تدبیر تھے۔ کیا خوب قرآن پاک کا مصرف آپ نے نکالا۔ آپکا کیا کہنا ہے ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

دراسات اللبیب کے صفحہ ۲۰۶، مین مذکور ہے کہ حضرت معاویہ نے بدعتین احداث کین منجملہ اُنکی بوسہ رکن یمانی و ترک بسم اللہ وغیرہ ہین۔ اُسی کتاب مین یہ بھی مسطور ہے کہ جب رحلت فرمائی امام حسنؑ نے معاویہ نے کہا کہ ایک چنگاری تھی وہ اب خاموش ہوگئی۔ پیروان معاویہ بھی ضرور ہے کہ امام حسنؑ کو چنگاری سمجھین اور اُنکے خاموش ہو جانے پر اپنے خلیفہ اور امام کی طرح اظہار اطمینان کرین۔ معاویہ کا پیرو ہو کر معاویہ کا شریک حال ہونا ایک ضروری امر ہے۔ ایسے مسلمانان معاویہ شاہی کی شفاعت بروز حشر رسول اللہ ضرور کرینگے۔ ایسے مسلمانون کی شفاعت دہری ہوئی ہے۔ اطمینان کے ساتھ یہ حضرات پیروی اپنے پیارے خلیفہ کی کیے جائین۔

شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۹، مین درج ہے کہ امیر معاویہ نے کہا کہ قتل مسلمین کی خطا علیؑ کے ذمہ ہے کیونکہ اگر وہ نہ لڑتے تو اسقدر خونریزی کیون ہوتی؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اس توجیہ سے قتل امیر حمزہ کا حضرت رسول خدا سے ظہور مین آیا۔ اُسی کتاب کے صفحہ ۸۳، مین یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اول ملوک اسلام مین معاویہ ہین اور وہ افضل ملوک

بنی امیہ سے ہین اور وہ امام برحق ہین - جب سے حسنؑ ابن علیؑ نے خلافت سے علیحدگی کی مسلمانون تمہین ایسا امام نصیب ہونا مبارک!

تنویر الایمان کے صفحہ ۱۶۰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے منبر مدینہ کو اکھاڑ ڈالا جس دن آپکی یہ کارروائی ہوئی اُسدن آفتاب سیاہ ہوگیا اور تارے نظر آئے۔

صاحب تاریخ خمیس (جلد ۲ صفحہ ۳۲۹) لکھتے ہین کہ جب امام حسنؑ بیمار ہوئے مروان نے اطلاعی عرضی امیر معاویہ کی خدمت مین بہیجی - معاویہ صاحب نے جواب مین مروان کو لکھا کہ جب امام حسنؑ طے ہو جائین فوراً اسکی خبر دیجائے - پس جب امام حسنؑ کی وفات کی خبر معاویہ کو ملی تو آپنے بہ آواز بلند تکبیر کہی اور اہل شام نے بہی یہی کارروائی کی - اسپر بی بی فاختہ نے کہا کہ یہ تکبیر کہنے کا کیا سبب ہے - معاویہ صاحب نے کہا کہ امام حسنؑ مر گئے - اسپر فاختہ نے کہا کہ تو ابن فاطمہؑ کی موت پر خوش ہوتا ہے؟ معاویہ صاحب بولے کہ اس سے ہم خوش نہین ہوئے اس سے ہمارے دل کو صرف راحت نصیب ہوئی - اے پیروان امیر معاویہ آپکے دلکو بہی رحلت امام حسنؑ کو یاد کرکے راحت نصیب ہوتی ہے یا نہین؟ اگر راحت نصیب نہین ہوتی ہے تو آپ کیسے پیرو اپنے خلیفہ اور امام کے ہین - امام حسنؑ کی رحلت اور دل کو استراحت یہ عجب طرفہ مضمون ہے - الالعنت اللہ علی القوم الظالمین۔

تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۹۹ مین مسطور ہے کہ اول جسنے خطبہ پڑہا بیٹھکر وہ معاویہ صاحب ہین وجہ اُسکی آپکی فربہی اور درازی شکم کی تہی - اسی طرح آپنے خطبہ نماز عید کے قبل احداث کیا - نماز جنازہ سے ایک تکبیر کم کردی چار کی ایجاد کی مرد کو خصی کرکے اپنی خدمت مین رکہا وغیرہ وغیرہ اور کعبہ کو برہنہ کردیا آپ کے اس فعل کے پہلے کعبہ پر تہ بہ تہ غلاف رہا کرتا تہا - معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ صاحب کو اسی دنیا سے مطلب تہا - آخرت کا خیال اُنکے دل مین جگہہ پا ہی نہین سکتا تہا - آپ کی ساری کارروائیون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپنے دنیا کو دار القرار سمجھ لیا تہا - اور دنیا طلبی کے سوا اور کوئی شے جو مفید عقبے ہو آپ کو مرکوز خاطر نہ تہی - خانۂ کعبہ کو اگر عریان کیا تہا تو کیا تہا آدمی کو ہیجڑا بنانا اپنی خدمت کے لیے کیسی شقاوت قلبی سے خبر دیتا ہے ؎

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن ساکن بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

ایسا فعل کسی مذہب و ملت مین روا نہین ہے - یہ فعل کسی حال مین مسلمان کا نہین ہو سکتا - لیکن حضرت معاویہ سے ایسے ایسے افعال قبیحہ کا ارتکاب دور از توقع نہ تہا - کونسا کار زشت ہے جسکے ارتکاب کی صلاحیت آپ نہین رکہتے تہے - زہر خورانی قتل نفس مکاری عیاری وغیرہ وغیرہ تو آپ کی گہٹی مین پڑی تہی - کوئی شک نہین ہے کہ آپ پورے نمونہ اپنے قبیلہ بنی امیہ کے تہے

بنی امیہ پر تو رسولؐ خدا نے لعنت کی ہی ہو - جیسا کہ سابق مین مذکور ہو چکا ہے - مگر شرح ابن ابی الحدید کے صفحہ ۲۳۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسب بیان طبری فرمودہ جناب رسولؐ خدا کا ہے کہ معاویہ کی موت شریعت محمدی پر نہوگی - اور یہ بھی آپنے فرمایا ہے کہ معاویہ تابوت آتشین مین کسی درجۂ جہنم کے پکارتا رہیگا کہ اے خدا جلے جبے - پس ملائکہ جواب دینگے کہ تونے نافرمانی کی اور تو مفسدین سے تھا - لہذا اسی سزا کے قابل تھا - اس بیان طبری کا معین امام نسائی کا قول بھی نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بقول حضرت رسولؐ اگر معاویہ آتش دوزخ سے نجات پائے تو یہی اُسکے لیے غنیمت ہے - اُسکے حق مین فضیلت کیا ہوگی (دیکھو تاریخ ابن خلکان فی ترجمہ ابی عبد الرحمن النسائی) یہ امام نسائی وہی بزرگ ہین کہ جو فضائل حضرت علیؑ کے بیان کیا کرتے تھے - ایک روز آپ سے کچھ اہل شام نے امیر معاویہ کی فضیلت کی فرمائش کی - آپنے جواب مین یہ کہا کہ امیر معاویہ کی فضیلت ہی کیا ہے جو بیان کیجائے - ہان ایک حدیث انکی فضیلت مین یہ ہے کہ لا اشبع اللہ بطنک - یعنی اللہ تیرے پیٹ کو کبھی نہ بھرے - اس پر اہل شام نے اُنکے خصیے کو ٹکر انکو مار ڈالا قول بالا قول نبیؐ کا تھا ایسا ہی ہوا کہ تا دم مرگ امیر معاویہ کو حرص دامنگیر رہی اور کبھی اُنھین دنیا سے سیری نصیب نہین ہوئی - راقم کہتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا امیر معاویہ کو جہنمی جانتے تھے اسلیے یہ فرمایا کہ دوزخ مین معاویہ پڑا ہوا جلے جلے کہیگا - علم نبوت کی وجہ سے حضرت رسولؐ کو یہ معاملہ بدیہی نظر آتا ہوگا - مگر میری معمولی عقل مین یہ بات پایۂ الیقین رکھتی ہے کہ ایسی رفتار گفتار اور کردار کا آدمی بعد مرگ ضرور کسی ایسے مقام مین جگہ پائیگا جو دار العقوبت ہوگا - یعنی ایسا آدمی کسی طرح پر مرنیکے بعد دار الراحت مین جگہ نہین پا سکتا ہے - راقم کی دانست مین وجود دوزخ کی بڑی دلیل وجود معاویہ ہے - معاویہ صاحب کے دار العقوبت مین وسعت کی کمی نہوگی - وہین اُنکے پیروان و ہوا خواہان ماضی و حال و استقبال بھی جگہہ پائین گے - بفحوای اَلْاِنْسَانُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ - یعنی انسان جسکو چاہتا ہے اُسکی معیت مین جگہہ پاتا ہے -

حضرت معاویہ کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ آپنے صحابہ اور تابعین کو اس امر پر متفق کیا کہ مذمت علیؑ کی روایتین پیدا کرین - ان مین سے عمرو بن العاص و مغیرہ و عروہ و زہری ہین اور ابو ہریرہ بھی ہین جو حضرات اہل سنت کے بڑے پیارے صحابی ہین - عروہ نے ایک حدیث حضرت عائشہ کے نام سے بنائی ہے جو اس مضمون کی ہے کہ علیؑ اور عباسؓ بے دین مرینگے اور یہ دونون ناری ہین (دیکھو شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۳۶۹) - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث معاویہ صاحب کی طرف سے جناب رسولؐ خدا کی اُس حدیث کا جواب قرار دی گئی ہے جس سے کھلے طور پر معاویہ صاحب کا ناری ہونا ثابت ہوتا ہے - معاویہ صاحب تو حسب ارشاد نبوی فی الہاویہ ہوگئے -

مگر سابقین علیؑ بھی معاویہ صاحب کی بدولت اس دنیا مین انواع طرح کی بیماریون مین مبتلا ہوگئے (دیکھو شرح ابن ابی الحدید) اور آخرکار بعد مرگ جہان معاویہ صاحب تشریف لے گئے وہ بھی اُسی جانب سدھارے۔ گندم از گندم بروید جو ز جو ٭ از مکافاتِ عمل غافل مشو۔

حضرت معاویہ کے فضائل کے اثبات مین پیروان معاویہ ترمذی کی یہ حدیث کہ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا" اور امام احمد کی یہ حدیث جو مسند مین درج ہین یعنی "اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ" پیش کرتے ہین مگر مدارج النبوت کی دوسری جلد مین محدث دہلوی فرماتے ہین کہ اتفاق محدثین کا اسی پر ہے کہ فضل معاویہ مین کوئی حدیث ثابت نہین ہوئی۔ پس یہ دونون حدیثین ضرور وضعی ہین اور کوئی حقیقت نہین رکھتی ہین۔ یون وا ضعان حدیث اور پیروانِ امیر معاویہ جو کچھ اپنے آقا امیر معاویہ کے فضائل بیان کرین مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کو امیر معاویہ سے سخت تنفر پیدا تھا۔ چنانچہ تاریخ ابو الفدا صفحہ ۹۸ مین مسطور ہے کہ سنہ فتح مکہ مین معاویہ اور معاویہ کے باپ نے اسلام قبول کیا مگر جناب رسول خدا اُنسے متنفر رہے۔ البتہ شام کا حاکم اُنہین حضرت عمر نے بنایا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص سے حضرت رسولؐ کو تنفر ہو اور اُسکو حضرت رسولؐ ناری ارشاد فرمائین ایسا شخص صاحب فضائل کیونکر ہو سکتا ہے۔ معاویہ صاحب کے فضائل کا مقر وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضرت رسولؐ خدا کا مخالف ہوگا اور جسکے دل مین حضرت علیؑ کا عناد جگہ کیے ہوگا۔ امیر معاویہ کے دوستدار ہونے کیلیے ضرور ہے کہ آدمی حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کا مخالف ہو۔

اب مین دکھلاتا ہون کہ اسلام مین امیر معاویہ کی دینی حیثیت کیا ہے۔ فرقۂ امامیہ تو آپکو باغی و محارب و دشمن علیؑ اور نیز ایک بھاری بدخواہ خاندانِ پیمبرؐ کا جانتا ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے آپ کو سخت بید ین بلکہ حسب فرمودہ حضرت رسولؐ آپ کو ناری جانتا ہے۔ زیادہ حصہ متصوفین کا بھی آپ سے بیزار نظر آتا ہے۔ مگر اہل سنت ضرورتِ مذہبی اور تقاضائے دین سے آپکو برحق خلیفہ اور امام جانتے ہین۔ آپکی خطاؤن کو خطائے اجتہادی بتلاتے ہین۔ اور آپکو اپنے خلفائے اثنا عشر سے خلیفۂ پنجم شمار کرتے ہین۔ ذیل مین آپکی دینی سرداری سے بحث کیجاتی ہے۔

ابو شکور سالمی حاشیہ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۰۲ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع اہل سنت کا درباب امامت معاویہ کے بعد علیؑ و صلح امام حسنؑ کے اسلیے ہے کہ جمیع صحابہ اہل اسلام نے معاویہ کی تابعداری کی۔ یزید کے باب مین بعضون نے کہا ہے کہ خلافت اُسکی حق تھی باین وجہ کہ معاویہ نے استخلاف کے ذریعہ سے یزید کو خلیفہ بنایا تھا اور اُسکی اطاعت صحابہ اور مسلمین نے کی۔ پس قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ امام حسینؑ پر یزید کی اطاعت واجب تھی

اور اس جگہ پر میں (یعنی ابو شکور سلمی) کہتا ہوں کہ معاویہ عالم غیر فاسق تھا اور اُس میں دیانت تھی اور اگر دیانت نہوتی تو ہرگز امام حسنؑ فاسق سے صلح نکرتے اور بعد علیؑ کے معاویہ تھا امام عادل و صالح و متقی خدا کے دین میں۔

ابو شکور سلمی کی تحریرات سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ معاویہ اسی طرح خلیفہ اور امام قرار پائے۔ جیساکہ اجماع سے حضرت ابوبکر خلیفہ اور امام مقرر ہوئے۔ دوم یہ کہ معاویہ صاحب کے صاحبزادے اسی طرح خلیفہ اور امام مقرر ہوئے جیساکہ استخلاف کے ذریعہ سے حضرت عمر مسند آرائے خلافت ہوئے۔ سوم یہ کہ چونکہ صحابہ اور مسلمین نے اس استخلاف کو قبول کر لیا تھا اس لیے قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ امام حسینؑ یزید کی اطاعت کو واجب جانتے۔ چہارم یہ کہ معاویہ عالم غیر فاسق تھے اور اُنمیں دیانت تھی۔ پنجم یہ کہ اگر معاویہ میں دیانت نہوتی تو امام حسنؑ فاسق سے صلح نکرتے۔ ششم یہ کہ معاویہ امام عادل و صالح و متقی دین خدا میں تھے۔ اب حضرت معاویہ اور حضرت یزید کے لیے بات کیا باقی رہی۔ باپ حضرت ابوبکر کے برابر اور بیٹے حضرت عمر کے برابر امر خلافت و امامت میں ہو گئے۔ حضرات شیخین کے ساختہ پرداختہ حضرت معاویہ تھے ہی پھر کیون آپ اور آپ کے بیٹے حضرات شیخین کے قدم بقدم نہ چلتے۔ جو ذرائع حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو خلیفہ ہونے کے لیے پیدا ہو گئے تھے وہی ذرائع معاویہ صاحب اور اُنکے صاحبزادے کے لیے بھی موجود ہو گئے البتہ امام حسینؑ اطاعت یزید کی کر نہیں سکتے تھے اسلیے کہ آپ اپنے مذہب کے تقاضا سے یزید تو یزید معاویہ اور سرپرستانِ معاویہ یعنی حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو بھی واجب الاطاعت نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول خداؐ کے خلیفہ نہ تھے۔ عوام کی جانب سے خلیفہ بنائے ہوئے تھے۔ اسکے برعکس امام حسینؑ اپنے کو خلیفہ رسولؐ سمجھتے تھے اور بجا سمجھتے تھے۔ پس امام حسینؑ یزید کی اطاعت کیونکر کرتے؟ مسئلہ استخلاف کو امام حسینؑ مسئلہ اجماع کی طرح حق کُشی کا ایک آلہ سمجھتے تھے ایسا سمجھکر بھی کیا امام حسینؑ یزید کو واجب الاطاعت جانتے؟ حق یہ ہے کہ امام حسینؑ نہ یزید کو استخلاف کی بناپر خلیفہ و امام برحق جانتے تھے۔ نہ حضرت عمر کو! امامت و خلافت کو امام حسینؑ و دیگر ائمہ خاندانِ پیمبر ایک امر منجانب اللہ جانتے تھے۔ منجانب الناس نہیں جانتے تھے۔ پس ایسی سمجھ کے آدمی پر جیسے کہ امام حسینؑ تھے اطاعت یزید کا بار نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ لاریب اہل سنت کی نگاہ میں یزید واجب الاطاعت نظر آتا ہے اگر ایسا نہوتا تو اسقدر مسلمانانِ شام و اصحاب دین فروش یزید کی بیعت میں سبقت نکرتے مگر امام حسینؑ جب تمامی خلفائے اہل سنت سے کنارہ کش تھے تو یزید میں کیا خصوصیت تھی کہ یزید کی اطاعت کرتے۔ امام حسینؑ اپنے باپ کی طرح امام اور داخل اہل بیت تھے پھر ایسے ہو کر یزید کی بیعت کیونکر کر سکتے تھے؟ البتہ سُنی ہوتے تو یزید و معاویہ و حضرت عمر و حضرت ابوبکر اور

تمام اہل سنت کے خلفا اور ائمہ سے بیعت کرسکتے تھے - اب رہا معاویہ کا عالم غیر فاسق اور صاحب دیانت ہونا اسکا قائل ابوشکور سلمی کے سوا کوئی صاحب عقل وحواس نہین ہوسکتا اگر معاویہ صاحب ایسے ہی ہوتے تو آپ سے حضرت رسول متنفر کیون رہتے اور آپکو ناری کیون ارشاد فرماتے - اگر آپ مین کسی طرح کے فضائل ہوتے تو صاحب مدارج النبوت آپکی نسبت یہ کیون لکھتے کہ آپکی کوئی تفضیلت کہین سے ثابت نہین ہوتی ہے - اور پھر محدث نسائی یہ کیون کہتے کہ معاویہ بقول رسول اگر نار جہنم سے بچ جائے تو غنیمت جانو - اُسکے حق مین فضیلت کیا ہوگی - ابوشکور سلمی صاحب معاویہ کو امام عادل وصالح ومتقی لکھا کرین - مگر بقول حضرت امیر علیہ السلام معاویہ کی جگہ ہاویہ مین ضرور ہے جیسا کہ فرماتے ہین - آخر مستقر وکلا امہ ہی معاویۃ - الجاحظا لعین العظیم بالمعاویۃ + هوت به فی النار امّہ هاویۃ + وجاء به فیھا کلاب عاویۃ + یہ قول حضرت علی کا فرمودہ رسول پر مبنی ہے - اگر قول رسول پر یہ قول علی مبنی ہے تب قول نبی وعلی دونون کے رو سے معاویہ صاحب اہل ہاویہ سے ہین - امیر معاویہ کے صاحب دیانت ہونیکی دلیل ابوشکور سلمی یہ پیش کرتے ہین کہ اگر معاویہ مین دیانت نہوتی تو امام حسن معاویہ سے صلح نکرتے یہی دلیل اشعۃ اللمعات کی جلد ۴ صفحہ ۸۰۷ مین بھی معاویہ کی صحت امامت مین دیکھی جاتی ہے عبارت یہ ہے "اہل سنت وجماعت را صلح امام حسن دلیل است بر صحت امامت معاویہ" اے حضرات اہل سنت امام حسن کی صلح سے معاویہ صاحب امام برحق کیونکر ثابت ہوجاتے ہین اور اس صلح سے معاویہ کی صحت امامت کیونکر ثابت ہوسکتی ہے - یہ ویسا ہی قول ہے کہ اگر کوئی کہے کہ رسول کی صلح حدیبیہ سے مذہب کفار کی حقیت ثابت ہوگئی - ڈوبتے کو تنکے کا سہارا یہ جو حضرات کے لیے ایک حسب حال مضمون ہے - امام حسن نے معاویہ سے صلح اس لیے نہین کرلی تھی کہ معاویہ ایک غیر فاسق عالم صاحب دیانت بزرگ امام عادل مرد صالح اور دین خدا کے ایک متقی شخص ہین - بلکہ صلح کی یہ وجہ تھی کہ اُس وقت کے بے ایمان مسلمان خاصکر اہل شام حضرت امام حسن کے مخالف ہورہے تھے - اگر آپ پدر یزید سے لڑتے تو کس زور پر لڑتے - معاویہ کو تو حضرت عمر اور حضرت عثمان نے اسقدر قوی بنا رکھا تھا کہ اُس باغی علی کو حضرت علی سے مقابلہ کرنے مین کوئی دشواری نہین ہوئی - امام حسن کے پاس کیا تھا جو بدخواہ خاندان پیمبر سے سامنا کرتے - صلح کے سوا امام حسن کو اور چارہ ہی کیا تھا - اس صلح سے تو کوئی عمدگی امیر معاویہ کی ثابت نہین ہوتی ہے اس صلح سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قہر وغضب سے امیر معاویہ نے خلافت حاصل کرلی - اگر اس طرح کی بے استحقاق خلافت اہل سنت کے نزدیک خلافت وامامت حقہ سمجھی جائے تو اہل سنت کے پیشواؤن کو ایسی خلافت وامامت مبارک! ظاہر ہے کہ صلح کرلینا امام حسن کا نہایت مناسب

وقت تھا امیر شام کی فوج اور دولت امام حسنؑ کی فوج اور دولت سے کہین بڑھی ہوئی تھی۔ ایسی لڑائی کا نتیجہ امام حسنؑ کو اسکے سوا اور کیا ملتا کہ آپ معاویہ کے مقابلہ مین شکست کھاتے۔ بیکار آپکے دیندار اور وفادار تابعین کی جانین جاتین۔ ان نتائج کو ملحوظ رکھکر امام حسنؑ نے اپنے دشمن سے صلح کرلی۔ مگر اس صلح سے انکا دشمن ایک برحق خلیفہ اور امام کیونکر قرار پاگیا۔ ہان اگر امام حسنؑ یہ کہکر صلح کرتے کہ اے معاویہ تو اور تیرا قبیلہ رسول اللہؐ کے وقت سے اسلام کا بڑا معین اور مددگار رہا اور رسول اللہؐ نے تجکو اور تیرے قبیلہ کو ناری اور ملعون نہین فرمایا ہے اور تو بحکم خدا اور رسولؐ سزاوار خلافت اور امامت کا ہے اور تو عالم غیر فاسق ہے مثلاً ابو شکور سلمی کی طرح اور تو صاحب دیانت ہے اور امام عادل ہے اور تو مرد صالح اور متقی ہے اور تو عند اللہ و الرسول مستحق خلافت اور امامت کا ہے تو ایسی صورت مین امام حسنؑ کی صلح سے یہ امر مستنبط ہوسکتا کہ معاویہ صاحب فاسق نہ تھے اور یہ صلح امام حسنؑ کی معاویہ صاحب کی صحت امامت کی دلیل متصور ہے۔ مجرد امام حسنؑ کے صلح کرلینے سے معاویہ صاحب غیر فاسق اور امام برحق کیونکر قرار پاسکتے ہین۔ فرض کیجیے کہ معاویہ صاحب کی جگہ پر کوئی بادشاہ فاسق امام حسنؑ پر لشکر کشی کرتا اور امام حسنؑ اُس سے مقابلہ کی تاب نلاکر اُس سے صلح کرلیتے تو ابو شکور سلمی کی تحریر کے مطابق وہ فاسق بادشاہ فاسق نہ سمجھا جاتا اسلیے کہ ہرگز امام حسنؑ فاسق سے صلح نہین کرسکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین امام حسنؑ کو اس سے چارہ نہوتا کہ اُس فاسق بادشاہ سے صلح کرلین۔ ایسے وقت مین تو آدمی یہ نہین دیکھ سکتا ہے کہ اُسکا مخالف دیندار ہے یا فاسق ضرورت صلح مین انسان صرف اپنے مصالح کو دیکھتا ہے مخالف کی دینداری اور بیدینی کو ملحوظ نہین رکھتا۔ حضرت رسولؐ نے بھی صلح حدیبیہ کے وقت ضرورت صلح کو ملحوظ رکھا تھا۔ اپنے مخالفین کے کافر اور غیر کافر ہونیکو پیش نظر نہین رکھا تھا۔ مگر ابو شکور سلمی کے قاعدہ سے آپ کے مخالفین کفار نہین سمجھے جاسکتے ہین اس دلیل پر کہ حضرت رسولؐ ہرگز کفار سے صلح نہین کرسکتے تھے۔ واقعی مذہب اہل سنت کا بڑا حیرت انگیز مذہب ہے۔ یون تو اس دنیا مین طرح طرح کی عجیب چیزین ہین مگر یہ مذہب اعجب العجائب ہے۔

چونکہ مذہب اہل سنت مخالفت اہل بیت نبوی پر مبنی ہے اسلیے یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ اگر صحابہ سے خطا ایسی صادر ہو کہ سب و طعن کے وہ مستحق ہوجائین تو بھی تاویل کے ذریعہ سے انکو سب و طعن سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اگرچہ وہ تاویل قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔ اس حیرت انگیز اصول پر اظہار راے کی ضرورت نہین ہے۔ اہل سنت کے اصول کے مطابق فسق و ظلم کی بنا پر امام معزول نہین ہوسکتا ہے۔ اسلیے کہ اکثر ائمۂ اہل سنت سے خلفائے راشدین کے بعد فسق و ظلم ہوا ہے اور علماے وقت

امام ظالم کے مطیع رہے ہیں - ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی جاتی ہے تو امام کا گورا
یا کالا ہونا سب برابر ہے - اہل سنت کو امام ہونا چاہیے اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ امام کیسا ہو
اصولاً امامت کے لیے حضرت ابو بکر اسیقدر سزاوار امامت ہیں جسقدر کہ یزید - اسی بنا پر حضرت
یزید اہل سنت کے یکے از خلفائے اثنا عشر ویسے ہی ہیں جیسکہ حضرت ابو بکر یا حضرت عمر -
اہل سنت کا یہ عجب اصول ہے کہ جسکی بنا پر ہر فاسق و فاجر اہل سنت کا امام قرار پا سکتا ہے
جیساکہ اکثر خلفائے بنی امیہ جو نہایت فاسق و فاجر تھے اہل سنت کے خلفائے اثنا عشر میں شمار
کیے جاتے ہیں (دیکھو شرح عقائد نسفی) اسی کتاب عقائد میں یہ بھی مندرج ہے کہ علیؑ کے مقابلہ میں
جو لڑائیاں واقع ہوئیں وہ خلافت کی نزاع پر مبنے نہ تھیں بلکہ خطائے اجتہادی کے باعث ظہور
میں آئیں - مثلاً جنگ جمل و صفین - مگر سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ٣٩٥ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے
کہ درمیان علیؑ اور معاویہ کے خلافت کی تکرار تھی تب صاحب شرح عقائد نسفی کا قول خطائے
اجتہادی کا غلط ہو جائیگا - اے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی ایک ایسی مثل ہے جو تمامتر مذہب
اہل تسنن پر صادق آتی ہے - تاریخ سے ہویدا ہے کہ علیؑ اور معاویہ میں خلافت کی تکرار لاحق تھی
معاویہ تمامتر حضرت علیؑ کی خلافت سے انکار رکھتے تھے - چنانچہ صلحنامہ میں لفظ امیر المومنین کے
لکھے جانے سے معاویہ نے تمامتر خلاف کیا جیساکہ ملا جامی کی شواہد النبوۃ کے صفحہ ٧٠ میں نہایت
صاف طور سے مندرج ہے - سچ یہ ہے کہ تھوپ تھاپ کل مذہب اہل سنت کا ہے - مسئلہ خطائے
اجتہادی کا ایک بڑی مثال تھوپ تھاپ کی ہے - اگر اس مسئلہ میں غور کو راہ دیجیے تو ثابت ہوتا ہے
کہ اہل سنت نے ایک بڑی سپر جسکا نام خطائے اجتہادی ہے مخالفانِ اہل بیت کو الزام مذہبی سے
بچانے کے لیئے بنائی ہے - ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام گوشہ نشین اہل سنت کی برابر یہی رہی
ہیں کہ کسی طرح پر مخالفانِ اہل بیت نبوی پر حرف آنے نہ پائے گو اسمین قرآن و حدیث کے مطالب
خبط و بے ربط ہو جائیں یا فہم معمولی کے خلاف کوئی بات پیدا ہو جائے -

یزید ابن معاویہ ابن ابو سفیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے مروان حاکم مدینہ کو لکھا کہ یزید کے واسطے بیعت لیوے - مروان نے
اہل مدینہ سے کہا کہ امیر المومنین معاویہ نے حکم دیا ہے کہ یزید کی ولیعہدی پر بیعت کرو اور یہ سنت
شیخین کی ہے (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ١٩٥) پھر اسی کتاب کے صفحہ ١٩٧ میں مسطور ہے کہ جب معاویہ
نے یزید کو ولیعہد کرکے یزید کے لیے بیعت لینا شروع کی تو اہل شام نے بیعت کی - اُسوقت حاکم
مدینہ کا معاویہ کی طرف سے مروان بن الحکم تھا اسنے بھی اہل مدینہ سے بیعت لینا چاہی - مگر حسین و عبد اللہ

بن زبیر و عبدالرحمن بن ابی بکر مانع آئے - اور انکی وجہ سے مردمان مدینہ نے بھی بیعت کرنے سے انکار کیا - تب معاویہ صاحب ایک ہزار سوار لیکر مدینہ کی طرف آئے اور حضرت عائشہ سے حقیقت حال بیان کی - تب اہل حجاز نے یزید کی بیعت کی - مختصر یہ ہے کہ امیر معاویہ یزید کو استخلاف کے روسے خلیفہ بناکر دنیا سے رخصت ہوگئے -

جس روز معاویہ صاحب اس عالم سے سدہارے اُسی روز یزید کے ہاتھ پر لوگون نے بیعت خلافت کی اور حکم بیعت تمام ملک مین جاری کیا گیا - ہر شخص اس حکم کی تعمیل کرتا گیا الا حسینؑ او عبداللہ ابن زبیر جو ولید عامل مدینہ سے روپوش ہوگئے - (دیکھو حیوۃ الحیوان جلد اول) - حضرت عبداللہ ابن عمر نے فوت معاویہ کے بعد بڑی رغبت کے ساتھ یزید کو اپنی بیعت کا خط لکھا مگر اہل مدینہ نے بیعت یزید کی توڑ ڈالی - اسکا سبب یہ ہوا کہ یزید نے اپنے چچازاد بھائی عمار بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا حاکم بنایا تھا - کچھ اہل مدینہ نے یزید کی غیبت کی اور اسکے فسق و شراب خواری کو ظاہر کیا اور آخر مین عمار کو نکال دیا - جب یہ خبر حضرت عبداللہ ابن عمر کو معلوم ہوئی تو آپنے ایک خلق کثیر کو جمع کیا اور فرمایا کہ مین نے سُنا ہے رسول اللہؐ سے کہ بروز قیامت ہر غادر کے واسطے علم نصب کیا جائیگا اور ہر آئنہ مین نے بیعت کی ہے دست یزید پر اور یہ بیعت مقبول خدا و رسولؐ ہے اور میری دانست مین کوئی امر اس سے عظیم نہین ہے - کہ کوئی شخص خدا و رسولؐ کے حکم پر بیعت کرکے منحرف ہوجائے اور مین کوئی وجہ معقول نکث بیعت کی نہین پاتا ہون اور واجب ہے اطاعت امام کی کہ جسپر اجماع ہوچکا اور فسق کی بنا پر نکث بیعت جائز نہین ہے - (دیکھو قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲) حضرت عبداللہ ابن عمر کی ان کارروائیون سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو بیعت یزید کی طرف ایک میلان خاص تھا - ہرگز ایسا نہ تھا کہ آپنے کسی مجبوری کے باعث یزید سے بیعت کی تھی - اہل انصاف اس بیعت کو محمد ابن حنفیہ کی بیعت کی ساتھ موازنہ کرین - سچ یہ ہے کہ محمد ابن حنفیہ نے یہ کہکر کہ ہان ہم بیعت کو حاضر ہین یا بیعت کر چکے یزید کی فرمائش بیعت کو ٹال دیا تھا - جسکو کچھ بھی ایمان ہو گا وہ بیعت کا الزام محمد ابن حنفیہ پر عائد نہین کرسکتا ہے -

حضرات اہل سنت عبداللہ ابن عمر کی خیرخواہی مین محمد ابن حنفیہ پر الزام عائد نکرین تو کیا کرین -

اکثر علمائے اہل سنت یزید کے طرفدار نظر آتے ہین - ابن حجر مکی صواعق محرقہ مین لکھتے ہین یزید پر لعنت کرنی یا اسکی تکفیر کرنی جائز نہین ہے اسلیے کہ یزید مومنین سے ہے اور اُسکا امر مشیت خدا کے ساتھ ہے - شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملا علی قاری اور امام غزالی کا یہ قول ہے کہ قتل کرنا یزید کا امام حسینؑ کو ثابت نہین ہے لہذا یزید کی تکفیر جائز نہین ہے اور لعن بھی جائز نہین ہے بلا تحقیق ایک مسلم کو منسوب کرنا گناہ کبیرہ کے ساتھ - ابو شکور سلمی حاشیہ شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۲ مین لکھتے ہین کہ امام حسینؑ پر بیعت اور اطاعت یزید کی واجب تھی اسلیے کہ خلافت اسکی صحیح تھی - حیوۃ الحیوان کی

جلد ا صفحہ ۲۶۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام غزالی یہ کہتے ہیں کہ اگر یزید پر اتنا کا الزام لگایا بھی جائے تو یہ ہوگا کہ اُسنے ایک مسلم کو قتل کر ڈالا۔ تو اُسنے توبہ کی ہوگی۔ پس یزید پر جو مسلم تھا لعن نہیں کرنا چاہیے۔ تاریخ ابن خلکان میں یہ بھی درج ہے کہ بقول امام غزالی یزید قابل رحمت ہے اور مستحب ہے کہ یزید پر درود بھیجا جائے۔ تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۲۳ کے رو سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت یزید کو آیت قرآن کی بشارت کے مطابق نصیب ہوئی۔ سب سے زیادہ طرفداری یزید کی جو یہ ہے کہ یزید خلفائے اثنا عشر میں اہل سنت کے داخل کیا گیا ہے۔

شرح فقہ اکبر میں مندرج ہے کہ جیسا حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا بارہ خلفا آپ کے فرمودہ کے مطابق ہوتے گئے۔ چار انمیں خلفائے راشدین یعنی ابوبکر عمر۔ عثمان۔ اور علی ہیں اور بقیہ معاویہ اور اُنکے بیٹے یزید اور عبد الملک بن مروان اور انکی چار اولاد یزید بن عبد الملک اور سلیمان اور ہشام اور ولید اور انہیں خلفا میں عمر بن عبد العزیز ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یزید کی خلافت حدیث رسول اللہ کے مطابق ظہور میں آئی۔ اب یزید صاحب کا کیا کہنا ہے۔ باپ اور بیٹے دونوں رسول اللہ کے خلیفہ قرار پاگئے۔ ع۔ کہے بخت بیٹے کے او باپ کے۔

ملل و نحل شہرستانی کے صفحہ ۰ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل سنت معاویہ اور یزید اور بنی مروان کی خلافت کے بھی قائل ہیں۔ ان سب معاملات پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت کی بنا اہل بیت نبوی کی مخالفت پر واقع ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مذہب کے وقت حضرت ابوبکر سے تا ایندم اہل بیت نبوی کے ساتھ برابر مخالفت جاری ہے اور تا قیامت رہیگی

اب میں اسکی تحقیق حوالہ قلم کرتا ہوں کہ آیا یزید قتل امام حسینؑ سے خوش ہوا یا نہیں بھلا خوش کیوں نہ ہوتا جب واقعہ کربلا کے پہلے ولید اپنے عامل مدینہ کو لکھ چکا تھا کہ اگر حسینؑ اسکی بیعت قبول نکریں تو سر انکا کاٹ کر دمشق کو بھیجدے۔ اگر یہ کام ولید نکر سکا اور ابن زیاد کر سکے تو یزید کی مرضی کے خلاف کیا بات ظہور میں آئی عقلاً یہ امر اُسکی مسرت کا باعث ضرور ہوا۔ میرے اس دعوے کی معین کتاب تاریخ الخلفاء ہے جسکے صفحہ ۲۰۰ میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ اور آپکے عزیزان با شعار قتل ہوئے اور اُنکے سرہائے مبارک کو ابن زیاد یزید کے پاس لے گیا تو اسوقت یزید نہایت مسرور ہوا۔ مگر اسکے بعد جب مسلمانوں نے اسے ملامت کی تب نادم ہوا۔ اسی طرح شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۲ میں درج ہے کہ بلا شبہ یزید قتل حسینؑ پر راضی تھا اور مسرور تھا شہادت امام علیہ السلام سے اور اہل بیت رسولؐ کی اہانت سے خوش ہوا تھا یہ خبر تواتر کا حکم رکھتی ہے۔ اسکے بعد شارح صاحب لکھتے ہیں کہ میں یزید و انصار و اعوان یزید پر لعنت کرنے میں تامل نہیں کرتا ہوں۔ لعنۃ اللہ علیہ۔ سائل سوال کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ نے

دا عوان یزید مین شمار ہوسکتے ہین یا نہین؟ اگر نہین توکیون نہین؟

تاریخ بلاذری کے صفحہ ۲۶۶ مین درج ہے کہ جب شہید ہوئے امام حسین حضرت عبداللہ ابن عمر نے یزید کو لکھا کہ اسلام مین مصیبت عظیم واقع ہوئی اور حادثہ جانکاہ نمایان ہوا یعنی حسین شہید کیے گئے - یزید نے جواب مین لکھ بھیجا کہ اے احمق مین خانہ مستحکم مین فرش گسترده اور بالش ہائے بلند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہون - پس اس قتال مین اگر غیر ہمارے برحق ہین تو یہ الزام تحریر ہے کہ آگے سے ایسے ظلم کی سنت تمہارے بزرگون سے جاری ہوئی - اس بنا پر لوگون نے کہا ہے کہ حسین قتل ہوئے اجماع سقیفہ کے دن - ؎ چہ خوش فرمودہ شخصے این لطیفہ * کہ گشتہ شد حسین اندر سقیفہ -

یہ جواب یزید کا تمامتر حق سے مملو ہے - اجماع سقیفہ اول کڑی سبب ان اسباب کا ہے جو رفتہ رفتہ طبعی طور پر شہادت حسین کے وقوع کے باعث ہوتے گئے - سچ یہ ہے کہ جسقدر اسلام مین اختلافات پیدا ہوتے گئے جن سے خاندان پیمبر کو انواع طرح کے نقصانات اور مصائب لاحق ہوتے گئے - اور مسلمانون کے خون روئے زمین پر بہائے گئے - اور آجتک مذہبی پھوٹ وغیرہ کے باعث مسلمانون کو نکبتین لاحق ہین انکے سبب بعید یا سبب قریب جو کچھ کہیے حضرت عبداللہ ابن عمر کے باپ یعنی حضرت خلیفۂ دوم جناب عمر دیکھے جاتے ہین - یزید اس معاملہ کو خوب سمجھتا تھا - اسلیے حضرت عبداللہ ابن عمر کو ایسا دندان شکن جواب تحریر کر سکا - حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر نہوتے اور ہوتے پر اگر عزیزان پیمبر خدا کے ایسے سخت مخالف نہوتے تو اس وقت اسلام کی تاریخ کا رنگ ایک دوسرا دکھائی دیتا - راقم سابق مین بہت کچھ اس مادّے مین عرض کر چکا ہے - اب اسکے اعادہ کی کوئی ضرورت نہین ہے -

الخلافة ثلثون سنة پر نظر

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۰ مین روایت سفینہ کی دیکھی جاتی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب فرمودہ حضرت رسولؐ خلافت راشدہ صرف تیس برس کی ہے اسکے بعد بادشاہت ہے -

اسی مضمون کی حدیث سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ مین سعید بن جمہان سے مروی ہے - شرح فقہ اکبر سے بھی خلافت کا عرصہ تیس برس کا ظاہر ہوتا ہے - صاحب شرح مقاصد علامہ تفتازانی لکھتے ہین کہ خلافت کا حساب اس طرح پر ہے کہ ابوبکر دو سال اور عمر دس سال اور عثمان بارہ سال اور علی چھ سال خلیفہ رہے - اس حساب سے تیس سال کی خلافت کا حساب بہت آسانی کے ساتھ ٹھیک ہو جاتا ہے مگر کتب تاریخ و سیر و تصانیف متکلمین سے حساب مین دقتین لاحق نظر آتی ہین علامہ تفتازانی کا حساب راست ثابت نہین ہوتا ہے - آپ حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ -

علامۂ ممدوح حضرت ابوبکر کے عرصۂ خلافت کو صرف دو سال بتلاتے ہین۔ مگر حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۶۰ مین عرصۂ خلافت دو سال تین مہینے اور آٹھہ روز دیا ہوا ہے۔ اسی طرح تاریخ ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۶۰ مین دہی دو سال تین مہینے اور آٹھہ روز کے عوض دس رات مندرج ہے۔ پھر سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۵۰۶ مین دو سال تین مہینے اور چار یا پانچ رات دیکھا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینون ذرایع سے عرصۂ خلافت حضرت ابوبکر کا دو سال تین مہینے اور کچھ روز ظاہر ہوتا ہے۔

علامۂ تفتازانی حضرت عمر کی خلافت کو دس سال کی بتلاتے ہین۔ مگر سیرۃ المحمدیہ مین آپ کا عرصۂ خلافت دس برس سات مہینے اور پانچ راتین لکھا ہوا ہے۔ ابو الفدا اس عرصہ کو دس برس چھہ مہینے اور آٹھہ روز کا بتلاتے ہین (دیکھو تاریخ ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۶۳) حیوۃ الحیوان مین یہ عرصہ دس برس چھہ مہینے اور پانچ رات کا دیکھا جاتا ہے۔ بعضون نے پانچ رات کے عوض تیرہ روز بھی لکھا ہے (دیکھو اسی کتاب کا ۲۶ صفحہ)۔ ان سب تحریرات سے عیان ہے کہ حضرت عمر کا عرصۂ خلافت دس برس سے زیادہ ہے خواہ سات مہینے پانچ رات ہون خواہ چھہ مہینے آٹھہ روز ہون وغیرہ وغیرہ۔ حضرت عثمان کے عرصۂ خلافت مین بہت اختلاف نہین دیکھا جاتا ہے ابو الفدا بارہ برس ہی کے قائل ہین علامۂ دمیری کی بہی یہی تحقیق ہے مگر بعض نے گیارہ برس گیارہ مہینے اور چودہ دن لکھا ہے۔ مگر علامۂ تفتازانی سے زیادہ اختلاف محققین کو حضرت علی کے عرصۂ خلافت مین نظر آتا ہے۔

علامۂ ممدوح حضرت علی کی خلافت کو چھہ برس کی بتلاتے ہین۔ مگر سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۵۰۷ مین صرف چار سال اور چار مہینے کی درج ہے اور حیوۃ الحیوان مین چار سال نو مہینے لکھی ہوئی ہے۔ کسی کتاب مین چھہ برس درج نہین ہے۔ ان تمام حساب و کتاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خلفائے اربعہ کی خلافتین کامل تیس سال کو نہین پہنچتی ہین۔ تب مصنفین تیس سال کے عرصۂ خلافت کو پورا کرنیکی نظر سے امام حسن کی مختصر خلافت کو بھی خلافت سی ساله مین داخل کرتے ہین۔ ایسا کرنے سے بھی تیس سال کا عرصہ پورا نہین ہوتا ہے۔

علاوہ اسکے علامۂ تفتازانی جو حضرت علی کی خلافت کو چھہ سال کی بتلاتے ہین۔ تو اسمین یہ دشواری لاحق ہے کہ اسمین وہ زمانہ بھی داخل ہوجاتا ہے جسکو خلع خلافت کی وجہ سے زمانۂ خلافت سے باہر حساب کرنا چاہیے اور یہ اس سبب سے کہ خلافت کے لیے تسلط ارضی شرط ہے اور تسلط ارضی خلع خلافت کی وجہ سے حضرت علی کو حاصل نہین رہا۔ یہ تسلط نصیب معاویہ ہوگیا۔ ایسی حالت مین علامۂ تفتازانی کا قول کہ حضرت علی کی خلافت چھہ سال کی تھی صحیح نہین ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے جب تیس برس کے اندر تسلط ارضی کے باعث معاویہ کا عہد خلافت شروع ہوگیا تو

یہ حدیث کہ بعد تیس برس کے ملوک حکمران ہونگے غلط ہوگیا - اسواسطے کہ ملوک کی حکمرانی کی ابتداء تیس برس کے اندر ہی شروع ہوگئی - بعض نے حضرت علیؑ کا عرصۂ خلافت آپ کی شہادت کے زمانہ تک حساب کیا ہے - مگر اسپر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت کے پہلے ہی آپکا تسلط ارضی باقی نہین رہا تھا - پس آپ کے عدم تسلط کا زمانہ آپ کے عرصۂ خلافت کے اندر کیونکر محسوب کیاجاسکتا ہے - مختصر یہ ہے کہ کسی پہلو سے خلافتِ راشدہ کا عرصہ تیس سال کا ثابت نہین ہوتا ہے راقم کے نزدیک یہ تیس سال کی خلافت کی حدیث ہی بے بنیاد معلوم ہوتی ہے - اگر یہ فرمودہ حضرت رسولؐ کا ہوتا تو خلافت خلفائے اربعہ کا عرصہ ضرور پورے طور پر تیس سال تک پہنچتا - حضرت رسولؐ خدا پر علم نبوت کے ذریعے سے بحکم خدا غائب کے احوال ظاہر تھے اور قیامت تک کے حالات کی خبر آپ کو تھی - نہایت جائے تعجب ہے کہ آپ کو خلفائے اربعہ کے عرصۂ خلافت سے خبر تھی جو اسکے تعین کرنے مین غلطی آپ سے سرزد ہوئی ان سب امور کو پیش نظر رکھکر راقم کو اسکا یقین ہے کہ تیس سال والی حدیث خلافت وضعی ہے اور اسکا واضع ضرور ایک ایسا شخص ہے کہ جسنے اسکے وضع کرنیکے وقت خلفائے اربعہ کی خلافتون کے عرصون کی تحقیق نہین کرلی تھی - رواروی مین اسنے ایک ایسی حدیث وضع کردی جو بظاہر صحت خلافت اربعہ کی مثبت معلوم ہوئی -

اجتہاد مبنی بر رائے و قیاس

۱۴

ائمۂ اربعہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد مسائل مین رائے و قیاس کے زیادہ پابند نظر آتے ہین رائے و قیاس جو مبنی ہون حکم خدا اور رسولؐ یعنی قرآن و حدیث پر البتہ بدیہی طور پر مذموم مقصود ہین - اجتہاد مسائل مین تمسک قرآن اور حدیث کے ساتھ ایک ضروری امر ہے - مجتہد کو اپنے رائے و قیاس کے بھروسے پر قرآن و حدیث سے علیحدگی نہین اختیار کرنا چاہیے -

اس طرح کی علیحدگی سے بدعت طلتج ہوتی ہے جس سے دین کا خراب ہوجانا ایک امر یقینی ہے مشکوۃ کے صفحہ ۱۹ مین بروایت مسلم ایک حدیث جابرؓ سے اس مضمون کی مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خیر الحدیث قرآن ہے اور بہترین سیرت سیرت محمدؐ ہے - یعنی تمسک و عمل قرآن کے ساتھ چاہیے اور خیر الہدیٰ ہدایات محمدؐ ہین اور شر الامور بدعات ہین اور سب بدعتین گمراہی ہین - دوسری حدیث مشکوۃ مین بروایت حضرت عائشہ یہ ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ جو شخص کوئی نئی بات نکالی جو میری حدیث مین نہ پائی جائے تو وہ شخص مردود ہے - معاویہ صاحب نے تو چودہ ہزار حدیثین حضرت ابوبکر کے مناقب مین وضع کرائین اور کتنی حدیثین حضرت علیؑ کی مذمت مین تصنیف کرائین تو حضرت عائشہ کی مروی حدیث بالا کے رو سے وہ خلیفۂ اہل سنت کیا کہے جائینگے - خیر - اسی

مضمون کی اور حدیثین بہی مشکوۃ مین مروی آبن عباس و عفیف بن الحارث و ابن ھمیرہ سے دیکہی جاتی ہین جو تمسک و عمل بالقرآن کی ہدایت زورون کے ساتھ کرتی ہین۔ ایک حدیث اور بہی مشکوۃ مین مندرج ہے جو امر زیر بحث سے پورے طور پر چسپان نظر آتی ہے۔ اسی کتاب حدیث کے صفحہ ۲۰ مین بروایت ابو داؤد یہ حدیث دیکہی جاتی ہے کہ جو شخص فتوے دے بغیر علم کے یعنی قرآن و حدیث کے علم کے بغیر تو ایسا مفتی گناہگار ہوگا اور جو اشارہ کرے کسی مسلم پر خلاف قرآن و حدیث کے تو لاریب اُسنے شریعت مین خیانت کی۔ کتاب دراسات اللبیب کے صفحہ ۲۳۴ مین مندرج ہے کہ ائمہ اطہار حضرت علیؑ کے بعد علمائے عصر کے خلاف مین باوجود اسکے کہ اُن علما کو علم حاصل تہا فتوے دیتے تہے اور رائے اور قیاس کو فقہ مین حرام جانتے تہے ایک دن کا مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور مین حاضر ہوئے۔ حضرت امامؑ عالیمقام نے ابو حنیفہ صاحب سے فرمایا کہ مینے سُنا ہے کہ تم فقہ مین قیاس کو دخل دیتے ہو حالانکہ قیاس کو اس طرح پر دخل نہین دینا چاہیے۔ اسلیے کہ اول جسنے قیاس کو دخل دیا ابلیس تہا قیاس کے مادے مین امام ممدوح علیہ السلام فرماتے ہین کہ بدترین فتنہ امت محمدی مین قیاس و رائے ہے کہ جسنے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر ڈالا ہے۔ پہر شعبی سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ عنقریب ایک قوم ظاہر ہوگی کہ امور فقہ مین قیاس و رائے کو دخل دیگی جس سے کہ اسلام گویا منہدم ہوجائے گا۔

کوئی شک نہین کہ امام اعظم صاحب امور فقہی مین قیاس و رائے کو بہت دخل دیتے تہے۔ جیساکہ آپکے اجتہادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسکی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپکو اپنے زمانہ مین احادیث صحیحہ پر وقوف اور اطلاع کی صورت نہو سکی۔

(دیکہو دراسات اللبیب صفحہ ۶۵)۔ اس قول کا معین یہ قول ہے کہ ملا علی قاری نے سخاوی سے نقل کی ہے کہ روایت معتبرہ یہ ہے کہ امام اعظم کو کم سنی کے باعث کسی صحابہ سے صحبت و ملاقات تحصیل کا اتفاق نہوا (دیکہو مقدمہ ہدایہ مولوی عبد الحی صاحب لکہنوی صفحہ آخر) اسمین شک نہین کہ امام اعظم بہت اپنے قیاس اور رائے پر بہروسا رکہتے تہے چنانچہ ملل و نحل کے صفحہ ۲۰۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم اپنے قیاس جلی کو حدیث خبر واحد پر مقدم کرتے تہے۔ پس رد کرنا حدیث رسولؐ کو اور ترجیح دینا اپنی رائے کو گویا شریعت ناسخ کو منسوخ کر دینا ہے۔ اسی بنا پر متقدمین امام اعظم پر انکے مسئلہ طلاق کے متعلق کثرت سے طعن کرتے گئے ہین (دیکہو دراسات اللبیب صفحہ ۶۵) اسی طرح آپ پر خطیب بغدادی اور امام احمد حنبل اور نیز ابن جوزی بہ تبعیت خطیب بغدادی طعن کرتے گئے ہین (دیکہو مقدمہ ہدایہ مولوی عبد الحی صاحب لکہنوی کا صفحہ ۸)، اسی مقدمہ کے صفحہ ۴ مین یہ تحریر بہی

دیکھی جاتی ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ متفرق ہوگی میری اُمت ستر سے کچھ زیادہ فرقہ ہو کر۔ مگر بدترین فرقہ اسمین وہ ہے کہ جسنے قیاس کو اختیار کیا۔ جسنے ایسا کیا اُسنے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا دوسری حدیث نبوی یہ ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے علم دین کو نہین چھین لیا آدمیون سے مگر نا اہل علما نے۔ پس جب عالم دین باقی نہین رہا تب لوگ پیروی کرنے لگے روسای جہالت کی اور یہ ارباب جہالت فتوے دینے لگے بغیر حدیث و قرآن کے اپنی رائے سے پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرونکو بھی گمراہ کر ڈالا۔ قسطلانی کی جلد ۱ مین بروایت ابو سعید الخدری یہ حدیث دیکھی جاتی ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ جو شخص اجتہاد کرے بغیر حدیث کے صرف قیاس پر تو وہ مردود ہے اور جو اسپر عمل کرے وہ بھی مردود ہے۔ تمام امور بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے ہوتے اجتہاد قیاس اور رائے کی بنا پر سخت منع ہے۔ پس جو مجتہد کہ اپنے قیاس و رائے کا پابند ہے اُسکی تقلید بھی ہر آئنہ ممنوع متصور ہے۔ راقم کے اس قول کی تصدیق حجتہ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹۵ سے پورے طور پر ہوتی ہے۔ حضرت مصنف لکھتے ہین کہ خدا نے کسی کی تقلید مباح نہین کی الا تقلید قرآن و حدیث کی۔ اسکے سوا کسی دوسری شے پر عمل کرنا حرام ہے۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اجماع سلسلہ وار فرد واحد کی تقلید کے خلاف مین ہے۔ پس جسنے تقلید کی ابو حنیفہ یا شافعی کی وہ نہین اعتماد رکھیگا کسی دوسرے کے قول پر اور ایسے مقلد کو قرآن و حدیث کی طرف التفات و توجہ وغیرہ وغیرہ باقی نہین رہیگی۔

کتاب خدا یعنی قرآن اور احادیث یعنی اقوال حضرت رسولؐ سے تو اسقدر مذمت اجتہاد بالقیاس و بالرائے کی ہویدا ہے۔ اب ایک ایسی حدیث دیکھی جاتی ہے جسکی اطلاع سے اوسان خطا ہو جاتے ہین وہ حدیث حیرت خیز یہ ہے کہ فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ فخر کیا حضرت آدمؑ نے ہمارے وجود پر اور مین فخر کرتا ہون ابو حنیفہ کے وجود پر۔ وہ چراغ امت کا ہے پھر فرمایا آنحضرتؐ نے کہ سارے انبیا فخر کرتے ہین میرے وجود پر اور مین فخر کرتا ہون ابو حنیفہ کے وجود پر جو شخص اُنکو دوست رکھیگا گویا اُسنے مجھسے دوستی کی اور جسنے اُنسے بغض کیا گویا مجھسے بغض کیا۔ جھوٹ بولنے کے لیے بھی کچھ سلیقہ درکار ہے جھوٹ ایسا تو ہو کہ سچ کا کچھ نقشہ پیدا کر سکے۔ یہ کس طرح کا جھوٹ ہوگا اگر کوئی شخص کہے کہ چین مین چیونٹی پہاڑ برابر کی ہوتی ہے۔ خیر مجھے اس وضعی حدیث کی تکذیب و تردید کی کوئی ضرورت نہین ہے خود اہل سنت کے علما نے اسکو بے اصل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن جوزی ذہبی سیوطی و ابن حجر اور حتے کہ شیخ قاسم حنفی نے بھی ایسی ایسی روایتون کو وضعی لکھا ہے (دیکھو مقدمہ ہدایہ مولوی عبد الحی صاحب حنفی لکھنوی کا صفحہ ۹)۔ آئندہ بھی کچھ ذکر امام اعظم صاحب کا اس کتاب مختصر مین آئیگا۔ انشاء اللہ تعالی

رؤیت باریتعالے

جاننا چاہیے کہ رؤیت باری تعالے کے مسئلہ مین اختلاف ہے اہل سنت کہتے ہین کہ خدا اپنے کو اپنے بندون کے سامنے اس طرح ظاہر کر سکتا ہے کہ جیسے چاند چاندنی رات مین نمایان ہوتا ہے۔ یعنی بندگان خدا آلۂ بصر سے خدا کو اسی طرح دیکھ سکتے ہین جیسا کہ چاند کو چاندنی رات مین (دیکھو شرح مواقف صفحہ ۵۰۳) شارح تجرید قوشجی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اسی مذہب کے پابند قاضی عضد الدین و سید شریف اور آمدی شافعی مصری بھی تھے۔ فرقہ معتزلہ اور فرقہ امامیہ رؤیت بہ آلۃ البصر کے قائل نہین ہین۔ یعنی خدا کو کوئی بندہ نہ دنیا مین اور نہ آخرت مین ان آنکھون سے دیکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قوت ابصر حیوانات کو جس مین انسان بھی داخل ہے محسوسات فی الخارج کے درک کرنیکے لیے دی گئی ہے۔ اسکا فعل صرف مادیات پر ہوتا ہے۔ امور ذہنیہ یا روحانیہ پر نہین ہوتا ہے۔ پس حس بصر کا فعل کیونکر ایسے خدا پر ہو سکتا ہے جو حسب مضمون شرح عقائد نسفی صفحہ ۲۰ نہ جسم نہ جوہر نہ ذی صورت نہ قابل شمار نہ لائق ٹکڑے کیے جانیکے نہ قابل حل نہ مرکب نہ محدود نہ موصوف بہ آب و کیفیت نہ مقید بزمان نہ وہ کسی شے کا شبیہ اور نہ کوئی شے اسکی شبیہ ہے۔ صفت ہائے بالا تو شان مادیات کی ہے جو قوت بصر کے احاطہ مین داخل ہے۔ پس جب خدا تعالے مادیات کی شان سے تمامتر پاک ہے تو قوت بصر کے فعل سے بھی باہر ہے۔ ایسی شے کو قوت بصر نہ دنیا مین دیکھ سکتی ہے اور نہ آخرت مین۔ لراقمہ۔ ہو دیکھنے کی چیز تو نظارہ کام دے ٭ اس آنکھ سے ہی یار کو بیکار دیکھنا۔

جب بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسےٰ ہم ہرگز ایمان نہ لاوینگے جبتک خدا کو آنکھون سے بالجہر نہ دیکھین گے اور حضرت موسےٰ نے اپنی قوم کی التجا حضرت باری مین پیش کی تب حکم خداوندی ہوا حضرت موسےٰ کو کہ کوہ طور کی طرف روانہ ہو۔ چنانچہ حضرت موسےٰ ستر آدمی بزرگان بنی اسرائیل سے لیکر اس پہاڑ کی طرف تشریف لیگئے۔ دامن کوہ طور مین ان مردمان بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ سے یہ کہا کہ آپ خدا سے سوال کیجیے کہ ہملوگ خدا کی آواز سنین۔ حضرت موسےٰ کی عرض سے ابر نے آکر سائلان صدا پر سایہ کر لیا۔ اُسوقت حضرت موسےٰ نے اپنے ہمراہیون کو فرمایا کہ تم لوگ سجدہ مین گرو۔ اُسوقت جب حضرت موسےٰ تکلم کرتے تھے تو نور الٰہی آپکے چہرۂ مقدس پر ساطع ہوتا تھا۔ اسی موقع پر خدا نے فرمایا بنی اسرائیل سے کہ مینے تمکو آزادی دی فرعون سے اور تمکین بخشی تمہارے واسطے زمین مصر مین تم میری پرستش کرو اور میرے سوا کسی کی عبادت نکرو۔ مگر اس خدائی آواز پر بنی اسرائیل نے قناعت نہ کی۔ حضرت موسےٰ سے فرمائش کی کہ ہملوگ خدا کو اپنی آنکھون سے دیکھنا چاہتے ہین۔ اس فرمائش کا یہ نتیجہ ہوا کہ کوہ طور پر یک بیک برق نازل ہوئی

اور سب کے سب جو وہان موجود تھے مر گئے۔ خود حضرت موسئے صدمہ برق سے گر پڑے اور
دیر سے ہوش مین آئے۔ بعدہٗ حضرت موسئے رونے لگے اور کہتے تھے کہ مین بنی اسرائیل کو کیا
جواب دونگا۔ وہ مجھے الزام دینگے کہ مین نے اُنکے بزرگون کو ہلاک کر ڈالا۔ اگر اس واقعہ کے قبل تو نے
انہین ہلاک کیا ہوتا تب مین الزام سے بری رہتا۔ ان بزرگان بنی اسرائیل کی ہلاکت کی وجہ کر
بنی اسرائیل میری ہلاکت کے درپے ہوجاینگے۔ مجھسے فعل سفاہت اور نادانی کا صادر ہوا جو تجھے
اپنی آنکھون سے تجھے دیکھنے کا مین طالب ہوا۔ الٰہی تو انکو زندہ کر دے تاکہ وہ اپنی قوم کے آگے
امتناع رویت کی شہادت دین (دیکھو تفسیر معالم التنزیل بغوی صفحہ ۳۰۸) راقم عرض کرتا ہے کہ
حضرت موسئے کے تمام قصہ رویت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ حضرت موسئے نے خدا کو دیکھا اور
نہ انکے ہمراہیون نے۔ سبھون نے صرف برق کو دیکھا جو کیے از علامات و نشانی ہائے قدرت خدای عز و جل
تھی عصا و ید بیضا و طوفان و جراد و قمل و ضفادع و خون تاریکی کوہ کی طرح (دیکھو تفسیر کبیر رازی جلد ۴
صفحہ ۱۹۴) صاحب تفسیر بیضاوی (صفحہ ۵۵۴) کہتے ہین کہ رویت بالجہات والاحیاز اور ازرا ئی کی
مقابلہ مین امر محال ہے اسلیے کہ خدا منزہ ہے کیفیت سے۔ مگر قیامت مین مومنین کو رویت
الٰہی نصیب ہوگی اس دنیا مین نہین۔ لیکن راقم کہتا ہے کہ اس آنکھ کے ذریعہ سے قیامت مین
بھی نصیب نہین ہوگی۔ دنیا ہو یا قیامت باریتعالےٰ کی رویت کے لیے ایسی آنکھ درکار ہے
جسکا فعل غیر مادیات پر ہو سکتا ہے اور وہ آنکھ دل کی آنکھ ہے۔ یہی راے محی الدین ابن عربی
کی ہے (دیکھو سورہ انعام کی تفسیر صفحہ ۲۱۷) ظاہر ہے کہ جو سبب منع رویت کا دنیا مین ہے وہی
سبب قیامت مین بھی منع رویت کا متصور ہے۔ یعنی جب خدا قید جسمیت و زمانہ و حیز و
صورت وغیرہ سے پاک ہے تو خدا کے اعتبار سے دنیا اور قیامت دونون حیثیت واحدہ کہتی ہین
پس جب اُسکی رویت آلہ البصر سے یہان امکان نہین رکھتی ہے تو قیامت مین بھی امکان نہین
رکھیگی۔ حضرت موسئے نے تو اس آنکھ سے خدا کو نہین دیکھا مگر برق کو جو خدا کی نشانی تھی ایسا
دیکھا کہ انکو ہوش باقی نہین رہا۔ اب گفتگو یہ ہے کہ شب معراج مین حضرت رسول خدا نے
خدا کو دیکھا یا نہین؟ راقم کی دانست مین اس آلہ البصر سے جسکو آنکھ کہتے ہین آنحضرت نے
خدا کو نہین دیکھا۔ کس آنکھ سے اور کیا دیکھا کوئی اسکو بتلا نہین سکتا ہے۔ بہرحال صحیح مسلم
جلد اصفحہ ۹۷ کی حدیثون سے بروایت شیبانی و عبداللہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے ظاہری
آنکھ سے صرف جبرئیل کو دیکھا خدا کو نہین دیکھا۔ ابن عباس کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے آنحضرت
نے خدا کو دیکھا مگر دل کی آنکھ سے دیکھا۔ راقم کہتا ہے کہ یہ روایت ابن عباس کی تمامتر قرین عقل ہے
شعبی کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ جناب رسول خدا نے جبرئیل کو دیکھا خدا کو

نہین دیکھا۔ یہی حدیث بخاری کی جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۶ مین بہی مذکور ہے۔ پھر صفحہ ۹۸ مین مسروق کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا نے خدا کو نہین دیکھا اور اس امر کے سننے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین۔ اُسی بخاری کے صفحہ ۹۹ مین ابوذر کی بہی یہ حدیث ہے کہ فرمایا حضرت نبیؐ نے کہ مینے شب معراج مین صرف ایک نور دیکھا اور یہ نفرمایا کہ وہ نور خود تہا۔ مختصر یہ ہے کہ تمام احادیث سے یہ نہین ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے خدا کو شب معراج مین ان آنکھون سے دیکھا۔ دیکھا تو جبرئیلؑ کو اُس صورت مین دیکھا جو انکی اصلی صورت ہے یا کسی نور کو دیکھا۔

تفاسیر کے رو سے بہی شب معراج مین آنحضرت کا خدا کو دیکھنا ثابت نہین ہوتا ہے سورۂ والنجم کی تفسیر مین (صفحہ ۳۴۳) بیضاوی کہتے ہین کہ نبیؐ نے دل کی آنکھ سے خدا کو دیکھا نہ اس معمولی آنکھ سے اور رویت سے شب معراج آثار قدرت و عجائب ملکوت مراد ہین۔ محی الدین ابن العربی اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۲۷۱ مین فرماتے ہین کہ رسول اللہؐ نے ہر آئینہ جبرئیلؑ کو انکی حقیقی صورت مین دیکھا پہر اسی صفحہ مین لکہتے ہین کہ چشم بصارت خدا کو نہین دیکھہ سکتی ہے۔ تفسیر معالم التنزیل بغوی کے صفحہ ۸۵۶ مین وہ روایت حضرت عائشہ اور نیز وہ روایت ابوذرؓ منقول ہین جو اوپر حوالہ قلم ہوچکی ہین جن سے حضرت رسولؐ کا خدا کو نہ دیکھنا ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر کی جلد ۸ صفحہ ۳۰۶ اور صفحہ ۳۰۷ مین مندرج ہے کہ رسول خدا نے خدا کو دل کی آنکھ سے دیکھا اور جبرئیلؑ کو ظاہر کی آنکھون سے۔ صاحب تفسیر نیشاپوری لکہتے ہین کہ شب معراج حضرت رسولؐ نے گمان کیا کہ آپنے اپنے خدا کو دو بار دل کی آنکھ سے دیکھا (دیکہو جلد ۳ اس تفسیر کی صفحہ ۱۸۳) دل کی آنکھ معمولی آنکھ نہین ہے۔ پس اُسکو رویت نہین کہہ سکتے۔ المختصر رویت باریتعالے چہ در دنیا و چہ در آخرت آلہ بصر کے ذریعے سے امکان نہین رکہتی ہے۔ یہی مذہب ہے فرقہ امامیہ اور فرقہ معتزلہ کا اور کوئی شک نہین کہ یہ مذہب قرین عقل ہے اور اسلیے قابل قبول ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ جب ظاہری آنکھ یعنی آلہ بصر سے انسان ہوا کو نہین دیکھہ سکتا ہے تو اس سے خدا کو کیا دیکھے گا۔ ہوا ایک مادی شے ہے مگر احاطۂ بصر سے باہر ہے اسکی حس قوت لمس پر موقوف ہے۔ مگر خدا تعالے محسوسات سے نہین ہے یعنی مادیات سے نہین ہے۔ پس قوت لمس بہی اُسے حس نہین کرسکتی۔

اہل سنت فرقۂ امامیہ پر جواز لعن کے قائل ہین

مسئلہ لعن نووی صفحہ ۳۴۴ مین اس طرح درج ہے کہ علما کے نزدیک لعن کرنا کسی پر حرام ہے

اور لعن کی معنی ہین شرع مین دور رہنا رحمت ایزدی سے۔ پس جب یہ نہین معلوم کہ کسکا خاتمہ کس طور پر ہوگا تو لعن سے احتراز درکار ہے۔ حتے کہ لعن مسلم یا کافر بلکہ چارپایہ پر بھی نہین کرنا چاہیے۔ مگر جب بنص شرعی معلوم ہو کہ فلان شخص کفر پر مرا ہے یا مریگا جیسے کہ ابوجہل یا ابلیس تو ایسی لعن یا لعن با وصف جو بغیر نام کے ہو جیسے لعن ظالمین و کافرین و فاسقین وغیرہ وغیرہ تو ایسی لعن جائز ہے" اسی طرح شراب کے لگاؤ سے دس شخص پر رسولؐ خدا نے لعن کی ہے (دیکھو ترمذی جلد ا صفحہ ۱۶۷)۔

کنوز الحقائق مین (صفحہ ۸۲) "شیطان کو بھی گالی دینا یعنی لعنت کرنی ممنوع ہے۔" (یہ روایت دیلمی کی ہے اور ظاہر اخلاف قرآن نظر آتی ہے) مگر فراء و بغوی و ابن عباس و ابن مسعود و قتادہ و حسن بصری و مجاہد و نظام الدین نیشاپوری و امام فخر الدین رازی و قاضی بیضاوی و علامہ زمخشری و قاضی عبد الجبار و ملا ابو السعود و شافعی صاحب گناہ کبیرہ اور کفار پر جواز لعن کے قائل ہین۔

راقم کہتا ہے کہ قابل لعن پر لعن کرنا ناجائز کیونکر ہو سکتا ہے۔ اہل نجران سے مباہلہ لعن کا مقرر ہوا تھا کقولہ تعالے ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ اگر حسب اصول اہل سنت کفار پر لعن ناجائز ہوتی تو رسولؐ اللہ لعن پر کیون مستعد ہوتے۔ مگر جائے تعجب یہ ہے کہ اہل سنت جیسا کہ اوپر حوالہ قلم ہوا مسلم کافر چارپایہ حتے کہ شیطان پر بھی لعن جائز نہین رکھتے ہین تو بیچارے شیعہ کیون مستحق لعن قرار دیے گئے۔ صواعق محرقہ کے باب تکفیر شیعہ مین صاف صاف لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَخَذَلَهُمُ اللّٰهُ لکھا ہوا ہے۔ پھر شارح بغوی اور ملا علی قاری اور قاضی عیاض و قسطلانی لکھتے ہین کہ کَفَرَتِ الرَّوَافِضُ بِاَجْمَعِهِمْ وَقَالَتِ الرَّافِضَةُ الْمَلَاعِنَةُ کیون حضرات اہل سنت یہ تبرا نہین ہے تو کیا ہے۔ انصاف سے فرمایئے کہ آپکے مذہب مین تبرا اور لعنت داخل ہے یا نہین ہے؟ اس تعصب کی کوئی حد ہے کہ لَا تُكَفِّرُوْا اَهْلَ الْقِبْلَةِ کی حدیث مشہور جو شرح فقہ اکبر مین مسطور ہے لعن یزید کے منع مین استدلال کیجاتی ہے اور شیعہ جو بدیہی طور پر اہل قبلہ سے ہین اُنپر حکم کفر کا صادر کیا جاتا ہے اور اس بے تکلفی سے اُنپر لعنت کیجاتی ہے واقعی اہل تسنن کے تعصب کی کوئی حد نہین ہے۔ واقعی اس مذہب کی بنا مخالفت اہل بیت پر ہے۔ اور واقعی یہ مذہب ایسا بے تناسب ہے کہ تمامتر اے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی کا مصداق ہے۔ حضرت پیران پیر جو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق جناب رسولؐ خدا کے شریک معراج معلوم ہوتے ہین گو کسی حیثیت سے شریک ہوئے ہون شیعون کے حق مین بار بار اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مین تَبًّا لَهُمْ (یعنی خدا ہلاک کرے اُنکو) فرماتے گئے ہین۔ اتنے بڑے بزرگ اور ایسی زبان آفرین صد آفرین۔

مذہب شیعہ مین اسی طرح لعن ناجائز ہے جس طرح کہ مذہب اہل سنت مین۔ مگر اہل سنت نے

اہل تشیع کو اس مادے میں بہت بدنام کر دیا ہے۔ ابھی میں دکھلا چکا ہوں کہ صاحب جمع الحق محرم اور حضرت پیر دستگیر کیا کیا نہیں شیعوں کے حق میں فرماتے ہیں۔ شیعوں کو کافر تک قرار دیتے ہیں یہی ارشادات شارح نووی ملا علی قاری قاضی عیاض اور قسطلانی کے بھی شیعوں کے حق میں دیکھے جاتے ہیں۔ مگر شیعہ اہل سنت کو کافر جاننے کے عوض مسلم مانتے ہیں اور اُنپر لعن جائز نہیں کہتے ہیں۔ شیعوں کے زیادہ بدنام ہونیکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خلفائے ثلثہ پر نام بنام مذہبی تقریروں میں لعنت کرنا رواج پاگیا ہے۔ یہ ایک نو احداث امر معلوم ہوتا ہے کسواسطے کہ شیعوں کے کتب معتبرہ میں لعن نام بنام کسی اصحاب و ازواج سے مروی نہیں دیکھی جاتی ہے۔

قدمائے شیعہ صرف مفضولیت شیخین کے قائل تھے نہ اُنکی تکفیر کے۔ اسلیے سب شیخین نہیں کرتے تھے۔ ظاہرا لعن و سب ایک امر رواج دادہ سلاطین عباسیہ کا معلوم ہوتا ہے۔ راقم کی دانست میں نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کے اہل تشیع قدمائے اہل تشیع کا شیوہ اختیار کریں۔ ترک سب و لعن سے مذہب امامیہ کو کسی طرح کے نقصان کے عوض فوائد مرتب ہوں گے۔ راقم کو تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ کے حق ہونے پر بھی اسکی توسیع حسب مراد طور پر اسی رسم لعن و سب کی وجہ سے ظہور میں نہیں آسکی ہے۔ پیشوایان مذہب امامیہ کا فرض منصبی ہے کہ مذہب امامیہ کی فائدہ رسانی کی نظر سے اس اصلاح کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ اس زمانہ میں تبرائے معروف کی ضرورت بھی نہیں رہی ہے۔ مگر یہ رسم ایسی جڑ پکڑ گئی ہے کہ اب اسکے بغیر کوئی شخص مذہب امامیہ کا پابند نہیں مانا جاتا ہے۔ اگر چشم حق بین سے دیکھیے تو مذہب امامیہ جو فی الواقع ایک نہایت حق انگیز پاک صاف اور نیچرل مذہب ہے اس بے معنی رسم کی وجہ سے داغدار دکھائی پڑتا ہے۔ یہ رسم سب و لعن کی ایسی ضرر رسان ہے کہ اس مذہب کو ترقی نہیں کرنے دیتی ہے۔ بہت دشوار ہے کہ قید سب و لعن کے ساتھ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کا پابند اس مذہب حق کو رغبت و آسانی کے ساتھ اختیار کر سکے۔

عقلاً سب و لعن کی قید جزو مذہب نہیں سمجھی جا سکتی ہے۔ گو اسوقت ہزاروں ایسے شیعہ ہیں کہ اس فعل کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسکے بغیر کسیکا شیعہ ہونا اُنکے نزدیک خارج از امکان ہے۔ کسی شخص غیر امامیہ کے دماغ میں سب و لعن کو جزو مذہب قرار دیدینا توقع سے بہت بعید ہے مجھے ذاتی تجربہ اسکا ہو چکا ہے اور مجھے اسکا بہت بڑا صدمہ ہے کہ سینکڑوں ایسے اشخاص جو مذہب امامیہ کو قبول کرنیکے لیے آمادہ ہیں قید سب و لعن کی وجہ سے اس مذہب پاک کو قبول کرنے سے ہٹ گئے ہیں۔

آیا حضرت علیؑ حضرات شیخین سے نسب کے رو سے بھی مفضول ہین

۱۹
سوال سائل یہ ہے کہ آیا حضرات شیخین سے حضرت علیؑ مرتضےٰ نسب مین بھی مفضول ہین یا نہین ؟

جواب اسکا یہ ہے کہ کتب اہل سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ مرتضےٰ حضرات شیخین سے کسی امر مین مفضول نہین ہین ۔ جسقدر فضائل علیؑ مرتضےٰ کے راقم اس تصنیف مین مختصراً عرض کرچکا ہے وہ حضرت علیؑ کے جمیع مومنین و مسلمین سے افضل ماننے جانیکے لیے کافی ہین ۔ اگر ہٹ دھرمی مانع ہین مگر حقیقت حال یہی ہے کہ حضرت علیؑ تمام اُمت رسول خدا سے افضل ہین ؎

علیؑ ز بعد محمدؐ ز ہر چہ ہست بہ است اگر تو مومن پاکی ازین دریغ مدار

اب رہی اسکی تحقیق کہ اگر حضرت علیؑ حضرات شیخین سے نسب مین بھی افضل ہین تو کیونکر ہین ؟ پس اہل انصاف سے استدعا کی جاتی ہے کہ تحریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائین ۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ بنی ہاشم ایک ایسا قبیلہ ظہور اسلام کے پہلے ہی تھا کہ جو نہ صرف شہر مکہ اور مُلک عرب ہی مین اپنی سرداری اور نیک کرداری کی وجہ سے مشہور تھا بلکہ شام وغیرہ کی طرف بھی اس قبیلہ جلیلہ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی ۔ اس قبیلہ کی شہرت ایام جاہلیت مین تھی اور آج بھی ہے ۔ اسکی شہرت کی بڑی دلیل اسکی عظمت ہے ۔ اسکے برخلاف قبیلہ تیم و عدی نہ ایام جاہلیت مین مشہور تھے اور نہ عہد رسول خدا مین اور نہ آجتک کسی طرح کی شہرت رکھتے ہین ۔ یہ قبیلے ایسے گمنام ہین کہ انسے صرف اچھی طرح پڑھے لکھے آدمی واقف ہین ۔ معمولی درجہ کے پڑھے لکھے آدمی کے کان تو تیم و عدی کے نام سے بھی آشنا نہین ہین ۔ پس حضرت علیؑ کی عالی نسبی کے ساتھ حضرات شیخین کا موازنہ ہی فضول ہے ۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اور فضائل مین حضرات شیخین حضرت علیؑ کی برابری نہین کرسکتے ہین نسب مین بھی انکو اس برادر رسول خدا یعنی حضرت علیؑ کے ساتھ ہمسری حاصل نہین ہے حضرت ابوبکر کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ آپ ایک شریف خاندان کے بزرگ ہین اور آپ کی خاندانی شرافت مین کسیکو جائے گفتگو نہین ہوسکتی ۔ حضرت عمر کی خاندانی حالت یہ ہے کہ مین اطمینان کے ساتھ نہین عرض کرسکتا ہون کہ آپ مین ہاشم بن عبد مناف کا خون ہے یا نہین ہے ۔ کتاب مثالب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے دادا نفیل ایک کنیز حبشیہ کے بطن سے جسکا نام ضہاکہ تھا پیدا ہوئے یہ ضہاکہ حضرت ہاشم بن عبد مناف کی لونڈی تھی جو نضلہ بن ہاشم اور بعدہ عبد العزیٰ بن رباح کے تصرف مین یکے بعد دیگرے در آئی ۔ یہانتک کے مضامین کتاب مثالب مین پائے جاتے ہین ۔

اس کتاب سے یہ نہین معلوم ہوتا ہے کہ نفیلہ بن ہاشم یا عبد العزیٰ کے فرزند نفیل تھے
بہرحال اپنے وقت مین نفیل نے قبیلۂ فہم کی کسی عورت سے رواج ملکی کے مطابق مواصلت
پیدا کی جس سے خطاب حضرت عمر کے والد تولد ہوئے۔ (دیکھو معارف ابن قتیبہ) یہ عورت
بھی قبیلۂ فہم کی لونڈی معلوم ہوتی ہے اسلیے کہ ام الولد کے قاعدے سے رواج جاہلیت کے
مطابق آخر مین عمرو بن نفیل کے تصرف مین آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ واضح ہو کہ کتاب
مثالب تصنیف ابو المنذر ہشام ابن سائب الکلبی کی ہے۔ یہ بزرگ اکابر و اعاظم علمائے
اہل سنت سے ہین اور اسی درجے کے ہین کہ ترمذی اور ابن ماجہ انکو اپنا شیخ مانتے ہین اور
بغوی جیسے محقق اور مفسر نے بھی اپنی تفسیر معالم التنزیل کو انکی روایتون سے بھر دیا ہے۔
امام ابن تیمیہ اس عالم مستند کو علم نسب کا امام سمجھتے ہین۔ علامہ سبط بن جوزی اور ابن خلکان بھی
انساب کے متعلق اُن سے بہت کچھ لیتے گئے ہین۔ اسی سے سمجھنا چاہیے کہ کتاب مثالب کے
مصنف کا کیا پایہ ہے۔ پس ابو المنذر ہشام کی تحقیق کس عظمت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے
محتاج بیان نہین ہے۔ اب کوئی حاجت نہین ہے کہ راقم حضرت علیؑ اور حضرت عمر کے نسبی
معاملات پر اظہار رائے کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین حضرت عمر کا ام کلثوم بنت فاطمہ کے
ساتھ ازدواج کا قصد کرنا خالی از کراہت متصور نہ تھا۔ مگر ہزار ہزار شکر کی جا ہے کہ حضرت عمر کے
ازدواج کا قصہ دوسری ام کلثوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ام کلثوم بنت فاطمہ کے ساتھ اسکو
کوئی تعلق نہین ہے۔

عرض بخدمت اہل اسلام

شیخ الاسلام ابن حجر کے اسامی محدثین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض محدثین نے زمانے ایسے
فرمانرواؤن کے پائے جو خاندان پیمبر کے دوستدار تھے۔ ایسے زمانون مین محدثین نے فضائل
اہل بیت کے ذخیرے جمع کیے۔ مگر مخالفین وقت نے انہین رفض کے ساتھ متہم کر دیا۔ بعض
محدثین نے زمانے حکام جور کے پائے ایسے وقت مین حصول زر اور خوشامد حکام کی نظر سے محدثین
نے حدیثین وضع کین اور اپنی تقریرات و تحریرات کے ذریعہ سے بندگان خدا کی گمراہی مین کوئی
دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ اسوقت متقدمین کی تصنیفات موجود ہین جو مذہب حق کی تحقیق کیلیے
کافی ہین۔ ان تصنیفات کے معائنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت راوی ایسے ہین کہ فریقین کے
نزدیک انکی روایتین مقبول ہین اور فریقین کے بہت سے علما ایسے ہین کہ جو اُن روایتون کو
اپنی تصنیفات مین قابل وثوق سمجھکر داخل کرتے گئے ہین۔ پھر بہت سی ایسی روایتین ایک

مصنف بھی ہین کہ جنہین فریقین نے اپنی اپنی تصنیف مین آزادانہ طریقہ پر بے ردوکد جگہ دی ہے۔ بہت سے ایسے راوی بھی ہین کہ فریقین کی کتابون مین انکی روایتین موجود ہین۔ کوئی شک نہین کہ ایسے راوی کم ہین کہ جو کسی فرقہ خاص کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہین۔ ایسی حالت مین تحقیق وتفحص سے فریقین کے اختلاف کا رفع ہوجانا کوئی دشوار امر متصور نہین ہے۔ اگر بے تعصبی سے کام لیا جائے تو شیعہ اور سُنّی کا تفرقہ باقی نہین رہ سکتا ہے۔ اس تحقیق وتفحص سے جناب رسولؐ خدا کا اصلی دین امت محمدی پر روشن ہوجائیگا۔ مگر ایسے مقصد کے حاصل کرنیکے لیے نفسانیت سے دور ہوکر لازم ہے کہ اہل اسلام عقل وانصاف کی پابندی کے ساتھ فریقین کی دلیلون پر نظر غور ڈالین اور عند التحقیق جو امر حق ہوئے سے اختیار کرین۔ افسوس صد افسوس کہ تعصب مسلمانون کو ایسا خراب کیے ہوئے ہے کہ ایسی ذہن کی امید نہین کیجاسکتی ہے۔

زیدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ معروف بہ زیدؑ شہید

اہلِ سنت کہتے ہین کہ ”حضرت زیدؑ نے امامت کا دعوے کیا اور جہاد امام کی مخالفت مین کیا پس مذہب امامیہ کے اصول کے مطابق حضرت کیون مورد طعن نہونگے۔

ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اُنکی مدح اس بنا پر کرتے ہین کہ وہ سادات سے ہین اور نیز امام زادے ہین۔ پس شیعہ خلفائے ثلثہ کی عیب جوئی کیون کرتے ہین۔ خلفائے ثلثہ بھی تو حضرت رسولؐ خدا کے قرابتداریں اور صحابی اور مہاجرین بھی ہین“۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت زید شہید کا دعوے امامت کرنا کسی روایت سے ثابت نہین ہوتا ہے۔ بروایت فریقین ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوش عقیدہ تھے آپ نے جہاد کو اس غرض سے اختیار فرمایا تھا کہ جناب امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کا بدلا لین نیز شر اعدا کو دفع کرین۔ یہ اسی طرح کا کام تھا کہ جسکے عامل ابراہیم اور مختار ہوچکے تھے۔ یہ فعل جہاد کا حرام نہ تھا اور نہ امام محمد باقر اور نہ امام جعفر صادق علیہما السلام نے ایسی جنگ آزمائی کو حرام قرار دیا تھا۔ پس یہ فعل آپ کا آپکو مورد طعن نہین بناسکتا ہے۔ خون حسینؑ کے معاوضہ کی خواہش کس قدر اہلبیت کے دل مین نہین ہوسکتی تھی چہ جائے کہ حضرت زیدؑ کہ اُنکے حقیقی دادا کا معاملہ درمیان مین حائل تھا۔ کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؑ نے یہ جہاد اجازت و رضائے حضرت صادقین کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت صادقین نے کسی طرح کی نارضامندی ظاہر نہین کی تھی۔ اگر اس جہاد سے حضرت صادقین نارضامند ہوتے تو حضرت زیدؑ کی ہزیمت اور شہادت پر اسقدر اظہار حسرت نفرماتے جیسا کہ کتابون کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے علاوہ اسکے حضرت صادقین نے برابر حضرت زیدؑ کے حق مین دعائے خیر فرمائی ہے جس سے ثابت

ہوتا ہے کہ حضرت صادقین حضرت زیدؓ سے کسی طرح پر ناراض نہ تھے۔ آخر مین عرض راقم یہ ہو کہ حضرت زید کا معاملہ حضرات خلفائے ثلثہ کے معاملات سے کوئی مناسبت نہین رکھتا ہے پس حضرات اہل سنت کے اعتراض بالا کی تردید حضرات خلفائے ثلثہ کے لگاؤ سے غیر ضروری متصور ہے۔

حضرت خالد بن ولید

جنگ اُحد کے پہلے آپ نے کسی طرح کی شہرت پیدا نہین کی تھی۔ مگر جب اس جنگ مین آپنے کفار مکہ کے ساتھ لشکر اسلام کے خلاف مین قابل امتیاز کارروائی دکھلائی تب سے آپ کو ہر کہ ومہ ملک عرب کا ایک جنگجو پہلوان جاننے لگا۔ جنگ اُحد مین آپکی شرکت کی یہ صورت ہوئی کہ آپ حضرت ابوسفیان کے ساتھ حضرت رسول خدا سے لڑنے کے واسطے آئے۔ اس لڑائی مین حضرت خالد کوہِ احد کی ایک گھاٹی پر کچھ کفار مکہ کو لیکر جا بیٹھے حضرت رسول خدا نے اُسی گھاٹی کے روکنے کو پچاس تیرانداز عبد اللہ بن جبیر کی ماتحتی مین مقرر کر دیے تھے اور اُنہین یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ کسی حال مین اس گھاٹی سے علیحدہ نہون۔ جسوقت میدانی جانب مین لشکر ابوسفیان نے لشکر اسلام سے سامنا کیا تو لشکر کفار کو بہین شکست لاحق ہوئی کفار مکہ بھاگتے نظر آئے۔ لشکر اسلام نے بھاگتے کفار کو لوٹنا شروع کیا۔ گھاٹی والے تیرانداز بھی گھاٹی چھوڑکر لوٹ کے شریک ہوگئے۔ جگہ خالی پاکر حضرت خالد اسی گھاٹی سے مسلمانون پر حملہ آور ہوئے۔ اور دم بھر مین انہین پریشان کر ڈالا۔ آپکے اس حملہ کے شہدا مین حضرت امیر حمزہؓ بھی تھے جنکی شہادت کا غم حضرت رسول خدا کے دل سے آخر دم تک نہ گیا۔ اس ہنگامہ کے چند سال بعد حضرت خالد مشرف بہ اسلام ہوئے مگر حضرت رسول خدا کے دل مین جگہ پیدا نہ کرسکے۔ جگہ نہ پیدا کرنیکی وجہ خاص صرف یہ اُحد کا معاملہ نہ تھا۔ آپ ایک بے اصول زندگی کے آدمی تھے۔ ورنہ جو دلیری آپکو واہب العطایا نے بخشی تھی اُسکا یہی تقاضا تھا کہ آپ مشرف بہ اسلام ہونے پر حضرت رسول خدا اور جمیع اہل اسلام کے ایک بڑے محبوب ہوجاتے۔ آپ کے اطوار ناپسندیدہ کے باعث حضرت رسول خدا آپ سے بیحد بیزار ہوگئے تھے۔ اسکی سرگذشت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت رسول خدا ابھی مکہ ہی مین مقیم تھے کہ آپنے وہین سے خالد بن ولید کو ناحیۂ یلملم مین جہان قبیلہ بنی خذیمہ اپنی بود و باش رکھتے تھے دعوت اسلام کی نظر سے بھیجا۔ جاننا چاہیے کہ خالد قبیلۂ بنی مخزوم کے آدمی تھے۔ ایام جاہلیت مین اس قبیلہ اور قبیلۂ بنی خذیمہ کے درمیان خانہ جنگیان ہوا کرتی تھین۔ جب خالد وہان پہنچے تو بنی خذیمہ پرے جما جما کر مقابل مین اگئے ...

اور کہنے لگے کہ ہم لوگ مسلمان ہین نماز پڑھتے ہین اور مسجد بنواتے ہین - اسپر خالد نے پوچھا کہ پھر یہ صف آرائیان کیون ہین - تم اگر مسلمان ہو اور قصد جنگ نہین رکھتے ہو تو ہتھیار رکھدو اُنہون نے ایسا ہی کیا - مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت خالد نے اُنکے اقرار اسلام اور اُنکی فرمانبرداری پر بہی اُنکے ہاتھ شانون سے بند ہوائے اور بعض کو قتل کر ڈالا اور بعض کو چاہا کہ رات کی تاریکی مین قتل کر ڈالین - حضرت عمر اس موقع پر خالد کے ہمراہ موجود تہے - آپ حضرت خالد کی اس وحشیانہ حرکت سے نہایت افروختہ ہوئے اور حد درجہ کی ناپسندیدگی ظاہر کی (دیکھو خمیس جزء ثانی صفحہ ۹۷ بحوالہ صحیح بخاری و البلاذری صفحہ ۵۳ و سیرت ابن ہشام جزء ثالث صفحہ ۴۳ و تاریخ طبری از صفحہ ۱۶۵۱ تا ۱۶۵۳) جب اس ظالمانہ اور سفاکانہ کارروائی کی خبر آنحضرت کو ہوئی تو آپ خوف خدا سے کانپنے لگے اور درگاہ ایزدی مین یون مناجات کرنے لگے - کہ بار الہا مین خالد کے اس فعل سے بری ہون اور مین تیری پناہ طلب کرتا ہون - اسکے بعد ہی حضرت رسول خدا نے فوراً علی مرتضٰے کو مال و زر کے ساتھ بنی خذیمہ کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ آپ وہان پہنچکر حضرت خالد کو معزول کرین اور اُس قبیلۂ آزار دیدہ کی دلجوئی کرین - حضرت امیر نے حکم رسول خدا کی بجا آوری مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکہا خاص کر ایسی صورت مین کہ کریمی اور رحیمی کی شان آپ پر ختم تہی - جاننا چاہیے کہ کریمی اور رحیمی کے بغیر کوئی شخص شجاعت سے متصف نہین ہو سکتا ہے - حضرت خالد مین چونکہ کریمی اور رحیمی کا مادہ مفقود تہا اسلیے آپ کی طرف شجاعت کی نسبت کسی حال مین نہین کی جاسکتی ہے - حضرت خالد مین سبعیت یعنی درندگی تہی جسے عوام کالانعام شجاعت قیاس کرتے ہین -

شجاعت کی مثال حضرت علی ہین کہ آپ مین ویسی بہادری تہی جو شیر خدا کے سوا کسی دوسرے مین امکان نہین رکہتی ہے - ایسی بہادری دین حق کے قائم رکہنے اور دین حق کو دشمنان خدا سے بچانے کے واسطے درکار ہوتی ہے - ایسی بہادری سے رحیمی اور کریمی کسی حال مین منفک نہین ہو سکتی اور ایسی بہادری حسبۃً للہ ہوا کرتی ہے نفس کیلیے نہین ہوتی - حضرت علی کے روئے مبارک پر جو کافر مغلوب نے تہوک دیا جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہین کہ ؎

او خیو انداخت بر روئے علی ۔ افتخار ہر نبی و ہر ولی -

تو آپ اُس کافر کے سینہ سے علحدہ ہو گئے اور یہ اس سبب سے کہ اُسکے اس فعل مذموم کے بعد نفس کی شرکت کا احتمال تہا - حضرات ناظرین شیر خدا کی اس حقانی کارروائی کو حضرت خالد کے اُن افعال قبیحہ سے موازنہ کرین جو اُن صاحب سے قبیلۂ بنی خذیمہ کے مقابلہ مین سرزد ہوئے گئے حضرت خالد کی یہ بیرحمی اور بیکرمی فطری حیثیت رکہنے کے علاوہ اس پہلو سے اور بہی زشت

دکھائی دیتی ہے کہ آپ ایسی کارروائیون کے عامل اس سبب سے ہوئے کہ آپ کے
قبیلۂ مخزوم کو قبیلۂ خذیمہ سے ایک عداوت قدیمہ چلی آتی تھی۔

ظاہر ہے کہ حضرت خالد قبیلۂ خذیمہ کے پاس رسول خدا کی جانب سے ایک مذہبی غرض
سے بھیجے گئے تھے۔ مگر آپ نے موقع پاکر اس قبیلہ سے پرانی عداوت کے تقاضے سے ایسے
کام کیے کہ نہایت سنگدل ہوئے بغیر کوئی شخص ایسے کامون کا مرتکب نہین ہو سکتا ہے۔
نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت خالد نے اسلام کے پردے مین نفسانیت کے نہایت
ہولناک کام کیے۔ آپ کا جانا قبیلۂ خذیمہ کی طرف حسبۂ اللہ ہوا تھا مگر وہان جو افعال آپ سے
سرزد ہوئے وہ تمامتر تقاضائے نفس کے مطابق دکھائی دیتے ہین۔ اب اہل انصاف حضرت
علیؑ اور حضرت خالد کا فرق درک کرین اور سمجھین کہ شجاعت اور سباعیت یعنی درندگی مین کیا
فرق ہے۔ مین عذرخواہ ہوتا ہون کہ مین حضرت علیؑ کا موازنہ حضرت خالد کے ساتھ ہرگز نکرتا
مگر ایک سُنّی مولویصاحب نے کسی کتاب پر اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے کہ امامیہ جو حضرت
علیؑ کی شجاعت کے اسقدر مدح خوان ہین تو ہم اہل سنت کی طرف بہی حضرت خالد حضرت علیؑ
کا جواب دینے کے لیے خدا کے فضل سے موجود ہین اور یہ حضرت خالد حضرت علیؑ سے شجاعت
مین زیادہ ہی تیکم تھے۔ میری عرض یہ ہے کہ حضرت خالد مین شجاعت کا نام تک نہ تھا
صرف سباعیت تھی جیسا کہ اوپر مین دکھلایا گیا ہے۔ پس کسی حال مین حضرت خالد حضرت
علی مرتضیٰ کے جواب قرار نہین دیے جا سکتے ہین۔

حضرت علیؑ اور حضرت خالد مین سفید اور سیاہ کا فرق حائل ہے۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

دوسرا امر متعلق بہ اسلام جو حضرت خالد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس سے حضرت خالد کی
افتاد طبیعت عیان ہوتی ہے یہ ہے کہ قیام یمن کے زمانہ مین جب حضرت علیؑ کو یہ خبر
پہنچی کہ وہ قبائل جو اطراف یمن مین اسلام قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے ہین اور جنگ کی تیاری
کر رہے ہین تو حضرت علیؑ اپنی فوج کو آراستہ کر کے اُن سے مقابل ہوئے۔ یہ مرتدین نہایت
آشنا کر حضرت امیرؑ کی خوش تدبیریون سے تابع فرمان اور از سر نو مسلمان ہو گئے۔ کوئی شک
نہین کہ اس ہنگامہ مین حضرتؑ کی خلقی شجاعت جسمین کریمی اور رحیمی داخل ہے اُن مرتدین
کی اصلاح مین بہت کام آئی۔ مگر حضرت خالد اپنی خلقی بدترکیبون سے باز نہ آئے۔ آپ کو
حضرت علیؑ کے ساتھ ایک عداوت قدیمہ لاحق تھی اور ہمیشہ اس عداوت کے تازہ ہو جانے کے
اسباب جمع ہوا کیے۔ حضرت خالد نے بریدۃ الحصیب سے مشورہ کر کے ایک خط حضرت
رسول خدا کو حضرت علیؑ کی شکایت مین لکھا اور اسی بریدہ کے ہاتھ سے اُسے آنحضرت تک

پہنچادیا - اس خط کو پاکر حضرت رسول خدا بہت غضبناک ہوئے اور بریدہ سے فرمایا کہ افسوس ہے تجھپر کیا تو منافق ہو گیا ہے -
علیؑ مجھسے ہے - اور تجھسے اور تیری قوم سے افضل الناس ہے - علیؑ میرے بعد تمام اُمت مین افضل ہے - وہ جو حکم کرتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے - تو خدا سے پناہ مانگ ورنہ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے - یہ سنکر بریدہ نہایت خوف زدہ ہوا اور کہنے لگا "کاش علیؑ مرتضےٰ کی شکایت سے قبل مین پیوند زمین ہو جاتا" اسکے بعد اُسنے کبھی علیؑ مرتضےٰ کی مخالفت نہین کی مگر حضرت خالد کی عداوت اُس جناب کے ساتھ اپنے حال پر رہی - معلوم ہوتا ہے کہ اسی عداوت کی بنیاد پر خالد بن ولید "حضرت" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین - ورنہ اگر ایسے ایسے اشخاص رسول اللہ کے صحابی کہے جائین - تو ویسے ویسے حضرات صحابی جو واقعی بڑے بڑے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے کس لقب سے یاد کیے جاسکتے ہین مگر بظاہر مخالفت علیؑ ایک ذریعہ عظمت اہل سنت کے نزدیک دکھائی دیتی ہے -
اگر ایسا نہوتا تو معاویہ طلحہ زبیر وغیرہ وغیرہ کیون حضرت کہلاتے - علاوہ لقب حضرت کے اہل سنت حضرت خالد کو سیف اللہ کے خطاب سے بھی یاد کرتے ہین -
یہ خطاب آپ کو کس طرح حاصل ہوا اسکی اطلاع حضرات اہل سنت کو ہوگی دوسرے کو کیا معلوم - مگر اسکی تحقیق تو سابق مین حوالہ قلم ہو چکی ہے کہ یہ خطاب خاص امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ہے اور واقعی یہ خطاب آپ کے سوا کسی اور شخص پر زیبا بھی نہین ہے اسلیے کہ آپ بلا گفتگو سیف خدا تھے - آپ کی ذوالفقار آپ کے سیف اللہ ہونیکی نشانی تھی - حضرت خالد کس قاعدہ کس قانون کس آیت کس حدیث کس پیشین گوئی کے رو سے سیف اللہ کے خطاب کا استحقاق رکھتے ہین احاطہ تحقیق سے باہر ہے - سیف اللہ ہونے کیلیے شجاعت کی ضرورت ہے - نہ کہ سباعیت کی - اور ایک اور مثال آپ کی سباعیت کی ذیل مین پیش کی جاتی ہے جس سے آپ کی بیرحمی نفسانیت خودغرضی سفاکی وغیرہ وغیرہ بدرجہ اتم نمایان ہوتی ہے - حضرت ابوبکر کے زمانہ مین قبیلہ بنی یربوع نے زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا سردار اس قبیلہ کا مالک بن نویرہ تھا - یہ شخص حج دولتمند معزز شہسوار اور شاعر بھی تھا حضور سرور عالم مین حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا - اس قبیلہ کی طرف حضرت خلیفہ نے حضرت خالد کو تحصیل زکوٰۃ کی غرض سے بھیجا - مالک نے کہا کہ ہم نماز ادا کرتے ہین مگر ہم زکوٰۃ نہ دینگے اسپر حضرت خالد نے کہا نماز اور زکوٰۃ دونون ادا کرنا چاہیے -
صرف نماز کے ادا کرنے سے عبادت قبول نہین ہوتی ہے - مختصر یہ ہے کہ جب مالک نے

زکوٰۃ کی ادا کاری سے انکار کیا تو حضرت خالد نے اُس سے کہا کہ مین تیری گردن مارونگا اسکے بعد طرفین سے رنج آمیز باتین درشتی کے ساتھ ہوتی گئین - عبد اللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری اُسوقت وہان موجود تھے - چونکہ ان دونون صاحبون کو حضرت خالد کی تعدی پسند نہ آئی حضرت خالد کو آپ دونون صاحب کنایۃً فہمایش کرتے گئے - مگر حضرت خالد کو دونون صاحبون کی یہ فہمایش ناگوار گذری - بہرحال قصہ طے ہوجانے کی غرض سے مالک نے حضرت خالد سے کہا کہ مجھے حضرت خلیفہ کے حضور مین لیچلو وہ جیسا مناسب جانینگے میرے حق مین حکم دینگے - حضرت خالد نے کہا کہ مین تیری گردن مارونگا - چنانچہ ضرار بن ابوذر کو مالک کی گردن مارنے کا حکم حضرت خالد نے دیا - اسپر مالک اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہوکر خالد سے بولا کہ یہ عورت میرے قتل کا سبب ہوتی ہے - حضرت خالد نے یہ سُنکر کہا کہ تیرا انحراف اسلام سے تیرے قتل کا باعث ہوتا ہے - مالک نے اسکا یہ جواب دیا کہ مین اسلام پر قائم ہون - اِس ردوکد کے بعد حضرت خالد نے ضرار کو مالک کی گردن مارنے کا حکم دیا اور مالک کی گردن ماری گئی - حقیقت حال یہ ہے کہ مالک کی زوجہ ایک مشہور پری پیکر عورت تھی - کوئی شک نہین کہ حضرت خالد کی نفسانیت اور خود غرضی مالک کے قتل کا سبب ہوئی - حضرت خالد کو لازم تھا کہ مالک کو اُسکی خواہش کے مطابق حضرت ابوبکر کے پاس لیجاتے - بہرحال مالک کے مقتول ہونیکے بعد حضرت خالد فوراً اُسکی زوجہ پر قابض اور متصرف ہوبیٹھے اور اس واقعۂ ملامت انگیز کو شعرائے وقت نے ہجو کے پیرایہ مین منظوم کرڈالا جب اس عجیب واقعہ کی خبر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو ملی تو حضرت ابوبکر سے حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے زنا کیا ہے آپ اُسے سنگسار کیجیے - حضرت ابوبکر جواب مین بولے کہ مین ایسا نکرونگا اور اپنے قول کی تاویل کی تب حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کرڈالا ہے مقتول کے خون کا قصاص خالد سے لیجیے - اسپر بھی حضرت ابوبکر نے تاویل کی - آخر مین حضرت عمر نے یہ کہا کہ خالد کو معزول کردیجیے اسپر حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ کیا شمشیر کو سُلا رکھون یعنی خالد مرد میدان و قابل اعتماد و خیر خواہ وغیرہ وغیرہ ہے ایسے شخص کو اپنے پاس سے دور کرڈالون (دیکھو ابو الفدا) اس قصہ پر نظر غور ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کی خدمت اور چیز ہے اور نفس کی خدمت اور - فربہی چیزی دیگر و آماس چیزی دیگر اہل انصاف ان واقعات سے حضرت خالد کے خلقی اور اسلامی اطوار کا خود موازنہ کرلین اقم کو اس سے زیادہ عرض کی حاجت نہین ہے -

اہل سنت اور خلفائے بنی عباس

واضح ہو کہ علامہ سیوطی و شاہ عبد الحق و قسطلانی و نووی نے خلفائے بنی عباس کو حدیث ائمہ اثنا
عشر مین داخل کیا ہے - علاوہ اسکے احادیث اہل سنت سے خلافت عباسیہ کی مدح مصرح
طور پر پائی جاتی ہے - پس جب وہ خلفا ایسے ہین تب اُنکے اقوال و افعال خلفائے راشدین کے
اقوال و افعال کی طرح سُنّت و بدعت حسنہ کیونکر نہین قرار پائین گے - مگر اُن خلفا مین کچھ خلفا
کہلے کہلے طور پر اہل تشیع نظر آتے ہین - مثلاً سفاح بانی دولت عباسیہ ناصر الدین باللہ قاہر باللہ
قائم باللہ مطیع للہ طائع للہ جو شیعہ بلا تقیہ تھے - ایسی صورت مین ضرور ہے کہ ان خلفا کے
اقوال و افعال بہی سنت و بدعت حسنہ قرار دیے جائین - اور کیون نہین قرار دیے جائین گے
جب یہ خلفا ایسے تہے کہ رؤسا علما اور قضاۃ اُنکے ہاتھون پر بیعت کرتے تہے اور اُنکے پیچھے نماز جمعہ
و عیدین پڑہتے تہے اور خطیب بقائے سلطنت و نزول رحمت خدا کی دعا اُنکے حق مین پڑہتا تہا
اور بقول خطیب بغدادی علمائے وقت اُن خلفا کو دیانت دار و صاحب امانت و فقیہ و ثقہ
مانتے تہے - تب یہ شیعہ خلفا کے بہی اقوال و افعال کو سنت و بدعت حسنہ ماننا پڑیگا -
ایسی صورت مین اہل سنت کو اپنے عقائد کے خلاف بہت سے ایسے کام کرنا پڑینگے جو اہل سنت
پابندی مذہب سے نہین کر سکتے ہین - اور بہت سی ایسی باتون کو قبول کرنا پڑیگا جو وہ حضرات پابندی
مذہب سے قبول نہین کر سکتے ہین - یہان پر مین تاریخ الخلفا صفحہ ۱۱۴ سے عہد خلیفہ معز الدولہ کے
کچھ بدعتی معاملات کو درج بذا کرتا ہون کہ جس سے اہل سنت کو اجتناب سے چارہ نہین ہے اور
وہ یہ ہے کہ شیعون نے مساجد بغداد کے درون پر معاویہ و غاصب فدک و مانع دفن امام حسنؑ
اور خارج کنندۂ ابوذر کے نامون سے سب و لعن لکہدیے - رات کو کسی شخص نے ایسے لکہے ہوئی
کو مٹا دیا - خلیفۂ وقت معز الدولہ نے چاہا کہ پہر اُن کلمات کو لکہوا دین - وزیر خلیفہ نے صلاح
دی کہ بجائے کلمات بالا کے یہ کلمات لکہدیے جائین کہ لعنت ہے ظلم کنندۂ آل رسول پر اور معاویہ پر
اسکے علاوہ معز الدولہ نے یہ انتظام و اہتمام کیا کہ بروز عاشورا دوکانداران شہر خرید و فروخت کے
باب کو بند کرین اور باورچی اور نان پز کچھ نہ پکائین - اسکے ساتھ خلیفہ نے بازارون مین قبے نصب
کیے اور زنان بغداد کو حکم دیا کہ بال اپنے سرون کے پریشان کرین اور طمانچے گالون پر مارتی ہوئی
بازارون مین نکلین - اور حسینؑ علیہ السلام کا ماتم برپا کرین - جاننا چاہیے کہ حسینؑ شہید کی یہ پہلی
عزاداری بغداد مین واقع ہوئی اور چند سال تک یہ سلسلہ عزاداری کا اس شہر مین قائم رہا -
معز الدولہ نے ۱۸ ذی الحجہ کو اعمال عید غدیر بہی کیے -
اپنے عہد مین بڑے تزک اور تجمل کے ساتھ معز باللہ عباسی نے خطیب کو حکم دیا کہ خطبون مین درود
حضرت محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور اُسکے آبا پر پڑہین - اب اہل سنت دیکہین کہ ایسے

اماموں کی پیروی وہ کر سکتے ہیں یا نہیں - مگر ایسے امام جب اہل سنت کے ائمہ اثنا عشر میں داخل ہیں تو اپنے اصول کی پابندی کے مطابق ایسے اماموں سے اہل سنت کو منہہ نہیں موڑنا چاہیے - اسمیں کوئی شک نہیں کہ شیعہ خلفا بھی اسیقدر خلفاے بنی عباس میں ہیں جس قدر کہ غیر شیعہ خلفا ہیں - پس یہ امر قابل لحاظ ہے کہ کبھی کوئی کلیہ حضرات اہل سنت کا تحقیق و تفتیش کے آگے قائم نہیں رہتا ہے - اس دعوے کے برقرار رکھنے کے لیے لازم ہے کہ اہل سنت اپنے دعوے کی ترمیم کریں یعنی یہ کہیں کہ خلفاے عباسیہ ہیں وہی خلفا داخل ائمہ اثنا عشر ہیں جو شیعہ نہیں ہیں - مگر ایسا ترمیم کردہ دعوے اُن حضرات کا کہیں دیکھا نہیں جاتا ہے - عموماً خلفائے بنی عباس داخل ائمہ اثنا عشر کیے جاتے ہیں -

ملا عبد الرحمن جامی کے شمار ائمہ پر اعتراض

ملا جامی صاحب اپنی کتاب شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ امام اول ہیں حسن امام دوم حسین امام سوم زین العابدین امام چہارم محمد باقر امام پنجم جعفر صادق امام ششم موسی کاظم امام ہفتم موسی الرضا امام ہشتم محمد تقی امام نہم علی نقی امام دہم حسن عسکری امام یازدہم اور محمد مہدی امام دوازدہم - یہ بیان ملا صاحب کا اہل سنت ہی کی معتبر کتابوں سے غلط ثابت ہوتا ہے - جائے غور ہے کہ مذہب اہل سنت کے روسے خلافت و امامت کے لیے اجماع بیعت کی حاجت ہے - ان شرطوں کے حصل ہونے سے حضرت ابوبکر کو خلافت اور امامت حاصل ہوگئی - یعنی حضرت ابوبکر خلیفہ اول اور امام اول ہوگئے - اب کس قاعدہ سے حضرت علی امام اول قرار دیے جاسکتے ہیں - جب ہوگا تو یہی کہا جائیگا کہ علی خلیفۂ چہارم اور امام چہارم ہیں - پھر امام حسن امام دوم کیونکر کہے جاسکتے ہیں - حضرت علی کے بعد اگر امام مانے بھی جائیں تو امام حسن پنجم امام مانے جاسکتے ہیں - اس حساب سے (اگر بقیہ ائمہ طاہرین امام مان لیے بھی جائیں) تو سب کے نمبر شکست ہوجاتے ہیں - اور امام مہدی علیہ السلام بارہویں امام ہونے کے عوض پندرہویں امام ہوجاتے ہیں - علاوہ اسکے امام حسین سے لیکر امام مہدی علیہ السلام تک ائمہ طاہرین سے کوئی امام - امام ثابت نہیں ہوتا ہے سب کی امامت غائب ہوجاتی ہے - اسلیے کہ اصول مذہب اہل سنت کے روسے اجماع و بیعت کے بغیر خلافت اور امامت قائم نہیں ہوسکتی ہے - پس ملا صاحب جامی کا امام حسین علیہ السلام کو امام سوم قرار دینا اور بقیہ ائمہ طاہرین پر ترتیب بالا نمبر کا لگانا ایک محض غلط ظاہر ہوجاتا ہے - البتہ اصول اہل سنت کے روسے خلافت اور امامت معاویہ اور جانشینان معاویہ کی طرف جاتی ہے جس سے کسی اہل سنت کو انکار کرنے کا موقع نہیں ہے

امامِ مہدی علیہ السلام کی خلافت اور امامت کے قائل اہل سنت اپنے اصول خلافت و امامت کے خلاف نظر آتے ہین۔ اہل سنت کے سارے خلفا اور ائمہ تو اجماع و بیعت یا استخلاف یا شورے یا قہر و غصب کی بنا پر خلیفہ اور امام ہوتے گئے ہین۔ مگر امام مہدی کی خلافت اور امامت مین اہل سنت انہین اصول کے متمسک ہوتے ہین۔ جنہین امامیہ اپنے خلفا اور ائمہ کی خلافت اور امامت کیلیے ایک ضروری امر جانتے ہین۔ یعنی خلیفہ اور امام برحق ہونے کیلیے نص قرآن و حدیث کی حاجت ہے۔ تماشا ہے کہ اہل سنت امام مہدی علیہ السلام کی خلافت اور امامت کو مبنے بر نص جانتے ہین۔ (دیکھو تاریخ ابن خلکان و اسعاف الراغبین و فتوحات مکیہ ابن العربی کی) اور اجماع و شورے و بیعت پر منحصر نہین سمجھتے (دیکھو ترمذی اور ابو داؤد)

حسب اصول اہل سنت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارہوین امام قرار پانے پر یہ بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اہل سنت کے ائمہ اثنا عشر مین خلفائے بنی امیہ و بنی عباس بھی داخل ہین۔ مگر یہ سب خلفا تمام ہو گئے اور اُنکے بارہ ۱۲ عدد بھی پورے ہو گئے۔ ایسی حالت مین امام مہدی علیہ السلام کو تیرہوین خلیفہ ہونے سے چارہ نہین رہتا ہے۔ پس ملا جامی صاحب اور جمیع اہل سنت کا امام العصر علیہ السلام کو بارہوان خلیفہ قرار دینا ایک بے سر و پا امر ہے۔ حضرات اہل سنت آپ اپنے اصولون کی خوبیون پر نظرِ غور ڈالیے۔ آپکا مذہب تمامتر اے اونٹ تیری کون کل سیدھی کا مصداق نظر آتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب تک مذہبِ امامیہ کے اصولِ خلافت و امامت کی پابندی نہین کی جائیگی نہ علیؑ مرتضےٰ امام اول اور نہ امام مہدیؑ امام دوازدہم اور نہ کوئی دیگر امام ائمہ اثنا عشر سے امام قرار دیے جا سکتے ہین۔

معاویہ بن یزید یعنی یزید صاحب کے بیٹے کی اسپیچ اور کارروائی

حیوٰۃ الحیوان کی جلد اصفحہ ۲۹ مین مذکور ہے کہ خوش بخت معاویہ بن یزید بدبخت یزید بن معاویہ کے بیٹے اپنے نفس کو خلافت سے بری کر کے تا دیر منبر پر بیٹھے رہے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد یہ کہا کہ ایہا الناس ہمین مجھے خلافت کی طرف رغبت نہین ہے اور تم لوگ دنیا کی حکومت کو عظیم ترین شے جانتے ہو اور مین اُسے مکروہ جانتا ہون اور تم لوگ مجھے بھی مکروہ جانتے ہو۔ اسلیے کہ مین تمہارے ساتھ مبتلا ہونگا۔ اور تم میرے ساتھ مبتلا ہوگے۔ میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے واسطے حضرت علیؑ سے نزاع کی۔ وہ یعنی حضرت علی حقدار تھے اور افضل۔ جمیع صفات مین کوئی

اصحاب رسول خدا سے اُنکے مراتب کا نظیر نہ تھا۔ آخر الامر مکر و تزویر کے ذریعہ سے خلافت معاویہ کے ہاتھ مین آئی اور پھر یزید کو پہنچی۔ یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا۔ افعال زشت و معاصی کبیرہ اُس سے سرزد ہوئے۔ قسم بخدا مین اپنی بیخودی سے مجبور ہون جو ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہون۔ حضرت علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے۔" اہل شام نے اُس دوستدار علیؑ اور تارک دنیائے دنی کے کلام کو ناپسند کیا اور اُسے پکڑ کر زندہ زیر زمین دفن کر دیا جس سے اُسکی روح پاک اعلے علیین کو پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝

معاویہ بن یزید کا معاملہ انسان کے احاطۂ خیال سے باہر ہے۔ یہ معاملہ خدا کی قدرت کاملہ کا تماشا دکھلاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا قانون فطرت عدل پرور ہے۔ اہل انصاف ملاحظہ فرمائین کہ امیر معاویہ نے کید و مکر و قہر و غضب سے اسلامی سلطنت جسکا دوسرا نام خلافت ہے حاصل کی۔ حق یہ ہے کہ اسکے حاصل کرنے مین امیر صاحب نے کوئی امر اُٹھا نہین رکھا۔ آپ حضرت علیؑ کی خلافت کے منکر ہو کر حضرت علیؑ کے مد مقابل بنے۔ ہزارون مسلمانون کی جانین تباہ کین۔ مسلمانون کے خون سے میدان جنگ کو لالہ زار کر ڈالا۔ ہزارون طرح کے فسادات حصول سلطنت کے لیے برانگیختہ کرنے گئے۔ دوستداران علیؑ کو ایذائین پہنچاتے رہے۔ علیؑ پر تبرا کا رواج جاری کیا۔ پیروان علیؑ کے ہر قدم پر درپے جور و جفا رہے۔ بنی ہاشم کو بے نام و نشان کر دینے مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ امام حسن علیہ السلام سے سلطنت چھین لی۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا دیا۔ یزید کی بیعت کے لیے کوئی کوشش اُٹھا نہین رکھی مختصر یہ ہے کہ اپنی سلطنت کے قوی اور دائمی کرنے کے لیے کوئی بات نہین چھوڑی۔ اسقدر حصول دنیا کی طرف مشغول رہے کہ کوئی آدمی جبتک کہ اپنی حیات کو حیات ابدی نہین سمجھے گا اسقدر ثروت دنیا کے حاصل کرنے مین مشغول و مصروف نہین ہو سکتا ہے اپنی ذاتی ثروت کے حاصل اور قائم رہنے کی فکر تو آپ کو اس افراط کے ساتھ لاحق ہی رہی۔ آپکو اسکی کوشش بھی دامنگیر رہی کہ سلطنت آپکے خاندان مین تا مرور دہور قائم رہے۔ ان مقاصد کے حاصل ہونے مین آپ اسقدر سرگرم رہے کہ عقبےٰ کا خیال بھی آپکے دماغ سے جاتا رہا ماحصل سب کا یہ ہوا کہ آپ آخرکار اس دنیائے ناپائدار سے جا بدیون کے بار سر پر لیکر روانہ ہو گئے اور آپکے فرزند ارجمند یعنی یزید صاحب کو آپکے برابر بھی عرصہ سلطنت رانی کا نصیب نہوا۔ اُسپر یہ معاملہ عجیب وقوع مین آیا کہ آپکے پوتے نے آپکے تمام محصولہ پر لات ماری اور ایک دن بھی اپنے کو آپکی حاصل کردہ سلطنت سے بہرہ مند ہونے نہ دیا۔

اے حضرات اہل انصاف خدا تعالےٰ کے قانون فطرت کی عدل

پروری پر نظر ڈالیے۔ کیا تماشا ہے کہ آپکے پوتے نے اُسی منبر پر جس پر آپ بیٹھکر حضرت علیؑ پر
تبرا کیا کرتے تھے برملا یہ کہا کہ "میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے لیے علیؑ سے نزاع کی۔
علیؑ حقدار تھے اور افضل جمیع صفات مین کوئی اصحاب رسولؐ سے اُنکے مراتب کا نظیر نہ تھا
آخرالامر مکر و تزویر کے ذریعہ سے خلافت معاویہ کے ہاتھ آئی اور پھر یزید کو پہنچی یزید خلافت کا
سزاوار نہ تھا۔ یزید سے افعال زشت اور معاصی کبیرہ سرزد ہوئے" سچ یہ ہے کہ اللہ منتقم
حقیقی ہے۔ اس دنیا مین بھی متمردین سے انتقام لے لیتا ہے۔ اے حضرات عاقبت بین معاویہ
صاحب کا پوتا اور معاویہ صاحب کے خلاف مین ایسی تقریر کرے یہ شان کبریائی ہے۔ واقعی
حق بر زبان جاری است کا تماشا یہ تقریر دکھلاتی ہے۔ یہ مجرد خدا کا انصاف ہے جو دنیا مین بھی مصلحت
خداوندی کے مطابق اس طرح کے معاملات ظہور مین آجاتے ہین۔ اے خدا میرے اور میرے
آبائے کرام حضرت محمد مصطفےٰ اور علی مرتضےٰ کے۔ تو قادر مطلق ہے۔ تیری قدرت سے باہر کوئی
شے نہین ہے۔ تو عادل ہے۔ تجھ سے صفت عدل کی کسی حال مین منفک نہین ہوسکتی ہے۔
یہ محض تیرا عدل ہی عدل تھا کہ تونے معاویہ بن یزید کے منھ سے کلام حق جاری کرائے۔ ورنہ بظاہر
اسباب کسی کے وہم و گمان مین بھی یہ بات نہین آسکتی ہے کہ امیر معاویہ کا پوتا اور ایسا حق گو
ہوگا۔ کہان معاویہ اور یزید اور کہان ایسے دنیا پرستون کے گھر مین معاویہ بن یزید۔ ؎

گہ آری خلیلی ز بتخانہ ؛ کنی آشنائی ز بیگانہ ؛

تقریر بالا کے بعد معاویہ بن یزید کا یہ کہنا کہ "قسم بخدا مین اپنی بیخودی سے مجبور ہون جو ایسے کلمات
زبان سے نکالتا ہون۔ علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے" اس امر
پر دال ہے کہ کسی کی عداوت یا محبت علیؑ کے ساتھ یا کسی کی عداوت اور محبت کسی کے ساتھ امر
اختیاری نہین ہے۔

از خدا دان خلاف دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرف اوست

کیا یہ تعجب کی بات نہین ہے کہ امیر معاویہ جو اپنی آنکھون سے حضرت رسولؐ کو حضرت علیؑ کے
ساتھ بیحد محبت فرماتے دیکھتے تھے علیؑ کی عداوت مین اسقدر استوار دیکھے جاتے ہین اور معاویہ
بن یزید جسنے نہ حضرت رسول خداؐ کو دیکھا اور نہ حضرت علیؑ کی کبھی صحبت اٹھائی وہ علیؑ کی محبت مین
اسقدر سرشار نظر آتا ہے کہ بیخودی مین اپنے دادا کو نفرت کے کلمون سے یاد کرکے کہتا ہے کہ علیؑ
کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح چھپ گئی ہے۔ راقم کا کیا حال ہے وہ بھی تو شب و روز
تحریراً یا تقریراً ذکر علیؑ سے خالی نہین رہتا ہے۔ یہ صرف عنایت ایزدی ہے۔ جب سے
فضل خدا اُسکے شامل حال ہوا ہے تب سے اُسکو ذکر علیؑ سے زیادہ کوئی شے محبوب نہین معلوم

ہوتی ہے - قبل مین وہ بھی مولویون کا گمراہ کردہ تہا مگر خدائے پاک نے اُسے عاقبت بربادی سے بچالیا - تجربے سے معلوم ہوا کہ علیؑ کی محبت یا عداوت امر اختیاری نہین ہے - معاویہ ابن ابوسفیان اور معاویہ ابن یزید کے معاملات اِس امر کے مثبت معلوم ہوتے ہین - یہ محض معاملۂ تقدیری تہا کہ اویس قرنی نے حضرت علیؑ کی طرفداری مین جان تک نذر کردی - اس بزرگ نے جناب رسولِ خدا کی زیارت کا شرف بھی کبھی حاصل نہین کیا - گو آپ آنحضرت کے عاشقانِ صادق سے تہے - مگر جب حضرت علیؑ سے امیر معاویہ نے مقابلہ کیا تو عالم پیری مین حضرت علیؑ کی طرف ہوکر میدان جنگ مین شربت شہادت نوش کرلیا -

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ -

اقسام حدیث ملخص از احادیث ائمۂ طاہرین علیہم السلام

حدیثین دو قسم کی ہوتی ہین متواتر اور غیر متواتر - متواتر سے علم و یقین حاصل ہوتا ہے اور اُسپر عمل واجب ہے اور اُسپر ترجیح کسی حدیث کو نہین ہوتی - اور اُسپر تعارض و تضاد واقع نہین ہوتا ہے - غیر متواتر کی دو قسمین ہین اول جو موجب علم و یقین کو ہے اور وہ حدیث مقترن بقرینہ ہے اُسپر عمل کرنا واجب ہے قرائن چند اقسام کے ہوتے ہین اول دلائل عقلی کے مطابق ہون دوم مطابق قرآن کے بلفظہ یا بمعناہ یا العموم یا دلیل مخصصہ ہون ایسی حالتون مین ایسی حدیثین درجۂ احاد سے خارج ہوکر متواتر کے قائم مقام ہوجاتی ہین سوم یہ کہ مطابق سنت قطعی کے یقیناً یا صریحاً یا دلیلاً یا عموماً یا خصوصاً ہون چہارم یہ کہ مطابق اجماع مسلمین کے ہون اور شروط اقسام ثلثہ سے گرچہ خبر واحد ہون مگر اُنپر حکم متواتر کا صادق آتا ہے - قسم دوم غیر متواتر کی چند قسمون پر منقسم ہوتی ہین اول یہ کہ عاری ہو قرائن مذکورہ سے مگر کوئی دوسری اُسکی نقیض نہو پس ایسی حدیث متواتر کی مثل ہے اور جسوقت فتاوے اسکے خلاف مین پائے جائین تو اُس سے عمل ترک کرنا ہوگا اور اگر کوئی روایت متعارض اس جگہ پائی جائے تب راوی پر نظر کرنا ہوگی کہ کون عادل و ثقہ زیادہ ہے لیکن اگر دونون حدیث کے راوی برابر ہون عدالت مین پس نظر ڈالنی چاہیے اُس حدیث پر جسکے راوی عدد مین زیادہ ہون اور اگر راوی دونون حدیث نقیض کے صفت اور عدد مین برابر ہون اور دونون روایتین عاری ہون قرائن مذکورۂ بالا سے پس دونون حدیث مین جسپر تاویل سلیم قائم ہو اُسپر عمل واجب ہے اور ترک کرنا دوسری روایت خبر واحد کا جسپر تاویل ممکن نہو واجب ہے اور اگر اُس تاویل کی تائید مین کوئی حدیث ضم کیجائے یا کوئی وجہ صریحی لفظاً یا دلیلاً پائی جائے تو عمل اُس صورت مین روایت مذکورہ پر واجب ہے - اور اگر دونون

روایت متعارضہ پر جداگانہ تاویل کی گنجائش ہے تو آدمی مختار ہے کہ جسپر چاہے عمل کرے۔
(دیکھو احادیث فرقۂ شیعہ مقدمۂ کتاب استبصار شیخ ابو جعفر طوسی کی۔ ع۔

قیاس و رائے طریقۂ اہل تشیع نہیں ہے

۲۷؎ اہل سنت اعتراض کرتے ہین کہ شیعہ قیاس و رائے کے قائل نہیں ہین۔ مگر خود بھی اجتہاد کرتے ہین درحالیکہ قیاس و رائے تتمۂ اجتہاد ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شیخ بہاؤالدین آملی زبدۃ الاصول مین اور شیخ ابو القاسم علی معارج الاصول مین اور علامۂ حلی کشف الحق مین بطلان قیاس کے قائل ہین اور کہتے ہین کہ قیاس امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ شیعہ کا مذہب نہیں ہے شیعہ مسائل مین عند النفس وضع نہین کرتے یا بمقابلۂ نص شرعی کے رائے کو مرجح نہین قرار دیتے جیساکہ امام اعظم کیا کرتے ہین۔ اسکی تفصیلی بحث کے لیے دیکھو مقدمۂ تفسیر صافی و مقدمۂ تفسیر مجمع البیان و اساس الاصول و وسائل الشیعہ و رسالۂ اعتقادیہ ابن بابویہ۔

واضح ہو کہ بعض علمائے شیعہ نے جو جواز قیاس پر حجت کی ہے مطلب انکا قیاس سے ترجیح و تخییر و تضعیف وغیرہ مسائل صرف و نحو و لغت و معانی و بیان و قرائن و جرح راوی و تفکر در احادیث مشکلہ مین مراد ہے نہ کہ وضع مسائل من عند النفس وغیرہ۔

فضائل ابوذر غفاری و عمار بن یاسر و عبد اللہ بن مسعود و اویس قرنی و سلمان فارسی

۲۸؎ مشکوۃ کی حدیث صفحہ ۲۴۲ مین بروایت عبد اللہ ابن عمر دیکھا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت ابوذر کو نہایت سچا آدمی ارشاد فرمایا ہے دوسری حدیث خود حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ آنحضرت کا فرمودہ ہے کہ ابوذر نہایت سچا اور وفادار آدمی ہے اور وہ حضرت عیسے علیہ السلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ وہی صحابی جناب رسول خدا کے ہین کہ جنکو حضرت عثمان نے نفی بلاد کیا اور جنکا قصہ ہم سابق مین حوالۂ قلم کر چکے ہین جو کچھ سختیان اس صحابی رسول خدا پر نازل کی گئیین اسکا اصلی سبب یہی تھا کہ وہ بیچارے ایک بڑے جان نثار حضرت علی کے تھے امیر معاویہ انکی ایذاؤن کے سبب ہوئے اور جب حکم حضرت عثمان کے مطابق ابوذر مدینہ مین آئے تو مروان نے حضرت خلیفہ سے کہکر انکو مدینہ سے بھی باہر جانے کا حکم دلوا دیا۔ شرح ابن ابی الحدید صفحہ ۳۷۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخراج ابوذر کی بنا پر حضرت علی اور مروان مین رنج

واقع ہوا۔ مگر قرابت داری کی پاسداری سے حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کے ملال کا کچھ خیال نہ کیا

حضرت عمار بن یاسر ایک دوسرے جان نثار حضرت علیؑ کے ہین آپ ایک ممتاز صحابی حضرت رسول خدا کے تھے۔ آپکے بھی کچھ احوال ہم سابق مین لکھ چکے ہین۔ حضرت عمار کو بھی حضرت ابوذر کی طرح حضرت عثمان کے ہاتھون سے ایذا اٹھانی مقسوم تھی۔ آپ اور حضرت سلمان فارسی ایسے متبرک اور بزرگ صحابی تھے کہ بروایت ترمذی حسب فرمودہ حضرت رسول خدا آپ دونون کی اور حضرت علیؑ کی جنت مشتاق ہے (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰) آپکی شان مین ایک اور بھی حدیث ترمذی سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپکو شیطان سے محفوظ رکھا ہے (دیکھو مشکوٰۃ)

حضرت سلمان فارسی مرد عجمی تھے۔ آپنے بہت عمر پائی تھی۔ آپ ایک بڑے محتمل صحابی تھے۔ اسی لیے جناب رسول خدا نے آپکو صاحب الکتابین یعنی حافظ و مفسر انجیل و قرآن فرمایا ہے (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰ روایت ترمذی) آپ حسب فرمودہ رسول خدا ایسے ہی تھے کہ جنت آپکی مشتاق ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ایسے بزرگوارون کے ہاتھ مین جنت کی کنجی رہا کرتی ہے۔ اور وہ کنجی حضرت علیؑ کی محبت ہے۔

علیؑ کا محب جنتی جنتی علیؑ کا عدو دوزخی دوزخی

حضرت اویس قرنی کو بروایت مسلم رسول خدا نے خیر التابعین فرمایا ہے (دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۴) آپ بڑے عاشقان رسول سے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو عاشق رسول خدا کا ہو گا وہ عاشق علیؑ کا بھی ہو گا۔ چنانچہ آپ پیرانہ سالی مین حضرت علیؑ کی طرفدار ہو کر معاویہ سے لڑے اور میدان جنگ مین شہید ہو گئے۔

کتاب مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ سے بروایت ابو موسےٰ معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود اہل بیت رسول خدا سے بہت مربوط تھے۔ ایضاً بروایت ترمذی ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ قرآن مجید اخذ کرو چار شخص سے اور وہ چار شخص یہ ہین۔ ابن ام عبد معاذ بن جبل ابی ابن کعب اور سالم موالے ابی حذیفہ۔ ایک اور حدیث اسی مضمون کی مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ مین مندرج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ سیکھو قرآن پڑھنا چار شخص یعنی ابن مسعود و سالم موالے ابی حذیفہ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل سے۔ یہ تو حضرت رسول کا فرمودہ ہے جس سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرآن دانی ثابت ہوتی ہے۔ مگر اسی قرآن کے لیے حضرت ابن مسعود پر حضرت عثمان کے حکم سے بڑی مار پڑی۔ انکا قرآن انسے چھینکر جلا ڈالا گیا۔ اور انکے بدن کی بھی مرمت خوب ہوئی۔ واقعی حضرت عثمان کا عجب زمانہ تھا کہ رسول خدا کے کیسے کیسے ممتاز

ممتاز صحابی حضرت خلیفہ کی بے عنوانیوں سے طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہوتے گئے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ مین — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ مین

فضائل حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

۲۹
حضرت فاطمہ علیہا السلام کیلیے اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ آپ جناب رسول خدا کی بیحد پیاری بیٹی ہین۔ آپکی شان انسان کے وہم وخیال سے باہر ہے۔ آپ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ مین شامل ہین۔ آپ حضرت علیؑ کی زوجہ اور حسنینؑ علیہما السلام کی والدۂ ماجدہ اور نو ائمۂ طاہرین کی دادی ہین۔ آپ چہاردہ معصومین سے ایک تن ہین اور داخل پنجتن پاک بھی ہین۔

آپکے فضائل مین جو حدیثین مروی ہین کچہ انھین سے درج ذیل کی جاتی ہین۔

ام المومنین حضرت عائشہ روایت فرماتی ہین کہ مین نے گفتگو رفتار اور سخاوت مین حضرت فاطمہ سے کسیکو مشابہ تر حضرت رسولؐ کے ساتھ نہ دیکھا اور نیز قیام وقعود مین۔ جب حضرت سیدہ باپ کے پاس آتی تہین تو حضرت رسول خدا آپ کی تعظیم کو اٹھہ کھڑے ہوتے تے اور اپنی جگہ آپکو بٹھلاتے تے اور آپکو بوسہ دیتے تے۔ اسیطرح جب حضرت رسول خدا آپکے یہان تشریف لیجاتے تے تو آپ باپ کی تعظیم کے لیے کھڑی ہوجاتی تہین۔ اور باپ کو اپنی جگہ بٹھلاتی تہین اور بوسہ دیتی تہین۔ (دیکھو ترمذی صفحہ ۲۳۹)۔

دوسری حدیث جو حضرت عائشہ سے مروی ہے یہ ہے کہ سب بیبیان رسول اللہ کی جمع تہین اور کوئی اُنسے ابہی گئی نہ تہین کہ حضرت فاطمہؑ آگئین۔ چال آپکی تمامتر حضرت رسول خدا کی چال سے مشابہ تہی۔ آپکو آنحضرتؐ نے دیکھکر فرمایا مرحبا اے بیٹی اور بیٹھا کر داہنی طرف اپنے روبرو آپکو بٹھلایا۔ (دیکھو مسلم صفحہ ۲۹۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا اپنی صاحبزادی حضرت سیدہؑ سے کسقدر مانوس تے ترمذی وبخاری ومسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت فاطمہؑ کو سردار زنان عالم فرمایا تب یہ فرمانا حضرت پیردستگیر کا کہ "افضل النساء ام المومنین حضرت عائشہ ہین اور نیز حضرت فاطمہؑ" کیونکر درست ہوگا۔ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام نسوانِ عالم سے حضرت فاطمہؑ افضل ہین اور اس وسے حضرت عائشہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے بھی افضل ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نامربوط تحریر سے حضرت پیردستگیر نے صرف سُنیت کی داد دی ہے۔ اس سے اور کچہ مراد نہین ہے۔ مگر حسرت ہے اُنپر جو آپکی ایسی تحریر کو کلام الٰہی جانکر اسکو اپنا جزوِ ایمان جانتے ہین۔ امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہین کہ حضرت فاطمہؑ زنان اہل جنت کی سردار ہین

اس حیثیت سے بھی آپ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ کی سردار ہوتی ہیں - پس اس رو سے بھی حضرت پیر دستگیر کا فرمودہ غلط ثابت ہوتا ہے -

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۵۵۰ سے بروایت حافظ ابن عبد البر و بسند ابو ثعلب ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا جب کسی جنگ یا کسی سفر سے تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے -

اسکے بعد حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لیجاتے اسکے بعد ازواج کی طرف رُخ فرماتے -

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر حضرت رسول خدا کو اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ کے ساتھ تعلق قلبی پیدا تھا -

مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا نے کہ فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جسنے آزردہ کیا اسکو گویا اُسنے مجھے آزردہ کیا (دیکھو بخاری جلد ۲)

شاید اس حدیث کی خبر حضرات شیخین کو نہ تھی ورنہ (حسب تحریر ابو الفدا) حضرت ابو بکر حضرت عمر کو احراق خانہ فاطمہ کے لیے روانہ نکرتے اور نہ حضرت عمر خانہ فاطمہ پر پہنچکر حضرت سیدہ کے مقابل میں سختی کی کارروائیاں اختیار فرماتے - نہ اسیطرح اور بھی ایسی ایذا اُنہیں اُنکو ہر دو صاحب پہنچاتے کہ جنکے باعث آپ دُنیا سے اُن ہر دو صاحب سے نہایت آزردگی خاطر کے ساتھ رحلت فرما گئیں -

اس سے زیادہ آزردگی خاطر کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے وصیت کی کہ حضرات شیخین میرے جنازہ پر نہ آئیں میری نماز جنازہ نہ پڑھیں اور میرے دفن کے شریک نہوں -

اسی وصیت کی بنا پر حضرت علیؑ نے آپکی لاش مبارک کو رات کے وقت حضرات شیخین کو بغیر کسی قسم کی اطلاع دیئے ہوئے دفن فرمایا -

شمس العلما مولوی نظیر احمد صاحب حضرت سیدہ کے حق میں یوں جچا ہیں لکھیں حضرت فاطمہ کی آزردگی حضرات شیخین کے لیے دارین میں مفید متصور نہیں ہے -

حضرت عائشہ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے حضرت فاطمہ کو سردار زنان مومنین اور سردار زنان اُمت محمدی فرمایا ہے (دیکھو مسلم جلد ۲)

یہ حدیث بھی حضرت پیر دستگیر کے قول بالا کی مبطل دکھائی دیتی ہے -

ظاہر ہے کہ حسب فرمودہ جناب رسول خدا جب حضرت فاطمہ زنان مومنین و زنان امت محمدی کی سردار قرار پائیں تو ایسی صورت میں حضرت ام المومنین عائشہ افضل النسا کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہیں -

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۵۵۶ اور شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کے صفحہ ۱۳۱ سے حضرت سیدہ کے فاطمہ نام رکھے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ قیامت کے دن اپنی ذریت اور اپنی محبون کو دوزخ سے جدا کنندہ ہونگی اور آپکا بیاہ حکم الٰہی کے مطابق ہوا۔

اسمین کیا شک ہے کہ آپ اپنی اولاد اور اپنے دوستدارون کو جہنم مین داخل ہونے نہ دینگی اور اسمین بھی کوئی شک نہین ہے کہ آپ حضرت علی مرتضےٰ سے بحکم خدا بیاہی گئین۔

معلوم ہے کہ حضرت عمر آپ کی تزویج کے خواستگار ہوئے تھے۔ مگر حضرت رسولؐ جانتے تھے کہ خدا تعالےٰ کی مرضی اسی مین تھی کہ آپ حضرت علیؑ سے بیاہی جائین۔

ایسی صورت مین حضرت عمر کی خواستگاری کو نامنظور کرنا حضرت رسولؐ خدا کے لیے ایک امر ضروری تھا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ اس نامنظوری کی بنا پر حضرت عمر کو حضرت سیدہ ور نیز آپکے شوہر حضرت علیؑ کے ساتھ دوامی عداوت لاحق رہی۔

جامع الصغیر کی جلد ۱ صفحہ ۷۰ مین بھی درج ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ مین فاطمہ کو علی سے بیاہ دون۔

اسعاف الراغبین صفحہ ۱۶۹ مین مذکور ہے کہ حسب روایت شعبان حضرت رسولؐ خدا جب سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو پہلے صاحبزادی سے رخصت ہوا کرتے تھے۔ اس سے کس قدر محبت کا تعلق ہویدا ہے۔

علاوہ تعلق پدری کے آپ کو ذاتی محبت حضرت سیدہ کے ساتھ تھی یہ حدیث مروی بزاحمد و بیہقی ہے

دوسری روایت اسعاف الراغبین کے اسی صفحہ کی یہ ہے کہ عدہ اکبر روایت چند شخصون کے صحابہ سے مروی ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو عرش کے اندر سے منادی ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنے سرونکو نیچا کرو اور اپنی آنکھون کو بند کرو تا کہ گذر جائین خاتون جنت صراط سے۔

تیسری روایت اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۰ کی یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ حضرت فاطمہ کی ناراضی سے ناراض اور خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کو باسناد حسن حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب اسلام مین حضرت فاطمہ کی ناراضی اور رضامندی ایک بہت موقر درجہ رکھتی ہے اور حق بھی یہی ہے کہ خدا تعالےٰ کی ناراضی اور رضامندی پر ہر مسلم کی عاقبت کا مدار ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیخین کو اس حدیث سے اطلاع نہ تھی ورنہ حضرت فاطمہ کو ناراض کرنے سے ہر طرح احتیاط کرتے۔

نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرات شیخین نے حضرت ممدوحہ صلوات اللہ علیہا کو ناراض کر دیا

اور بہت ناراض کردیا - مقدرات سے چارہ نہین ہے - حصول سعادت اختیاری بات نہین ہے - جسے خدا چاہے سعادت نصیب ہو - اسمین کسی کا حصہ نہین ہے -

چوتھی حدیث اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ مین مروی احمد سے بسند جیّد حضرت علی سے ہے کہ حضرت امیرؑ نے جناب سیدہ سے کہا کہ آپ کے باپ کے پاس چند نفر لونڈی اور غلام آئے ہوے ہین انمین سے ایک نفر اپنی خدمت کے لیے مانگو - حضرت سیدہ نے جاکر پدر عالیمقام سے اپنی ضرورت ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ چکیان پیستے پیستے میرے ہاتھون مین آبلے پڑگئے ہین - آنحضرت نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ قسم بخدا مین ندونگا - مگر بہترین شے تمکو تعلیم کرتا ہون جسے جبرئیل نے بتلایا ہے اور یہ ہے کہ خواب کے وقت تم آیۃ الکرسی و سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھا کرو -

شیعہ اسکو تسبیح زہرا کہتے ہین اور ہر نماز کے آخر مین اسکو پڑہتے ہین -

یہ حدیث بخاری کی جلد ۵ کے صفحہ ۳۰۱ مین بھی دیکھی جاتی ہے -

واضح ہو کہ اس حدیث سے تعلیم فقر کی ظاہر ہوتی ہے - فقر آنحضرت کو نہایت محبوب تھا جیسا کہ الفقر فخری قول پاک اُس محب الفقرا و المساکین کا ہے صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ الطاہرین -

نور العین فی مشہد الحسنین ابو اسحاق اسفرائنی مین یہ حدیث مرقوم ہے کہ جناب سیدہ بروز قیامت ناقہ جنت پر سوار ہونگی اور تاج نور سر پر ہوگا اور میدان قیامت مین منادی آواز دیگا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھین بند کرو کہ حضرت خاتونؑ قیامت گزر جائین - تب عرش الٰہی کے قریب آکر آپ مستغیث ہونگی کہ ظالمون نے مجھپر اور میری اولاد پر بہت ظلم کیے ہین تو اُنسے انتقام لے - اِسپر خدا تعالےٰ فرمائیگا کہ اے حبیبہ تم شفاعت جسکی چاہو کرو قسم ہے مجھے اپنے عزّ و جلال کی ظالم تمہارا رستگار نہوگا - تب جناب سیدہ کہینگی کہ الٰہی تو میرے شیعون کے گناہون کو بخش دے - تب حکم خدا ہوگا کہ اے ملائکہ چھوڑ دو اختیار ہے فاطمہ کو جسے وہ چاہین جنت مین داخل کرین -

معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی بھی خبر حضرات شیخین کو نہ تھی ورنہ دیدہ و دانستہ آپ دونون بزرگوار حضرت فاطمہؑ کی اس درجہ کی آزردگی کے باعث نہوتے - معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے متعلق حدیثین آپ دونون صاحبون تک نہین پہنچی تہین یا یہ کہ آپ دونون صاحب ایسی حدیثون کو قابل توجہ نہین سمجھتے تھے - بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونون صاحب ایسی حدیثون کو مجرد اخلاقی باتین سمجھکر نظر انداز کردیتے تھے - مگر نہایت جائے افسوس ہے کہ حضرت رسول خدا کے ایسے زور کے اقوال قابل توجہ نہ سمجھے جائین - اور مجرد اخلاقی جانکر نظر انداز کردیے جائین -

ظاہر ہے کہ حضرت رسولؐ خدا ما ینطق عن الھویٰ کے مصداق تھے اور آپکے اقوال وحی خداوندی کا حکم رکھتے تھے۔ اور رکھتے ہین۔ صاحبِ ایمان آپکے اقوال سے مُنھہ نہین موڑ سکتا ہے۔ یون ہر شخص مختار ہے۔ جیسا چاہے کہے یا کرے۔

کنوز الحقائق مین مندرج ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ صبر کر دنیا کی تلخی پر۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم فقر کی ہے۔ درحقیقت یہ عجب قول ہے مومن کے لیے یہ قول سرمایۂ نجات ہے۔ اس سے زیادہ فلسفیانہ قول کوئی دوسرا ہو نہین سکتا ہے۔

علامہ سیوطی کی کتاب جامع الصغیر مین مندرج ہے کہ زنان اہل جنت کی سردار ین چار ہین مریمؑ و فاطمہؑ خدیجہؓ اور آسیہ۔ مگر حضرت پیر دستگیر نے حضرت ام المومنین عائشہ کو افضل نساء عالم لکھکر ان سب بیبیون کی سردار قائم کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ سُنیت کی داد ممکن نہ تھی۔

تفسیر نیشاپوری جلد ۲ اور سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۴۲۲ سے بروایت حضرت جابر انصاری ظاہر ہوتا ہے کہ چند روز ناداری کے باعث حضرت رسولؐ خدا نے غذا نوش نہین کی۔ ازواج مطہرات کے گھرون مین بھی پھرے مگر کچھ نملا۔ آخر مین اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے اور کچھ کھانے کو مانگا۔ حضرت سیدہ نے عرض کی کہ کچھ نہین ہے۔ پس آپ وہان سے اُٹھہ چلے۔ آنحضرت کے تشریف لیجانے کے بعد ایک خوان آپہنچا۔ حضرت سیدہ نے حضرت حسنینؑ سے فرمایا کہ جاؤ اور نانا کو بُلا لاؤ۔ حضرت رسولؐ خدا نواسون کے ساتھ حضرت سیدہ کے گھر واپس آئے۔ آپنے صاحبزادی سے فرمایا کہ اُس خوان کو لاؤ۔ دیکھا تو اُسے گوشت اور نان سے بھرا ہوا پایا۔ حضرت سیدہ اُسے دعوتِ الٰہی سمجھکر نہایت مسرور ہوئین اور خدا کا شکر بجا لائین۔ خوان کو پدر بزرگوار کے آگے رکھدیا۔ حضرت رسولؐ خدا نے پوچھا کہ یہ کہان سے آیا۔ یہی سوال تھا کہ حضرت زکریا نے حضرت مریمؑ سے نزول مائدہ کے وقت پوچھا تھا۔ جیسا کہ سورہ آل عمران مین موجود ہے۔ خیر۔ صاحبزادی نے جواب دیا کہ اے باباجان یہ رزق خدا کا دیا ہوا ہے۔ یہی جواب حضرت مریم کا تھا سوال حضرت زکریا کے جواب مین۔ المختصر حضرت رسولؐ و فاطمہؑ و علیؑ و حسنینؑ علیہم الصلوات والسلام اور بعض ازواج پاک نے سیر ہو کر نوش فرمایا اور طعام خوان مین کمی نہوئی ظاہر ہے کہ یہ دعوت خدا تعالےٰ کی جانب سے تھی اسمین کمی لاحق ہونے کی صورت کیا ہو سکتی تھی حضرات ناظرین اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات حضرت رسولؐ خدا پر فاقے گذر جاتے تھے فاقہ لوازمات فقر سے ہے۔ پس جس جناب کا قول الفقر فخری ہے اسپر فاقے نہ گذرین تو کیا ہو۔

اقسام احادیث اہل سنت

واضح ہو کہ اقسام احادیث اہل سنت کی تحقیق اس کتاب مین کتاب لمعات و شرح قسطلانی و شرح نووی و رسالہ سید شریف سے حوالہ قلم کی جاتی ہے۔ ذیل مین ہر قسم حدیث کے نام درج کیے جاتے ہین۔

١ صحیح - یہ وہ حدیث ہے کہ نقل اُسکی مرد عاقل و ضابط سے متصل ہو اور شاذ و علت سے نہو

٢ حسن - یہ وہ قسم ہے کہ اُسکے سلسلۂ اسناد مین کوئی متہم و شاذ نہو۔

٣ متواتر - یہ وہ ہے کہ جسکی روایت ایک قوم نے بغیر قید تعداد کے کی ہو جسکے باعث اُسکے حق ہونے مین محل شک کا باقی نہین رہ سکتا ہے۔

٤ ضعیف - یہ وہ حدیث ہے کہ جسمین شرطین صحیح اور حسن کی مجتمع نہون -

٥ متصل - اسکی سندین متصل ہون عام ازینکہ سندین مرفوع ہون یا موقوف -

٦ مرفوع - یہ وہ ہے کہ جسکی نسبت حضرت رسولؐ کی طرف ہو۔

٧ معنعن - وہ ہے کہ جسکی سند مین راوی نے فلان عن فلان کی طرز پر ذکر کیا ہو۔

٨ معلق - یہ وہ قسم ہے جسکے اسناد محذوف ہون -

٩ مدرج - یہ وہ ہے جسمین کلام راوی کا درج پایا ہو۔

١٠ مشہور - یہ وہ روایت ہے کہ جو محدثین کے نزدیک شہرت یاب ہو۔

١١ مصحف - وہ ہے کہ تجنیس خطی کے باعث جسمین اختلاف لفظ پیدا ہو گیا ہو۔

١٢ مسلسل وہ ہے کہ جسمین روایتون کا سلسلہ رسولؐ اللہ تک پہنچا ہو۔

١٣ معتبر وہ ہے کہ تفرد کے ساتھ بھی اُس روایت کا اعتبار ہو۔

١٤ موقوف وہ ہے کہ جسمین راوی نے کسی مسئلہ کی شرح یا اپنی یا دوسرے کی رائے بیان کی ہو۔

١٥ مقطوع وہ ہے کہ سلسلہ تا تابعین منتہی ہو۔

١٦ مرسل وہ ہے کہ جسمین تابعین کسی قول رسولؐ اللہ کو بیان کرین۔

١٧ منقطع وہ ہے کہ جسمین راوی کے اسناد متروک ہون -

١٨ معضل وہ ہے کہ جسمین راوی کی دو یا زیادہ سندین ساقط ہون۔

١٩ شاذ وہ ہے کہ کسی ثقہ نے اسکی روایت کی ہو مگر وہ روایت اور آدمیون کی روایتون کے خلاف واقع ہو۔

٢٠ معلل وہ ہے کہ جسمین سبب ضعیف بہ تفرد راوی یا تخالف بہ قرائن پایا جائے

۲۱ مدلّس وہ ہے کہ جسمین عیب دار راوی مخفی ہو۔
۲۲ مضطرب وہ ہے کہ جسمین روایت کا اختلاف واقع ہو۔
۲۳ مقلوب وہ ہے کہ جسمین راویون کے اسناد مقلوب واقع ہون۔
۲۴ موضوع وہ ہے کہ جسکو راویون نے بناکر جناب رسولؐ خدا یا کسی اور سردار دین کی طرف منسوب کردیا ہو۔

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حدیث کا فن ایک نہایت دشوار فن ہوگیا ہے۔ کوئی شک نہین کہ اہل سنت نے اس فن کو بڑی رونق دی ہے۔ اس فن کی ترقی فرقہ امامیہ کے حق مین ضرر رسان نہین ہوئی ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر یہ فن اہل سنت کی جانفشانی سے اس درجہ کو نہین پہنچ جاتا تو فرقہ امامیہ کو اپنے مذہب کے حق ثابت کرنے مین بڑی دقتین لاحق ہوتین۔

لاریب اہل سنت کی کتابین احادیث کی شیعون کے دعواؤن کے ثابت کرنے مین بڑی مدد دیتی ہین۔ یون تو دنیا مین بڑی بڑی کتابین مذہب امامیہ کے حق ثابت کرنے کو لکھی گئی ہین اورجنکو اہل سنت کی کتب حدیث وغیرہ سے بہت کچھ زور ملتے گئے ہین مگر راقم کی یہ مختصر تصنیف سراسر اہل سنت کی کتب حدیث وغیرہ سے بے انتہا فائدے اٹھاتی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کتاب مین راقم نے مذہب امامیہ کی کتابون سے گویا نام کو بھی مدد نہین لی ہے جو کچھ اسمین حوالۂ قلم ہوا ہے وہ حضرات اہل سنت کی جانفشانیون کا صدقہ ہے۔

بیشتر مخالفین حضرت علیؑ راویان اہل سنّت ہین

واضح ہو کہ ذیل مین نام ایسے ممتاز راویون کے درج کیے جاتے ہین جو علمائے اہل سنت کے نزدیک نہایت معتبر ہین او صحاح ستہ مین اُنسے حدیثین بکثرت مروی ہین۔ یہ حضرات راوی اصحاب رسولؐ اللہ کے ہین۔ اور حضرت علیؑ کے بڑے دشمن بھی تھے۔ علاوہ انکے بہت اہل بصرہ و اہل کوفہ اور اہل مدینہ تھے جو حضرت علیؑ سے بغض رکھتے تھے اور آپ پر لعن کرتے تھے بہرحال ایسے ممتاز راویون کے نام نامی یہ ہین۔

انس بن مالک۔ زید بن ارقم۔ اشعث بن قیس۔ ابو مسعود۔ کعب الاحبار۔ سمرۃ بن جندب ابو ہریرہ۔ عبد العزیز بن زبیر۔ ولید بن عقبہ۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن۔ قعقاع بن شور

نجاشی - کعب بن جبیل حنظلۃ الکاتب - جریر بن عبد اللہ البجلی - عمران بن الحصین - وائل بن الحجر الحضرمی مطرف بن عبد اللہ - علاء بن زیاد - عبد اللہ بن شقیق - مرۃ الہمدانی عبد اللہ بن نمیر - اسود بن یزید - مسروق بن الاجدع - ابو وائل - قیس بن حازم - عبد الرحمن بن خطیہ - مکحول اور زہری -

افسوس ہے ان راویون پر کہ انکے دلون کو حضرت علیؑ کی محبت کی صلاحیت نتھی علیؑ کی محبت جان اسلام ہے - جسکو علیؑ کی محبت نہین وہ سمجھ لے کہ بقول پاک رسولؐ دوزخ سے اُسے چھٹکارا نہین ہے - اسلیے کہ منافق ہی کا دل آپ کی محبت سے خالی ہوتا ہے اور منافق کی جگہ بالیقین دوزخ ہے -

معاویہ اور مذمت علیؑ

شرح ابن ابی الحدید کے صفحہ ۳۵۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ نے کچھ صحابہ اور تابعین کو اس امر پر متفق کیا کہ روایتین حضرت علیؑ کی مذمت کی وضع کرین -

اُن وضاعون سے - ابو ہریرہ عمرو ابن العاص - مغیرہ - عروہ اور زہری نامی وضع کرنیوالے ایسی روایتون کے تھے -

عروہ نے بروایت حضرت عائشہ یہ بیان کیا ہے کہ علیؑ اور عباس بے دین مرینگے اور یہ دونون ناری ہین - (معاذ اللہ)

اسی طرح کی بے سروپا حدیثین دیگر حضرات نے بھی گھڑی ہین - لعنت اللہ علی الکاذبین -

حسین کرابیسی بھی یکے از مخالفان حضرت علیؑ اور وضاع حدیث ہے علیہ ما علیہ - معاویہ کو جھوٹے راویون کے بغیر چارہ نہ تھا سب وتبرا کے ساتھ اس طرح کی وضعی حدیثون کی بڑی ضرورت تھی - اسی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۱۰ مین یہ بھی مندرج ہے کہ معاویہ نے اپنے عملون کو جو اسکی تحت حکومت مین تھے یہ لکھ بھیجا کہ نیکی نکرو شیعون کے ساتھ - اُنکی گواہی پر اعتماد نکرو - مگر شیعان عثمان پر نظر کرم رکھو اور جو شخص فضائل عثمان بیان کرے اُسکی عزت و منزلت کرو اور اُسکا نام بقید پدر و قبیلہ میرے پاس لکھ بھیجو -

اس ترکیب سے فضائل عثمان کی حدیثین بکثرت دیار و امصار سے جمع ہوگئین -

اس حکم کے مطابق ہر عملہ معاویہ کا فضائل عثمان کی روایتین بیان کرتا تھا - اور امور انعام ہوا کرتا تھا اور ایسی روایتون کی بدولت اُسکے لیے تقرب عزت اور سفارش کا حاصل ہونا دشوار نہ ہوتا تھا - اسکے بعد معاویہ نے حکمنامہ جاری کیا کہ فضیلت شیخین کی حدیثین فراہم کیجائین -

اور جو شخص حضرت علیؑ کی روایت کرے اُس پر نقض وارد کرو مجھے راویان فضائل علیؑ کی سزا دہی نہایت محبوب ہے - اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے - اسکے ساتھ یہ بھی حکمنامہ کا مضمون تھا کہ شیعان علیؑ پر شدت اور سختی کرو کہ وہ سب حضرت عثمان کے فضائل کی روایتین بیان کرین - اسکے بعد معاویہ کا یہ حکم ہوا کہ منبرون پر فضائل عثمان کے بیان کیے جائین - یہانتک کہ معلمون نے لڑکون اور لڑکیون اور عورتون کو قرآن کی طرح پر فضائل عثمان کے سکھلائے اور یہ طور سالہا سال تک جاری رہا -

ابو شکور سلمی شرح عقائد نسفی کے حاشیہ نگار صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ امام عادل وصالح اور متقی کی یہی شان ہے کہ جھوٹی حدیثین وضع کرایا کرے - اور جناب رسولؐ خدا پر بہتان بندھوائے گئے - حق یہ ہے کہ جس مذہب مین معاویہ صاحب خلیفہ اور امام مانے جاتے ہین - اور جس مذہب مین ابو شکور سلمی جیسے علما پائے جاتے ہین اُس مذہب کی خوبی محتاج بیان نہین ہے اللہ رے اہتمامات فضائل شیخین اور فضائل عثمان کے تصنیف کیے جانے کے اور انکی شائع کیے جانے کے - نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل کی حدیثین سلامت کیونکر رہ گئین جو اس عہد تک پہنچ سکین - مگر شک نہین کہ خدا دانا و بینا ہے اور حق کو زور دینے والا ہے - فضائل علیؑ اور فضائل آل محمدؐ و فضائل اہل بیت کی حدیثین مخالفین کی سخت کوشش کے ساتھ بھی بکثرت موجود ہین اور اُنکے نام نیک تا قیامت قائم رہین گے اور اُنکے دشمنون کی یاد لاحول کے ساتھ تا مرورِ دہور جاری رہیگی -

نماند ستمگار بد روزگار ‏ ‏ ‏ ‏ بماند برو لعنت کردگار

اس زمانہ کے عاشق امیر معاویہ

ایک صاحب کہ اپنے کو نہایت فہیم اور ذکی سمجھتے تھے - اور راقم کے ہم وطن بھی تھے امیر معاویہ کی محبت مین سرشار دکھائی دیتے تھے - ہمیشہ امیر معاویہ کے فضائل بیان کیا کرتے تھے - اور کوئی دم معاویہ صاحب کے ذکر سے خالی نہین رہتے تھے -

اسکا یقین کامل ہے کہ رحلت کے بعد وہ صاحب ضرور وہان پہنچ گئے ہونگے جہان اُن صاحب کے پیارے آقا اور ہادی بہت سی صدیان قبل اُن صاحب کے قرار لے چکے ہونگے -

تماشا ہے کہ وہ صاحب ایک ایسا فرزند ارجمند چھوڑ گئے ہین - جو انکے آقا امیر معاویہ صاحب کے صاحبزادے کے جلیس اور انیس ہونے کی تمامتر صلاحیت رکھتا ہے -

بخدائے لایزال اُن صاحب کا وہ جانشین اُن صاحب کے آقا کے جانشین کا پورا پرتو ہے

کوئی شک نہین کہ مادہ کی توریث ہوتی ہے - باپ اگر معاویہ کے عاشقون مین تھے تو بیٹا یزید کی محبت کا دم بھرنے والا نکلا - خیر متوفی صاحب یہ برابر فرمایا کرتے تھے کہ جب علی ابن ابی طالب نے حضرت معاویہ کو لفظ اخوان سے یاد کیا تو پھر شیعہ حضرت معاویہ کو قابل لعن کیون سمجھتے ہین - یعنی جسکو حضرت علیؑ بھائی کے رشتہ سے یاد فرمائین اُسپر شیعہ کیون لعنت کرتے ہین -

اکثر وہ متوفی صاحب اس اعتراض کو خواندہ شیعون کے سامنے پیش کیا کرتے تھے - اور اپنی لسّانی کا زور جاہل شیعون کو دکھلایا کرتے تھے - خود متوفی صاحب محصل آدمی نہ تھے مگر اپنے مذہب کے ذی علم اشخاص کی صحبت مین بیٹھکر اسی طرح کے اعتراض سیکھ لیا کرتے تھے - واضح ہو کہ یہ اعتراض اور اسکا جواب دونون کتاب بحار الانوار کی جلد ۸ صفحہ ۴۴۴ مین پائے جاتے ہین -

حقیقت حال یہ ہے کہ کوفے کے ایک شخص موقر نے امام زین العابدین علیہ السلام سے اعتراض کیا کہ آپکے دادا علیؑ ابن ابی طالب نے امیر معاویہ وغیرہ کو لفظ "اخواننا" کے ساتھ یاد کیا ہے - یعنی یہ فرمایا ہے کہ میرے بھائیون نے مجھسے بغاوت کی -

امام ہمام علیہ السلام نے جواب مین فرمایا کہ کیا قول خدا کو تم نہین پڑھتے جس مین درج ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا - یعنی ہمنے بھیجا قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی ہود کو - ہود بھی قومیت کے حساب سے قوم عاد کی مثل تھے - لیکن خدائے عزوجل نے ہود کو اور ہود کے ساتھیون کو بچا لیا اور قوم عاد کو ہوائے تیز و تند کے ذریعہ سے ہلاک کر ڈالا"

جاننا چاہیے کہ اصحاب جمل و صفین اور اہل نہروان کے مادے مین حدیث لعن رسول خدا کی موجود ہے - لفظ اخوان جو حضرت علیؑ نے استعمال فرمایا وہ امیر معاویہ کے اسلام ظاہری کے اعتبار سے اور نیز اسوجہ سے کہ جدی قرابت کے رو سے امیر معاویہ داخل اخوان تھے - اس خطاب سے امیر معاویہ کی نہ کوئی وقعت ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی یگانگی جو انکے لیے ذریعہ نجات متصور ہو سکے -

مشابہت معاملات خاندان پیمبر کی معاملات موسے و عیسے علیہما السلام کی ساتھ

جاننا چاہیے کہ دینِ خدا از وقتِ آدمؑ تا حضرت رسولؐ خدا ایک ہی رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امرِ حق انقلاب پذیر نہین ہوتا ہے۔ وہی خدا جو حضرت آدمؑ کے وقت مین تہا وہی آج بہی ہے اور اُسکی وحدانیت جو آدمؑ کے وقت مین تہی وہی آج بہی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ البتہ احکام ضرورتِ اوقات سے بدل سکتے ہین۔ مثلاً حضرت موسےٰؑ کے وقت کا قانون جاری یہ تہا کہ کفار مغلوب کے ہر فرد کو مار ڈالتے تہے گہرون کو جلا ڈالتے تہے غلہ اور کہیتی کو ضائع کر ڈالتے تہے اور مویشی اور جانورون کو نیست و نابود کر دیتے تہے۔ حضرت رسولؐ خدا کی وقت مین کفار پر فتح پانے کے بعد ایسی کوئی کارروائی عمل مین نہین لائی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب امور جزئیہ ہین اور انکی پابندی تقاضائے محل و موقع پر موقوف ہے۔

دینِ خدا تو برابر ایک ہی رہا مگر جب کسی اُمت نے راہِ ضلالت اختیار کی اُنکی اصلاح کی غرض ایک نئے نبی کو خدا نے مبعوث کیا۔ مثلاً جب حضرت موسےٰؑ کی اُمت نے حضرت موسیٰؑ کے دین مین خرابیان پیدا کین تو خدا نے حضرت عیسےٰؑ کو اصلاحِ دینِ موسوی کے لیے مبعوث فرمایا پہر جب اُمت مسیحی مین فتور واقع ہوئے حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اصلاح و اہتمام ادیان کے لیے اس عالم مین تشریف لائے۔ پہر جب دنیا جور و ظلم سے بہر جائیگی اور اُمت محمدی محتاج ہدایت ہو جائیگی تو حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائین گے۔

واضح ہو کہ معاملات حضرت پیغمبرِ خدا اور معاملات حضرت موسےٰؑ و عیسےٰؑ علیہما السلام مین مشابہت دیکہی جاتی ہے۔ جس طرح پر حضرت موسےٰؑ اولوالعزم نبی تہے۔ حضرت خاتم الانبیا بہی اولوالعزم نبی تہے۔ جس طرح حضرت موسےٰؑ کے بہائی ہارونؑ حضرت موسےٰؑ کے مددگار تہے۔ اُسی طرح پیغمبرِ خدا کے بہائی حضرت علیؑ پیغمبرِ خدا کے مددگار تہے۔ جیسے خاندان موسےٰؑ مین شبر و شبیر ہین خاندان جناب رسولؐ خدا مین امام حسنؑ و امام حسینؑ تہے۔ اور جس طرح حضرت عزیرؑ کی غیبوبت اور رجعت کے قائل بنی اسرائیل تہے۔ اُمت محمدی امام مہدی علیہ السلام کی غیبوبت اور رجعت کی قائل ہے یہ فرمودہ بہی حضرت رسولؐ خدا کا حضرت علیؑ کے حق مین ہے کہ مثل یہود کے ایک فرقہ میری اُمت کا علیؑ کا دشمن ہوگا اور ایک فرقہ مثل عیسےٰؑ کے علیؑ کو خدا جانے گا۔ پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت علیؑ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتہ بہت کچہ مشابہت ہے۔ منجملہ ان مشابہتون کے ایک مشابہت یہ ہو کہ انبیا اور ائمہؑ مین حضرت علیؑ اور حضرت مسیحؑ کے سوا کوئی دوسرا شخص خدا نہین مانا گیا ہو۔ لاریب یہ امر سراسر کفر ہے مگر واقعہ ایسا ہی ہے۔ آخر مین غرض راقم یہ ہو کہ جسطرح امامت ائمہ اثنا عشر کی قول خدا اور رسولؐ سے ثابت ہے اسی طرح آپ حضرات کی امامت توریت و زبور و انجیل سے بہی ثابت ہے۔ ان مشابہتون کے مقابلہ مین جو رسولؐ اور عزیزانِ رسولؐ خدا کو حضرت موسےٰؑ اور اُنکے عزیزون کے ساتہ پیدا ہے۔ حضرات اہل سنت

تفضیل شیخین و معاویہ کی خطائے اجتہادی و خلافت اجماعی وغیرہ وغیرہ کے جھگڑے بکھیڑے پھیلائے ہوئے ہین - یہ حضرات احادیث تفضیل کی غیر صحیح تاویلین پیش کرتے ہین - حدیث غدیر سے معنی خلاف عقل بیان کرتے ہین - اور خلفائے بنی امیہ جو فضائل حضرات ثلثہ مین - حدیثین وضع کرائے گئے ہین انھین قرآن کے برابر جانتے ہین - واقعی امر یہ ہے کہ یہود جس طرح حضرت عیسےؑ کی بشارت کے منکر ہوئے اور عیسائی حضرت رسولؐ خدا کی بشارت کے منکر ہوئے - ویسا ہی اہل سنت حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کے منکر ہوئے - ہزار رسولؐ خدا نے قولی اور فعلی دونون طور سے حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کو قائم کرنا چاہا مگر طالبان دنیا نے حضرت علیؑ کو خلیفہ اور امام حضرت رسولؐ خدا کی رحلت پر ہونے نہ دیا - تماشا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے امام کو تو اہل سنت نے بالائے طاق کہدیا اور اپنا امام اپنے جی سے قائم کر لیا اور اصول خلافت و امامت یہ قائم کر لیا کہ خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا خدا پر واجب نہین ہے امت پر ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل سنت کو موقعہ ملتا تو اپنا نبی بھی آپ مقرر کر لیتے اور خدا کے مقرر کردہ نبی کو ٹھنڈے ٹھنڈے خدا کے پاس واپس چلے جانے کے لیے حکم دیدیتے - غالباً اہل سنت خلفائے ثلثہ کو نبی کہنے سے مجبور ہین مگر انکے پاس ایسی ایسی وضعی حدیثین موجود ہین جنکی رو سے اُن حضرات کو نبی کر سمجھنا اُن حدیثون کے تقاضے کے خلاف متصور نہین ہے - جو خلوص حضرات اہل سنت کو حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ ہے اگر اُسکی بنیاد پر انھین کوئی اُمت خلفا کہے تو زنہار خلاف واقعہ یہ امر نہوگا -

پندرہ حدیثین جن سے ائمہ اثنا عشر کی خلافت اور امامت بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے -

کتاب نصوص مین بروایت ابن عباسؓ درج ہے کہ ایک یہودی جناب رسولؐ خدا کے پاس آیا نام اُسکا نعثل تھا - اُسنے حضرت رسولؐ خدا سے یہ کہکر کہ میرے سینہ مین تردد ہے اگر آپ اسکا جواب اطمینان بخش دینگے تو مین آپ کی بات پر ایمان لاؤنگا " سوال کیا کہ " مجھے آپ اس سے مطلع فرمائیے کہ آپکا وصی کون ہے - ہمارے نبی حضرت موسےؑ نے تو یوشع بن نون کو اپنا وصی بنا لیا تھا " آنحضرت نے اُسکے جواب مین ارشاد فرمایا کہ ہان میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ علی ابن ابی طالب ہین اور انکے بعد اُنکے دو فرزند حسنؑ اور حسینؑ خلیفہ ہونگے - اور صلب حسینؑ سے نو ائمہ ابرار ہونگے - تب اُسنے پوچھا کہ آپ اُنکے نام تو بتلائیے - حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسینؑ کے بعد علیؑ ابن الحسینؑ اور اُنکے بعد محمد باقرؑ اور اُنکے بعد جعفر صادقؑ اور اُنکے بعد موسیٰ کاظمؑ اور اُنکے بعد

امام رضا اور انکے بعد جواد اور انکے بعد ہادی اور انکے بعد حسن عسکری اور انکے بعد حجۃ اللہ المہدی۔ یہ لوگ نقبائے بنی اسرائیل کے موافق عدد مین بارہ ہین اور یہ سب امام ہین۔ اسکے بعد سائل نے سوال کیا کہ ان کا مسکن کہان ہوگا۔ آپنے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ جنت مین میرے درجہ کے برابر۔ یہ سُنکر وہ یہودی کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان پر لایا اور بولا کہ بیشک یہ حضرات اوصیا برحق ہین۔ ایسا ہی مینے کتاب موسےٰ مین دیکھا ہے کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونگے اور نام انکا احمد ہوگا۔ انکے بعد نبوت نہوگی اور انکے صلب سے ائمۂ ابرار پیدا ہونگے" یہ حدیث بروایت شعبی کشف الغمہ مین بھی درج ہے اور خطیب خوارزمی اور حموینی الجوینی و ابن نجار و سلمہ بن الاکوع و عبد اللہ بن احمد اپنی اپنی کتابون مین لائے جیسےکہ ہم لکھ چکے ہین
واضح ہو کہ کتاب نصوص مین چودہ اور حدیثین ایسی درج ہین کہ جنسے ائمۂ اثنا عشر کا خلیفہ اور امام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انھین سے کچھ حدیثین ذیل مین درج کی جاتی ہین۔

ابو سعید الخدری روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول خدا کو کہتے سُنا کہ ائمہ بعد میرے بارہ ہون گے۔ نو انمین سے صلب حسین سے ہونگے اور نوین انمین صاحب العصر ہونگے یعنی امام دوازدہم حضرت امام مہدی علیہ السلام پس مقام خوشی ہے انکے لیے جو انسے محبت رکھے اور جائے حسرت ہے انکے لیے جو انسے بغض رکھے۔

ابن مسعود سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے دوازدہ اماموں کے جلوہ فرما ہونیکی بشارت دی ہے۔ دونون حدیثون کے مضمون واحد ہین۔ دونون حدیثون مین صلب امام حسین سے نو امامون کے پیدا ہونیکی خبر دی گئی ہے اور انمین نوین امام امام مہدی علیہ السلام فرمائے گئے ہین۔ حضرت عمر بھی انھی مضامین کی حدیث کے راوی نظر آتے ہین۔ آپ فرماتے ہین کہ مینے رسول خدا کو فرماتے سُنا کہ میرے بعد بارہ امام ہون گے اور انمین سے نو صلب حسین سے ہون گے اور انھی مین سے مہدی دین محمدی بھی ہونگے۔ جو شخص ان امامون کا متمسک ہوگا وہ خدا کا متمسک ہوگا اور جو انسے کنارہ کریگا خدا سے کنارہ کریگا۔ راقم کہتا ہے کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اجماع سقیفۂ بنی ساعدہ کے وقت حضرت عمر کو یہ حدیث مطلق یاد نہین رہی۔ ناظرین یہ نہ سمجھین کہ خلافت امامت سے علٰحدہ ہے ایسا نہین ہے کہ جیسی الگ بکتی ہو اور اُسکا شیرہ الگ بکتا ہو کیا سمجھکر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر کو اپنی روایت کردہ حدیث پر ایمان ہوتا تو علی مرتضےٰ امام اول ہوتے حضرت ابوبکر یا کسیکو خلیفہ قرار نہین دیتے۔ اس طور پر حضرت عمر کا عامل ہونا بین طور پر آپ کے نقصان ایمان کی خبر دیتا ہے۔ بقیہ حدیثین بھی اسی قالب کی ہین۔ اختصار کے خیال سے راقم قلم کو روک لیتا ہے۔ حضرت رسول کی ان سب حدیثون سے خلافت اور امامت ائمۂ اثنا عشر کی ثابت ہوتی ہے اور یہ حدیثین خلافت راشدہ وغیرہ کے بطلان کو کافی ہین۔ مگر امر حق کے سمجھنے کے لیے توفیق کی بڑی ضرورت ہے۔ بے توفیق کچھ نہین ہوتا

آیاتِ دالۂ خلافت حضرت علیؑ

واضح ہو کہ احادیث اور آیاتِ قرآنی دونوں سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ آیاتِ قرآنی مثبت خلافتِ حضرت علی بہت ہیں۔ راقم سب کو اس کتاب میں جگہ نہیں دیسکتا ہے کیونکہ یہ ایک مختصر تصنیف ہے اسمین تمام آیاتِ قرآنی کو جنکو حضرت علیؑ کی خلافت سے تعلق ہے گنجایش نہیں ملسکتی ہے اسلیے راقم صرف چند آیتوں کا ذکر ذیل میں کرتا ہے۔ سورۂ شوریٰ آیت قُل لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ۔ یعنی کہہ تو اے نبی کہ میں رسالت کا اجر نہیں مانگتا ہوں تم سے مگر صرف محبت اپنے رشتہ مندانِ قریب کا طالب ہوں۔ یہ رشتہ مندانِ قریب حسب اجماعِ مفسرین علی فاطمہ حسن اور حسین ہیں (دیکھو تفسیر بیضاوی تفسیر معالم التنزیل تفسیر محی الدین ابن العربی تفسیر کشاف تفسیر نیشاپوری تفسیر کبیر رازی جلد ۷ صفحہ ۴۰۶ اور اسعاف الراغبین) ان رشتہ مندوں میں قرابت دارانِ قریش و بنی ہاشم یا کوئی شخص اصحاب انصار و خلفا و مہاجرین سے داخل نہیں ہے۔ انمیں داخل صرف علی فاطمہ اور حسنین ہیں۔ اس آیت سے بیّن طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ فضائل کثیرہ میں بعد حضرت رسول خدا کے یہی چاروں تن ہیں۔ اور انکے ہوتے ہوئے انسے زیادہ تر کوئی شخص قابل مودت نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ عقل سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ انمیں سے کوئی شخص لائق خلافت انتخاب نہ کیا جائے اور حضرت عمر ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا ڈالیں جس پر خود ان چار تن کی محبت خدا کیطرف سے فرض کی گئی ہو۔ ایسا شخص ضرور ہے کہ ان چار تن سے مفضول ہو پس ایسے شخص کو ایسی افضل ذاتوں کے اوپر خلیفہ امام اور حاکم قرار دینا بڑی گمراہی کی خبر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ عورت ہونیکی وجہ سے رسول خدا کے بعد خلیفہ اور امام نہیں ہوسکتی تھیں حسنین علیہما السلام آنحضرت کی رحلت کے وقت بہت کم عمر تھے۔ پس ضرور تھا کہ حضرت علی مسند آرائے خلافت ہوتے مگر حضرت عمر کی شدید المزاجی اور ذاتی عناد نے حضرت علی کو خلیفہ ہونے نہ دیا۔ لاریب اہل اسلام کی یہ پہلی غلطی تھی جیسا راقم سابق میں عرض کر چکا ہے اور یہ وہ غلطی تھی کہ جس سے اسلام کو بیحد نقصانات لاحق ہوئے ہیں اور اسوقت بھی ہو رہے ہیں۔ مشیت ایزدی کا جواب نہیں ہے۔ مگر بظاہر حضرت عمر سے اسلام کے حق میں یہ ایسا ضرر رسان فعل سرزد ہوا ہے کہ جسکی اصلاح تا قیامت احاطۂ امکان سے باہر ہے۔

سورۂ تحریم۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولا یعنی حامی رسول کا خدا ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین یعنی حضرت علیؑ ہیں۔ صاحب تفسیر مجمع البیان (صفحہ ۳۴۳) لکھتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد امیر المومنین ہیں اور یہی قول مجاہد کا ہے جیسا کہ کتاب شواہد التنزیل میں بہ اسناد سُدیر الصیرفی اور ابو جعفر کے دیکھا جاتا ہے۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے دو بار حضرت علی کو اُمت سے پہچنوایا ایک بار یہ فرما کر کہ جسکے مولا یعنی آقا ہم ہیں اسکے آقا علی ہیں

اور جب بار دوم یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد کیا کہ اے قوم یہ صالح المومنین ہے - اسماء بنت عمیس کہتی ہین کہ مین نے جناب رسول خداؐ کو فرماتے سُنا کہ صالح المومنین علی بن ابی طالب ہین -

راقم عرض کرتا ہے کہ نہایت جائے افسوس ہے کہ صالح المومنین تو خلیفہ نہ قرار دیا جائے اور خلیفہ قرار دیے جائین تو حضرت ابوبکر جو اس قول خداوندی کے روسے جمیع مسلمین کی طرح حضرت علیؑ سے مفضول ہین - شاباش کہیے حضرت عمر کو کہ قول خداوندی کے بیباکانہ طور پر مخالف ہو کر افضل کو مفضول بنا ڈالا - صرف افضل کو مفضول نہین کر ڈالا بلکہ اس افضل کے ساتھ نہایت شدید الزاجی کے ساتھ پیش بہی آئے - جیساکہ سابق مین حوالہ قلم ہوچکا ہے - اُسے تنگ کرنے کے لیے اسکی قیام گاہ تک گئے بلکہ اسکی زوجہ کے گہر مین آگ بہی لگادی یا آگ لگادینے کے لیے مستعد ہوگئے - (دیکھو تاریخ ابو الفدا) اور اسکی بی بی کے شکم پر ایسی ضرب لگائی کہ باردار معصومہ کا حمل ساقط ہوگیا (دیکھو ملل و نحل شہرستانی صفحہ ۲۰)

واہ اُمت نے کیا قدردانی صالح المومنین کی کی - لاریب صالح المومنین کے ساتھ ایسے برتاؤ نہ عقل کی رُو سے جائز ہوسکتے تھے نہ مذہب کی رُو سے - مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر احکام خدا اور رسولؐ کو اپنی سمجھ کے آگے مطلق قابل وزن نہین سمجھتے تہے - اگر ایسا سمجھتے تو عموماً آپکے برتاؤ حضرت علیؑ کے مقابل مین اسدرجہ مخالفانہ انداز کے نہوا کرتے -

تماشا ہے کہ اہل سنت حضرت عمر کی ایسی کارروائی کے نقصانات پر مطلق نظر نہین کرتے ہین - مین بہی جب اہل سنت سے تہا تو حضرت عمر کی ہر کارروائی کو قابل ستایش سمجھتا تہا - الحمد للہ کہ خدائے پاک نے مجہے توفیق خیر عطا فرمائی جس سے حق و باطل کا فرق معلوم ہونے لگا - اور مولویون کے دام تزویر سے رہا ہوکر مین دل سے دوستدار حضرات اہل بیت علیہم السلام کا اپنے کو پاتا ہون - اور جسقدر اب مجہے خاندان پیمبرؐ کے ساتھ محبت کا تعلق ہے اُس سے کم دشمنان خاندان پیمبرؐ کے ساتھ میرے دل کو عداوت کی خلش لاحق نہین ہے اے اللہ میرے مجہے استوار رکہہ محبت اہل بیت اور عداوت دشمنان اہل بیت پر اور اے خدا مین تجہسے کسی چیز کا خواستگار نہین ہون الا یہ کہ تو اُٹہا مجکو دنیا سے اہل بیت کی محبت پر -

اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامان آل رسولؐ

سورۂ مجادلہ - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً - تفسیر معالم التنزیل و تفسیر نیشا پوری و تفسیر کبیر رازی و تفسیر محی الدین ابن العربی و حدیث مشکوٰۃ باب مناقب علیؑ و ترمذی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان مین نازل ہوئی ہے -

اس آیت نجوے کو مفسرین و محدثین بطریق تواتر شان مین حضرت علیؑ کی کہتے گئے ہین
اس آیت مین ایسی فضیلت مخصوص حضرت علیؑ کی ذات کے ساتھ پائی جاتی ہے جو کسی شخص
سے تعلق نہین رکھتی ہے۔
وہ یہ ہے کہ کان مین جناب امیر نے حضرت رسول خدا کا امور پوشیدہ کی باتین
کرنا۔ اور بحکم خدا انہین مخفی رکھنا۔
اس سے ایسا قرب عظیم ظاہر ہوتا ہے جو کسی کو بھی انصار و اصحاب سے حاصل نہوا۔
پوشیدہ نہین ہے کہ جب حکم خدا ہوا کہ جو کوئی نبی سے کانون مین بات کرے تو ایسا
شخص صدقہ دے۔ مگر صدقہ کی شرط کسی سے پوری نہوسکی۔
حضرت امیر علیہ السلام نے بے زری کے باعث بمشکل صدقہ کی شرط ادا کی۔ جس پر آیت بالا
نازل ہوئی۔
حضرت علیؑ فرماتے ہین کہ اس آیت سے میری فضیلت تمام مسلمانون پر ثابت ہوتی ہے
اسلیے کہ جو کام مجھسے ظہور مین آیا کسی سے ظہور مین نہ آیا۔
یعنی مین نے دس درم تصدق دیکر حضرت رسول خدا سے کانون کان بات کرنے کا شرف
حاصل کیا۔ اسکے بعد خدائے تعالے نے دس روز کے بعد آیت بالا کو منسوخ فرمایا۔
حضرت عمر فرماتے ہین کہ کاش خدا مجھے یہ فضیلت عطا فرماتا۔ واضح ہو کہ سرگوشی
غزوۂ طائف مین واقع ہوئی۔ پس امور تبلیغ رسالت و ابلاغ احکام باری و شرائع سفری
مین نبی کا علیؑ کے سوا دوسرے سے نہین بات کرنا دلیل قاطع ہے کہ سوائے حضرت علیؑ کے
خدا نے کسی دوسرے کو منصب امامت کا سزاوار نہ جانا۔
نہایت جائے تعجب ہے کہ حضرت علیؑ کی اس فضیلت سے بھی باخبر ہو کر حضرت عمر نے حضرت
علیؑ کو خلیفہ نہونے دیا۔ بلکہ اپنے بعد بھی آپ کے خلیفہ ہونے مین بڑی بڑی پچنین لگاگئے۔
واہ وا اعتراف فضیلت اسی کو کہتے ہین۔
بات بنانے کے لیے تو دنیا پڑی ہوئی ہے۔ مگر حضرت عمر کے معاملات بات بنانیوالون کی
منتون سے بھی نہین بنتے ہین۔
واضح ہو کہ قرآن شریف مین بہت سی آیتین ایسی ہین کہ جنسے حضرت علیؑ کی خلافت
بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ بعض اُن آیتون سے یہ ہین۔
سورۂ طٰہ۔ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔
سورۂ آل عمران۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

الی اٰخرھا - سورہ آل عمران پارہ سوم - فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ -

سورۃ النسائ - اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا -

سورہ مائدہ - اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
رٰكِعُوْنَ -

سورۃ الحاقہ - وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ -

سورہ نسا، پارہ ۵ - وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ -

سورہ بقر - قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا - سورہ احزاب اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا - سورہ مائدہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا - سورہ مائدہ يٰٓاَيُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّــغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ - - اِنکے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ جنسے اہل بیت کا افضل المومنین ہونا
ثابت ہوتا ہے - اور اس روسے افضلیت امیر المومنین حضرت علیؑ کی تمام اہل اسلام پر
ثابت ہوتی ہے - یہ ایک بھاری دلیل حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی ہے -

بلاشبہ افضل ہمیشہ افضل رہتا ہے کسی حال مین مفضول نہیں ہو سکتا ہے - افضل پر
مفضول کو کسی حال مین ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی ہے - پس حضرت علیؑ کا بمقابلہ حضرت ابوبکر کے
مفضول قرار دیا جانا تمامتر عقل و نقل سے بعید ہے - حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کے خلیفہ بنانے کے
وقت حضرت علیؑ کی افضلیت اور حضرت ابوبکر کی مفضولیت کا لحاظ رکھنا ایک ضروری امر تھا
مگر اپنی اغراض ذاتی کے سامنے حضرت عمر کو کسی کی افضلیت یا مفضولیت یاد نہ رہی -
چٹ منگنی پٹ بیاہ کے طریقہ پر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا بیٹھے - بلکہ یہ کہیے کہ حضرت ابوبکر کے
پردہ مین خود خلیفہ بن بیٹھے -

آیات دالہ بر خلافت خلفائے ثلثہ

راقم سابق مین اپنی تحقیق سورۃ الفتح کی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ کی نسبت
حوالہ قلم کر چکا ہے - اسی طرح سورہ توبہ کی آیت اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اور سورہ نور کی آیت

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پر اظہار رائے کر چکا ہے۔ اب نو (۹) آیتین اور بھی
قرآن شریف مین ایسی دیکھی جاتی ہین۔ جنسے اہل سنت خلفائے ثلثہ کی خلافت ثابت کرتے ہین
راقم ذیل مین ہر آیت پر اظہار رائے کرتا ہے۔ اہل انصاف سے توجہ فرمائی کا طالب ہے
سورۂ مائدہ کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ
یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ
لَوْمَةَ لَآىٕمٍ۔ اس آیت سے اہل سنت استدلال کرتے ہین کہ خدا نے وعدہ کیا کہ اے نبی تمہارے
بعد جو لوگ مرتد ہو جائینگے تو اُنکے دفع کے واسطے خدا ایک قوم پیدا کرے گا وہ قوم حضرت ابوبکر
ہین کہ جناب رسول خدا کے بعد مرتد عرب کو آپ نے قتل کر ڈالا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ مفسرین
کو اس باب مین اختلافات کثیرہ ہین تفسیر نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن
قتادہ ضحاک اور ابن جریح کہتے ہین کہ قوم سے مراد ابوبکر اور اُنکے اصحاب ہین۔ مجاہد کا بیان ہے کہ
قوم سے مراد اہل یمن ہین پھر کچھ اشخاص کہتے ہین کہ قوم مراد قریش ہین۔ کسی کا اجماع اسپر نہین
ہوا کہ قوم سے مراد ابوبکر اور اُنکے اصحاب ہین۔

احادیث دلالت اس امر پر کرتی ہین کہ یہ آیت انصار کی شان مین نازل ہوئی اور چونکہ غزوۂ تبوک
مین اکثر صحابہ مرتد ہو گئے تھے اس ارتداد کے قصہ کو غزوہ حضرت رسول خدا سے تعلق ہے۔
نہ کہ حضرت ابوبکر کے غزوات بعد النبیؐ سے۔ مفسر نیشاپوری کہتے ہین کہ اِس آیت سے مراد
امام مہدیؑ ہین۔ اور ثعلبی کہتے ہین کہ مراد خدا حضرت علیؑ ہین۔ حضرت علیؑ کا مراد خدا ہونا اس
بر واقعہ نظر آتا ہے۔ اسلیے کہ انسداد کافرین و مرتدین کی کاروائیان آپ ہی کے زور بازو کر
عمل مین آیا کرتی ہین۔ لاریب آیت بالا مین جو وعدہ دیکھا جاتا ہے وہ تمامتر غزوۂ حضرت
رسولؐ خدا سے تعلق رکھتا ہے۔

جیسا کہ امام رازی وغیرہ کہتے ہین کہ اُس سے غزوات حضرت ابوبکر و عمر مراد نہین ہوسکتی
اسلیے کہ غزوات رسولؐ سب سے سخت تر تھے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر سخت تر نہوتے تو حضرات خلفائے ثلثہ اُن غزوات سے کیون پناہ
مانگا کرتے۔ ان غزوات مین حضرت علی ہی کی تلوار تماشے دکھاتی رہی۔
حضرات خلفائے ثلثہ نے تو نہ کسیکو خط لگایا اور نہ خط کھایا۔ ہمیشہ یا بر سر فرار رہے یا اعدائے
دین سے مقابلہ کرنے مین دل چرایا کیے۔

پس ثعلبی کا یہ لکھنا کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؑ ہین کوئی امر خلاف واقعہ نہین ہے۔
اب اہل انصاف تجویز کرین کہ آیت بالا کس طرح پر حضرات خلفائے ثلثہ کی صحت خلافت کی

دلیل قائم ہو سکتی ہے یا نہیں۔

سورۂ الفتح۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا۔

اہل سنت اس آیت سے فضیلت خلفائے ثلثہ کی بیان کرتے ہین۔ مگر اس آیت سے کوئی فضیلت خلفائے ثلثہ کی نہین ثابت ہوتی ہے۔

اس سے استحقاق خلافت کا ثابت ہونا تو خیال سے باہر ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بیعت شجرہ اُن لوگون سے حضرت رسولؐ خدا نے لی تھی جنسے نفاق و فرار کا گمان تھا یا جنہون نے اسلام جدید اختیار کیا تھا یعنی نئے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ علاوہ اسکے بیعت شجرہ کے وقت حضرات خلفائے ثلثہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ یہ ماجرا حدیبیہ کا ہے۔ اگر بالفرض بیعت شجرہ کے وقت حضرات شیخین موجود تھے اور جیسا کہ اہل سنت کہتے ہین کہ حضرت رسولؐ خدا نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر حضرت عثمان کی بیعت لی تھی۔ تو یہ امر اور بھی بہت بڑی حسرتون کا ہے کہ بیعت شجرہ حاصل کرکے بھی حضرات خلفائے ثلثہ نے حنین کی لڑائی مین حسب عادت قدیم حضرت رسولؐ کو اعدائے دین مین چھوڑکر میدان جنگ سے فرار کی راہ اختیار کی۔

حضرات خلفائے ثلثہ کا فرار جنگ حنین مین ثابت در ثابت ہے۔ ایسے ہی بھاگتے لوگون کو شرم دلانے کی غرض سے حضرت رسولؐ خدا نے بروز حنین اہل شجرہ کے خطاب سے پکارا تھا۔ تب ایسے فرارین خدا کے نزول سکینہ کے بھی کیونکر مورد ہو سکتے ہین۔

ہرگز ہرگز یہ آیت فرارین اُحد یا فرارین حنین سے تعلق نہین رکھہ سکتی ہے۔ البتہ نزول سکینہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بڑا تعلق حاصل ہے۔ اور نیز ایسے اشخاص کے ساتھ جو حضرت علیؑ کی راہ شجاعت پر قدم رکھنے والے تھے۔ پس نزول سکینہ کی بنا پر بھی یہ آیت ہرگز ہرگز خلفائے ثلثہ کے ساتھ کوئی لگاؤ نہین رکھہ سکتی ہے۔

المختصر ایسی حالت مین دعوئے اہل سنت کا نہایت سُست اور بے بنیاد ہے۔ اس آیت سے نہ حضرات خلفائے ثلثہ کی کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور نہ آپ حضرات کسی طرح پر خلافت رسول اللہ کے مستحق دکھائی دیتے ہین۔

سورۂ توبہ۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔

اس آیت سے اہل سنت خلفائے ثلثہ کی فضیلت اور امامت ثابت کرتے ہین۔

اس آیت مین سبقت در اسلام کی صفت مذکور ہے۔ مگر معالم التنزیل کے صفحہ ۱۹۸ اور

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۱۷۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیؑ پہلے شخص ہین جو ایمان لائے اور نماز پڑھی - خود بھی شاہ ولایت فرماتے ہین سَبَقْتُكُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ طُرًّا غُلَامًا مَا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِ - پس بلاشبہ حضرت علیؑ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مین داخل ہین - علاوہ آپکے باجماع مفسرین (دیکھو تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۴۹۱ و تفسیر کبیر رازی جلد ۴ صفحہ ۷۲۱ و اسعاف الراغبین صفحہ ۱۲ و سیرۃ المحمدیہ صفحہ ۱۷۵ وغیرہ)

اس آیت کی تنزیل اصحاب عقبہ اولے کے حق مین ہے اور اُسمین صرف سات کس تھے اور اسمائے اُنکے یہ ہین - ابو امامہ - عوف - قطبہ - رافع - عقبہ - جابر - بنی نجار -

اہل سنت بیچارے کمال شغف کی بنا پر اپنے حضرات خلفا کو کیونکر بھول سکتے تھے - بے داہنے بائین دیکھے اُن حضرات کو اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی قطار مین داخل کر بیٹھے - ظاہرا اس آیت کو حضرات خلفائے ثلثہ سے کوئی تعلق نہین دکھائی دیتا ہے -

مگر ہٹ دھرمی کا کیا جواب ہے - ہر قدم پر اہل سنت حق لینے کے طلبگار ہو بیٹھتے ہین - کیا تماشا ہے کہ ہر اہل سنت حضرت علیؑ کے سابق الایمان ہونے سے خبر رکھتا ہے - اسکو زبان پر لانا تو درکنار - ایک بے بنیاد امر یعنی خلفائے ثلثہ کی سبقت اسلام کا دعوی کر بیٹھتے ہین - المختصر اس آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ کی کسی طرح کی تعریف ثابت نہین ہوتی ہے - اُن حضرات کا استحقاق خلافت اور امامت تو خارج از بحث ہے -

سورۂ انفال - يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ - بیضاوی کہتے ہین کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے وقت نازل ہوئی اور کہا گیا ہے کہ انتالیس ۳۹ شخص اُسوقت ایمان لائے اور اُنکے بعد حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہوئے (دیکھو تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۳۲۳) تفسیر نیشاپوری کی جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ سے بروایت سعید بن جبیر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راوی کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے ۳۳ مرد اور چھ عورتین اسکے بعد حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہوئے - پس ہم ایمان لانے والون کا چالیس کا عدد پورا ہو گیا - اسکے بعد آیت بالا نازل ہوئی - تفسیر نیشاپوری کے روسے یہ نہین معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول غزوۂ بدر کے وقت مین ہوا - صاحب تفسیر کبیر بھی یہی کہتے ہین کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے وقت نازل ہوئی (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۵۶۳ اس تفسیر کی) راقم کہتا ہے کہ اگر غزوۂ بدر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اس آیت کو حضرت عمر کے اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے - حضرت عمر تو مکہ ہی مین مسلمان ہو چکے تھے - لیکن اگر آیت کا تعلق غزوۂ بدر کے ساتھ درست ہے تو لاریب یہ آیت حضرت عمر کی شان مین ہرگز نازل نہین ہوئی - اسی طرح لفظ مومنین سے جو آیت بالا مین داخل ہے - اہل سنت خلفائے ثلثہ مراد لیتے ہین - حضرات خلفائے ثلثہ کی تخصیص کی وجہ نہین معلوم ہوتی ہے - مومنین تو

سینکڑون تے - پہر خلفائے ثلثہ ہی کیون مومنین کہے جاتینگے - حضرات اہل سنت کی حالت
اُس ڈوبتے ہوئے آدمی کی ہے جو تنکے کے سہارے کو غنیمت جانتا ہے۔
اہل انصاف دیکہین کہ اس آیت کو خلافت اور امامت سے کوئی تعلق نہین ہے۔
اسیطرح اہل سنت اس آیت کو خلفائے ثلثہ کی خلافت حقہ کی ایک دلیل قرار دیتے ہین
اب ذیل مین راقم اپنے خاص خیالات اس آیت شریفہ کے مادے مین حوالہ قلم کرتا ہے۔
واضح ہو کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ - یعنی اے نبی تجکو خدا کفایت کرتا ہے اور وہ شخص جنہے کہ تیری تبعیت کی"
راقم کہتا ہے کہ اس آیت کو حضرت عمر کے ساتھ کوئی تعلق نہین ہو سکتا ہے۔
عام اس سے کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت مین اُتری یا مکہ مین - اگر ہم صاحب تفسیر بیضاوی و صاحب تفسیر کبیر رازی کی تحقیق کو مانکر یہ قبول کرلین کہ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی تو من اتبعک کا اشارہ حضرت عمر کی طرف صحیح نہین مانا جا سکتا ہے۔
اسلیے کہ من اتبعک کے مصداق حضرت غزوہ بدر یا کسی غزوہ کے لگاؤ سے نہین ہو سکتے ہین
غزوہ بدر یا کسی غزوہ حضرت عمر نے جناب رسول خدا کی کیا تبعیت کی - اور غزوات مین تو حضرت عمر یا فرار کی کارروائی کے حامل ہوتے رہے یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے مین جان چُراتے ہی رہے - اس بدر کی حالت یہ گزری کہ حضرت عمر اعدائے دین یعنی کفار مکہ کے مقابل ہی نہ ہوئے - اور یہ اس بنا پر کہ آپ کے ماموں ابوجہل رسول خدا سے لڑنے کیلیے تشریف لائے تہے ایسی صورت مین ہرگز عقل باور نہین کرتی ہے کہ خدا تعالےٰ حضرت رسولؐ کو دلداری کے پہلو سے یہ ارشاد فرماتا کہ اے نبی مین تیرے واسطے کفایت کرتا ہون اور مومنین سے - حضرت عمر تمہارے واسطے کفایت کرتے ہین۔
خدا کا قول لغو نہین ہو سکتا ہے - من اتبعک من المومنین سے ہرگز حضرت عمر مراد نہین ہو سکتے ہین - حضرت عمر نے حضرت رسول خدا کی کیا تبعیت کی جو خدا تعالےٰ اپنے نبی کو حضرت عمر کی ذات کا بھروسہ دلاتا۔ پس ہرگز اس آیت کو حضرت عمر کے ساتھ کسی طرح کا تعلق نہین ہے - اب رہا یہ کہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت عمر کی شان مین نازل ہوئی تہی - یہ بہی امر بعید از قیاس ہے۔
خدا تعالےٰ کو خوب معلوم تہا کہ حضرت عمر حضرت رسولؐ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد کیا کیا کرین گے - خدا تعالےٰ کو معلوم تہا کہ حضرت عمر جنگ بدر مین غیر کارگزار رہین گے - خندق مین عمرو بن عبدود کے مقابلہ سے انکار کرین گے۔

خیبر مین دو روز تک شکست کھا کھا کر خیمۂ رسول اللہ تک بھاگ بھاگ آئین گے۔ اور حنین کے دن بھی اُحد کا جلوہ دکھلائین گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد زور دن کے ساتھ شک فی النبوۃ کا اظہار کرینگے۔ رسول اللہ کو قلم و قرطاس کے دینے سے منع کرینگے۔ حدیث ثقلین کے خلاف مین حسبنا کتاب اللہ فرمائین گے۔ بعد وفات نبی غسل و کفن نبیؐ سے اپنے کو محروم رکھینگے۔ حقوق علیؑ سے چشم پوشی کر کے حضرت ابوبکر کے پردہ مین خود خلیفہ بنجائینگے۔ خلیفہ بنکر مرضی رسول اللہ کے خلاف بنی اُمیہ کو درجۂ ثروت تک پہنچا دین گے۔ معاویہ کو حاکم شام بناوینگے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی شہادت کے اسباب کے فراہم کرنیوالے ہونگے۔ حضرت فاطمہؑ کے گھر کو جلانیکے واسطے مستعد ہو جائینگے حضرت فاطمہؑ کے بطن شریف پر ضرب لگائینگے جس سے حمل اس معصومہ کا ساقط ہو جائیگا۔

حضرات ائمۂ طاہرین کے قتل و ایذا کے سبب ہونگے۔ خونِ سادات کو پانی کی طرح زمین پر بہوائینگے اسی طرح بہت سی وغیرہ وغیرہ باتین ہین کہ اختصار کی نظر سے یہان ذکر نہین کیجاتی ہین۔ مختصر یہ کہ ... لی ہونے پر بھی یہ آیت حضرت عمر کی شان مین نہین ہو سکتی ہے۔ خدا تعالےٰ ایسے حضرت کو حضرت رسولؐ کا تبعیت کرنیوالا ہرگز قرار نہین دیسکتا تھا۔ پس راقم کی نظر مین یہ آیت اُس شخص کی شان مین نازل ہوئی ہے کہ جو حقیقت مین حضرت رسولؐ کی تبعیت کرنیوالا تھا اور عمر بھر حضرت رسولؐ کی تبعیت سے باہر نہوا۔ اور وہ شخص علیؑ ابن ابی طالب تھا۔ حضرت عمر تو کسی پہلو سے مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کے مصداق ہو نہین سکتے۔ یون حضرات اہلِ سنت حق لیلیٰ کی ترکیب سے جیسا چاہین کہین خلق کو حلق ہے کوئی کسیکا منہ بند کرنیوالا نہین ہے۔

حال ہی مین ایک سنّی عالم صاحب نے مجھسے فرمایا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کے ایسے مدارج ہین کہ خدا تعالےٰ نے انکی شان مین شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فرمایا ہے۔ جس سے اُن حضرات کی خلافت اور امامت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی دعوے اہل سنت یہ ہے کہ نبی کو خدا کی جانب سے حکم تھا کہ خلفائے ثلثہ کے مشورہ پر عمل کرو۔ جواب اسکا یہ ہے کہ حضرت رسول کو تبلیغ رسالت مین تو مشورہ کسی سے فرما نہین سکتے تھے اس لیے کہ مشورہ تبلیغ رسالت مین حرام ہے۔ اب رہے امور دنیا تو امور دنیا ایسے نہین ہین کہ اگر نبی کسی کو مشورہ کرین تو ضرور ہے کہ جس سے مشورہ کرین وہ آپ کے بعد آپکا خلیفہ اور امام ہو جاوے۔ حضرت نبی کو اختیار تھا کہ امور دنیا مین یہود و نصاریٰ اور مسلمان سے مشورہ کرتے۔ پس وہ یہود و نصاریٰ و مسلمان آپ کے بعد آپ کے خلیفہ اور امام نہین ہو جاسکتے تھے۔ حضرت رسولؐ دینی بادشاہ ہونے کے علاوہ دنیوی بادشاہ و تمدن مجسٹریٹ اور جنرل فوج بھی تھے۔ پس دنیوی حیثیت سے آپکو مشورہ کرنیکی ہدایت اگر خدا نے فرمائی تو کیا بیجا ہوا۔ لیکن اہل سنت اسی کو اپنے خلفا کے لیے ایک امر غنیمت سمجھے فوراً حق لینے کے قاعدے سے اس مشورہ کے معاملہ کو امرِ خلافت کیطرف لے دوڑے شَاوِرْهُمْ مین جو ضمیر ہم کی ہے کیا ضرور ہے کہ وہ راجع کی جاے صرف اہل سنت کے خلفائے ثلثہ کی طرف استعارہ ہے

مقابل بدرجہ اعلےٰ تو حضرت علیؑ تھے اور علاوہ حضرت علیؑ کے اور بھی اشخاص مہاجرین اور انصار سے تھے بلکہ ذمی اور مستامن سے بھی مشورہ نیک کی اُمید ہو سکتی تھی۔ یوں حضرت رسولؐ نے ایسے لوگوں سے مشورہ نہ لیا ہو۔ الغرض جب تبلیغ رسالت مین مشورہ حرام تھا تو ایسی صورت مین اگر امور دنیا مین خلفائے ثلثہ سے یا اور اشخاص مسلم یا غیر مسلم سے حضرت رسولؐ نے مشورہ لیا تو مشورہ دینے والون کے درجے ایسے رفیع نہیں ہو جا سکتے ہین کہ بعد حضرت رسولؐ کے ایسے مشورہ دینے والے آنحضرت کے خلیفہ اور امام قرار پاجاتے۔ اہل سنت کی حالت الغریق یتشبث بکل حشیش کی سی ہے مرتا کیا نکرتا۔ پیروان حضرات خلفائے ثلثہ نے کوئی دقیقہ اُن حضرات کی خلافت اور امامت کو حق ثابت کرنیکا اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ مگر اہل انصاف کی نظر مین انکی ساری کوششین اکارت دکھائی دیتی ہین۔

واضح ہو کہ اصل فکر اہل سنت کی یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ کسی صورت سے تبلیغ رسالت کے شریک قرار پا جائین۔ شرکت فی النبوۃ اور رسول اللہ کی اتالیقی تو درکنار مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم نے تو حضرت عمر کو شریک فی الالوہیت تک ثابت کرنا چاہا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے سابق کے حصہ مین دکھلایا گیا ہے۔ راقم کی دانست مین حضرات خلفائے ثلثہ کا مشیر رسول اللہ و اتالیق رسول اللہ و شریک رسالت و شریک الوہیت ہونا تو معلوم آپ حضرات کیلیے اسیقدر بہت ہے کہ آپ حضرات کا شمار مسلمانون مین کیا جائے۔

سورہ بقر پارہ ۲ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی جو اشخاص کہ ایمان لائے اور جن لوگون نے کہ ہجرت کی اور راہ خدا مین جہاد کیا ہے لوگون کو رحمت خدا کی امید ہے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اس آیت سے اہل سنت فضائل و مناقب خلفائے ثلثہ کے۔ انکے ایمان لانے اور ہجرت کرنے اور جہاد کرنیکی بنا پر استدلال کرتے ہین۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس آیت کا مضمون عام ہے۔ اس آیت کو حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ کسی طرح کی خصوصیت نہیں دیکھی جاتی ہے۔ مفسرین بھی نہیں لکھتے ہین کہ یہ آیت حضرات خلفائے ثلثہ کی شان مین نازل ہوئی ہے پس یہ آیت کوئی خاص دلیل حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل و مناقب کی نہیں مانی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایک جزو اس آیت کا یعنی وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ واقعہ کی رو سے حضرات ثلثہ کی جہادی کارروائیون کے ساتھ کسی طرح کی چسپانی نہیں رکھتا ہے۔ لاریب یہ ٹکڑا آیت بالا کا ہرگز ایسے حضرات سے تعلق نہیں کہہ سکتا ہے جو جہاد کے نام سے بھاگتے رہے جیسا کہ چند بار۔ بدر و اُحد و خندق و خیبر و حنین کے لڑائیوں سے انکا ذکر حوالہ قلم ہو گیا ہے۔ البتہ اس آیت کے مصداق حضرت علیؑ اور حضرت علیؑ کی راہ پر چلنے والے ہو سکتے ہین بلکہ واقعہ کی رو سے پورے مصداق اُس آیت شریفہ کے ایسے ہی حضرات دکھائی دیتے ہین۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر کا ایمان ایسا کامل نہ تھا کہ آپ اس آیت کے مصداق سمجھے جائین۔ جیسا کہ بروایت واقدی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے بروز اُحد حضرت ابو بکر کی طرف روئے سخن کرکے

فرمایا کہ ما ادری ما تحدثون من بعدی - یعنی ہم نہین جانتے ہین کہ میرے بعد تم لوگ کیا کروگے - اگر حضرت ابوبکر
کا ایمان کامل ہوتا تو حضرت رسول ایسے کلمہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کو خطاب نفرماتے اور خود حضرت ابوبکر
پکار کر کے مسلمانون کو یہ نکہتے کہ بہ تحقیق کہ محمد مارے گئے اب تم لوگ مذہب جاہلیت کیطرف عود کرجاؤ -

اسی طرح حضرت عمر بھی کامل ایمان نہین رکھتے تھے - صلح حدیبیہ کے بعد حضرت رسول خدا کی نبوت مین
حضرت خلیفہ ثانی کا نعوذ باللہ ساتھ اظہار شک کرنا ایمان کامل کی دلیل نہین ہوسکتا ہے - علاوہ اِس کے
بروایت مشکوٰۃ حضرت عمر کی طرف مخاطب ہوکر حضرت رسول خدا کا یہ فرمانا کہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و
ترکتمونی - یعنی اگر کہین حضرت موسےٰ ظاہر ہوکر جائین تو تم لوگ حضرت موسےٰ کی تبعیت اختیار کروگے اور مجکو چھوڑ دوگے
صاف اس بات پر دال ہے کہ حضرت عمر کا ایمان ناقص تھا کامل نہ تھا - حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمر
کو شدید المزاجی اور تنگدلی کیوجہ سے مذہب موسوی کیطرف میلان کثیر تھا - آپ دل سے چاہتے تھے کہ
اسلام کی کاروائیان انہی سختیون کیساتھ عمل مین لائی جائین جنکا متقاضی مذہب موسوی تھا - ظاہر ہے کہ
حضرت عمر کے اس میلان کو ملحوظ رکھکر حضرت رسول خدا نے یہ فرمایا کہ اگر کہین حضرت موسےٰ ظاہر ہوکر جائین تو تم
لوگ حضرت موسےٰ کی تبعیت اختیار کروگے اور مجکو چھوڑ دوگے - لاریب اگر حضرت عمر کو یہودیت کیطرف میلان
نہوتا تو آنحضرتؐ اس طرح کے قول کیساتھ حضرت عمر کو خطاب نفرماتے - سورہ توبہ - اَلَّذِینَ اٰمَنُوا وَھَاجَرُوا
وَجَاھَدُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَائِزُونَ - اس آیت سے بھی
اہل سنت حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل اور استحقاق خلافت کی دلیل پکڑتے ہین - مگر بیضاوی کی جلد ا
اور صفحہ ۳۲۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے خاص کسیکی شان مین نازل نہین ہوئی - اور بغوی اور رازی
اور نیشاپوری بھی اسکو خلفائے ثلثہ کی شان مین قرار نہین دیتے ہین - راقم کہتا ہے کہ البتہ حضرت علیؑ اور
آپکی راہ پر چلنے والے اس آیت کے مصداق ہوسکتے ہین - اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ ایسے حضرات اس
آیت کی مصداق ہین - حضرات خلفائے ثلثہ تو کسیصورت سے اس آیت سے مراد ہو ہی نہین سکتے ہین - اسلیے
کہ ان حضرات ثلثہ نے خدا کی راہ مین جہاد بانفسہم کبھی نہین کیا - جب ہوا تو یہی ہوا کہ میدان جنگ سے
فرار ہوگئے یا اعدائے دین سے مقابلہ کرنے مین جان چراتے رہے - اہل انصاف دیکھین کہ حضرات اہل سنت
اپنے خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق ثابت کرنے مین کیا کیا ہاتھ پاؤن مارتے ہین مگر کچھ نہین ہوتا - واضح رہے کہ
جبتک کسی مذہب کی بنا حق پر قائم نہین ہوتی ہے وہ مذہب کبھی اہل فہم کے نزدیک حق نہین مانا جاسکتا
یون اہل غرض اور اہل تعصب اسے حق سمجھا کرین

سورہ واللیل - وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الَّذِی یُؤْتِی مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی
وَلَسَوْفَ یَرْضٰی - اہل سنت کہتے ہین کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان مین نازل ہوئی - اہل تشیع کہتے ہین کہ
ایسا نہین ہے - یہ آیت حضرت علیؑ کی شان مین نازل ہوئی - صاحب تفسیر نیشاپوری کہتے ہین کہ شیعہ
اس آیت کو حضرت علیؑ کیطرف منسوب اسلیے کرتے ہین کہ حضرت علیؑ کے انفاق و زکوٰۃ و صدقات کا ذکر

قرآن شریف مین جابجا آیا ہے - پس دوسری آیتون کی موافقت مضامین کے باعث اس آیت کے نزول کو بھی حضرت علیؑ کی شان مین تصور کرنا قرین قیاس ہے - اس احتمالی حالت مین کوئی شخص ذی فہم اس آیت کو حضرت ابوبکر کے ساتھ بالتخصیص منسوب نہین کر سکتا ہے - اس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کیونکر حق ثابت ہوتی ہے اہل سنت کے سوا یہ دعوے کسی دوسرے کی سمجھ مین نہین آسکتا ہے -

اہل انصاف دیکھین کہ قرآن اور حدیث سے کیا کیا فضائل حضرت علیؑ کے ظاہر ہوتے ہین - کیا کیا آیتین اور کیا کیا حدیثین حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی مثبت ہین - مگر انمین سے ایک بھی اہل سنت کو سوجھائی نہین دیتی ہے - اسکے برخلاف نامربوط آیات اور احادیث کو یہ حضرات مربوط قرار دے دیگر حضرات خلفائے ثلثہ کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہین - جس سے اصلی غرض ایسے صاحبان غرض کی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کو صحیح اور برحق ثابت کرنا ہے - واقعی تعصب کیا بلا ہے - اس سے فی الحقیقت آدمی اندھا ہو جاتا ہے اللہ تعالے آدمی کو تعصب سے بچائے - تعصب آدمی کو اوندھے منہ قعر جہنم مین گرا دیتا ہے -

سورۂ صف - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ - اہل سنت اس آیت سے خلفائے ثلثہ کے جہاد مراد لیکر حضرات خلفا کے عمدہ ترین فضائل مراد لیتے ہین - بیضاوی کی جلد ۲ صفحہ ٣٦٣ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد مین نازل ہوئی - اسکی شان نزول مین صاحب تفسیر معالم التنزیل بغوی و صاحب تفسیر کبیر و ابو السعود و صاحب تفسیر جلالین و ابن عباس و جمیع مفسرین کو اتفاق ہے کہ نزول اسکا غزوۂ احد مین واقع ہوا - اے حضرات اہل سنت آخر حیا ضروریات ایمان سے ہے - مین پوچھتا ہون کہ اس غزوہ مین حضرات خلفائے ثلثہ سے کیا جہادی کارروائی ظہور مین آئی - اگر جہاد کا دوسرا نام فرار ہے تو لاریب جہاد کی کارروائی بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ آپکے خلفا سے ظہور مین آئی - جس بزدلی کے ساتھ اس غزوہ مین آپ کے حضرات خلفا نے فرار اختیار کیا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ ہر شریف آدمی کو ایسے فرار کے بعد ایک چلو پانی مین ڈوب مرنا چاہیئے - جیسا فرار روز احد حضرات خلفائے ثلثہ سے ظہور مین آیا ویسا فرار شریف آدمی سے روز اُحد کے پہلے نہ ظہور مین آیا اور نہ روز اُحد کے بعد کبھی ظہور مین آسکتا ہے اسیطرح یہ ہے کہ جسکی اُمت اور جسکا کلمہ پڑھین اور جسکی دوستی کا دعوے رکھین اور جسکی رحلت کے بعد اپنے کو اسکی خلافت کا مستحق سمجھین اُسے ایسے میدان جنگ مین زخمی چھوڑ کر نوک دُم بھاگ نکلین -

کبھی ایسا زشت فعل کسی شریف اور دیندار سے ظہور مین نہین آسکتا ہے - حضرات خلفا کا فرار اتنا تھا کہ خود حضرت عمر کہتے ہین کہ بوقت فرار ہم کوہِ اُحد کے چٹانون پر بکری کی طرح اُچکتے تھے - معاذ اللہ - روز احد کا واقعہ حیادار کے لیے مر جانیکی بات ہے - اسپر اہل سنت اس آیت کو اپنے خلفا کے حق مین دلیل فضائل جانتے ہین - شرم چہ کتی است کہ پیش مردان بیاید - شاباش کیون نہین - فضیلت فرار ہی سے تو خلفائے ثلثہ کا حق خلافت ثابت ہوتا ہے - اے اہل سنت یہ تو بتایئے کہ آپ کے حضرات خلفا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے مصداق کیونکر ہو سکتے ہین - کیا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ایسے اشخاص کہلا سکتے ہین کہ جو بے بسیل

عادت میدان جنگ سے چلدیا کرتے ہین - فرمایئے تو فرارین کیونکر بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ہو سکتے ہین -
پہاڑ کے چٹانو پر کوہی کیطرح اُچکتے ہوئے بہاگے بہی اور بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ بہی کہلائے - بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ
علیؑ تہے جنہون نے حضرت رسولؐ کو ہلاکت سے بچایا اور اعدائے دین کو مار کاٹ کرکے فی النار کر ڈالا -
کفار مکہ کے تیروتبر سے زخم بالائے زخم کہائے مگر میدان سے دم بہر کیلیے بہی مُنہ نہین موڑا اور آخر
اعدائے دین سے میدان جنگ کو پاک وصاف کر ڈالا - خدارا اے اہل سنت کچہ تو ہوش مین آیئے -
یہ کیسی محبت خلفائے ثلثہ کی آپ کے دلون مین حلول کرگئی ہے - کہ حق کے درک پر آپ قادر نہین رہے ہین
جب دیکہیئے تو اتلاف حق پر آپ کو آمادگی رہتی ہے - ہمیشہ دعوے باطل پیش کیا کرتے ہین اور ضعیف
تاویلات سے اپنے غیر مستحکم دین کو قوی بنانیکی فکر مین عمر عزیز بسر کیا کرتے ہین - خدا تعالے آپ کو
حق بینی کی قوت عطا فرمائے تاکہ آپکو حق و ناحق کا فرق سوجہائی دے - خیر یہ تو غزوۂ اُحد کی سرگذشت ہی
آپ کے حضرات خلفائے کسی غزوۂ رسول اللہ مین کوئی جہادی کارروائی ظہور مین نہ آئی ہمیشہ آپ کے
حضرات خلفا قرار پر فرار کو مرجح ہی سمجہتے رہے اور لڑائی بہڑائی سے جان چُراتے رہے - کبہی اُن حضرات
سے بہی ایسی کارروائی نمایان نہوئی کہ جسکی بنا پر اے اہل سنت آپ اپنے حضرات خلفا کی طرف کسی
طرحکی فضیلت جہادی منسوب کر سکتے ہین - المختصر اس آیت شریفہ سے حضرات خلفائے ثلثہ کو کوئی تعلق
نہین پایا جاتا ہے - یہ آیت حضرت علیؑ کی شان مین بالتخصیص اور مجاہدین بنی ہاشم اور مجاہدین انصار کی
شان مین بالعموم نازل ہوئی - یہ مجاہدین ایسے تہے کہ حضرت علیؑ کا ساتہ جنگ اُحد مین برابر دیئے گئے
اور پورے طور پر ثابت قدم رہے - اور اس ثابت قدمی کی بدولت بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ کے مصداق قرار پائے

حدیث نمبر (۱) - اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي اَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ - اسکے راوی احمد اور ابن ماجہ ہین
ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے اور ابن حبّان اور حاکم اسکو صحیح قرار دیتے ہین - ترجمہ یہ ہے کہ
اقتدا کرو تم لوگ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی - اس حدیث پر شیعیون کے طرف سے اعتراضات وارد
ہوتے ہین جو ذیل مین درج کیئے جاتے ہین -

اعتراض نمبر اوّل - تحفة الاخیار کے صفحہ (۷) مین مولوی عبدالحی صاحب لکہنوی فرماتے ہین کہ یہ
حدیث خطاب ہے مقلدین کیطرف اسلیئے کہ صحابہ بہت سے اقوال مین روبرو حضرات شیخین کے خلاف
کرتے گئے اور حضرات شیخین نے اسپر کوئی تعرض نہین کیا - مگر تعرض کیا مجتہدین اربعہ نے - اس بنا پر کہ یہ
حدیث خلفائے ثلثہ کی خلافت کی کوئی دلیل نہین ہو سکتی -

اعتراض نمبر (۲) - یہ حدیث حدیث نجوم کی نقیض دکہائی دیتی ہے - حدیث نجوم مین لفظ اقتدا کا
سب کے لیے عام واقع ہوا ہے -

اعتراض نمبر (۳) یہ حدیث حدیث ترمذی اور حدیث مشکوۃ کی نقیض نظر آتی ہے اور وہ حدیث
وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ -

اعتراض نمبر۴ - یہ حدیث حدیث الائمۃ اثنا عشر وکلھم من قریش کی نقیض ہے۔

اعتراض نمبر۵ - جناب شیخین اکثر مسائل مین اجتہاد کی وجہ سے مختلف الاقوال نظر آتے ہین پس اتباع اختلاف کے ساتھ غیر ممکن ہے۔

اعتراض نمبر۶ - یہ حدیث حدیث القضاۃ ثلثۃ کی نقیض ہے۔ یعنی قاضی کی تین قسم ہے اسمین سے ایک ناجی ہے۔ اور دو ناری۔ جس نے فتوے دیا۔ حق پر وہ ناجی ہے اور جسنے حق کو جانا اور جان بوجھکر حق کے خلاف حکم دیا۔ یا حالت لاعلمی مین قیاس کی بنا پر فتوے دیا۔ تو یہ دو قسم کے قاضی ناری ہین۔ پس درباب اسامہ ورجم مجنونہ وحد شرب خمر وتقبیل حجر ومیراث جدہ وتثویب اذان ومتعہ وغیرہ کے حضرات اہلِ انصاف کیا رائے قائم کرتے ہین۔

راقم عرض کرتا ہے۔ کہ حضرات اہل سنت حدیث اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر کو حسن صحیح یا جو کچھ قرار دین۔ مگر یہ امر نہایت عقل کے خلاف ہے۔ کہ حضرت رسول خدا نے ایسی بات کبھی زبان مبارک سے نکالی ہو گی۔ حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے اقتدا فی امر الدین کی ہدایت رسولؐ خدا کیطرف سے حضرات شیخین کیساتھ ایک بے سر وپا بات معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر حضرت علیؑ کے آگے کسی طرح کی فضیلت نہین رکھتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول کو علم قرآن حضرت علیؑ کے مقابلہ مین کچھ نہ تھا اگر ہوتا تو اپنے عہد خلافت مین خود جمع قرآن فرماتے۔ قرآن کے جمع کرنے کے لئے زید ابن ثابت ابی ابن کعب وغیرہ کو مقرر نہ کرتے۔ حضرت علیؑ کو چونکہ علم قرآن کامل طور سے حاصل تھا خود جمع قرآن فرمائی حضرت کو قرآن جمع کرنے کے لیے کوئی کونسل مقرر کرنے کی حاجت نہوئی۔ علم حدیث بھی حضرت ابو بکر کا ناقص تھا۔ اس نقصان علم کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ آپ تجارتی اغراض سے بازار مدینہ مین بہت وقت صرف کرتے تھے۔ یہ کوئی بری بات نہ تھی۔ مگر اقوال رسول اللہ کو وقت پر سن لینے کا موقع بازار کی آمد وشد کے باعث آپکو ضرور کم ملتا تھا۔ بالفرض اگر اس آمد وشد سے کوئی نقصان لاحق نہین ہوا تو بھی حضرت علی کے برابر آپ ہرگز حدیث دان نہ تھے۔ اسمین بھی شک نہین کہ آپ حضرت علیؑ کے برابر پڑھے لکھے آدمی نہ تھے۔ مرد مخفل حضرت علیؑ کے بعد تمام اصحاب رسول اللہ مین سلمان فارسی تھے۔ مختصر یہ ہے کہ علم وفضل مین حضرت ابو بکر حضرت علیؑ کے برابر ہرگز ہرگز نہ تھے۔ حضرت علیؑ کے خطبات جو نہج البلاغت وغیرہ مین دیکھے جاتے ہین۔ آپ کے وفور علم پر دال ہین۔ حضرت کا دیوان علم اخلاق کا کارنامہ ہے عربی زبان کے قواعد صرف ونحو کی تدوین آپ ہی کی ذات قدسی صفات سے شروع ہوئی۔ علم حساب مین آپکو کمال کا دخل تھا۔ اسکے ساتھ صائب الرای ایسے تھے۔ کہ عہد رسول اللہ مین آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ آپ بہترین قاضی اپنے وقت کے تھے۔ اس کا پورا پورا اعتراف حضرت عمر کو بھی تھا۔ حضرت ابو بکر کو وقت قضا آپ کے برابر موقعہ نہین ہوئی تھی۔ آپ شجاع ایسے تھے۔ کہ رسول عربی کا دین آپ کی تلوار کا بچایا ہوا ہے شجاعت مین تو حضرت ابو بکر آپ کے سایہ کو بھی نہین پہنچ سکتے تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ جن غزوات مین حضرت

ابو بکر میدان سے بھاگ نکلے ہیں۔ یا جہادی کارروائی آپ سے کچھ نہیں ہوسکی ہے۔ انہی غزوات میں حضرت علیؑ کی ثابت قدمی اور بہادری نے حیرت انگیز جلوے دکھلائے ہیں۔ مختصر یہ ہے۔ کہ حضرت علیؑ کے رہتے ہوئے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ کہ حضرت رسول یہ فرمائیں۔ کہ میرے بعد تم لوگ ابو بکر اور عمر کی اقتدا اختیار کرنا۔ ظاہر ہے۔ کہ اس حکم میں حضرت علیؑ بھی داخل متصور ہیں۔ مگر کیا یہ کبھی ہوسکتا تھا کہ حضرت رسول کی عقل و فہم کا نبی ایک بے سروپا ہدایت اپنی امت کو کرجائیں عقل سے بہت بعید ہے کہ حضرت علیؑ کو بھی حضرت رسول نے حضرت ابو بکر کی اقتدار کی ہدایت کی ہو۔ راقم اپنے اہل خلاف سے سوال کرتا ہے۔ کہ کس امر میں حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکر کی اقتداء کی حاجت ہوسکتی تھی قرآن میں نہیں حدیث میں نہیں وعظ میں نہیں خطبہ میں نہیں۔ جہاد میں نہیں راستی میں نہیں حلم میں نہیں صبر میں نہیں شکر میں نہیں عبادت میں نہیں۔ اجتہاد میں نہیں شجاعت میں نہیں کسر نفسی میں نہیں قضا میں نہیں زہد میں نہیں اسیطرح ہر بات میں نہیں۔ تو پھر حضرت ابو بکر کی اقتدار کی حاجت حضرت علیؑ کو کس امر میں درکار ہوسکتی تھی اب حضرت عمر کے ساتھ اقتدار کی کیا صورت حضرت علیؑ کو ہوسکتی تھی۔ حضرت عمر حضرت علیؑ کے سامنے ان پڑھ کا حکم رکھتے تھے۔ عالم جاہل کی یا اپنے سے کم علم کی اقتدار کرے یہ کیونکر ہوسکتا ہے حضرت عمر کو علم قرآن کچھ بھی نہ تھا۔ ایک بڑھیا بھی جانتی تھی۔ کہ خلیفہ صاحب علم قرآن سے تمامتر کورے تھے انکو قوت قضا بھی نہ تھی۔ احکام شرعی سے بہت کچھ بے خبر تھے۔ بے محابا رجم حاملہ کا حکم صادر کر دیا۔ اگر حضرت علیؑ نہوتے تو خون ناحق حضرت خلیفہ کے ہاتھ سے ہوجاتا۔ لولا علیؑ لہلک عمر آپ کا ایک مشہور قول ہے۔ یعنی اگر اسوقت علیؑ نہوتے۔ تو عمر ہلاک ہوجاتے۔ دوسرا حکم رجم مجنونہ کا ہے۔ جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی صادر نہیں کرسکتا ہے۔ حد شرب خمر میں آپ کے حکم سے چالیس درے کی جگہ اسی لگا دیے گئے جن خلیفہ صاحب کی صلاحیت احکام دینی کی تعمیل کی ایسی ہو۔ انکو رسول اللہ اپنی امت کا مقتدا اپنے بعد کیونکر قرار دے سکتے تھے ایسے صاحب حضرت علیؑ کے کیا مقتدا ہوسکتے تھے جب عامہ امت کے مقتدا ہونے کی بھی صلاحیت انکو حاصل نہ تھی۔ حضرت عمر تو فضائل میں حضرت ابو بکر سے بھی کم دکھائی دیتے ہیں آپ کے ساتھ حضرت رسول اللہ حضرت علیؑ کو اقتدا کرنے کی ہدایت کسی حال میں نہیں فرما سکتے تھے۔ المختصر حدیث زیر بحث قول نبوی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ یہ ضرور اہل غرض کی وضع کی ہوئی ہے۔ یوں راویان سنی اسے حسن یا صحیح قرار دیا کریں۔ مگر عقل بڑی کہ بھینس۔ یہ حدیث از روئے عقل و قرینہ صحت سے منزلوں دور معلوم ہوتی ہے۔ کوئی سمجھ والا آدمی اسکو قول نبوی نہیں مان سکتا ہے۔ شک نہیں کہ ایسی ایسی حدیثیں خلافت خلفائے ثلثہ کے حق ثابت کرنے کے لئے ہزاروں گھڑی گئی ہیں۔ اسی لئے خلاف واقعہ اور بے سروپا دکھائی پڑتی ہیں۔

نمبر ۲۔ مشتملبر قول ابن عمر بخاری کی جلد صفحہ ۹۶ باب مناقب حضرت ابو بکر میں حضرت عبد اللہ

ابن عمر کا یہ قول مندرج ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے زمانہ مین درجہ بدرجہ تفضیل ابوبکر و عمر و عثمان کو حاصل تھی۔ اہل سنت اس قول سے تفضیل شیخین اور ترتیب خلافت ثابت کرتے ہین۔ اس دعوی کی تردید یون ہوتی ہے۔ اولاً کہ یہ قول حضرت عبداللہ ابن عمر کا ہے۔ حدیث نبوی نہین ہے۔ آپ کا قول حجت کا حکم نہین رکھتا ہے۔ اگر آپکا قول حجت مانا جائے تب کھڑے کھڑے موتنا درست مانا جائیگا۔ پھر اہل سنت کو متعہ الحج کو صحیح ماننا پڑیگا اور بھی آپکی بیعت دست یزید پر بھی ایک امر حق مانی جائیگی۔ یہ قول آپکا صرف ذاتی حیثیت رکھتا ہے۔ کہین سے نہین معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صحابی یا خود حضرت رسولؐ نے اسکو درست مانا ہو۔ اگر یہ قول نصی حیثیت رکھتا تو ابوبکر باقلانی و علامہ سید شریف کیونکر مسئلہ تفضیل کو ظنی اور اجتہادی کہتے۔ ثانیاً۔ قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ اگر قول بالا ابن عمر کا درست ہے تو قول نبوی علیٌّ خیرُ البشر اور حدیث کا مسئی بی منی انہ یحق سُولِ اللّٰہِ ... لا یحابہ بالخلافۃ نا درست ہے۔ ماسوا اسکے اگر حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ پر تفضیل حاصل رہتی تو حضرت عمر لولا علیٌّ لہلک عمر نہ فرماتے۔ رابعاً یہ کہ ارشاد خدا فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰہِدِیْنَ قول ابن عمر سے غلط ہوا جاتا ہے۔

یعنی خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جہاد کرنیوالونکو بیٹھے رہنے والون پر تفضیل ہے۔ یعنی علیؑ کو شرف جہاد کی بدولت خلفائے ثلثہ پر جو قاعدین یعنی بیٹھے رہنے والون کے حساب مین تھے تفضیل حاصل تھی (دیکھو بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۹ باب مناقب ابوبکر صدیق) خامساً قول ابن عمر کا نقیض خود قول حضرت عمر کا ہے کہ جو فرماتے ہین کہ علیؑ کو تین خصائل ایسے ملے ہین کہ انمین سے ایک بھی ہم مین نہین ہے۔ علیؑ کو فاطمہ سی بی بی ملین۔ مسجد مین رہنے کی ویسی ہی اجازت ملی جیسی حضرت رسولؐ کو حاصل تھی اور روز خیبر علیؑ کو رایت یعنی نشان فوج حضرت رسولؐ کیطرف سے بحکم خدا سپرد کیا گیا۔ سادساً یہ ہے کہ حضرت عمر علیٌّ اَقْضٰنَا فرماتے ہین جس سے قضا مین حضرت علیؑ کی تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ سابعاً بروایت ابن عباس و ابن عساکر و سعید بن مُسیّب و امام احمد حضرت علیؑ کی تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ ثامناً جمہور متکلمین و تابعین اس امر پر متفق ہین کہ حضرت عثمان کو کوئی وجہ تفضیل کی حضرت علیؑ پر نہین ہے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت شیخین ہی کو کیا تفضیل حضرت علیؑ پر حاصل ہے۔ جو بیچارے حضرت عثمان کو ہوگی سفیان ثوری اسلم ابو الطفیل صاف صاف طور پر حضرت علیؑ کی تفضیل پر عثمان کے قائل ہین۔ پس اگر ابن عمر کا قول نص قطعی کا حکم رکھتا تو اتنے متکلمین اور تابعین آپ کے قول سے دیدہ و دانستہ کیون انحراف کرتے۔ تاسعاً۔ اگر ہم قول ابن عمر کو تسلیم بھی کر لین تو اس سے چارہ نہوگا کہ امر تفضیل مین یہ قول آپکا اجتہاد خاص اور منفرد ذات سے مانا جائے۔ یعنی اجماعی حیثیت اسکو حاصل نہین ہو سکتی ہے۔ عاشراً مولوی ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین امامت بجانب ائمہ اطہار و خلافت یعنی بادشاہت بجانب خلفائے راشدین منسوب کرتے ہین۔

ایسی صورت مین ابن عمر کا قول تفضیل تمامتر پھیکا پڑا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے جامی کی شواہد النبوۃ اور

ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ مین امامت کا بیان اسی ترکیب پر دیکھا جاتا ہے جو بظاہر طور پر حدیث عبد اللہ ابن عمر کا مخالف معلوم ہوتا ہے - علامہ تفتازانی بھی شرح عقاید نسفی مین تفضیل من حیث ثواب مین توقف کرتے ہین اور بعض سیاست مدن مین یہ ترتیب کہتے ہین - یعنی محقق ممدوح دو ٹوک نہین کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے شیخین کثرت ثواب کی رو سے افضل ہین مگر سیاست مدن کے پہلو سے صاف طور پر دکھلاتے ہین کہ تفضیل بقاعدہ ترتیب خلافت واقع ہوئی ہے - المختصر تمام دلائل بالا کو پیش نظر رکھ کر حضرت عبد اللہ ابن عمر کا قول پایۂ اعتبار رکھنے والا نہین نظر آتا ہے - پس عند العقل قول بالا تفضیل حضرات خلفاے ثلثہ کا مثبت کسی طور پر نہین مانا جا سکتا ہے -

حدیث نمبر ۳) - بخاری کی جلد ۶) صفحہ ۷۰) مین مذکور ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر مین اپنی اُمت سے کسیکو اپنا خلیل بناتا تو ہر آئنہ ابو بکر کو بناتا اور وہ یعنی حضرت ابو بکر میرے بھائی اور ساتھی حوض کوثر پر کے تھے - اور صیغۂ اخوت سے بھائی چارا اسلام مین انکے ساتھ خوب ہے - اس حدیث کی شارح کہتے ہین کہ مشکل یہ ہے کہ دوسری حدیث مین ہے کہ خدا کے سوا بنی آدم ؑ سے کوئی میرا خلیل نہین ہے - پس حدیث بالا خُلّت ابو بکر کی منفردات سے دکھائی دیتی ہے - اور کتب اصول کی رو سے روایت نقیض کے مقابلہ مین خبر واحد قابل عمل کے نہین ہوتی -

ظاہر ہے کہ حدیث اول حضرت ابو بکر کے حق مین ایک بڑی چیز تھی مگر دوسری حدیث کے باعث کچھ بھی قابل توجہ نہین رہی -

حدیث نمبر ۴) بخاری کی جلد ۶) صفحہ ۱) مین دیکھا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جسوقت تم لوگ مجھے نپاو اُسوقت رجوع کرو ابو بکر کی طرف - شارح حدیث کہتے ہین کہ اسکے اسناد ضعیف ہین - ممکن ہے کہ یہ بھی موضوعات سے ہو -

حدیث نمبر ۵) - بخاری کی جلد ۶ صفحہ ۲) مین مروی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میری اعانت کی ابو بکر نے جان و مال سے - اسکے شارح کہتے ہین کہ یہ حدیث خبر واحد کا حکم رکھتی ہے - اور برہان الدین شافعی نے کتاب سیرۃ الحلبیہ مین اس حدیث کی تضعیف کی ہے - راقم کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ مال سے حضرت ابو بکر نے حضرت رسولؐ کی اعانت کی ہو مگر تاریخ و سیر و حدیث کے ذریعے سے نہین ثابت ہوتا ہے کہ آپ جان سے بھی حضرت رسولؐ کی اعانت کر سکے - جان سے اعانت کرنے والا حضرت رسول کے غزوات سے فرار اختیار نہین کر سکتا تھا اور نہ اعداے دین کے مقابلہ مین جان چرا سکتا تھا - ناظرین واقعات اُحد و خندق و خیبر و حنین پر نظر غور ڈالین - یہ بھی ثابت ہے کہ مال سے بھی تنگی تھی -

نمبر ۶) ازالۃ الخفا کے صفحہ ۳۰۴ مین بروایت حضرت عائشہ مسطور ہے کہ ایک سنگ اُٹھایا جناب رسول خدا نے بعدہٗ ابو بکر بعدہٗ عمر بعدہٗ عثمان نے تعمیر مسجد کے لیے - پس مینے پوچھا کہ یا رسول اللہ آیا یہ لوگ آپ کا ساتھ دے رہے ہین امر خیر مین اسپر آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ لوگ

میرے بعد میرے خلفا ہونگے - تعجب ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو بروز سقیفۂ انصار کے آگے کیون نہین پیش کی گئی اور اطمینان کی نظر سے حضرت علیؑ اور زبیر اور بنی ہاشم کو کیون نہین سنائی گئی - یہ حدیث بہی وضعی معلوم ہوتی ہے - اور یہ قصہ خود بے سروپا معلوم ہوتا ہے - کہان مسجد کی تعمیر مین سنگ برداری اور کہان رسول اللہ کی خلافت - حضرات اہل سنت بہی کیا ہی زمین اور آسمان کے قلابے ملانے مین دخل رکہتے ہین -

اے حضرات اہل سنت جب بروایت صحیح مسلم رسول اللہ نے کسیکو خلیفہ نہین مقرر کیا اور جب حسب تحریر عقائد جلالی رسول اللہ نے امر خلافت مین کسی کے لیے حکم نص نہ چہوڑا تو یہ سنگ برداری کی حدیث کیا پایۂ اعتبار رکہہ سکتی ہے - علاوہ ان دونون کتابونکے باقلانی کہتے ہین کہ اگر رسول اللہ کوئی نص حکم چہوڑ جاتے تو مسلمانون مین خلافت کا جہگڑا ہی کس لیے پیدا ہوتا - مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث سنگ برداری مطلق اطمینان بخش نہین ہے - اور اس سے نہ خلافت خلفائے ثلثہ کی اور نہ خلافت کی ترتیب ثابت ہوتی ہے - حضرات اہل سنت واقعی الغریق یتشبث بالحشیش کے مصداق نظر آتے ہین - نہایت جائے عبرت ہے کہ اہل سنت آیات و احادیث والہ خلافت حضرت امیر پر مطلق نظر نہین کرتے ہین اور کمزور سے کمزور باتون کے متمسک ہو کر حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق ثابت کرنے مین کوئی کوشش اٹہا نہین رکہتے ہین -

نمبر (۷) ازالۃ الخفا کے صفحہ ۳۰۴ مین یہ حدیث بہی بروایت سفینہ مولائے ام سلمہ مندرج ہے کہ صبح کی نماز کے بعد حضرت رسول اصحاب کے آگے آئے اور یہ فرمایا کہ آیا تم لوگون سے کسی نے خواب دیکہا ہے - ایک شخص نے انہین سے کہا کہ مینے یہ خواب دیکہا ہے کہ ایک میزان آسمان سے اتر کر زمین پر قائم ہوئی اور پہلے اس مین حضرت رسول اور حضرت ابوبکر وزن ہوے تو حضرت رسول حضرت ابوبکر سے بہاری نکلے اسکے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وزن ہوئے تو حضرت ابوبکر بہاری نکلے اسکے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان وزن ہوئے تو حضرت عمر بہاری نکلے - اسکے بعد وہ میزان پہر آسمان کو چلی گئی - اہل سنت کہتے ہین کہ اس خواب سے خلافت خلفائے ثلثہ کی بہ تسلیل ترتیب ثابت ہوتی ہے - راقم کہتا ہے کہ اس خواب مین حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کے وزن ہونے کا مضمون ندارد معلوم ہوتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت حضرت عثمان ہی تک ختم ہو گئی - تب اس حدیث میزان سے حضرت علیؑ کی خلافت کو نادرست ہونا چاہیے - ظاہر ہے کہ جب حضرت عثمان حضرت علیؑ کے ساتہ وزن ہوتے تب تو حضرت علیؑ کی خلافت خلافت رابعہ مانی جاسکتی - یون وزن ہوے بغیر آپ خلیفہ کیونکر قرار دیے جاسکتے ہین - لاریب خواب بالا تو اسیکا مقتضی ہے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ تک حساب کیا جائے - حالانکہ اہل سنت خلافت راشدہ کے زمانے کو حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت تک محسوب کرتے ہین - اور اہل انصاف

اس حدیث خواب کے حسن و قبح کو خود موازنہ کرلین راقم کو اس سے زیادہ کہنے کی حاجت نہین ہے یہ خواب کس حیثیت کا ہے اسکی تجویز راقم اہل انصاف پر چھوڑتا ہے۔ ظاہرا یہ خواب تو الہا پہ تجریب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حدیث الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ بالکل باطل ہوئی جاتی ہے۔ واقعی حضرات اہل سنت اثبات خلافت ثلثہ مین ایسی محویت رکھتے ہین کہ چپ و راست کے نیک و بد کا انہین خس برابر خیال نہین رہتا ہے۔ سارا مذہب اہل سنت کا انے اونٹ تیری کونسی کل سیدہی کا مصداق دکھائی دیتا ہے۔

حدیث نمبر (۸) مشکوٰۃ و مسلم مین بروایت ابی ملیکہ مروی ہے کہ سنا ہمنے حضرت عائشہ سے کہ کسی نے انسے پوچھا کہ رسول اللہ کا ارادہ کسکو خلیفہ بنانے کا تہا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر کو اور آپ کے بعد حضرت عمر کو اور حضرت عمر کے بعد ابو عبیدہ بن جراح کو۔ تعجب ہے مغیبات پر آگاہ ہونے کے حضرت رسول کو یہ نہین معلوم تہا کہ ابو عبیدہ حضرت عثمان کی خلافت کے پہلے ہی رحلت کر جاینگے۔ اور اگر ابو عبیدہ کا مرنا معلوم تہا تو ابو عبیدہ کو حضرت رسول نے زمرۂ خلفا مین کیون داخل کر دیا۔ حق یہ ہے کہ عجب بے سروپا حدیثین اہل سنت خلفائے ثلثہ کی خلافت کے حق ثابت کرنے مین پیش کرتے ہین۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو حضرت عثمان کی خلافت بہی متروک الذکر ہونیکی وجہ سے مدار د ہو جاتی ہے۔ البتہ اس حدیث سے صرف شیخین کی خلافت حق ثابت ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خلافت راشدہ صرف خلافت شیخین تک محدود رہ جاتی ہے اور یہ امر مذہب اہل سنت کے تمامتر خلاف ہے۔

حدیث نمبر (۹) تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۵۳ مین بروایت ابو ہریرہ یہ حدیث درج ہے کہ جب حضرت رسول شب معراج آسمان پر تشریف لیگئے تو آپ نے ہر طبقۂ آسمان پر محمد رسول اللہ ابو بکر الصدیق لکہا ہوا پایا۔ خیریت ہے کہ علامہ سیوطی نے اس حدیث کے اسناد کو ضعیف لکہا اب راقم کو اس سے زیادہ لکہنے کی حاجت نہین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی خلافت کو حق ثابت کرنے کے لیے اشخاص ناحق شناس نے کوئی کوشش اٹہا نہین رکہی ہے۔ کیا کیا نامربوط اور بے سروپا مضامین جناعان حدیث نے وضع کر ڈالے ہین۔

حدیث نمبر (۱۰) اسی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۱۶ مین بروایت ابن عمر یہ حدیث بہی دیکہی جاتی ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا کہ خدا نے زبان و قلب عمر پر حق جاری کیا ہے۔ اور کل قرآن حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اہل سنت حضرت عمر کے انکار موت نبی و حکم رجم مجنونہ و حکم حد شرب خمر کی کوئی تاویل معقول پیدا کرین۔ بلاشبہ یہ حدیث وضعی ہے۔ اور اسکی وضع کیوقت واضع کی یاد سے یہ تینون امور جاتے رہے تہے۔

حدیث نمبر (۱۱) اسی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۱۶ مین بروایت عقبہ بن عامر یہ حدیث بہی مرقوم ہے

کہ اگر کوئی نبی بعد میرے ہوتا تو عمر ہی ہوتے۔ یہ حدیث بھی وضعی ہے۔ اس سبب کہ نبوت کیلیے عصمت شرط ہے۔ حضرت عمر اسلام کے قبل کفار عرب سے تھے۔ صغیرہ کبیرہ سے نہ پاک پیدا ہوئے اور نہ صغیرہ کبیرہ سے پاک مرے۔ پس کبھی بھی حضرت کا نبی ہونا معلوم۔

حدیث نمبر ۱۲) اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۱۶ مین یہ حدیث بھی بروایت حضرت عائشہ مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ مین نے شیاطین جن وانس کو دیکھا کہ سب نے حضرت عمر سے فرار کیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت آدمؑ سے بھی افضل تھے اسلئے کہ آدمؑ کو شیطان نے دگایا۔ برخلاف اسکے ایک شیطان ہی نہین بلکہ شیاطین نے آپ سے پناہ مانگی۔ یعنی آپ کو دیکھکر فرار ہو گئے۔

حدیث نمبر ۱۳) اُسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۱۷ مین بروایت ابن عباس مروی پایا جاتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر حضرت رسولؐ سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے خدا کا سلام کہو اور خبر دو کہ غصہ حضرت عمر کا عزت ہے اور خوشنودی آپ کی حکم شرع ہے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث نقیض واقع ہوئی ہے آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کی جسکے نازل ہونے پر حضرت رسولؐ نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کہا کریے۔ مگر صَلِّ عَلٰى عُمَرَ کی ہدایت نہین فرمائی۔ حدیث بالا سے تو حضرت عمر کا حضرت رسولؐ سے بھی زیادہ رفیع درجہ نظر آتا ہے۔ پس لاریب یہ حدیث وضعی ہے۔ علاوہ اس نقص کے حضرت عمر کی تلاوت توراۃ و پیش نمازی در مرض نبی و ارتفاع آواز کا مضمون حدیث بالا کا نقیض دکھائی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کہان حضرت عمر کا غصہ اور کہان حضرت عمر کی خوشنودی اور اسپر خداے پاک کا سلام کہلا بھیجنا اور وہ بھی حضرت رسولؐ کے توسط سے اور کہان حضرت رسولؐ کا ناپسند کرنا تلاوت توراۃ کو اور بھی حضرت رسولؐ کا ناپسند کرنا حضرت عمر کی پیش نمازی کو جسکو حضرت عمر نے حضرت رسولؐ کے زمانۂ علالت مین حضرت رسول کی اجازت کے بغیر اختیار کیا تھا اور خدا تعالےٰ کا ناپسند فرمانا حضرت عمر کے بآواز بلند کلام کرنے کو حضرت رسولؐ کی صحبت مین۔ بیشک اگر حضرت عمر کا غصہ اور حضرت عمر کی خوشنودی خدا تعالےٰ کو پسند آتی تو افعال بالا آپکے خدا اور رسول کو کیون ناپسند آتے۔ حضرت عمر کے افعال بالا کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عمر کو مذہب یہود کے ساتھ ایک میلان خاص تھا۔ آپ تلاوت توراۃ کیا کرتے تھے۔ ایکبار نسخہ توراۃ کا لیکر آپ حضرت رسولؐ کے حضور مین حاضر ہوئے اور توراۃ پڑھنا شروع کردی حضرت رسولؐ کو یہ فعل آپ کا نہایت ناپسند آیا۔ چہرہ حضرت رسولؐ کا سُرخ ہو گیا۔ اور حضرت رسولؐ نے نہایت خشونت کے ساتھ فرمایا کہ اگر اسوقت موسیٰؑ ظہور کرین تو بالیقین تم لوگ مجھے چھوڑکر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ لاریب یہ قول حضرت رسولؐ کی بڑی ناراضامندی سے خبر دیتا ہے۔ عقل نہین باور کرتی ہے کہ حضرت عمر کے جس فعل سے حضرت رسولؐ کمال درجہ ناخوش ہون وہ فعل خدا تعالےٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہو۔

اسی طرح حضرت عمر کی پیش نمازی کی حقیقت یہ ہے کہ رسولِ خدا کے مرضِ موت میں حضرت عمر نے پیش نمازی اختیار کر لی۔ چونکہ حضرت عمر نہایت کریہ الصوت اور بلند آواز تھے جس وقت آپکی نماز خوانی کا احساس حضرت رسولؐ کو ہوا آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو پیش نمازی سے منع فرمایا اور حضرت عمر حضرت رسولؐ کی ناپسندی کی وجہ سے نماز ختم نکر سکے۔ ارتفاعِ آواز کا مضمون یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے سامنے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بآوازِ بلند کسی مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ دونوں صاحبوں کی یہ ترکیب مکالمہ کی خدائے تعالےٰ کو پسند نہ آئی۔ اس پر آیتِ امتناعی اس مضمون کی نازل ہوئی کہ صحبتِ رسولؐ میں بولنے والے اتنے زور سے نہ بولیں کہ اُن کی آواز رسول اللہ کی آواز سے اونچی ہو جائے۔ المختصر تمام امورِ بالا پر نظر رکھکر ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث زیرِ بحث قولِ نبی ہے۔ اسکے مضمون ایسے پریشان انداز کے ہیں کہ اس کو وضعی کہنے میں کوئی اہلِ فہم توقف نہیں کر سکتا یوں اربابِ تعصب لے وضعی نہ کہیں تو نہ کہیں۔

نمبر ۱۴۔ طبرانی اور دیلمی بروایت ابن عباس لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد حق ساتھ حضرت عمر کے ہے وہ جس راہ پر ہوں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امارتِ اُسامہ و عزلِ خالد و رجمِ مجنونہ و مسئلہ متعہ و حدِ شربِ خمر میں حق حضرت عمر کی جانب تھا یا نہیں۔ اس حدیث کی رو سے تو حق حضرت عمر کی جانب ہونا چاہیے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ وضاعینِ حدیث بالیقین ہوشمند اشخاص نہ تھے ظاہر ہے کہ اگر ایسے لوگ ہوشمند ہوتے تو وضاعینِ حدیث نہوتے۔ جو وضعی حدیث ہے بے سروپا دکھائی دیتی مگر اہلِ تعصب کی آنکھ میں اسکا عدمِ تناسب نہیں دکھائی دیتا۔

نمبر ۱۵۔ اسی تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۱۸ میں بروایت ابن مسعود مروی ہے کہ اگر ایک پلہ میزان پر علم تمامی خلق کا ہو اور ایک پلہ پر علم حضرت عمر کا تو آپ کے علم کے نویں حصہ کے برابر علم تمام خلق کا پایا جائے گا۔ اگر یہ حدیث درست ہے تو حضرت رسولؐ نے اَنَا مَدِینَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کیوں فرمایا (دیکھو مشکوٰۃ المصابیح)۔ پھر اگر واقعی حضرت عمر کے علم کا پلہ ایسا گراں ہوتا تو کسی حال میں حضرت شاربِ خمر کو اتنی دُرّے لگانے کا حکم نہ دیتے اور نہ رجمِ مجنونہ کو جائز رکھتے۔ یہ سب کام تو اُن سے کے نظر آتے ہیں یہ امر باطمینان تمام ثابت ہے کہ حضرت عمر علمِ قرآن بہت ہی کم رکھتے تھے ظاہر ہے کہ جب تلاوت توراۃ کیا کرتے تھے تو تلاوت قرآن کی آپ کو فرصت بھی کم ملتی تھی یوں آپ اہلِ سنت کے نزدیک مجتہد کہلاتے ہیں مگر کمیِ علم کے باعث خود اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ اجتہاد کے لیے آپ نے ایک کمیٹی قائم کر لی تھی جس کے ممبر آپ نے زید ابن ثابت۔ ابی بن کعب۔ عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کو مقرر کر لیا تھا۔

برخلاف آپ کے حضرت علیؑ وفورِ علم کی بدولت خود اجتہادِ مسائل کیا کرتے تھے اور کسی شخص سے اجتہاد میں مدد لینے کی حاجت نہیں رکھتے تھے۔ اہلِ انصاف تجویز فرمائیں کہ حدیثِ بالا کی نسبت

حضرت عمر کا علم جب تمام خلق کے علم سے بیش در بیش قرار پایا تو آپ کا علم خود حضرت رسولؐ اور جمیع انبیا اور اولیا کے علم سے بھی بہت زیادہ ثابت ہوا - یہ کیا بے سروپا باتین ہین - جھوٹ بولنے کے واسطے بھی کچھ سلیقہ درکار ہے - کوئی شک نہین کہ بالعموم حضرات خلفائے ثلثہ کے وضاع حدیث تناسب کلام کے ملحوظ رکھنے کی کوئی صلاحیت نہین رکھتے تھے - ورنہ ایسی بے سروپا حدیثین وضع نہین کیجاتین - یہ کیا ترکیب وضع ہے کہ حضرت عمر کی فضیلت مین حدیث بالا اس نہج پر کسی احمق نے وضع کی ہے کہ جس سے حضرت رسولؐ کے مدینۃ العلم اور حضرت علیؑ کے باب العلم ہونیکے مضامین تمامتر گاؤخورد ہوگئے - لیکن بہت قابلِ رحم ایسے لوگ ہین جو ایسی وضعی حدیثون کو اپنے ایمان کی جان سمجھتے ہین اور اسی غلط خیالون کے ساتھ اس عالم سے عالم جاودانی کیطرف سدھارتے ہین ع

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد - عالم آخرت مین عافیت کا مدار صحت خیالات پر ہے - غلط خیالی کے گرفتار کو عالم آخرت مین عافیت نصیب نہین ہو سکتی ہے -

نمبر ۱۶) اسی تاریخ الخلفا کے صفحہ ۱۲۰ مین مندرج ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہین کہ مینے موافقت کی تنزیل قرآن مین ساتھ رائے خدا کے تین مقام مین - اول مصلےٰ ابراہیمؑ کی جائے نماز مین - دوم برقع پوشی زنان مین - سوم طلاق نسا مین - مگر ان آیات ثلثہ مین میان مفسرین اختلافات دیکھے جاتے ہین - مثلاً مقام ابراہیمؑ مین مجاہد اور عطا اور ابن عباس مختلف الاقوال ہین - پس اگر حضرت عمر کے یہ موافقات قرآنی صحیح ہوتے تو صحابہ اور تابعین کے اقوال مین اختلافات کیون پائے جاتے - ظاہر ہے کہ صحابہ اور تابعین کو حضرت عمر کے ساتھ کوئی عداوت نہ تھی -

نمبر ۱۷- مسلم کی جلد ۲- مین مذکور ہے کہ جب عبد اللہ ابن ابی نے فوت کیا تو نماز جنازہ کے واسطے حضرت رسولؐ بلائے گئے - جب آنحضرت جانیکے واسطے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر حضرت رسولؐ کے مقابلہ مین آ کھڑے ہوئے اور بولے کہ اے نبیؐ تم کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھا کرو - واضح ہو بیانِ بالا سے بیّن طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر منظوری خدا حضرت رسولؐ کی اتالیقی کیا کرتے تھے یہی نہین بلکہ خدا تعالےٰ کو بھی آپ کی ہدایت کے مطابق کاربند ہونا ہوتا تھا - اس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر شریک فی النبوۃ سے کوئی اونچا درجہ رکھتے تھے اسلیے کہ صرف حضرت رسولؐ کے افعال و اقوال کی اصلاح عمل مین نہین لاتے تھے بلکہ خدا تعالےٰ کی بھی اعانت اپنی ہدایتون سے فرمایا کرتے تھے - امر زیر بحث مین تو ظاہر ظاہر طور پر حضرت عمر کی تفضیل حضرت رسولؐ پر ثابت ہوتی ہے - حضرت رسولؐ کو اتنا بھی نہین معلوم تھا کہ عبد اللہ ابن ابی کے جنازہ کی نماز نہین پڑھنی چاہیئے - حضرت عمر نے راہِ حق حضرت رسولؐ کو سوجھائی ورنہ آپ اپنی بے علمی کے تقاضے سے اس متوفی کی نماز جنازہ پڑھا دیتے - بلاشبہ اس قصد نماز سے حضرت رسولؐ کی خطا واضح طور پر ثابت ہوتی ہے - جس پر فوری طور پر آیت امتناعی کا نازل ہونا عتاب خداوندی سے خبر دیتا ہے -

اے سُنّی بھائیو حضرت عمر کی محبت مین کیون ایسے غرق ہو رہے ہو کہ تمہین عزت رب العزت اور عظمت شہنشاہِ رسالت کا بھی پاس نہین رہا ہے ۔ کہان حضرت عمر اور کہان سید المرسلین و رب العالمین یہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت عمر کو حضرت رسولؐ اور خدائے پاک کے معاملات مین کچھ بھی دخل ہوتا تو اپنے رجم مجنونہ و حد شرب خمر وغیرہ کی طرح کے احکام کو اپنی غلط فہمی کے مطابق دربار خدا اور رسولؐ سے پاس کرا دیتے بلکہ اپنی خود رائی سے سارے احکام اسلام کو اپنی پسند کے مطابق کر ڈالتے ۔

نمبر ۱۹) اسی تاریخ الخلفا مین مسئلہ خمر کا بھی ذکر دیکھا جاتا ہے ۔ سورہ بقر کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ کی نسبت اہل سنت کہتے ہین کہ حرمت خمر کے باعث حضرت عمر ہوئے یعنی حضرت عمر نے شراب کے مادے مین سوال کیا جسپر شراب حرام کر دی گئی ۔ ظاہرا ایسا نہین معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر شراب حرام ہو گئی ۔ بیضاوی لکھتے ہین کہ سورہ کافرون کو نشہ کی حالت مین عبد الرحمن بن عوف نے غلط طور پر پڑھ دیا تھا اسلئے شراب حرام کر دی گئی ۔ اسیطرح اہل سنت کہتے ہین کہ آیت ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ بھی حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی مگر کسی مشہور مفسر نے مثلاً بیضاوی رازی نیشاپوری و سیوطی وغیرہ نے ایسا نہین لکھا ہے ۔ اسی طرح اہل سنت کہتے ہین کہ جب حضرت رسولؐ نے غزوۂ بدر کا قصد فرمایا تو حضرت عمر سے آپ نے مشورہ کیا ۔ حضرت عمر نے خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیا پس آیت کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ کا نزول ہوا ۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اہل سنت آیت مذکورہ کو موافقات حضرت عمر سے بتاتے ہین حالانکہ ارادہ خروج غزوۂ بدر کا خود حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا ۔ یہ کیسا تعصب ہے کہ آیت مذکورہ حضرت رسولؐ کے موافقات کے عوض حضرت عمر کے موافقات سے قرار دیجاتی ہے ۔ حالانکہ حضرت رسولؐ مصدر وحی اور لغتوے عقل حضرت عمر سے افضل تھے ۔ یہان پر ایک نفرت انگیز معاملہ کا درج کر دینا خلاف محل نہوگا اور وہ یہ ہے کہ حضرات اہل سنت استشارۂ بالا کا ذکر تو حضرت عمر کے فضائل کے اعتبار سے کرتے ہین ۔ یعنی یہ کہتے ہین کہ حضرت رسولؐ نے حضرت عمر سے خروج غزوۂ بدر کی نسبت مشورہ چاہا اور حضرت عمر نے خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیا اور حضرت عمر کے حسب مشورہ آیت خروج غزوۂ بدر نازل ہوئی ۔ مگر حضرت عمر کے غزوۂ بدر کی کارروائی کیطرف رخ نہین کرتے ۔ اہل انصاف دیکھین کہ حضرت عمر نے خروج غزوۂ بدر کی صلاح رسول اللہؐ کو دی مگر جب بدر کا میدان پیش آگیا تب آپ نے خس برابر بھی مجاہدان بدر کی جنگی کارروائی کی شرکت نکی آپ چپ چاپ بیٹھے رہگئے ۔ عذر بیکاری یہ پیش کیا کہ ابوجہل ماموں مکہ سے لڑنیکو آئے تھے ماموں صاحب کے خلاف اسلام کیطرف سے کیونکر لڑتے ۔ حضرات اہل سنت کو یہ عذر معقول معلوم ہو تو ہو ۔ مگر حقیقت حال تو یہ ہے کہ حضرت عمر لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے ۔ نبرد آزمائی کا

دل مطلق نہین پایا تھا۔ جیسا کہ غزوۂ بدر کے بعد جنگ احد و جنگ خندق و جنگ خیبر و جنگ حنین وغیرہ سے ثابت ہوتا گیا۔ اہلِ انصاف تجویز فرمائین کہ یہ کیسی بات ہے۔ کہ رسول اللہ کو خروج غزوۂ بدر کا مشورہ دیکر اپنی شان مین نزول آیت قرانی کا شرف حاصل کرین۔ لیکن جب بدر کی لڑائی پیش ہوجاتے تو سر آمد کفار مکہ یعنی ابوجہل ماسون کی خاطر سے تلوار کو نیام مین ڈالے رکھین۔

نمبر ١٨ - اسی تاریخ الخلفاء مین یہ بھی مذکور ہے۔ کہ حضرت عمر نے افک ام المومنین کے باب مین یہ کہا۔ کہ یہ بہتان عظیم ہے۔ اہل سنت کہتے ہین۔ کہ آیت سُبحٰانَکَ ھٰذَا بُہْتَانٌ عَظِیْمٌ حضرت عمر کے قول کے مطابق نازل ہوئی۔ مگر معالم التنزیل کے صفحہ (٦٢٤) سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوایوب نے بھی انہین الفاظ مین اظہار خیال کیا تھا۔ علاوہ اس کے عندالتحقیق معلوم ہوتا ہی۔ کہ دیگر صحابہ نے بھی ابو ایوب کے ساتھ ہمخیالی ظاہر کی تھی۔ بس آیت بالا کو کوئی خصوصیت حضرت عمر کے قول کی ساتھ نہین معلوم ہوتی ہے۔ یون حضرات اہل سنت جیسا چاہین۔ کہین۔

نمبر ١٩ - معالم التنزیل کے صفحہ (٤٧) سے بروایت ابن عباس معلوم ہوتا ہی۔ کہ ابتدائی اسلام مین جماع رمضان مین رات کے وقت بھی حرام تھا۔ مگر حضرت عمر نے اپنی عورت کے ساتھ جماع کیا آپ کے ایسا کرنے سے خدا نے رمضان کے مہینے مین جماع شب کو حلال کر دیا۔ جاننا چاہیئے۔ کہ آیت جماع فِی لَیَالِیِ الصِّیَامِ کی شان نزول اجماعی نہین ہی۔ بس خبر واحد متواتر کے مقابل مین قابل صحت نہین ہوسکتی ہی۔ ظاہرا اہل سنت کی طرف سے اسکی بڑی کوشش دکھائی دیتی ہی کہ جہانتک ممکن ہے۔ نزول آیات قرانی حضرت عمر کے اقوال کے موافق دکھلایا جائے۔ ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوے میکنم۔ نہایت جائے افسوس ہی۔ کہ ہر قدم پر حضرات اہل سنت حق لینے کے دعویدار نظر آتے ہین۔

نمبر ٢٠ - معالم التنزیل کے اسی صفحہ (٤٧) مین سطور ہی۔ کہ آیت مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکَالَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ ٭ بزبان حضرت عمر نازل ہوئی ہی شان نزول اس آیت کی یہ ہی۔ کہ حضرت عمر سے ایک یہودی ملاقی ہوا۔ اسنے حضرت عمر سے کہا کہ تمہارے آقا جبرئیل کا جو ذکر کرتے ہین۔ وہ جبرئیل ہم لوگون کا دشمن ہی۔ اسپر حضرت عمر نے یہ فرمایا۔ کہ جو شخص دشمن خدا و ملائکہ و انبیاء و جبرئیل و میکائیل کا ہی۔ بس خدا کافرون کا دشمن ہی۔ اسپر انہین حضرت عمر کے لفظون مین آیت بالا نازل ہوئی۔ واضح ہو کہ اہل سنت کا یہ لکھنا کہ یہ آیت حضرت عمر کے قول کے موافق نازل ہوئی ہی اسوقت صحیح مانا جاتا کہ جب آیت بالا کی تنزیل مین اختلاف مفسرین نہ پایا جاتا۔ باخود یہاں کا اختلاف مفسرین کا اس امر پر دال ہی۔ کہ یہ روایت صحیح نہین ہے۔

نمبر ٢١ - مسلم جلد اصفحہ ٤٤ مین دیکھا جاتا ہے۔ کہ اثنائے راہ مین درمیان حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ کی ملاقات ہوئی۔ ابوہریرہ منادی کر رہے تھے۔ کہ جو شخص کلمۂ توحید پڑھے گا۔ وہ داخل جنت ہوگا۔ ابوہریرہ کہتے ہین۔ کہ ناگاہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر ایسے زور سے ایک دوہتڑ لگایا کہ

مین بیہوش ہوکر دانتون کے بھل گر پڑا - اسکے بعد آپ نے مجھسے فرمایا کہ چلا جا - مین روتا ہوا آنحضرت صلعم کے پاس واپس گیا - اسپر حضرت رسولؐ نے حضرت عمر سے یہ ارشاد کیا کہ اے عمر تمہین کیا ہوگیا ہے کہ میرے احکام مین اس طرح پر دخل و تصرف کرتے ہو - حضرت عمر نے جواب دیا کہ مین ڈرا اس بات سے کہ لوگون کو اس حدیث پر تکیہ ہوجائیگا - سوا اسکے کلمہ منادی مین محمد رسول اللہ داخل نتہا - خالی کلمہ توحید کو منادی نکر لیجئے - فرمایا حضرت نبیؐ نے کہ بہتر ترک منادی کرو - واضح ہو کہ فعل بالا حضرت عمر سے کچھ دو نتہا جب حضرت عمر نے ایک باردار عورت کے پیٹ پر اور وہ عورت کون کہ رسول اللہ کی غمزدہ بیٹی خاتون قیامت افضل نسائی عالم مخدومہ کونین زوجہ علی مرتضٰے والدہ ماجدہ حضرت حسنینؑ جدہ محترمہ بقیہ ائمہ طاہرینؑ تھین ضرب لگا ہی دی جس سے اُس معصومہ ازلی کا حمل ساقط ہوگیا تو بیچارے ابوہریرہ کیا تھے جو انپر ایک دہما کا حضرت عمر نے رسید کردیا - یون تو ظاہر طور پر حضرت ابوہریرہ سے کوئی قصور سرزد نہین ہوا تہا - وہ غریب حکم رسولؐ کے مطابق منادی کر رہے تہے - اس حالت مین بے قصور حضرت ابوہریرہ ناحق چوٹ جولاہا کھائے کے مصداق ہوگئے - بہرحال اس جگہ فرقہ امامیہ کیطرف سے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ منادی بالا وحی الٰہی کے موافق تھی اسلیئے کہ یہ تبلیغ رسالت تھی - پس تبلیغ رسالت مین حضرت عمر کی اصلاح و ترمیم وحی چہ معنی دارد - ظاہرا یہ حدیث جو ابوہریرہ کی مروی کہی جاتی ہے ساختہ ہے اور اگر ساختہ نہین ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر اپنے کو شریک رسالت اور اتالیق حضرت رسولؐ سمجھتے تہے - ہر دو حال مین یہ حدیث حضرت عمر کی کسی طرح کی فضیلت نہین ظاہر کرتی ہے - اس سے صرف اسیقدر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایک مغلوب الغضب درشت خو اور آزادہ بزرگ تہے - واضح ہو کہ ایک اور حدیث مسلم کی جلد ا صفحہ ۴۱ مین مضمون بالا کی حضرت عثمان سے مروی دیکھی جاتی ہے - اور وہ یہ ہے کہ جو فوت کرے اور کلمہ توحید جانتا ہو وہ داخل جنت ہوگا - نو وی کہتے ہین کہ اتفاق اہل سنت کا ہے کہ کل موحد داخل جنت ہونگے حضرت ابوہریرہ کی حدیث بالا مین کہ تبلیغ رسالت پر مشتمل ہے حضرت عمر کو اصلاح دینے کا استحقاق نہ تہا - علاوہ اسکے حضرت عمر کے منع منادی کو حضرت رسولؐ کا ایجاب کرلینا اس حدیث اجماعی کے خلاف ہے -

نمبر ۲۳) بخاری کی جلد ۴ صفحہ ۱۸) مین ابوہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ تم لوگونکو عنقریب حرص و طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگون کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی - راقم کہتا ہے کہ اُمت کے معاملہ حرص و طمع خلافت اور اسکے عاقبت مین نادم و خجل ہونے کے لیے کسی نصی ثبوت کی حاجت نہین ہے - ایسے فعل ناحق کا نتیجہ ایسا ہی ہوگا - گندم از گندم بروید جو ز جو ؎ از مکافات عمل غافل مشو -

مگر ازالۃ الخفا کی جلد صفحہ ۲۴۰ مین حضرت عائشہ کی جو سنگ برداری والی حدیث مندرج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر تب حضرت عمر تب حضرت عثمان خلیفہ ہون گے ظاہر ظاہر طور پر یہ حدیث حضرت عائشہ کی حدیث بالا کی نقیض دکھائی دیتی ہے۔ یعنی اگر حسب حدیث ابوہریرہ حضرت رسولؐ کے بعد اُمت حرص وطمع خلافت کی مرتکب ہوکر بروز قیامت ندامت وخجلت نصیب ہوگی تو حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان کی خلافت کیونکر مانی جاسکتی ہے۔ حضرت رسولؐ کے بعد تو حضرات شیخین ہی نے حکومت وامارت کیطرف رُخ کیا پس موردِ عتاب حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے مطابق حضرات شیخین اور انکے مددگارون کے سوا اور کون لوگ ہوسکتے ہین۔ بہرحال محدثین کہتے ہین کہ حدیث حضرت عائشہ کا راوی واہی ہے اور لہذا یہ حدیث متروک ہے۔ اس ترک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث اپنے حال پر قایم رہجاتی ہے۔ اور اس حدیث کا اثر تمام حضرات شیخین اور انکے مددگارون تک یقینی طور پر پہنچتا ہے۔

نمبر ۲۴) مشکوۃ ف۲ مناقب عشرۂ مبشرہ صفحہ ۵۵۸ مین حدیث عبدالرحمن بن عوف کی مروی دیکھی جاتی ہے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر عمر عثمان طلحہ زبیر عبدالرحمن بن عوف سعد بن ابی وقاص سعد بن زید ابوعبیدہ بن الجراح قطعی جنتی ہین۔ ان نو اشخاص سے حضرت علیؑ خارج کردئے گئے نظر آتے ہین۔ یعنی آپ اشخاصِ مبشرۂ جنت سے نہین شمار کیے گئے ہین۔ مگر اور حدیثون مین دس صاحبون کے نام درج ہین اور اُنمین حضرت علیؑ کا نام بھی ہے۔ اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشرۂ مبشرہ کا مضمون ایک تنقیح یافتہ مضمون نہین ہے اور اس لیے ایک نزاعی مضمون ہے۔ واضح ہو کہ حدیث ہاے بالا سے اسیقدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ نو یا دس اشخاص قطعی جنتی ہین۔ مگر ضرور نہین ہے کہ جو قطعی جنتی اشخاص ہین وہ خلیفہ اور امام بھی ہون۔ پس یہ حدیثین کسی طرح پر خلفاے ثلثہ کی خلافت حقہ کی دلیل نہین ہوسکتی ہین۔

نمبر ۲۵) حدیث مندرج سفر السعادت۔ مَا صَبَّ اللّٰہُ شَیْئاً فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی کوئی ایسی شے نہین ہے کہ جو اللہ نے میرے دلمین ڈالی کہ جسے پورے طور پر مین نے ابوبکرؓ کے صدر مین نہ ڈالدیا ہو۔ اس حدیث کو صاحب سفر السعادت نے وضعی لکھا ہے۔ عجب کیا ہے کہ جب چودہ ہزار حدیثین صرف عہد امیر معاویہ مین مدح مین حضرت ابوبکر کی حکم امیر معاویہ سے وضع کیگئی ہین تو حدیث بالا بھی موضوعات سے ہو۔

المختصر تمام آیات واحادیث سے جنکو اہل سنت والجماعت خلافت خلفاے ثلثہ ملنتے ہین راقم کی نظر سے ایک بھی کوئی آیت یا حدیث ایسی نہین گزری کہ جو عند التحقیق خلافت خلفاے ثلثہ کی مثبت ہو۔ یہ سب حضرت ذیکو سلے طرفدار ان خلافتِ ثلثہ کے ہین۔ ورنہ قرآن وحدیث کہین سے بھی خلافت

حضرت ختفائی ثلثہ کی حق نہین ثابت ہوتی ہو تو ہو کہ یہ خلافتین فعل اُمت ہین انکو خس بنا پر بہی نصی حیثیت حاصل نہین ہے

اُمور منکرات خلافت حضرات شیخین

نمبر ۱ ؎ - امام ابو الفتح عبد الکریم شہرستانی کی کتاب ملل و نحل کی جلد (۱) صفحہ (۷) سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبیؐ نے اپنے ایام مرض الموت مین اپنی اُمت کو یہ حکم صادر فرمایا تہا کہ لشکر اسامہ کی روانگی کا سامان کرو اور لعنت خدا کی ہے اُسپر جو انحراف کرے جانے مین ساتہ اسامہ بن زید کے جو اس لشکر کے سپر لشکر از جانب رسولؐ مقرر کیے گئے تہے - ایک جماعت نے مسلمانون کی یہ کہا کہ فرمان نبیؐ کی تعمیل ہم لوگون پر واجب ہے - ایک دوسری جماعت نے یہ کہا کہ مرض نبیؐ کا برسر ترقی ہے ایسی حالت مین ہم لوگون کا دل گوارا نہین کرتا ہے حضرت رسولؐ کی مفارقت پر - جاننا چاہیے کہ مذہب اسلام مین اختلاف کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوئی - بہر حال اسامہ لشکر اسلام لیکر مدینہ سے باہر نکلے - کتب سیر و تاریخ کے دیکہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر مدینہ مین رہگئے لشکر اسامہ کے ساتہ مدینہ کے باہر نہ گئے - اور حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور طلحہ اور زبیر مقام جرف سے لوٹ کر چلے آئے - حضرات بالا کی کارروائی ہائے بالا کی توجیہ اہل سنت اس طور پر کرتے ہین کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولؐ سے قیام مدینہ کی اجازت حاصل کرلی تہی - اور وہ حضرات جو لشکر بالا مدینہ کو لوٹ کر آئے - اسکی صورت یہ ہوئی کہ حضرت رسولؐ کے حکم کا نفاذ فوری نہین تہا درحالیکہ مدینہ مین منافقین کیجانب سے مفسدون کے احتمالات بہت تہے - پس ایسا ہی ہوا کہ حصول خلافت کے بعد اسامہ کو حضرت ابوبکر نے میر لشکر کرکے مامور بجہاد کیا - شیعہ اسکی تردید یون کرتے ہین کہ روایت قسطلانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسامہ ایک شخص غلام تہے اور صحابہ شرفائے قریش سے تہے - اسلیے یہ حضرات اُسامہ کی سرداری لشکر کو مکروہ جانتے تہے - ابو الفدا بہی لکہتے ہین کہ حضرت عمر امارت اُسامہ سے کارہ تہے - اسلیے لشکر اُسامہ کے ساتہ جانا اور رہنا یہ حضرات نہین پسند کرتے تہے - ظاہر ہے کہ جب حکم نبیؐ ایسا ہی تہا کہ اُسامہ میر لشکر ہو کر اعدائے دین کیطرف جائین تو اُمت کی پسند اور غیر پسند کو کیا دخل ہو سکتا تہا - ہر شخص کا فرض منصبی تہا کہ مامور کی حیثیت سے حکم نبویؐ کو بجالانے مین مطلق لا و نعم نکرتا اور حق بہی یہی ہے کہ اگر ماموران جہاد دل سے حضرت رسولؐ کے حکم بجالانے والے ہوتے تو اُسامہ کیا اُسامہ کے بہی نیچے درجے کے شخص کی ماتحتی مین عذر نہ کرتے - اب رہا حضرت ابوبکر کا مدینہ مین رہجانا - اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ کا حضرت رسولؐ کی اجازت سے رہجانا کسی روایت سے ثابت نہین ہے -

راقم کہتا ہے کہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت رسولؐ چاہتے تہے کہ اُسامہ لشکر لیکر مدینہ سے باہر چلے جائین اور انکے ساتہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر و دیگر طرفداران حضرات شیخین بہی مدینہ کو خالی کرجائین - یہ اس غرض سے کہ آپ کے انتقال کے بعد جسکے آثار آپ کے مرض شدید سے عیان تہے

حضرت علیؑ آسانی کے ساتھ حضرت رسولؐ کے خلیفہ قائم ہوجائین - حضرت رسولؐ خوب جانتے تھے کہ حضرات شیخین وطرفداران حضرات شیخین اور انصار بھی اپنی اپنی امارت کی فکر مین ہین آپ کی رحلت کے بعد یہ حضرات حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے نہ دینگے - چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مخالفان حضرت علیؑ کے مدینہ مین رہنے کے باعث حضرت علی خلیفہ نہ قرار پاسکے - حضرات بالا حضرت رسولؐ کی مرکوزات خاطر سے بیخبر نہ تھے - حضرت ابوبکر تو مدینہ مین رہ ہی گئے اور حضرت عمر اور اُنکے طرفداران کچھ دُور جاکر مدینہ کو واپس چلے آئے - پھر کیا تھا ادھر حضرت رسولؐ نے رحلت فرمائی اُدھر مخالفان علیؑ نے بلا خیال حضرت رسولؐ کے کفن و دفن کے سقیفہ بنی ساعدہ مین مجتمع ہوکر امر خلافت کو چٹ منگنی پٹ بیاہ کے قاعدہ سے قائم کرلیا - کوئی شک نہین ہے کہ اگر حضرت علیؑ کے مخالفین حضرت رسولؐ کی رحلت کیوقت مدینہ سے باہر رہتے تو امر خلافت کسی اور نہج سے طے پاتا اور قرینہ غالب یہی ہے کہ حق بحقدار رسید قاعدے سے حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے خلیفہ بلا فصل اس عالم ظاہر مین بھی قرار پاجاتے - کوئی شک نہین کہ یہ سقیفہ کی کارروائی تمامتر داغدار نظر آتی ہے - اس کارروائی کی کامیابی محض لشکر اُسامہ کے عدم شرکت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے - کوئی شک نہین کہ مخالفان علیؑ اپنے مقاصد مین کامیاب تو ہوے مگر حضرت رسولؐ کے تاکیدی قول کے منحرف بھی اپنے کو بنالے گئے - حضرت رسولؐ کے تاکیدی قول پر نظر ڈالنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین اسلیے کہ آپ نے اپنے حکم سے انحراف کرنیوالے پر لعنت کی سزا صادر فرمائی ہے - یون حضرات سُنّی اور شیعہ آپس مین بحث و مباحثہ کرین مگر حقیقت حال وہی ہے جو راقم نے بالا مین حوالہ قلم کیا ہے - مخفی نہین ہے کہ یہ معاملہ سقیفہ کا بہت زشت صورت دکھاتا ہے - اس معاملہ کی باعث حضرات شیخین و دیگر طرفداران حضرات شیخین کو لاش حضرت رسولؐ کو بے کفن و دفن چھوڑ دینا پڑا - حق یہ ہے کہ یہ ایک نہایت ہی غیر فطری فعل مخالفان علیؑ سے سرزد ہوا مسلمان مسلمان کے مردہ کو چھوڑ نہین سکتا ہے - چہ جائیکہ مخالفان علیؑ کو اپنے نبیؐ کی لاش مبارک کو حصول امارت کی غرض سے چھوڑ دینا پڑا - یہ ایک نہایت حسرت انگیز معاملہ نظر آتا ہے - مگر اس کی اصلاح کی شکل حضرات اہل سنت نے یہ نکالی ہے کہ اپنے اصول امامت اس طرح قائم کیے ہین کہ جسکے رو سے نبی کی لاش کو اس طرح پر چھوڑ دینا عین دینداری ہے - وہ اصول امامت یہ ہے کہ خدا پر واجب امام کی تقرری نہین ہے - اُمت کا کام ہے کہ اپنا امام مقرر کرلے گو امام مقرر کرنے مین لاش نبی بے گور و کفن پڑی رہجائے (دیکھو شرح عقائد نسفی) یعنی مقدم تقرر امام ہے اور اسکے بعد دفن و کفن نبیؐ کا مضمون ہے - ظاہر ہے کہ یہ اصول معاملات خلافت کو ملحوظ رکھکر قائم کیا گیا ہے - ورنہ تمامتر عقل و فہم و حیا و دیانت داری وغیرہ وغیرہ کے نہایت ہی خلاف ہے - ایسے اصول کو رضائے خداوندی نہین کہہ سکتی - وہی اصول رضائے خداوندی ہین جو قوانین فطرت پر انکی بنا واقع

ہوئی ہے۔ اسطرحکا غیر طبعی اصول کسی حال مین قانون خداوندی نہین مانا جا سکتا ہے۔
نمبر (۲) تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۸۴ مین مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا حضرت علیؑ
کی طرف اور بھی پاس اُن لوگون کے جو خانۂ فاطمہؑ مین مجتمع تھے تاکہ حضرت عمر وہان جاکر ان لوگون کو
وہان سے نکالدین اور یہ اس غرض سے کہ اجماع دوستداران علیؑ کا شکست ہوجائے اور مراد اس
اہل اجماع کی بر نہ آوے۔ حضرت ابوبکر نے حکم دیا کہ اگر تمہارے حکم سے اس بات مین وہ لوگ
نافرمانی کرین تو انہین قتل کر ڈالنا۔ پس حضرت عمر اس حکم کو قبول کر کے آگ لیکر چلے کہ گھر جناب سیدہ
کا جلا دیوین۔ اس مابین مین درمیان حضرت عمر اور حضرت سیدہؑ کے ملاقات ہوئی۔ حضرت سیدہؑ نے
حضرت عمر کو ٹوک کر پوچھا کہ اے پسر خطاب کدہر جاتے ہو۔ کیا میرا گھر جلانیکو آئے ہو حضرت عمر نے
جواب دیا کہ ہان تمہارا گھر اور تمہارے گھر مین جتنے ہین سب کو جلا چھوڑینگے۔ ناگاہ نکلے حضرت علیؑ
اور آئے پاس حضرت ابوبکر کے اور بیعت کی۔ راقم کہتا ہے کہ بیعت کرنیکا مضمون تو صاحب تاریخ الخلفا
کی دادِ سنیت ہے جیسا کہ اس کتاب کے سابق کے حصہ مین دکھلایا جا چکا ہے۔ مگر یہ کیفیین حضرت
شیخین کی کسی قانون انسانیت سے مطابقت نہین رکھتی ہین۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان
ظالمانہ درشت سخت اور بیرحمانہ کارروائیون کی توجیہین اپنی کتاب تحفہ مین دکھلائی ہین۔ مگر عذر بدتر
از گناہ کا عالم انکے سارے جوابات رکھتے ہین۔ یہ قصہ ایک نہایت زشت اور دلخراش نقشہ
اہل انصاف کی نظر مین پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخین اپنی امارت کی استحفاظ
مین تمام تر بھول گئے کہ فاطمہؑ انکے رسولؐ کی بیٹی ہے۔ اور بیٹی بھی کیسی کہ مفارقت پدر مین نہایت
غمزدہ اور دل شکستہ۔ واہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو کیا خوب انداز پر حضرت سیدہؑ کے گھر رسم
تعزیت یعنی پُرسے کی رسم ادا کرنیکے لیے بھیجا۔ سچ ہے دنیا مین تعزیت اور پرسے کی رسم آگ اور تلوار ہی
سے ادا ہوتی ہے۔ لاریب بخاری کی یہ حدیث کہ فرمایا حضرت رسولؐ نے کہ تم لوگون کو عنقریب حرص و
طمع خلافت کی پیدا ہوگی اور اس فعل کے باعث تم لوگون کو بروز قیامت ندامت و خجالت لاحق ہوگی
نہایت صحیح اور درست ہے۔ حضرت رسولؐ کے رحلت کرتے ہی جناب شیخین اور طرفداران شیخین سے
حرص و طمع خلافت کے ایسے ایسے افعال صادر ہونے لگے کہ خدا تعالےٰ ہر مسلمان کو اُن افعال
زشت سے دُور رکھے۔ حضرت فاطمہؑ کے گھر پر چڑھائی اور قصد احراق خانۂ فاطمہؑ و لدادۂ قتل پناہ گزینان
خانۂ فاطمہؑ و ضرب بر شکم فاطمہؑ وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسے افعال قبیحہ ہین کہ امارت کے کمال حرص و طمع کی
خبر دیتے ہین۔ خدا تعالےٰ ہر مسلمان کو اسطرحکی حرص و طمع سے بچا دے ایسے افعال کا نتیجہ بروز قیامت
ندامت و خجالت کے لاحق ہونیکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ فرمودۂ مخبر صادق ہے کبھی غلط ہونیکا نہیں
نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ؕ

نمبر ۱۳۱ - تاریخ الخلفا کے صفحہ ۶۸ - مین حسن بصری سے روایت دیکھی جاتی ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکر نے خطبہ پڑہا جسمین آپ نے فرمایا کہ مین بشر ہون اور تم لوگون سے بہتر اور افضل نہین ہون اور جب مجھسے چوک اور غلطی ہو تب میری مدد کرو اور جب مجھسے لغزش دیکھو تو مجھے سنبھالو اور جانو کہ میرے اوپر شیطان کا تسلط رہتا ہے وہ مجھے بہکاتا ہے - جب دیکھو ہمکو بہکا ہوا تو میرے قول سے پرہیز کرو -

راقم کہتا ہے کہ یہ عجب خطبہ ہے - حضرت ابوبکر فرماتے مین کہ مین بشر ہون اور تم لوگون سے بہتر اور افضل نہین ہون - اس مین شک نہین کہ آپ بشر تھے اور بشریت سے خالی نہ تھے - مگر جب اسکا یقین آپکو تھا کہ آپ جمیع امت رسول اللہ سے بہتر اور افضل نہ تھے تو آپ کو زیبا نہ تھا اور نہ تھا کہ آپ زمام خلافت کو اپنے ہاتھ مین لیتے - اس بے اعتمادی کے ساتھ خلافت کی باگ کو ہاتھ مین لینا بمراحل دور از دیانت تھا - اگر یہ کہیے کہ حضرت ابوبکر نے ایسا صرف براہ انکسار کیا تو ہرگز ایسا نہ تھا کہ حضرت ابوبکر سے امت رسول مین کوئی شخص بہتر اور افضل نہ تھا - حضرت علیؑ تو موجود ہی تھے جو حضرت ابوبکر اور نیز حضرت عمر سے فضائل مین نصوص کثیرہ کی بنا پر بدرجہا بہتر اور افضل تھے - اس بات کو خود حضرت ابوبکر خوب جانتے تھے اور سمجھتے تھے - کیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نہین جانتے تھے کہ اسلام حضرت علیؑ کی تلوار کا قائم کردہ ہے - یعنی اگر علیؑ نہوتے تو کسی سے بھی اسلام قائم نہ ہو سکتا - کیا حضرات شیخین یہ نہین سمجھتے تھے کہ آپ دونون حضرات سے اسلام کے قائم ہونیکی شکل پیدا نہ ہو سکی - کیا آپ دونون صاحبون کو دلمین اس کا اعتراف نہین تھا کہ آپ دونون حضرات سے دشوار وقتون مین جیسے کہ جنگ بدر و خندق و احد و خیبر و حنین مین خس برابر بھی کوئی معقول کارروائی عمل مین نہ آسکی ہمیشہ ان غزوات مین آپ دونون صاحب یا رو بفرار رہے یا لڑائی سے جی چراتے رہے - کیا حضرات شیخین کو معلوم نہ تھا کہ ایک خندق کے دن کی کارروائی حضرت علیؑ کی حسب فرمودہ رسول تمام عالم کے نیکوکارونکی نیک کارروائیون سے افضل تھی کیا حضرت ابوبکر نہین جانتے تھے کہ چونکہ اسلام قائم کردہ تیغ علیؑ کا ہے تو آپ دونون صاحبون کو علیؑ کی محنتون سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق تھا - محنت دگرے کردہ و عشرت دگرے برد - پس ایسی صورت مین کہ حضرت ابوبکر اپنے کو جمیع امت رسول اللہ سے بہتر اور افضل نہین جانتے تھے اور خاصکر حضرت علیؑ سے اپنے کو بہتر اور افضل سمجھنے کی کوئی وجہ نہ رکھتے تھے تو پھر مسند خلافت پر کیون اڑے رہے - حضرت ابوبکر کا یہ قول کہ جانو کہ میرے اوپر شیطان کا تسلط رہتا ہے " ایسا قول ہے کہ راقم اسکی توضیح نہین کرسکتا ہے یہ ایک ایسا معاملہ معلوم ہوتا ہے کہ جو درمیان شیطان اور حضرت ابوبکر کے حائل تھا - ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا اسکی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے - عالم ظاہر مین یہ کہا جاتا ہے کہ آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے - ممکن ہے کہ قول بالا مین حضرت ابوبکر نے کسی انسانی شیطان کو مراد رکھا ہو جو آپکے افعال و حرکات مین دخل رکھتا ہوگا - واللہ اعلم بالصواب - المختصر راقم کی تجویز مین حضرت خلیفہ کا

یہ خطبہ گو انکسار کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ مگر ذم کے پہلو سے خالی نہین ہے۔

نمبر (۳) - جناب شیخین کے تمام امور منکرات سے اشد امر منکر راقم کے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخین نے قبیلہ بنی امیہ کو سر نو سے شاداب کر دیا - صرف شاداب نہین کر دیا بلکہ انہین ایسا شاداب کر دیا کہ ویسی شادابی اس قبیلہ کو کبھی نصیب ہی نہین ہوئی تھی - راقم اسکی حقیقت قبل ازین حوالہ قلم کر چکا ہے مگر یہان بھی اسکا اعادہ مختصر طور پر بے محل متصوّ نہین ہے -

اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ بنی امیہ رسولؐ خدا اور دین خدا کے بڑے دشمن تھے - جب تک حضرت رسولؐ مکہ مین رہے اس قبیلہ کے دست جفا سے آزار اٹھاتے رہے - مدینہ کی ہجرت کے بعد بھی بنی امیہ کی عداوت حضرت رسولؐ کے ساتھ بطور سابق قائم رہی - چند بار قوم قریش جن مین بنی امیہ بھی داخل تھے حضرت رسولؐ پر قیام مدینہ کے زمانہ مین حملہ آور ہوتی رہی - مگر تیغ علیؑ انہین برابر شکست دیتی گئی - یہانتک کہ جنگ حُنین مین بنی امیہ نہایت ٹوٹ گئے -

تاریخ و سیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دس سال کی محنت مین حضرت رسولؐ قبیلہ بنی امیہ کو سرنگون کر سکے جیسا کہ راقم نے سابق مین حوالہ قلم کیا ہے - مخفی نہین ہے کہ حضرت رسولؐ کو نفرت تامہ بنی امیہ کے ساتھ تھی - یہانتک کہ آپ نے اس قبیلہ پر لعنت کی ہے اور شجرۂ ملعونہ سے مراد وہی بنی امیہ ہین مگر حضرت رسولؐ کی یہ ساری محنت دس سال کی حضرات شیخین نے برباد کر ڈالی - کس محنت اور جانفشانی سے حضرت رسولؐ نے بنی امیہ کو تباہ اور کمزور کر ڈالا تھا اور وہ کمبخت قبیلہ تباہ اور کمزور کر ڈالے جانے کا تمامتر مستحق بھی تھا - مگر حضرت رسولؐ کے رحلت کرتے ہی وہ قبیلہ ذی ثروت ہونا شروع ہوا قبیلہ بنی امیہ کے سر نو سے ذی ثروت ہونیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر پر خلافت قائم ہوگئی تو ابوسفیان جو قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ اے علیؑ ہاتھ نکالو مین تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہون اسکے ساتھ یہ بھی ابوسفیان نے کہا کہ خلافت ابوبکر پر قائم ہوگئی اور آپ خاموش رہگئے - اگر آپ کہیئے تو صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے پُر کردون اور شیخین کی خلافت کو دم بھر مین گاؤ خورد کر دون - چونکہ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ اللہ قبیلہ بنی امیہ سے نفرت تامہ رکھتے تھے یہانتک کہ آنحضرت نے اس قبیلہ پر لعنت کی تھی آپنے ابوسفیان کی عرض کی طرف مطلق توجہ نہین کی - ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کی مرضی مبارک کے خلاف عمل کرنے والے آدمی نہ تھے اور چونکہ آپ حضرت رسولؐ کی پیروی کو اپنا ایمان جانتے تھے ابوسفیان کا کسی طرح پر ساتھ نہین دیسکتے تھے - جب ابوسفیان نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے ذریعہ سے نیل مرام کی صورت پیدا نہین ہے تو حضرات شیخین کی طرف تشریف فرما ہوئے اور انسے یہ کہا کہ تم نے تو خلافت حاصل کر لی اور میرے حق و حصہ کا لحاظ نہ کیا - مین ابھی تمہاری خلافت کو غت ربود کر دیتا ہون - حضرات

شیخین کو تو اپنی خلافت کی خیر مد نظر تھی - بلالحاظ اس امر کے کہ حضرت رسولؐ قبیلہ بنی امیہ سے بیحد نا خوش رہتے تھے ابو سفیان صاحب کے رضامند کرنیکے لیے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ سے ملک شام اُن صاحب کو تفویض کر دیا - پھر کیا تھا بنی امیہ کا زمانہ حضرت رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی حضرت شیخین کی بدولت نہ صرف پھرا بلکہ رفتہ رفتہ ہزار مرتبہ انکی سابق کی ثروت سے زیادہ انہین ثروت نصیب ہوتی گئی - یہانتک کہ تمام سلطنتِ عرب کے بنی امیہ بادشاہ ہو گئے - امر واقعی یہ ہے کہ حضرت شیخین نے حضرت رسولؐ کی پالیسی کے خلاف عامل ہو کر بنی امیہ جیسے ٹوٹے ہوئے قبیلہ کو منتہائے اقبال و دولت کو پہنچا دیا - ظاہر ہے کہ بنی امیہ کو ممالک اسلام مین ایک وجب زمین کے پانے کا استحقاق حاصل نہ تھا - اس لیے کہ یہ بنی امیہ سخت ترین دشمن رسول اللہؐ دین رسول اللہ اور قبیلہ رسول اللہ کے تھے - الحق بنی امیہ کسی طرح سلطنت اسلامی سے بہرہ مند ہونے کا استحقاق نہین رکھتے تھے - مگر حضرت شیخین اپنی امارت کو خرابی سے بچانے کے لیے ایسے قبیلہ مخالف کے ساتھ ایسے بڑے سلوک کے مرتکب ہو گئے - جو درحقیقت بہ فتوائے عقل ایک گناہ سخت کا حکم رکھتا ہے - حضرت شیخین کی اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ بنی امیہ دولت و ثروت حاصل کر کے تمام اُن افعال قبیحہ کا مرتکب ہوتا رہا جو اسکے مختصات سے تھے - یہ قبیلہ نہایت شنیع الحرکات تھا صاحب ملک ہو کر وہ ایسے ایسے کام کرتا رہا جو ممنوعات اسلام سے ہین - کوئی شک نہین کہ فرمانروایان بنی امیہ کے ارتکاب معاصی کبیرہ کے سبب بعید یا سبب قریب حضرت شیخین کے سوا کوئی دوسرا دکھائی نہین دیتا -

اگر حضرت شیخین قوم بنی امیہ کے سرپرست نہ بنجاتے تو بنی امیہ اُسی حالت تباہ و خراب مین پڑے رہجاتے کہ جس حال مین حضرت رسولؐ انہین چھوڑ گئے تھے - یہ تو حضرت شیخین کی دستگیری کا نتیجہ ہے جو بنی امیہ قوی ترین شاہانِ وقت ہو کر تمام ممالک اسلام کو اپنے افعال قبیحہ سے پُر کر دیا - یہ حضرت شیخین ہی کی امداد بنی امیہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت علیؑ چین سے خلیفہ رہنے نپائے - امام حسنؑ زہر کھلائے گئے امام حسینؑ اور عزیزانِ امام حسینؑ قتل کیے گئے - سالہا سال تک امام کشیان ہوا کین سادات کے خون پانی کی طرح بہائے گئے - دین خدا ہزار پہلو سے خراب کیا گیا - ہزار ہا بدعتین ظہور مین آئی گئین وغیرہ وغیرہ وغیرہ - لاریب ان سب امور قبیحہ کے سبب بعید یا سبب قریب جو کچھ کہیے حضرت شیخین ہوتے گئے -

اور کوئی شک نہین کہ حضرت شیخین کو بروز قیامت بنی امیہ کو مرضی رسول اللہؐ کے خلاف سر نو سے شاداب اور سرسبز کر دینے کی جوابدہی خدائے پاک کے سامنے کرنا ہوگی -

نمبر ۵ - قسطلانی کی جلد ۶ صفحہ ۱۵۲) مین مسطور ہے کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ مین نے کبھی بُت کو سجدہ نہین کیا - اسپر حضرت عمر غضبناک ہو کر بولے کہ تم کہتے ہو کہ تم نے کبھی بُت کو سجدہ نہین کیا حالانکہ کفر مین تم سے ایسے فعل ہوا کرتے تھے - جب مذہب عرب کا خاص کر اہل مکہ کا بُت پرستون کا

مذہب تھا تو حضرت ابو بکر بھی ایام جاہلیت مین ضرور بت پرستی کرتے ہونگے - حضرت عمر کا حضرت ابو بکر کو بطریق بالا ٹوک دینا بے وجہ نہین تھا - مگر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے تب کیون آخر بت پرستی سے انکار کیا - یہ انکار تو حضرت عمر کی تکذیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے ضرورت تھا مگر آخر اس انکار کی کوئی وجہ ہوگی - راقم پر ابھی تک اس انکار کیوجہ نہین روشن ہوئی ہے قیاس ایسا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے خیال مین اپنے ایام جاہلیت کی بت پرستی معیوب معلوم ہوتی تھی خاصکر منصب خلافت پر پہنچکر اور خاصکر جب آپ جانتے تھے کہ حضرت علی نے ابتدائے عمر سے کبھی بت کی پرستش نہین کی - البتہ یہ امر ہر صاحب فہم کے دل مین کھٹکتا ہے کہ ایسا شخص جو ایام جاہلیت مین بت پرستی کرتا رہا ہو وہ حضرت رسول خدا کا جو ازل سے معصوم تھے کیونکر خلیفہ قرار پا سکتا ہے اور وہ شخص جو ابتدائے عمر سے نجاست بت پرستی سے پاک رہا ہو کیونکر مفضول و محکوم بنایا گیا - کوئی شک نہین کہ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ -

نمبر (۶) - مشکوٰۃ کی کتاب المیراث اور موطا کے صفحہ ۳۰۷ مین مذکور ہے کہ ایک عورت کسی میت کی دادی تھی - حضرت ابو بکر سے اُسنے سوال کیا دادی کا حق میت کے ترکہ مین کتنا ہے آپ نے جواب مین فرمایا کہ تیرا حق نہ قرآن مین ہے نہ حدیث مین ابھی تو چلی جا - ہم واقف کار اشخاص سے حقیقت حال دریافت کرکے آئندہ کہینگے - خلیفۂ وقت اور دادی کے حق سے ناواقف ہو کمال جائے تاسف ہے - کیا خوب اسی اطلاع مذہبی پر علامہ سیوطی لکھتے ہین کہ بقول رسول حضرت ابو بکر اعلم الصحابہ تھے - اگر اعلم الصحابہ کو حق دادی کا معلوم نہ تھا تو حضرت عمر اور دیگر صحابہ کا علم معلوم

نمبر (۷) - کتاب المغازی للواقدی فی غزوۃ اُحد کے صفحہ ۱۰۲ مین بروایت طلحہ بن عبد اللہ و ابن عباس و جابر بن عبد اللہ مسطور ہے کہ نماز جنازہ پڑھی جناب رسول خدا نے اُوپر شہدائے اُحد کے اور فرمایا حضرت نے کہ مین ان لوگون پر گواہ ہون - اسپر حضرت ابو بکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا وہ لوگ میرے بھائی نہین ہین - ایمان لائے وہ لوگ جیسا کہ مین ایمان لایا اور جہاد کیا اُن لوگون نے جیسا کہ مین نے جہاد کیا - حضرت رسول نے فرمایا کہ ہان لیکن مزدِ محنت اور دنیا کے کسی حظ سے وہ لوگ بہرہ یاب نہ ہوئے مجھے کچھ نہین معلوم کہ میرے بعد تم لوگ کیا کیا امر احداث کروگے - یہ سنکر ابو بکر روئے اور بولے کہ یا حضرت ایسے افعال مجھسے صادر ہونگے - حضرات ناظرین نبی کا فرمانا لغو نہین ہو سکتا ہے - حضرت ابو بکر سے کچھ شک نہین کہ ایسے ایسے اُمور حضرت رسول کے بعد امور منکرات ظہور مین آتے گئے جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہین ہین اور جیسا کہ بالا مین حوالہ قلم ہوتے گئے ہین -

جاننا چاہیے کہ واقدی جو امام المغازی بھی کہلاتے ہین ایسے صاحب علم و تحقیق گزرے ہین کہ ابن خلکان و خطیب بغدادی و ابو الفدا و علامہ سیوطی و شارح قوشجی و علامہ دمیری و ابن حجر و جناب شاہ

عبدالعزیز صاحب دہلوی انکے عدل و توثیق پر شہادت دیتے ہین -

اب ذیل مین امور منکرات حضرت عمر کے حوالہ قلم ہوتے ہین

نمبر (۸) مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۱۷ مین بروایت انس بن مالک یہ حدیث پائی جاتی ہے کہ حضرت رسولؐ ۴۰ درّے شراب خوار کو مارتے تھے اور یہی دستور حضرت ابو بکر کا بھی تھا مگر حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف کے مشورہ کی پابندی سے شراب خوار کو ۸۰ درّے لگائے - مشورہ دینوالے بھی کیا خوبصورت تھے - شراب خواری کی حد کو دو گنا کر دینا عبدالرحمن بن عوف ہی کا کام تھا اور اسپر عامل ہونا خاص حصہ حضرت عمر کا - واقعی کسقدر قول حق حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ مین نہین جانتا کہ میرے بعد کیا کیا امر تم لوگ احداث کروگے امر نو کے احداث کی ایک عمدہ مثال یہ افزونی سزای شراب خواری کی بھی ہے -

نمبر (۹) حیوۃ الحیوان کی جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ مین حضرت عمر کے اولیات مندرج ہین - یہ اولیات آپکے نو احداث امور ہین - راقم کی دانست مین حضرت عمر کے سب اولیات مقدوح صورت نہین رکھتے ہین مثلاً گرد آوری - کہ انتظام ملک و شہر کے لیے ایک معقول شئے ہے - لیکن انہین سے زیادہ ایسی ہی ہین کہ اعتراض سے خالی نہین نظر آتے ہین - اُن قابل اعتراض اولیات سے تین امور پر مین اپنی ذاتی رائے کا اظہار ذیل مین کرتا ہون -

اول امتناع متعہ - یہ حکم آپکا خلاف مضمون قرآن و حدیث کے ہے اور ہرگز قابل تبعیت نہین ہے - اس کتاب مین راقم نے متعہ کی بحث شرح و بسط کے ساتھ کی ہے - اب اسکے اعادہ کی ضرورت نہین ہے - دوم تراویح رمضان - اسکو آپنے اپنی نسبت مقرر فرمایا ہے - یہ راقم کو نہین معلوم ہے کہ حضرت عمر کے وقت مین نماز تراویح کا کیا طور تھا - مگر جو اسوقت اس عبادت کا طور دیکھا جاتا ہے - نہایت ناپسندیدہ ہے - مروج طریقہ نماز تراویح کا یہ ہے کہ نمازی مسجدون مین جمع ہوتے ہین اور امام نماز تراویح شروع کرتا ہے - اسکی سرعت قرأت موٹر ریل گاڑی جہاز دخانی بائیسکل موٹر بائیسکل جہاز ہوائی وغیرہ وغیرہ سے کہین بڑھی رہتی ہے - یہ نہین معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھا جاتا ہے کہ کوئی سنسکرت کی پوتھی - دشواری سے یعلمون تعلمون کی صدا کا احساس کانون کو ہوتا ہے - امسال کے رمضان مین راقم قرآن پاک کے سننے کے لیے ایک مسجد مین گیا تھا باوجود اسکے کہ راقم کو اجزاے قرآن شریف کے ساتھ کم و بیش طور پر مناسبت ہے مگر راقم اول مین کچھ نہین سمجھ سکا کہ امام نماز تراویح کس حصہ قرآن کو سُنا رہے ہین - آخر کار بدقت دریافت مین آیا کہ فلان حصہ قرآن کا پڑھا جا رہا ہے - یہ کیا عبادت ہے اور ایسی عبادت سے کیا فائدہ مرتب ہو سکتا ہے راقم کے خیال سے باہر ہے - لیکن ہر تراویح خوان بہ سبیل عادت اسے عبادت سمجھتا ہے -

حق یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو یہ عبادت بھی ایجاد کی تو اپنے مذاق کی۔ سوم یہ کہ بچہ کمسن کو آپنے بیدردی اور بیرحمی سے قتل کرڈالا یہ آپکی افتاد مزاج سے خبر دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ آپکی شقاوت قلبی کا خیال بھی بیچ کو صدمہ پہنچاتا ہے۔

نمبر (۱۰) حضرت عمر نے صلح حدیبیہ کے دن نبوت آنحضرت مین اپنا شک کا زورون کے ساتھ اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جتنا آج مجھے نبوت آنحضرت مین شک واقع ہوا اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نبوت آنحضرت مین شک رہا کرتا تھا۔ مگر بروز صلح حدیبیہ بہت زیادہ شک لاحق ہو گیا۔ (دیکھو ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۱۰)

نمبر (۱۱) حضرت عمر نے حضرت فاطمہ کے بطن مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ جسکی وجہ سے انکا مردہ ساقط ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس صدمہ سے آپکی صحت خراب ہوگئی جسکے باعث چند مہینہ کے اندر آپ رحلت فرما گئین۔ (دیکھو ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۲۰) عبارت عربی اُس کی یہ ہے۔ اِنَّ عُمَرَ ضَرَبَ بَطْنَ فَاطِمَۃَ یَوْمَ الْبَیْعَۃِ حَتّٰی سَقَطَ الْمُحْسِنُ مِنْ بَطْنِہَا۔ یہ واقعہ ابن عبدربہ کی کتاب العقد اور ذہبی کی میزان الاعتدال مین بھی دیکھا جاتا ہے۔ عبارت عربی کی یہ ہے۔ اِنَّ عُمَرَ رَکَضَ بَطْنَ فَاطِمَۃَ حَتّٰی سَقَطَ الْمُحْسِنُ مِنْ بَطْنِہَا۔ اسکے علاوہ کتاب معارج النبوۃ مین بھی جناب سیدۂ معظمہ کا سبب وفات یہی حادثہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شک نہین کہ اسقاط کے باعث ہزارن عورتین مر گئی ہین۔ بعض تو فوراً ضائع ہوئی ہین اور بعض دیر کرکے۔ حضرت سیدہ کا یہ حال ہوا کہ ضربت بالا سے جو حمل ساقط ہوا تو آپ کی صحت خراب ہوگئی جس سے آپ بیمار رہنے لگین اور آخر کار چند مہینے کے بعد رحلت کر گئین۔ حضرت عمر کے جب اس فعل پر راقم غور کرتا ہے تو یہ بات سمجھ مین نہین آتی ہے کہ حضرت عمر کس قسم کے بزرگ تھے۔ اول یہ کہ عورت پر ہاتھ چھوڑنا کسی شریف سے عمل مین نہین آسکتا ہے۔ دوم یہ کہ ضرب لگانا اسکے بطن پر۔ سوم یہ کہ ایکبار دار عورت کے بطن پر ضرب لگانا۔ چہارم یہ کہ اس زور سے ضرب لگانا کہ اُسکا حمل ضائع ہو جائے۔ لاریب شائستہ ترکیب کا آدمی ایسے فعل قبیح کا مرتکب نہین ہو سکتا ہے۔ کسی ملت اور مذہب مین ایسی بیرحمی کا فعل جائز نہین سمجھا جا سکتا ہے۔

مردمان ناتعلیم یافتہ اور وحشی اقوام مین بھی وہی شخص ایسے فعل کا عامل ہو سکتا ہے جو اُس طرح کے لوگون مین درجۂ اسفل کا ہوگا۔ یعنی آخر وحشی اقوام مین بھی تدریج دیکھی جاتی ہے۔ پس ایسے فعل کا ارتکاب کرنیوالا ضرور ہے کہ نہایت ارذل اور اقبح طبقہ کا بشر ہو۔ نمبر پنجم یہ ہے کہ ایک شریف عورت کو مارنا۔ نمبر ششم یہ کہ قبیلہ بنی ہاشم کی ایک محترم خاتون کو مارنا۔ ہفتم یہ کہ رسول اللہ کی

بیٹی اور بہی نہایت محبوب بیٹی کو مارنا- ہشتم یہ کہ حضرت علیؑ کی بی بی کو ملنا- علیؑ کون کہ برادر رسول اللہ و داماد رسول اللہ و نفس رسول اللہ و خون رسول اللہ و لحم رسول اللہ و روح رسول اللہ تھے- نہم یہ کہ حضرت حسنینؑ کی والدۂ ماجدہ کو مارنا- دہم یہ کہ نو ائمۂ طاہرین کی جدہ کو مارنا- یازدہم یہ کہ سیدہ کو مارنا وہ بہی ایسی سیدہ کہ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ میں داخل ہونے کے باعث دربار خداوندی سے سیدہ کا خطاب پاک پائے ہو- سیدزادی ہو اور سید کی بی بی ہو- دو سید کی مان ہو اور نو سیدون کی دادی ہو- اے سید سنی بہائیو- کچھ تم مین قومی حیا باقی ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ- مین اس سے زیادہ عرض نہین کرسکتا- واضح ہو کہ مجردیہ ایک فعل حضرت عمر کا ایسا ہو کہ صرف جسکے خیال سے رونگٹے کہڑے ہوجاتے ہین- ظاہر ہے کہ مجہ راقم کو ایسے حضرت خلیفہ سے مودت قلبی کی کیا صورت ہوسکتی ہے- آخر حضرت سیدہ اس عاصی پر معاصی کی جدۂ ماجدہ تہین کیونکر اس ناچیز کی روح گوارا کرسکتی ہے کہ فقیر اپنی جدہ کے ایسے آزار رسان حضرات کا والہ و شیدا ہو-

نمبر ۱۱۸- ترمذی کی جلد (۱) سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ جب سے مین مشرف بہ اسلام ہوا تب سے کہڑے کہڑے ہمنے پیشاب نہین کیا- راقم کہتا ہے کہ حضرت عمر کہڑے ہی کہڑے پیشاب کرتے جیسا کہ بہت سی تعلیم یافتہ قومین دنیا کی ایسا کیا کرتی ہین مگر حضرت سیدہ کو بطریق بالاجسمانی آزار نہ پہنچاتے اور بہی بہت سے بندگان خدا کی صدمہ رسانی سے باز آتے-

نمبر ۱۱۹- مشکوٰۃ کی کتاب العلم کے صفحہ (۲۴) سے بروایت جابر ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ توراۃ کا لیکر حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ یہ نسخہ توراۃ کا ہے حضرت رسولؐ یہ سنکر خاموش رہے- مگر حضرت عمر نے اسے پڑہنا شروع کیا- حضرت رسولؐ خدا کا چہرہ متغیر ہونے لگا اور متغیر ہوتا چلا- اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ کاش تو مر جاتا کہ تیری مان تیرے رونیکو بیٹہتی- حضرت عمر حضرت رسولؐ کے چہرۂ مبارک کیطرف دیکہکر بولے کہ مین پناہ مانگتا ہون غضب الٰہی اور غضب رسولؐ سے- راضی ہوا مین خدا سے اور اسلام سے اور دین محمدؐ سے اور نبوت محمدؐ سے- اسپر حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ قسم بخدا اگر اسوقت موسےؑ ہوتے تو وہ میری اطاعت کرتے- مگر تم مجہے چہوڑ کر گمراہی اختیار کرتے- اس حدیث سے یہ بہی سمجہنا چاہیے کہ مسلمان کو توراۃ و انجیل کا پڑہنا منع ہے- ظاہر ہے کہ توراۃ و انجیل کے علم کے بغیر انسان لطف قرآن شریف پورے طور پر اُٹہا نہین سکتا ہے- لیکن قصہ بالا مین حضرت عمر کی توراۃ خوانی ایک محض بے محل بلت تہی علاوہ اسکے حضرت رسولؐ جانتے تہے کہ حضرت عمر کو دین یہود کیطرف ایک طبعی میلان تہا- اسواسطے

آنحضرت اُن صاحب کے فعل بالا سے برہم ہوگئے اور برہم ہوکر فرمایا کہ اگر اسوقت موسیٰ ہوتے۔ تو میری اطاعت کرتے۔ مگر تمھیں چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے۔

نمبر ۱۳۔ مسلم کی جلد صفحہ ۲۰۲ میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے یہ حدیث مروی ہی کہ جب فوت ہوا عبداللہ ابن ابی سلول تو اُسکا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول حضرت رسول خدا کے پاس آیا اور اپنے پدر متوفے کے کفن کے لیے قمیص مبارک مانگا۔ آنحضرت نے اُسے اپنا قمیص دیدیا اس کے بعد اُسنے نماز جنازہ کے واسطے استدعا کی۔ اسپر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حضرت عمر نے چادر مبارک کو حضرت رسول کی پکڑ کر کہا۔ کہ آپ کو خدا نے اس کی نماز پڑھنے سے منع کیا ہی حضرت رسول نے فرمایا۔ کہ مجھے خدائے تعالےٰ نے مختار کیا ہی۔ اور فرمایا کہ ستر مرتبہ زیادہ ہم اور تم استغفار پڑھین۔ حضرت عمر نے عرض کی۔ متوفے منافق تھا۔ مگر نماز پڑھی رسول اللہ نے اسکی۔ تب خدا نے نازل کیا کہ اےنبی منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھا کرو۔ اور نہ اسکی قبر پر کھڑے ہو جنی یہ ہی کہ حضرت رسول رحمۃ للعالمین تھے۔ کیون دعوت صلوۃ قبول نہ فرماتے۔ خوشا بخت اُس منافق کے جسکے جنازہ پر حضرت رسول نے نماز پڑھی۔ پھر وہ منافق کیون رہا۔ خدائے تعالےٰ کا حبیب ہوگیا بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ متوفے منافق ہی نہین تھا۔ ورنہ اُسے ایسی صلوۃ جنازہ نصیب نہوتی بہرحال یہ ایسی حدیث ہے۔ کہ جس ہی حضرت رسول کی خطا اور حضرت عمر کا برسر صواب ہونا ظاہر ہوتا ہی۔ کہو سنی بھائیو حضرت عمر کا کیا کہنا ہے۔ رسول کا اتالیق ہو۔ تو ایسا تو ہو۔

نمبر ۱۴۔ مشکوۃ کی کتاب المناسک باب الطواف ف ۲ مین یہ حدیث مروی ہی۔ کہ فرمایا حضرت رسول نے کہ حجر اسود جنت سے دنیا پر اترا ہے اور قیامت مین اس پتھر کو دو آنکھین ملینگی۔ اور وہ شاہد مسلمانان ہوگا۔ مگر موطا کے صفحہ ۳۴۴ باب تقبیل الرکن مین ہشام ابن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہین۔ کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ حجر اسود کے بوسہ سے کچھ نفع نہین ہے اب ناظرین تصفیہ کرلین کہ کسکا قول قابل پسند ہی۔ حضرت رسول کا یا حضرت عمر کا۔ ظاہرا حضرت عمر کا قول حضرت رسول کے قول کی تردید کرتا ہے۔ اہل سنت تو ضرور قول کو حضرت عمر کے اختیار کرینگے۔ اس لیے کہ یہ قول اتالیقِ رسول کا ہے۔ اور اسی بنا پر درحقیقت حیثیت مرجحہ رکھتا ہے۔

نمبر ۱۵۔ موطا صفحہ ۲۲ ایضاً صفحہ ۲۰۸ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر نے نماز صبح مین سورہ بقرہ کو پڑھا۔ اور حضرت عمر نماز صبح مین سورہ یوسف اور سورہ حج کو پڑھتے گئے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ سب کی سب نہایت طولانی سورتین ہین۔ ضرور ہے۔ کہ ایسی طولانی سورتون کے ختم ہونے تک آفتاب طلوع ہوگیا ہوگا۔ تب یہ کیسی نماز کہی جائے گی۔ اسی لیے شرع نے پسند کیا ہی

کہ نماز واجبہ صبح مین سورۂ ہائے مختصر پڑہا کرو۔

نمبر (۱۶) - تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۶۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی وفات کے وقت حضرت عمر فرماتے تہے کہ جو کوئی کہیگا کہ حضرت نبیؐ نے رحلت کی تو مین اُسکی گردن ماردونگا۔ حضرت نبی حضرت عیسےٰ کیطرح آسمان پر چلے گئے ہین۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ مسلمان کو سمجھنا چاہیئے کہ حضرت رسولؐ نے رحلت فرمائی۔ البتہ خدا زندہ ہے۔ یہ قصہ بہی حضرت عمر کی شدیدۃ المزاجی اور بے عنوانی طبیعت سے خبر دیتا ہے۔ اِس سے اور زیادہ کہنے کی حاجت نہین ہے۔

نمبر (۱۷) - مؤطا کے صفحہ ۲۸ مین مسطور ہے کہ مؤذن مسجد حضرت عمر کے پاس آیا اور حضرت عمر کو سوتا پاکر بولا کہ اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْن یعنی نماز سونے سے بہتر ہے اے امیر المومنین پس حضرت عمر نے حکم دیا کہ مؤذن اس جملہ کو اذان صبح مین داخل کردے۔ یہ عجب اجتہاد ہے اگر دوسرے روز مؤذن کوئی دوسرا جملہ ارشاد کرتا تو وہ بہی داخل اذان کردیا جاتا۔ نہایت جائے تعجب ہے کہ حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل کو حضرت خلیفہ نے اذان سے متروک کردیا اور مؤذن کے الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان مین داخل کردیا۔

نمبر (۱۸) - ترمذی کی جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ سے ہویدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کسی مسئلہ پر رسول اللہ کے حضور مین جہگڑنے لگے اور انکی آوازین بہت بلند ہوگئین۔ اِس سے ضرور حضرت رسولؐ کو تکلیف پہونچی ہوگی تب تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ - یعنی - اے ایمان والو مت بلند کرو اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے شور وغل کے ساتہ حضرت نبیؐ کے حضور مین گفتگو کرنا بڑی ناتعلیم یافتگی سے خبر دیتا ہے۔

بلا شبہ یہ امر خلاف ادب تہا۔ ادب بڑی چیز ہے۔ از خدا خواہیم توفیق ادب۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب۔ پس رب العزت نے آیت بالا حضرت رسولؐ کی آسائش اور عظمت کی نظر سے نازل فرمائی۔

نمبر (۱۹) - شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۹۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے بعد کے لیے امر خلافت کو چہہ شخصون پر چہوڑا۔ وہ چہہ شخص یہ ہین۔ عثمانؓ - علیؑ - عبد الرحمن بن عوفؓ - طلحہؓ زبیرؓ سعد ابن ابی وقاصؓ - پہر یہ ہدایت کی کہ جس شخص کو عبد الرحمن بن عوف خلیفہ تجویز کرین وہی شخص خلیفہ ہو۔ شرح فقہ اکبر کے صفحہ ۸۰ سے عیان ہوتا ہے کہ عبد الرحمن نے حضرت علیؑ کا ہاتہ پکڑکے کہا کہ اگر تم خلیفہ ہوگے تو کتاب خدا اور سنت رسول اللہ اور سیرت شیخین کے مطابق عمل کروگے یا نہین؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ کتاب خدا اور سنت رسول اللہ کے مطابق کرونگا سیرت شیخین کے مطابق ہرگز عمل نکرونگا۔

تاریخ خمیس کی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ کے رو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تم اگر خلیفہ ہو گے تو کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور سیرت شیخین کے مطابق حکم کرو گے یا نہیں؟ اس پر حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی کرونگا۔ پس عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کو خلیفہ قائم کر دیا۔

واضح ہو کہ ظاہر مین حضرت عمر امر خلافت کو چھ شخصون کے مشورے پر چھوڑ گئے۔ مگر اندرونی طور پر ایسا انتظام کر گئے کہ حضرت علیؑ کسی حال سے خلیفہ قرار نہ پا سکین۔ حضرت عمر کا پولیٹیکل دماغ بلاشبہ نادر قسم کا تھا۔ کہان ایسے زخمی ہو رہے تھے کہ زیست کی کوئی امید باقی نہین رہی تھی کہان ایسی بدحالی مین یہ فکر کہ علیؑ آپ کے بعد خلیفہ نہ ہو سکین۔ یہ معمولی دماغ کا کام نہین ہے کہ ایسی خراب و خستہ حالت مین اپنی جانشینی کے لیے ایک مشورے کی کونسل قائم کرے اور اسمین ممبرون کا انتخاب اس طور پر عمل مین لائے کہ اپنے مخالف قدیم یعنی حضرت علیؑ کو کامیابی کا کوئی موقع حاصل نہ رہے۔ یہ بھی بڑی پولیٹیکل چال خلیفہ ثانی صاحب کی تھی کہ حضرت علیؑ کو بھی کونسل مشورے مین داخل رکھا۔ مگر اس شرکت کونسل پر بھی آپ کے موقع کامیابی کو تمامتر معدوم کرد حسب روایت صاحب مختصر الجامع اور بہی ابو الفداء کے عبد الرحمن بن عوف کو زیادہ اختیار استقرار خلافت کے مادے مین اس غرض سے دیا کہ وہ داماد حضرت عثمان کے تھے اور سعد بن ابی وقاص کو اس لیے شریک مشورہ گردانا کہ حضرت عثمان کے بھتیجے تھے۔ اس سامان سے ناممکن تھا کہ حضرت عثمان کے سوا کوئی دوسرا خلیفہ ہو سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبد الرحمن بن عوف کی ترکیبونکی بدولت حضرت علیؑ ناکامیاب ہوئے۔ اور حضرت عثمان خلیفہ قرار پائے۔ حضرت عمر نے ایک اور ہدایت بہی اس کونسل مشورے کے ساتھ لگا دی تھی اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ممبر تجویز عبد الرحمن کو نہ مانے تو فوراً اُسے قتل کر ڈالو۔ قتل و ضرب اور دیگر بیرحمی کے افعال تو آپ کی سرشت مین داخل ہی تھے۔ مگر اس جگہ قتل کی شرط اسلیے لگائی تھی کہ اگر کاش حضرت علیؑ عبد الرحمن کے فیصلہ کو نہ مانین گے تو مار ڈالے جاینگے۔ سبحان اللہ کیا حضرت عمر کی خوش تدبیری کی صلاحیت تھی کہ آپ کے وقت آخر مین بھی آپ سے علیحدہ نہین ہوئی۔ جائے غور ہے کہ کہان خود مر رہے تھے مگر اپنے دشمن کی فکر سے دم آخر بھی غافل نہ رہ سکے۔ اہل انصاف دیکھین کہ شک نہین کہ حضرت عمر کو اپنے ارادون مین حضرت عثمان کی تقرری سے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر یہ کام حضرت عمر نے پبلک یعنی عامۂ خلائق کے حق مین اچھا نہین کیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت عثمان ہر طرح پر ایک نا قابل آدمی تھے جیسا کہ آپ کے بارہ۱۲ برس کے عرصۂ خلافت سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے اگر حضرت علیؑ یا کوئی دوسرے شخص پر جو بنی امیہ سے نہوتا خلافت قائم ہو جاتی تو امور خلافت حضرت

عثمان کے اعتبار سے ہزار درجہ بہتر طور پر انجام پاتے رہتے۔ افسوس بالائے افسوس ہے کہ حضرت عمر کی نفسانیت یا عدم دیانت کہیے۔ حضرت عمر پر اسطرح پر غالب آئی۔ کہ ایک واقعی لائق آدمی آپ کے بعد سلطنت عرب کا خلیفہ یا حاکم مقرر نہیں ہو سکا۔ راقم کہتا ہے کہ اگر درحقیقت حضرت عمر کو اسلام کی محبت ہوتی۔ یا درحقیقت آپ معدلت پرور اور دوستدار بنی آدم ہوتے تو آپ ہرگز حضرت عثمان کو خلافت کی ہوا لگنے نہ دیتے انہیں خلیفہ بنانا تو درکنار۔

واضح ہو۔ کہ راقم قبل میں حضرت عثمان کے امور منکرات حوالۂ قلم کرچکا ہے اب اس کتاب میں ان کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام و ایمان حضرات خلفائے ثلثہ

نمبر (۵۰) حضرات اہل سنت جب حضرات خلفائے ثلثہ کو برحق جانشینان حضرت رسول جانتے ہیں۔ تو ضرور ہے۔ کہ انہیں صرف اہل اسلام اور اہل ایمان نہ مانیں۔ بلکہ امام اور امیر ہی تمام اہل اسلام اور اہل ایمان کا مانیں حقیقت حال بھی ایسی ہی ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت رسول کے بعد یہی حضرات خلفائے ثلثہ تمام اہل اسلام اور اہل ایمان سے دنیا کے اسلام اور ایمان کے اعتبار سے افضل ہیں۔ مگر واضح ہو کہ یہاں پر اس عقیدۂ اہل سنت سے بحث نہیں ہے۔ یہاں زیر بحث یہ امر ہے کہ اہل تشیع ان حضرات خلفا کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں۔ عموماً عقیدہ عوام اہل سنت کا اس بارہ میں یہ ہے کہ اہل تشیع ان حضرات ثلثہ کو کافر و غیر مسلم جانتے ہیں۔ مگر شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ ان حضرات خلفا کو کافر نہیں جانتے۔ مسلمان جانتے ہیں۔ قاضی نوراللہ شوستری کی کتاب مجالس المومنین کے صفحہ ۲۰۴ سے صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ افضل المحققین خواجہ نصیرالدین محمد طوسی طیب اللہ مرقدہ کتاب تجرید میں فرماتے ہیں مُحَارِبُو عَلِیٍّ کَفَرَۃٌ وَ مُخَالِفُوہُ فَسَقَۃٌ۔ یعنی علیؑ سے لڑائی لڑنے والے کافر ہیں۔ اور علیؑ سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں۔ حضرات خلفائے ثلثہ حضرت علیؑ سے کوئی لڑائی نہیں لڑے۔ پس کافر نہیں قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اور جب کافر نہوئے۔ تو مسلم ہوئے علامہ قوشجی کی شرح تجرید کے صفحہ ۳۹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل تشیع حضرات خلفائے ثلثہ کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں پس اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرات ثلثہ اہل اسلام سے ہیں۔

مسئلہ وصیت

نمبر (۵۱) قرآن اور حدیث دونوں سے امر وصیت مسلمان کے لیے ایک قابل لحاظ امر دکھائی دیتا ہے خدائے تعالیٰ سورہ نسا میں فرماتا ہے مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔ مسلم کی جلد ۲ صفحہ ۳۸ کتاب الوصایا بروایت ابن عمر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول

رسولؐ نے فرمایا کہ سخت تر مسلم پر اس سے زیادہ کوئی امر نہین ہے کہ صرف اسکو مرنے کو دو یا تین
راتین بھی ہون اور اسکی تحریری وصیت تیار نہو - اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی مسلم کی جلد ۲
صفحہ ۴۰ مین ابن شہاب سے مروی ہے - امام نووی کہتے ہین کہ مذہب جمہور یہ ہے کہ وصیت
سنت ہے نہ واجب اور داؤد وغیرہ نے کہا ہے کہ واجب ہے جب میت کے ذمہ کوئی دین
یا کسی کا حق یا کسیکی امانت ہو - امام شافعی کے نزدیک ضرور ہے کہ بنظر احتیاط وصیت نامہ
احتضار کے وقت لکھا جائے - اشعۃ اللمعات کی جلد ۳ صفحہ ۹۲ سے بروایت جابر مفہوم ہوتا ہے
کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ جو شخص وصیت کر کے مرا تو مرا راہ راست و سنت و تقویٰ و شہادت
پر اور وہ مغفور مرا - میزان الشعرانی صفحہ ۱۱۸ کتاب الوصایا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ
دَین ہو تب وصیت صاحب دین پر واجب ہے ورنہ مستحب ہے - تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ
۱۲۲ سے واضح ہوتا ہے کہ تشریف بری غار کے وقت حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ سے
فرمایا کہ لوگون کی امانتین جو میرے پاس ہین تم ادا کر دینا اور میرے بستر پر آرام کرنا - جامع الصغیر
سیوطی مین درج ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھسے ہین اور مین علیؑ سے ہون جو شے
کہ واجب الادا ہے اُسے میرے اور علیؑ کے سوا کوئی دوسرا ادا نہین کر سکتا - پھر یہ بھی ارشاد
فرمایا کہ علیؑ میرے دین کو ادا کرینگے پھر اسی کتاب مین یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ
فرماتے ہین کہ ہر نبی کے واسطے وصی اور وارث ہین اور میرے وصی اور وارث علیؑ ہین - تعجب ہے
کہ آیت وصیت کے رہتے ہوئے اور خود وصیت کے مادے مین اسقدر تاکید کو راہ دیکر
حضرت رسولؐ نے خود کوئی وصیت نہین چھوڑی - اس مین شک نہین کہ آنحضرتؐ کوئی تحریری
وصیت چھوڑنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہکر وصیت کو حوالہ قلم ہونے ندیا
یون حضرات اہل سنت باتین بنایا کرین مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے کہ حضرت
رسولؐ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنانے کو ہین - جیسا کہ خود حضرت عمر نے امر خلافت کے طے
ہونیکے بعد کہا کہ حضرت رسولؐ حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانیکو تھے مگر ہمنے حضرت رسولؐ کو اس کام سے
روکا - کوئی شک نہین کہ حضرت رسولؐ کو امر دین مین وصیت مقصود تھی اور وہ وصیت وصیت
امامت تھی - اسلیے کہ اگر حضرت علیؑ بعد حضرت رسولؐ کے امام و خلیفہ مقرر ہو جاتے تو اسلام اور
اہل اسلام تمام اُن خرابیون اور مفسدون سے مامون رہتے جنکے تخم حضرت عمر اپنے قول
حسبنا کتاب اللہ سے اسلامی دنیا مین بو گئے - لاریب وصیت امامت ایک عظیم شے تھی
اور ایسی عظیم شے تھی کہ جسکے ظہور مین نہ آنے سے اسلام کو ہزارون بلائین پیش آگئین یہانتک
کہ اسلام اسلام خدا نرہا اہل اغراض کا اسلام ہو گیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مباحث خیر و شر و جبر و قدر

نمبر (۵۲) مشکوٰۃ کی صفحہ ۱۲ مین بروایت مسلم مندرج ہی کہ لکھدیا خدانی فرزند آدم کی نصیب مین زنائی چشم وزنائی گوش وزنائی لسان وزنائے دست وزنائے پا وزنائے قلب انسان ان زناؤن کا مرتکب ہوتا ہی اور اسکا نفس انکی خواہش کرتا ہے اور کبھی آدمی اپنی غرض پر سچ بولتا ہے اور کبھی لذت چشم وگوش وشکم وفرج کے واسطے جھوٹ بولتا ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان جس وضع کی بنا کرتا ہے نوشتہ خداوندی کے مطابق کرتا ہے ایسی صورت مین انسان پر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی انسان کا کیا قصور جب مکتوب ایسا ہی ہے۔ پھر فعل انسان سے خدا کی ناراضی چہ معنی دارد۔ اسکا تو یہ مطلب ہوا کہ فعل خدا کا ہے مگر بندہ خطاوار ۔ برنجی گرز من تقدیر نوکن + خطا پیشانیم تحریر نوکن

دوسری حدیث سے بھی مشکوٰہ کی صفحہ (۱۳) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب خدا پیدا کرتا ہے بندے کو واسطے جنت کے تو اُس سے عمل اہل جنت کا کراتا ہے اور جب خلق کرتا ہے بندے کو واسطے جہنم کے تو اُس سے عمل اہل نار کا کراتا ہے اور تب اُسے داخل نار کرتا ہے۔ تب اس سے تو ثابت ہوتا ہی کہ بندہ کو اپنے فعل کا جوابدہ نہیں ہونا چاہیے امام غزالی کی احیاء العلوم کے صفحہ ۱۶۶ اور صفحہ ۱۶۷ سے مفہوم ہوتا ہے کہ افعال بندون کے بارادت الٰہی ہین اور تمام امور دنیا کے اُسکی قدرت ارادت اور مشیت کے مطابق ظہور کرتے ہین اور خیر وشر و نفع وضرر و اسلام وکفر و نقصان و نفع وگمراہی وہدایت وطاعت ومعصیت وشرک وایمان بحکم خدا ہین اور کوئی اُسکے حکم کا ٹالنے والا نہیر ہے جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ ان باتون سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے بندہ کچھ نہین کرتا ۔ پھر یہ کیسا عدل ہے کہ خدا کے کیے کی سزا بندہ کو بھگتنا پڑتی ہے ۔

گوت لیوبن جوتے بوئے ۔ میری دانست مین مسئلہ خیر وشر وقدر کا فہم انسانی سے باہر ہی مین اس مسئلہ مین بحث کو طول دینا پسند نہین کرتا ہون ۔ مینے اس مسئلہ کی بحث چند زبانو نمین پڑھی ہے مگر اپنی تحقیق کے ذریعہ سے کوئی قطعی رائے قایم نہین کرسکا ہون ۔ پس اے میرے خدا چونکہ یہ مسئلہ میرے فہم سے باہر ہے اس مسئلہ مین جو تیرا اور تیرے رسول کا اور تیرے ائمہ معصومین کا حکم ہی اُسکو مین حق مانتا ہون اور اُسکی تبعیت اپنے اوپر فرض جانتا ہون اور اسکی اختیار کرنے مین دلیل واستدلال کا طالب نہین ہوتا ہون ۔ ربنا اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین۔

زہد وتقوےٰ حضرت علی علیہ السلام

نمبر (۵۳) محمد بن قیس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہین کہ غذا حضرت امیر علیہ السلام ایسی کہاتے تھے کہ جیسی غلامون کی غذا ہوتی ہے ۔ آپ دو قمیص خرید کرتے تھے اور اپنے غلام کو کہتے تھے کہ اسمین سے جسکو تو چاہے پہن لے ۔ غلام کے پسند کرلینے کے بعد دوسرا قمیص آپ

جسم اطہر پر ملبوس فرماتے تھے - راہ خدا مین لوگون کو گوشت اور روٹی کھلاتے اور خود نان جو اور روغن زیتون اور سرکہ سے غذا کر لیتے - آپ نے کبھی آسودگی اختیار نہ کی - ہمیشہ راہ خدا مین جفاکشی گوارا کرتے رہے - ہزار بندے جنکو اپنی قوت بازو سے حاصل اور پرورده کیا تھا راہ خدا مین آزاد کیے - کسی بندۂ خدا کا عمل آپ کے عمل کے برابر نہوا - رات اور دن مین آپ ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے - علامۂ قوشجی اپنی کتاب شرح تجرید کے صفحہ ۳۸۸ مین لکھتے ہین کہ حضرت علیؑ رسولؐ خدا کو چھوڑ کر زاہد ترین آدمی تھے - روایات متواترات سے ہے کہ باوجود حاصل رہنے کشادہ حالی کے لذات دنیا کے آپ تارک تھے - یہ آپ کا فرمودہ ہے کہ اے دنیا تو مجھے اشتیاق دلاتی ہے اور دھوکا دیتی ہے اے دنیا مجھے تیری کوئی حاجت نہین ہے مینے تجھے تین بار طلاق دی عیش تیرا بہت کم ہے اور خطرہ تیرا کثیر اور ملک تیرا بے قدر ہے - قسم بخدا میری نظرون مین دنیا جسم خوک کے ایسے عرق کے برابر ہے جو کسی کوڑہی کے ہاتھ مین ہو - آپ نہایت موٹا کپڑا پہنتے تھے اور سخت اور ہیزم غذا استعمال کرتے تھے - ابن رافع کہتے ہین کہ ایک روز مین حضور مین حضرت علیؑ کے حاضر ہوا دیکھا کہ آپکے سامنے ایک جراب* مُہر بند رکھی ہوئی ہے جس مین روٹی کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے - مینے پوچھا کہ یا امیر المومنین اسکے مہر بند کرنے کا سبب کیا ہے - آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خیال ہے کہ میرے بچے پارہ ہائے نان مین مکھن یا روغن زیت نہ ملادین - یہ پوشاک اور غذا علیؑ کے واسطے مخصوص ہوئی ہے اس مین دوسرے کی شرکت نہین ہونی چاہیے - آپ نعلین اور قمیص کو خرمہ کی چھال سے مرمت کرتے تھے گوشت بہت کم کھاتے تھے - اور فرماتے تھے کہ ایہا الناس اپنے شکم کو حیوانون کے مقابر نہ بناؤ - عابد ایسے تھے کہ پیشانی مبارک مین کثرت سجود سے ایسا گھٹا پڑ گیا تھا کہ جسطرح اونٹ کے گھٹنون مین گھٹا پڑ جاتا ہے آپ نوافل بہت پڑھتے تھے - لوگ جسم اطہر سے تیر آپکی نماز کے وقت نکال لیتے تھے اور آپ شدت استغراق سے اصلاً محسوس نہین کرتے تھے - یہی حال استغراق کا حالت مناجات مین بھی ہوتا تھا - آپ حلیم ایسے تھے کہ باخبر رہنے پر بھی ابن ملجم کو اپنی عطا و بخشش سے محروم نہین رکھتے تھے - شدت عداوت کے ساتھ بھی جنگ جمل کے دن مروان سے انتقام نہ لیا اور اسکو زندہ چھوڑ دیا - اسیطرح سعد بن العاص سے جو آپ کا ایک دشمن سخت تھا انتقام لینا گوارا نہ کیا - محاربۂ صفین مین اصحاب معاویہ نے زور و غلبہ پاکر حضرت علیؑ کے لشکر پر دریائے فرات کے پانی کو بند کر دیا - بہرحال جب شدت عطش نے غلبہ کیا لشکریان حضرت امیرؑ نے حملہ کیا اور موضع آب پر قابض ہوگئے - لشکریان حضرت نے معاوضہ کے طور پر پانی بند کرنا چاہا مگر حضرت نے ایسی کارروائی کو جائز نہ رکھا - کرم بیشہ شاہ مردان علی است - صلوات اللہ علیہ الی یوم القیام -

* تھیلی -

ازالۃ الخفا کے صفحہ ۲۶۷ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے ضرار سے کہا کہ میرے سامنے علیؑ کا کوئی وصف بیان کر۔ ضرار نے کہا کہ قسم بخدا علیؑ نہایت شجاع اور حاکم عدل اور عالم کامل اور مجمع حکمت و دانائی تھے دنیا سے وحشت کرتے تھے اور تنہائی شب کو نہایت دوست رکھتے تھے اور بنا و عبرت کارخانۂ الٰہی پر نظر ڈالتے تھے۔ لباس اور پوشاک مسکینوں کی سی پہنتے تھے۔ اسپر بھی آپ عظیم الہیبت تھے۔ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے۔ مساکین کو پیار کرتے تھے۔ اہل باطل کو عزیز نہین رکھتے تھے۔ کمزور اور مجبور کو نا امید نہین کرتے تھے۔ شب ہاے تار مین دردناک آواز کے ساتھ روتے تھے۔ تارک لذات دنیا تھے۔ فرماتے ہین کہ زاد سفر قلیل اور منزل دنیا دور و دراز ہے پس معاویہ یہ سُنکر رونے لگے اور بولے کہ خدا رحم کرے ابو الحسن پر لاریب وہ ایسے ہی بزرگ و مقدس تھے۔ راقم کو امیر معاویہ پر بڑا افسوس آتا ہے کہ۔ ان باتون کو جانکر بھی معاذ اللہ وہ حارب علیؑ ہوے۔ ہائے دنیا تو نے کیا کیا بندگان خدا کو خراب و برباد کیا ہے۔ اور جب تک سلامت رہیگی ایسا ہی کیا کریگی۔ امیر معاویہ جیسا زیرک آدمی حضرت علیؑ سے لڑے اور اسطرح اپنی عاقبت برباد کرے۔ تو اگر لقمان و افلاطون بعلم۔ من بیک پندار نادانت کنم۔ ابو ہذیل کہتے ہین کہ مین نے حضرت علیؑ کو دیکھا موٹا اور گندہ قمیص بدن پر پہنے ہوے۔ اُسکی آستین کو جب کھینچتے تو ناخن تک آستین پہنچتی مگر جب چھوڑ دیتے تو نصف بازو تک رہتی۔ مال غنیمت کی تقسیم مین بیت المال مین کچھ باقی نہین رکھتے تھے۔ الا اس حالت مین کہ جب مال کو تقسیم کرتے اور دن تمام ہو جاتا۔ گھر مین کچھ مال باقی نہین رکھتے تھے۔ آپ حکومت دیتے تھے دیانت دارون کو اور جب کسی عامل سے خیانت ظاہر ہوتی تو آپ اُسکو قرآنی آیتون سے نصیحت لکھتے اور بدرگاہ ایزد عذر خواہی کرتے کہ الٰہی مینے فلان عامل کو ظلم کرنے کے لیے حکم نہین دیا تھا۔ ابو عمر مجمع التمیین سے روایت کرتے ہین کہ مینے دیکھا کہ جب مال غنیمت یا زکوٰۃ یا خمس حضرت علیؑ تقسیم کرتے تھے تو موضع تقسیم کی زمین پر جاروب کشی کراتے تھے۔ تا کہ روز قیامت کے دن کوئی دانہ مجھپر گواہی کو نہ کھڑا ہو۔ مطلب اسکا یہ ہے کہ تقسیم مالِ بالامین دانہ دانہ کا لحاظ فرماتے تھے۔ بیت المال مین ایک بار آپ تشریف لے گئے اور اُس مین سے صرف خرما کھایا۔ اس واقعہ کے راوی ابو عمر ہین۔ اسیطرح ابو عمر روایت کرتے ہین کہ حضرت علیؑ نے ایام خلافت مین منبر پر یہ فرمایا کہ کوئی میری اس تلوار کو خرید کریگا۔ اگر میرے پاس میرے پاجامہ کے برابر کی قیمت کا مال نقد ہوتا تو مین اس تلوار کو نہ بیچتا۔ اسپر ایک شخص اُٹھکر بولا کہ مین اسقدر آپ کو قرض دونگا۔ بروایت احمد معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے جب حضرت فاطمہؑ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بیاہا تو ایک چادر مقنعہ اور ایک فرش اور ایک تکیہ خرمہ کی چھال کا اور ایک چکی اور مشک اور موزہ جہیز مین دیے۔ چاہیے کہ بیاہ مین فضول خرچی کے

مرتکب ہونے والے حضرت رسولؐ کی کارروائی بالا سے عبرت پکڑین - اللہ اکبر واقعی دنیا کی
مال وجاہ سے حضرت رسولؐ اور خاندان رسولؐ کو خس برابر بھی علاقہ نہ تھا - حضرت علیؑ اُجرت
پر کنوئین سے پانی نکالتے تھے اور حضرت سیدہ روز چکی پیستی تھین - حضرت علیؑ کی نفس کُشی
کی ایک اور کیفیت احمد بروایت مجاہد یون بیان کرتے ہین کہ حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ ایک دن
مجھپر اشتہا نے مدینہ مین غلبہ کیا پس مین گھر سے باہر نکلا کہ مزدوری کرکے کچھ قوت کی صورت
پیدا کرون - ناگاہ ایک عورت کو دیکھا کہ مٹی کے کچھ ڈھیلے جمع کر رہی ہے اور انکو تر کرنے کےلیے
پانی کی تلاش مین ہے - مینے سولہ خرمے اپنی اُجرت طے کرکے اُسکے لیے کنوئین سے پانی
کھینچدیا مگر میرے ہاتھون مین پانی کھینچنے سے آبلے پڑ گئے بہرحال اُن خرمون کو ایک کف دست
پر رکھکر حضرت رسول خدا کے حضور مین پیش کیا اور حقیقت حال بیان کی - حضرت رسولؐ نے میرے
ساتھ اُن خرمون کو نوش فرمایا - راقم کہتا ہے کہ ع جنکے رتبے ہین سوا انکو سوا مشکل ہے -
اس طرح کی محنت مزدوری نبیؐ و وصیؑ کے سوا کسی ناپاک دنیادار کو نصیب نہین ہو سکتی ہے -

شعر - تا بدانم آنکہ بر من عاشقی بر جمال خویش حیرانت کنم

آخر مین محمد بن کعب القراظی کی حدیث ذکر کیجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ کہتے ہین کہ مین
رسول خدا کا صاحب علم تھا اور بھوک کی شدت سے کلیجہ دہسا جاتا تھا ایسی حالت مین مینے
اپنا پیٹ پکڑ لیا اور راہ خدا مین لڑنے لگا - حق یہ ہے کہ اگر چالیس ہزار دن مجھے ایسی سعادت
کے نصیب ہوتے تو مین ایسا ہی ثابت قدم رہتا - اب اہل انصاف حضرت علیؑ کا موازنہ
فرارین اُحد وخیبر وحنین کے ساتھ کرین اور شجاع اور غیر شجاع کے فرق کو امتیاز کرین -
ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا - ہمارے مولا حضرت علیؑ بے وجہ سیف اللہ شیر یزدان
شاہ مردان نہ تھے - جب ایسے تھے تب ایسے تھے - لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفِقار

فضائل اہل تشیع

نمبر (۵۴) - جاننا چاہیے کہ شیعہ وہ فرقہ ہے جو کسی اطاعت اور پیروی کی حضرت علی علیہ السلام کی اور قائل ہے وہ فرقہ علیؑ
اور اولاد علیؑ کی امامت کا - حضرت علیؑ کو وہ فرقہ امام نص کی رو سے مانتا ہے عام اس سے کہ نص نص جلی ہو یا نص خفی - اس
فرقہ کا عقیدہ ہے کہ امامت حضرت علیؑ یا آپکی اولاد سے باہر نہین جاسکتی ہے الا ظلم سے اور تقیہ سے اور کُل شیعہ اپنے ائمہ کے
طریقہ پر تھے - مگر جب ایک دراز زمانہ گذر گیا تو چند فرقے ہو گئے -
(دیکھو شرح مواقف صفحہ (۶۲۴) اور صفحہ (۶۲۹) راقم کہتا ہے کہ اولاد علیؑ
ایک عرصہ تک اپنے خاندان کے ائمہ معصومین کے طریقہ پر رہے پھر انمین پھوٹ پیدا ہوئی
اور انمین فرقے پیدا ہوتے گئے یہانتک کہ سُنی سلطنتون کے اثر سے شیعون مین سے بہت سی اولاد

علیؑ کی سُنی ہوگئی جیساکہ اسوقت بھی کثرت سے صوبہ بہار مین سُنی سادات دیکھے جاتے ہین اور یہ سادات کثرت لا علمی سے یہ سمجھتے ہین کہ انکے دادا علیؑ تھے اور علیؑ کے جانشینان برحق کا وہی مذہب تھا جسکے وہ پابند بے سمجھے بوجھے ہورہے ہین - ابن اثیر لکھتے ہین کہ مذہب شیعہ کے مجددین سے ہجرت کی صدی دوم کے مجدد امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ الطاہرین - شیعہ کے لغوی معنی ہین اتباع وانصار اور فرقہ کو بھی شیعہ کہتے ہین اور یہ لفظ دلالت کرتاہے واحد واثنین وجمع ومذکر ومونث سب پر اصطلاحاً اب شیعہ سے مراد شیعیان علیؑ اور دوستداران خاندان علیؑ ہین - (دیکھو قاموس جلد ۲ - صفحہ ۵۲) -

بروایت ابن عباس دیکھا جاتاہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میری اُمت سے ستر ہزار آدمی حساب کے بغیر جنت مین داخل ہونگے - اسپر حضرت علیؑ نے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ ایسے وہ کون لوگ ہین - آنحضرت نے فرمایا وہ شیعہ تمہارے ہین اور تم اُنکے امام ہو - (معجم طبرانی واسعاف الراغبین) طبرانی کی اخراج کردہ حدیث بروایت حضرت علیؑ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ بہ تحقیق تم اور تمہارے شیعہ قریب ہے کہ خدا کے آگے آوین نہایت راضی اور خوش (اسعاف الراغبین صفحہ ۱۵۶) - انشاءاللہ تعالےٰ راقم بھی اپنے آقا علیؑ کے ساتھ درگاہ ایزدی مین اسیطرح خوش خوش پہنچے گا - لاریب ایسا ہی ہوگا - حضرت رسولؐ کا فرمودہ لغو نہین ہوسکتا - امام مناوی نے کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق مین روایت یون درج کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ وارد ہونگے حوض کوثر پر - راقم کہتاہے کہ انشاءاللہ تعالےٰ وہ دن بہت دور نہین ہے - اُسی کتاب کنوز الحقائق مین یہ بھی حدیث درج ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ علیؑ اور اُنکے شیعہ رستگار و صاحب نجات ہین بروز قیامت - راقم کہتاہے کہ اسکے خلاف ہو ہی نہین سکتاہے - قول پیمبر ناراست نہ ہواہے اور نہ ہوگا - واضح ہو کہ خدا تعالےٰ قرآن مجید مین فرماتاہے کہ حضرت محمدؐ کے شیعون سے ہر آئینہ حضرت ابراہیمؑ ہین یعنی حضرت ابراہیمؑ دین محمدؐ پر ہین کقولہ تعالےٰ وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (دیکھو شفاء قاضی عیاض جلد ۱) اور اسیطرح سورۂ قصص مین شیعہ حضرت موسےٰ کا ذکر خداوند تعالےٰ فرماتاہے - کقولہ تعالےٰ هٰذَا مِنْ شِيعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ قاضی بیضاوی اسکی تفسیر یون کرتے ہین کہ ایک اُن دونون سے وہ ہے جسنے حضرت موسےٰ کے دین کی پیروی کی اور یہ بنی اسرائیل تھے اور دوسرا وہ ہے جسنے حضرت موسےٰ سے مخالفت کی اور وہ قبطی تھے - بیضاوی لکھتے ہین کہ حکایت مندرجۂ قرآن کا اشارہ حضرت رسولؐ کیطرف ہے اور محشی بیضاوی کہتے ہین کہ وہ حکایت حضرت رسولؐ ہی کے لیے داخل قرآن ہوئی - اب راقم عرض کرتاہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ بقول خدا شیعۂ محمدؐ کہلائے اور تابعین حضرت موسےٰ یعنی بنی اسرائیل بھی شیعہ موسےٰ کہے گئے

تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ شیعہ کا مطبوع خداوندی ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ جس سے تنفر پیدا ہو حضرات اہل سنت کو جو اس لفظ سے نفرت ہے تو انکی یہ نفرت رغبت خداوندی کے مخالف ہے خیر اب راقم دکھلاتا ہے کہ جب حسب قول خداوندی بنی اسرائیل شیعہ حضرت موسے ہین اور آیت منزلت کے رو سے حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ حضرت موسے اور ہارون کے مانند ہین تو سوال یہ ہوتا ہے کہ شیعہ موسے کی طرح شیعہ محمدؐ و علیؑ اہل اسلام مین حضرات اہل سنت ہین یا اہل شیعہ؟ اسکا انصاف اہل سنت خود کر لین راقم کو اس سے زیادہ عرض کرنیکی حاجت نہین ہے

آخر مین عرض راقم یہ ہے کہ جب اہل تشیع کی خوبیان ذرائع بالا سے ثابت ہین اور بقول حضرت رسولؐ شیعہ علیؑ ایک ایسا فرقہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ وارد حوض کوثر ہوگا اور حضرت علیؑ کیسا بروز قیامت رستگار اور صاحب نجات ہوگا تو ایسی حالت مین حضرات اہل سنت کو زیبا نہین ہے کہ فرقہ امامیہ کی تکفیر کے قائل ہون اور انپر جواز لعن کا حکم جاری کرین۔ جائے انصاف ہے کہ مذہب اہل سنت کے رو سے یزید پر لعن جائز نہین ہے اسلیے کہ وہ اہل قبلہ سے تھا اور شیعہ جو اہل قبلہ ہین انپر لعنت کرنے مین اہل سنت مطلق دریغ نہین کرتے ہین جیسا کہ صاحب صواعق محرقہ و شارح لغوی و ملا علی قاری قاضی عیاض و قسطلانی وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے (دیکھو فرقہ امامیہ پر جواز لعن کی بحث جو اس کتاب کے سابق حصہ مین حوالہ قلم ہو چکی ہے) یزید پر نہ لعنت کرنیکی زیادہ وجہ اہل سنت کو انکے اہل قبلہ ہونیکے علاوہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل سنت یزید کے ساتھ عقائد مین بہت کچھ موافقت رکھتے ہین۔ یزید بھی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کو حق جانتا تھا اور حضرات ممدوحین کے فضائل کثیرہ کا اسیطرح قائل تھا جسطرح اہل سنت قائل نظر آتے ہین۔ علاوہ خلفائے ثلثہ کے یزید اپنے پدر بزرگوار امیر معاویہ کو ویسا ہی خلیفہ برحق اور صاحب فضائل جانتا تھا جیسا کہ اہل سنت امیر معاویہ کو خلیفہ برحق اور صاحب فضائل جانتے ہین۔ ظاہر ہے کہ اہل قبلہ ہونیکے ساتھ جب یزید اہل سنت کے ضروری عقائد کا اسقدر شریک دکھائی دیتا ہے تو اہل سنت جواز لعن کا حکم اسپر کیونکر دے سکتے ہین۔ ان سب باتون کے علاوہ یزید اہل سنت کا خلیفہ اور امام بھی ہے۔ شروط خلافت سب اسکی حسب حال ہین۔ پس ظاہر ہے کہ اہل سنت اپنے خلیفہ پر لعنت نہین کر سکتے۔ خیر۔ اگر یزید اہل سنت کے نزدیک مستحق لعن نہین ہے تو نہو مگر اہل سنت کو لازم ہے کہ اہل تشیع پر سمجھ بوجھ کر لعنت کرین اسواسطے کہ اہل تشیع۔ اہل قبلہ ہونیکے علاوہ جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے ایک ایسا فرقہ ہے جسکی بقول نبی قیامت کے دن رستگاری اور نجات امر یقینی ہے۔

تقیہ

نمبر ۱۵ تقیہ کی لغوی معنی ہین اپنے کو کسی ضرر انگیز امر سے بچانا۔ اور اصطلاحی معنی ہین وہ فعل جسکو امامیہ اپنی حفاظت جانی و مالی وغیرہ کی بنا پر حلال جانتے ہین اور انکے مخالفین یعنی

حضرات اہل سنت حرام - گو اُنکی تمام کارروائیون مین حضرات اہل سنت اشخاص امامیہ سے کم اسکے مرتکب نہین ہوتے - انکی روزانہ کی ایسی کارروائیان اس امر کو ثابت کرتی ہین کہ تقیہ ایک فطری امر ہے اور اس سے کسی شخص یا قوم کو ہرگز کسی زمانہ مین گریز ممکن نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا اسکے فطری امر ہونیکے باعث صرف دنیا کے سلاطین اور مدبران زمانہ ہی اسکے پابند نہین رہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اسکی پابندی سے خالی نہین دیکھے جاتے ہین - توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر مین تشریف لے گئے تو بادشاہ کی ضرر رسانی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیے آپکو اپنی بی بی کو بہن کہنا پڑا - اور اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے گو اپنے بھائیون کو مصر مین پہچانا مگر اس امر کو اپنے بھائیون سے پوشیدہ رکھکر اُن کارروائیون کے پابند ہوے جن سے ہر شخص قرآن خوان پوری واقفیت رکھتا ہے - اسیطرح حضرت مسیح یہودا کی بدطینتی سے واقف تھے مگر اپنی رفاقت مین اُسے اپنا خازن بنائے ہوئے تھے - حضرت رسالت مآب کا مکہ سے ہجرت فرمانا اور غار مین جا چھپنا اور قبل ترک وطن کرنیکے علیؑ کو اپنے بستر پر سو رہنے کی ہدایت کر جانا اگر یہ سب کام تقیہ نہین کہلائینگے تو کیا کہلائین گے - مین اسطرح کی سینکڑون مثالین حضرات انبیاء علیہ السلام کی پیش کر سکتا ہون - جس سے تقیہ کا فطری اور مذہبی پابندی کے ساتھ اخلاقی سوشل اور تمدنی بنا پر قرین حق ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے - خود قول خداوندی ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ - تقیہ کا ہادی ہے اور کیون ہادی نہو جب افتاد فطرت اسکی ہر زمان و ہر مکان مین اُسکی متقاضی پائی جاتی ہے - اسی تقاضائے فطرت کی بنا پر حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بروایت مقداد یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی مومن اپنے ایمان کو کفار سے پوشیدہ کرے تو اسکا یہ فعل بہترین ایمان متصور ہے اور یہ وہ عمل اخفا کا ہے کہ جیسے تم مکہ مین کیا کرتے تھے - یہ حدیث بخاری مین موجود ہے - اور تقیہ کے امر حق ہونیکی کامل طور پر مثبت ہے - اہل سنت تقیہ کی جگہہ لفظ توریہ استعمال فرماتے ہین اور توریہ کو حلال سمجھتے ہین - حق یہ ہے کہ تقیہ اور توریہ کوئی دو شے نہین ہین شی واحد ہین مگر تقیہ چونکہ ایک امامیہ لفظ ہے - یعنی ایسا لفظ ہے جو مطبوع اشخاص امامیہ ہے - اسلیے حضرات اہل سنت اس سے اکراہ رکھتے ہین -

عموماً اہل سنت تقیہ کو دروغگوئی کا مترادف جانتے ہین - حالانکہ تقیہ کو فعلاً اور قولاً دروغگوئی سے کوئی تعلق نہین ہے - تقیہ اور دروغگوئی کے اغراض ایک دوسرے سے تمامتر علیحدگی رکھتے ہین اگر دونون کے اغراض واحد ہوتے تو نعوذ باللہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام دروغگو ٹھیرتے -

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بی بی کو بہن کہہ دینا استحفاظ آبرو کے خیال سے تھا - ایسا فرمانا آپکا ایک فعل تقیہ کا تھا دروغگوئی کا نہ تھا -

محل ہاے مناسب مین صرف ائمۂ خاندان پیغمبر ہی تقیہ کے کاربند نہین ہوے بلکہ پیشوایان اہل سنت بہی تقیہ سے کام نکالتے تہے - مین اس جگہہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کے فعلی تقیہ کی ایک مثال پیش کرتا ہون - گو یہ ایک اچہی مثال ضرورت تقیہ کی نہین معلوم ہوتی ہے اسلیے کہ ضرورت تقیہ کی اس سے واضح طور پر نمایان نہین ہے - واضح ہو کہ ابن جوزی اپنی کتاب الاذکیا مین لکہتے ہین کہ ایک شخص حضرت امام اعظم کے پاس آکر کہنے لگا کہ مین ایک حسین اور مرفہ الحال عورت پر عاشق ہوگیا ہون مگر مین خود تنگدست ہون اُس عورت کے اقربا مجہسے اسکا نکاح ہونے نہین دینگے - آپ کوئی تدبیر ایسی نکالیے کہ میرا نکاح اُس عورت کے ساتھ ہوجائے - امام ممدوح نے اُس شخص سے یہ فرمایا کہ تو میرے ہاتھ اپنی فلان شے بارہ ہزار درہم کو فروخت کرنا چاہتا ہے - اُس شخص نے کہا کہ نہین تب آپ نے کہا کہ تو جا اور اُس عورت کی اقربا سے کہو کہ میری حالت سے امام ابوحنیفہ خوب واقف ہین تم لوگ امام صاحب سے دریافت حال کرلو - چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا - تب وہ لوگ امام ممدوح کے پاس دریافت حقیقت کیلیے آئے - حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص یعنی امیدوار نکاح میرے پاس ایک شے بیچنے کو لایا تہا اور مین بارہ ہزار درہم بسبیل قیمت اُسے دیتا تہا مگر وہ شخص اس قیمت پر اُس شے کے بیچنے پر راضی نہوا - آپ کے اس ارشاد سے اُس عورت کے اقربا کی تسلی ہوگئی اور امیدوار نکاح کا عقد اُس عورت کے ساتھ ہوگیا - ظاہر ہے کہ حضرت امام اعظم صاحب کی یہ ساری کارروائی آپکے قولی تقیہ سے خبر دیتی ہے - گو آپ کے اس تقیہ کی کارروائی مستحسن انداز نہ رکہنے کے باعث آپ کے درجہ و شان سے بہت کچھ گری ہوئی نظر آتی ہے - مین اسکو مستحسن انداز کا تقیہ اسلیے نہین کہتا کہ ایسے تقیہ کا کاربند ہونا حضرت امام صاحب کے لیے نازیبا ہونیکے علاوہ بجاے خود کسی ضرورت کا پہلو نہین دکہلاتا - اور یہ ایسا تقیہ تہا جو حضرت امام صاحب کے لیے آئندہ ضرر رسان ہوا - اور آجتک اہل اطلاع آپ کے اس تقیہ کو کسی طرح عظمت کی نظر سے نہین دیکہتے - جو نتیجہ آپکو اس تقیہ سے ملا وہ تاسّف سے خالی نہین ہے - بقیہ روداد اُس عورت کی یہ ہے کہ جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ اسکا ناکح ایک مفلس قلاش ہے اور نکاح کا معاملہ حضرت امام کی خوش تدبیری سے ظہور مین آیا ہے تو اُسکے معاوضہ کی نظر سے آراستہ و پیراستہ ہو کر حضور مین امام صاحب کے گئی اور یہ عرض کی کہ حضرت میرا باپ میرا نکاح کسی کے ساتھ نہین ہونے دیتا اور جتنے خواستگار نکاح ہوتے ہین اُنسے کہدیتا ہے کہ میری بیٹی اندہی لنگڑی لولی اور لوتہہ ہے تم لوگ اُس سے نکاح کے طالب نہو - چونکہ وہ عورت اُس سے واقف تہی کہ امام صاحب نے اُسے کبہی نہین دیکہا تہا اُسنے یہ بہی کہدیا کہ وہ مجہکو

کسی کنجڑیکی بیٹی ہے۔ پھر اُسنے استدعا حضرت سے نکاح کی کی اور یہ کہکر اپنے جمال متناسب
اعضا کی کیفیت کو امام صاحب پر ظاہر کرنے کے لیے اپنے مُنہ اور سر کو کھولدیا باہین دکھلائین
اور ساقون سے کپڑا اُٹھادیا۔ حُسن دلفریب ہوتا ہے - امام صاحب کا نکاح پر راضی ہوجانا
خلاف فطرت نہ تھا۔ اُس عورت کے چلے جانے کے بعد امام صاحب نے اُس کنجڑے کو
بلا بھیجا اور اپنا ارادہ اُس سے ظاہر کیا۔ کنجڑے نے عرض کی کہ اے حضرت میری بیٹی اندھی
لنگڑی لولی اور لوتھ ہے وہ ہرگز آپ کے قابل نہین ہے - مگر امام صاحب نے فرمایا کہ تجکو
اس سے کیا وہ کیسی ہی ہے اُس سے ہم نکاح کرینگے - اسکے بعد امام صاحب کا نکاح اسی
روز اُس کنجڑے کی بیٹی کے ساتھ انجام پا گیا۔ شام کو وہ کنجڑا اپنی بیٹی کو ایک بڑے ٹوکرے مین
رکھکر ایک غلام کی مدد سے حضور مین امام صاحب کے لیے آیا۔ حضرت نے جو عروس کو ایسا
دیکھا تو تین طلاق دیکر اپنی گلو خلاصی فرمائی - ایک مہینے کے بعد وہ عورت جو باعث اس
نکاح کی ہوئی تھی حضور مین امام صاحب کے حاضر ہوئی - آپ نے اُس سے فرمایا کہ یہ تم نے
کیا کیا - جواب مین اس عورت نے کہا کہ عوض را گلہ نباشد - آپ نے میرا نکاح ایک مفلس کے
ساتھ کرا دیا مینے آپکا نکاح ایک اندھی لنگڑی لولی لوتھ کے ساتھ کرا دیا - ظاہر ہے کہ اس عورت نے
بھی تقیہ کی چال اختیار کی مگر اس انداز کا تقیہ مقدوح ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے
ان طریقون کا تقیہ مذہب امامیہ مین تمامتر حرام کا حکم رکھتا ہے - شرط تقیہ کی یہ ہے کہ جان
یا مال عظیم یا آبرو محل خوف مین واقع ہو - بے ضرورت شدید تقیہ جائز نہین ہو سکتا -
اسوقت مین کہ نہ سلطنت بنی امیہ کی ہے اور نہ بنی عباس کی اور بہ اسباب ظاہر نہ جان کا
خوف ہے نہ مال و آبرو کا پس ایسے وقت مین حضرات امامیہ کو عام طور پر کوئی حاجت تقیہ کی
باقی نہین رہی ہے - سلطنت انگریزی ہر فرقۂ بنی آدم کو ادائے ارکان دین مین پوری آزادی
دیچکی ہے - جب تک یہ نظم و نسق بحکم خداوند لایزال قایم رہیگا تقیہ کی حاجت فرقۂ امامیہ کو تمدنی
حیثیت سے نہین پڑیگی - پوشیدہ نہین ہے کہ یہی حیثیت ہے جو اشخاص فرقۂ امامیہ کی پابند تقیہ ہونیکی باعث ہوئی تھی

فرقۂ امامیہ کے پابند تقیہ ہونے کے اسباب -

ہرچند تقیہ ایک ایسا فطری امر ہے کہ جس سے شیعہ و سُنّی دونو نکو بلکہ تمام بنی آدم کو اس سے
مفر کی صورت نہین ہو سکتی - تاہم اسکے اختصاص کے اسباب فرقۂ امامیہ کے ساتھ یہ ہین کہ اس
فرقہ کو مختلف زمانون مین اسکی سخت ضرورتین لاحق رہی ہین - اور اُنھی ضرورتون کی بنا پر تقیہ
فرقۂ امامیہ کے مذہب کا ایک جزو ہو گیا ہے - اگر تقیہ کے متمسک امامیہ عہد بنی امیہ او بنی عباس
مین نہ ہوئے ہوتے تو آج اُنکا وجود صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہتا - برخلاف اسکے اہل سنت کا یہ معاملہ

رہا ہے کہ حکومتون سے خالی رہنے کے باعث اُنہین غیر معمولی طور پر تقیہ کے برتنے کی حاجت کبھی لاحق ہی نہین ہوئی جس سے تقیہ انمین مذہبی طور پر رواج نہین پا سکا - ائمۂ خاندان پیغمبر اور انکے پیروان کے ساتھ جو انکے مخالفین کا برتاؤ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانو نمین قائم رہا ہے اسکا پورا فوٹو اشعار ذیل مین پایا جاتا ہے - جناب سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی اُن عہدون کے واقعات کو نہایت سچائی کے ساتھ اسطرح منظوم فرماتے ہین -

منظوم

مقتدا اون پر ستم ہوتے رہے
ظلم سب پر بیش و کم ہوتے رہے

چین سے رہنے نہ پائے الحذر
گوشہ گیری مین ہوئین عمرین بسر

اسپہ بھی ہوتے رہے اکثر اسیر -
زہر دلواتی رہی قوم شریر

جوش کیسا ماتم شبیر مین
رو نسکتے تھے غم شبیر مین

ہم وہی ہین جھیلتے تھے سختیان
تھی جب اولاد امیہ حکمران

ہم وہی ہین تھے بلا مین مبتلا
جب زمانہ تھا بنی عباس کا

شیعگی تھی داخل جرم کبیر
اس خطا پر روز ہوتے تھے اسیر

چین سے رہنے نپاتے تھے کہین
ڈھونڈتے پھرتے تھے ہمکو اہل کین

کاٹے جاتے تھے ہمارے بند بند
ذبح یون ہوتے تھے جیسے گوسفند

سینکڑون ہی گھر جلا ڈالے گئے
کھود کر قبرین نکلوائے گئے

ہوتے تھے تشہیر بازارون مین ہم
جاتے تھے بند بندہ کے دربارونمین ہم

گردنین داغی گئین اور ہاتھ بھی
کون سی توہین تھی جو اٹھ رہی

لوٹا جاتا تھا ہمارا مال و زر
پھرتے تھے بیدست و پا ہم دربدر

مسکنون مین رہنے پائے کب غریب
موت غربت کی ہوئی اکثر نصیب

جب ہوئے داخل کسی تدبیر سے
مر کے نکلے خانۂ زنجیر سے

دفن کرنا تک ہمارا تھا گناہ
مرکے بیدفن و کفن رہتے تھے آہ

رونے والے ہمکو رو سکتے نہ تھے
اپنا منہ اشکون سے دھو سکتے نہ تھے

رونے اچھا تھا جو اپنے حال پر
تازیانے پڑتے تھے اطفال پر

مشہد و منبر بھی نہ پاتے تھے امان
بہتی تھین ہر جا لہو کی ندیان -

گردنین لاکھون ہماری کٹ گئین
ڈھیر سے لاشون کے گلیان پٹ گئین

شہرون مین ہم دبائے جاتے تھے ۔۔۔ سولیون پر ہم چڑہائے جاتے تھے
قتل ہوتے تھے کبھی ہوتے تھے قید ۔۔۔ خون کے پیاسے تھے عمرو بکر و زید
جب کوئی قصرِ ستم آرا بنا ۔۔۔ خون سے سادات کے گارا بنا
دشمنِ الفت نا شُنوائے گئے ۔۔۔ زندہ دیوارون مین چُنوائے گئے
کاٹ کر لائی گئین نہرین کبھی ۔۔۔ ہل چلے قبرونپہ اُف ری بیکسی

اللہ اکبر کیا ہولناک معاملے آلِ محمد اور پیروان محمد کو پیش آئے ہین اگر ایسے زمانون مین یہ بیچارے امامیہ تقیہ سے کام سے نہ لیتے تو کیا کرتے تماشا ہے کہ مخالفان امامیہ تقیہ کو سرمایۂ نفاق قرار دیتے ہین اور اسکی ضرورتون پر نظر نہین کرتے حالانکہ مسئلہ تقیہ ایک ایسا فطری مسئلہ ہے کہ اخلاقی سوشل اور تمدنی معاملات مین کسی بنی آدم کو اس سے مفر نہین ہے۔ دیکھیے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہ بے ضرورت ہی آپنے اپنی کتاب تحفہ کی ابتدا تقیہ کیساتھ فرمائی ہے یعنی اپنا نام غلام حلیم اور اپنے والد کا نام قطب الدین احمد رکہا ہے۔ ظاہرا کوئی معقول ضرورت اس تقیہ کی نہ تھی جناب شاہ صاحب کو کسیطرح پر خوف جان خوف مال یا خوف آبرو کا احتمال تھا۔ انپر بھی تقیہ کا اختیار فرمانا آپ کو پسند آیا۔ پس اگر ایسے امون زمانے مین جو آپ کا تھا حضرت شاہ صاحب نقیہ کی کارروائی کو اختیار فرمانا مناسب سمجھے تو بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد و ستم مین آل محمد اور پیروان آل محمد جو تقیہ کے کاربند ہوئے تو کیا برا کیا۔ بلکہ اگر ایسے وقتون مین اسکے کاربند نہوتے تو دین اور عقل دونون کا خون کرتے۔ واضح ہو کہ فرقۂ امامیہ کو تقیہ کے ساتھ متمسک ہونیکی ضرورت بے وجہ نہین ہوئی ہے جیسا کہ اوپر حوالۂ قلم ہوا ہے۔ مگر اسکو انصاف کشی سے کوئی علاقہ نہین ہے اور نہ اتلاف حق سے کوئی تعلق۔ اگر تقیہ کو اہل سنت کے اس مسئلہ سے موازنہ کرین جس سے دو غیر بنی ہاشم کے اجماع سے اجماع قائم ہوجاتا ہے اور بنی ہاشم کے ہزارون افراد کے اجماع سے اجماع نہین قرار پا سکتا تو دونون کا فرق مخفی نہین رہ سکتا ہے۔ لاریب یہ مسئلہ حق کشی کی غرض سے قائم کیا گیا ہے گو تقیہ کی طرح ضرورت وقت ہی اُسکے ایجاد کی بھی باعث ہوئی ہو۔

وقعت تقیہ

تقیہ کی وقعت اسی سے ثابت ہوتی ہے کہ بہت سے مواقع مین یہ ایک بڑا آلۂ حفاظت خود اختیاری کا ہے۔ علاوہ اسکے تمام امور دنیا کا انتظام بھی اسی پر ہے۔ آج دنیا سے تقیہ اٹھ جائے تو فوراً سلطنتون مین زوال آجائے تمام جمعیتین درہم برہم ہوجائین ہر طرح کے کارخانے خود ہوجائین شہر شہر خانہ جنگیان ہونے لگین ہر گلی کوچہ مین خون کی ندیان بہتی دکھائی دین۔ رشتہ داریان قطع ہوجائین اور آخر کار تھوڑے ہی عرصہ مین بنی آدم کا وجود صفحۂ ہستی سے معدوم ہوجائے۔ جاننا چاہیئے کہ تقیہ بڑے مصالح پر مبنی ہے۔ امور دنیا و دین مین اسکو پورا دخل ہے اس کو

دروغگوئی سے کوئی انکا ومنہین ہے اور خدا اسکی بنا خودغرضی پر واقع ہوئی ہے۔ عدم خودغرضی کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ تو فلان کو قتل کرو ورنہ مین تجھے قتل کر ڈالونگا تو اپنا قتل کیا جانا گوارا کرے مگر فلان کو قتل نکرے۔ شرعاً یہ محل تقیہ کا نہین ہے اگر اب اکریگا تو قتل عمد کا مرتکب ہوکر دوزخ کا سزاوار ہو جائیگا۔ بجائے خود یہ ایک مسئلہ تقیہ کا پورے طور پر وقعت تقیہ کا ثبوت نظر آتا ہے اب ذیل مین تقیہ کی حقیقت کتب اہل سنت سے دکھلاتا ہون۔ تب ظاہر ہو جائیگا کہ اہل سنت کے مذہب مین تقیہ اتنا ہی امر جائز ہے جتنا کہ اہل تشیع کے مذہب مین ہے۔

واضح ہو کہ خدا تعالے سورہ آل عمران مین فرماتا ہے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً۔ یعنی جائز نہین ہے کہ مومنین کافرین سے دوستی کرین مگر بحالت تقیہ۔ بیضاوی لکھتے ہین کہ یعقوب قاری نے تقیۃ کو تقیہ پڑھا ہے اور بحالت خوف کفار سے دوستی جائز ہے (دیکھو بیضاوی صفحہ ۱۳۴) سورہ مومن مین یہ آیت ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ۔ یعنی کہا ایک شخص مومن نے آل فرعون سے جو پوشیدہ رکھتے تھا اپنے ایمان کو یہ شخص خرقیل تھے جو فرعون کے چچازاد بھائی تھے اور اپنے ایمان کو فرعون اور اُسکی قوم سے ایک سو برس تک چھپائے رہے (دیکھو تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابن عباس) سیرۃ الحلبیہ کے صفحہ ۹۹ مین قصہ ابوجندل کے متعلق مذکور ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَبَاحَ التَّقِيَّةَ لِلْمُسْلِمِ اِذَا خَافَ الْهَلَاكَ۔ یعنی خدا تعالے نے مباح کیا ہے تقیہ کو مسلمان کیواسطے جب اُسے خوف ہلاکت ہو۔ اسکے آگے کی عبارت کا یہ مفہوم ہے کہ رسول اللہ نے یہی اجازت دی ہے کہ تقیہ مین اندر دل کے ایمان رکھے اور زبان سے کفر بولے جیسا کہ قصہ ابوجندل صحابی کا ہے۔ اسیطرح اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ مین دیکھا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اے ابوذر جب تمہین لوگ مدینہ سے نکالدینگے تو تم کیا کروگے۔ ابوذر نے عرض کی کہ مکہ کو چلا جاؤنگا تب آنحضرت نے پوچھا کہ اگر لوگ مکہ سے بھی تمہین نکالدین گے تو کیا کروگے۔ اسپر ابوذر نے عرض کی کہ تب تلوار سے لڑونگا۔ یہ سنکر آنحضرت نے فرمایا ایسا نکرنا۔ بہتر یہ ہے کہ تم سب باتین سن لینا اور اُنکی تابعداری کرنا گرچہ وہ ظالم حبشی غلام ہی ہون۔ سیرۃ النبویہ سید احمد دحلان کی جلد ا صفحہ ۳۰۴ مین مندرج ہے کہ کفار قریش مکہ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ محمد کہان ہین آپ نے فرمایا کہ مین نہین جانتا ہون حالانکہ اس مین شک نہین کہ حضرت امیر جانتے تھے کہ جناب رسول خدا غار ثور مین پناہ گزین تھے۔ یہ تقیہ نہا تو کیا تھا۔ اہل سنت اسکو کذب نہین تو کہین۔ بیچارے شیعہ تو کذب کی نسبت حضرت علی کی طرف نہین کر سکتے ہین۔ اسیطرح کا معاملہ تاریخ خمیس کی جلد ا صفحہ ۳۳۰ مین مسطور پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب

کفار نے پوچھا حضرت رسولِ خدا کی نسبت کہ اے ابوبکر یہ شخص جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے آپ نے جواب مین فرمایا کہ یہ شخص راستہ بتانے والا ہے - کوئی شک نہین کہ اس جگہ حضرت ابوبکر نے بھی تقیہ کی کارروائی اختیار کی - سیرۃ الحلبیہ کی جلد ا صفحہ ۲۶۶ مین حلبی کہتے ہین کہ جس جگہ پر کفار کا غلبہ اور اسلام کا ضعف ہو تو ہمارے کفار پر لعنت نہین کرنا چاہیے - اور یہ حکم اس وقت تک باقی ہے - سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۱۹۱ - اور بخاری کی جلد اول صفحہ ۱۵۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول مکہ مین پندرہ برس رہے - اُس مین سے صرف چار یا پانچ برس مخفی اور خوف زدہ طور پر دعوتِ اسلام فرمائی - حال یہ تھا کہ کفار قرآن نبیؐ اور خدا پر لعن کرتے تھے - اسلیے خدائے پاک نے یہ آیت بھیجی کہ آہستہ نماز پڑھو تاکہ مشرکین تمہین نماز پڑھتے نہ سُن سکین مگر اصحاب سے اخفا کرنا ضرور نہین ہے - لیکن اسقدر آوازِ بلند سے نہ پڑھو کہ تم سے کفار قرآن مجید کو سنین - اسعاف الراغبین کے صفحہ ۱۵ مین مذکور ہے کہ حضرت رسولِ خدا جب نماز کا ارادہ فرماتے تو گوشہ خلوت مین ادائے نماز فرماتے - ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ کسی مشرک نے سعد بن ابی وقاص کو نماز پڑھتے دیکھ لیا - اسپر وہ مشرک سعد کو سخت و سُست کہنے لگا - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سعد مین اور اس مشرک مین لڑائی ہوگئی - اور سعد نے اُس مشرک کو مارا - ظاہر ہے کہ حسب ہدایت جناب رسولِ خدا اگر احتیاط کیجاتی تو ایسے فساد کی نوبت نہ پہنچتی - ترمذی کی جلد ۲ صفحہ ۱۶ مین درج ہے کہ بروز قیامت لوگ پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس بامید شفاعت آوینگے مگر حضرت ابراہیمؑ فرماینگے جاؤ مجھسے کیا ہوسکتا ہے - مین تین بار جھوٹ بول چکا ہون - ظاہر ہے کہ آپ تقیہ کی پابندی سے ایسے اقوال کے کاربند ہوئے تھے - اسی لیے جناب رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ ایسے جھوٹ ابراہیمؑ کو بحکم شرع جائز تھے -

بخاری کی جلد ۱۰ صفحہ ۳۵ مین بروایت ابن عباس یہ حدیث درج ہے کہ جناب رسول خدا نے مقداد سے فرمایا کہ مومن کا اپنے ایمان کو قوم کفار سے مخفی کرنا بہترین ایمان ہے جیساکہ تم مکہ مین اخفائے ایمان کیا کرتے تھے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قوم کفار سے صدمہ پہنچنے کا خوف ہو تب اخفائے ایمان کرنا چاہیے - لاریب یہ ایک مناسب موقع تقیہ کے اختیار کرنے کا ہے - صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۸۴ مین حذیفہ سے روایت ہے کہ مین جناب رسالت مآب کے پاس تھا کہ آپ نے فرمایا کہ پوشیدہ کرو اپنے اسلام کو - مینے عرض کی یا حضرت آپ کیون خوف رکھتے ہین میرا قبیلہ چھ سات سو آدمیون پر مشتمل ہے - اسپر آپ نے فرمایا کہ تم نہین جانتے کہ شاید تم کبھی اپنے اعدائے دین سے تن تنہا ملاقی ہو جاؤ جب ایسا وقت کسیکو لاحق ہو جائے تو لازم ہے کہ نماز آہستہ آواز سے پڑھے - قسطلانی لکھتے ہین کہ اصحاب جناب رسولِ خدا اکثر ایسے تھے کہ اسلام کو

ظاہر نکرتے تھے اور نمازین چھپکے پڑھتے تھے تاکہ فتنہ وفساد کی صورت نہ پیدا ہو۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ مین لکھتے ہین کہ سورۂ شعراء کی آیت کے مطابق حضرت موسےٰ علیہ السلام مین بھی تقیہ کے پابند رہے۔ قسطلانی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۷۹ مین کہتے ہین کہ ظالم اور دشمن دین کے مقابلہ مین اپنی جان کو ضرر سے بچانے کے لیے حرف ناراست کو زبان پر لانا جھوٹ جواز رکھتا ہے۔ بیضاوی کی جلد ا صفحہ ۹۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ تقیہ کی اجازت دیتی ہے۔ تفسیر معالم التنزیل بھی تفسیر بیضاوی کی اس مادے مین ہمخیال ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ تقیہ ابتداے اسلام مین ضعف اسلام کی وجہ سے ایک ضروری امر سمجھا جاتا تھا۔ اب اسکی ضرورت باقی نہین ہے۔ الا عند الحاجت۔ تفسیر جلالین و تفسیر ابن عباس و تفسیر نیشاپوری و تفسیر کبیر رازی ان سب تفاسیر مین تقیہ کا جواز عند الضرورت دیکھا جاتا ہے المختصر تقیہ اہل تشیع ہی کی خاص چیز نہین ہے اہل سنت بھی مساوی درجہ مین اس کے شریک ہین۔ یہ اہل سنت کی غایت درجہ کی حق کشی ہے کہ تقیہ کو اہل تشیع کو بدنام کرنیکا ایک عام فریب ذریعہ پیدا کر لیا ہے۔

تبرا

نمبر ۶۔ لغوی معنی تبرا کی بُری ہونا ہین۔ یعنی کسی فریق سے کنارہ کش ہونا۔ عرف مین تبرا سب وشتم ولعن کا مترادف ہوگیا ہے حالانکہ تبرا کو ان امور سے درحقیقت کوئی واسطہ نہین ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنے عہد گرامی مین جناب علیؑ ابن ابی طالب پر سب وشتم ولعن کی کارروائی کو جزو مذہب قرار دیدیا تھا اور اس کارروائی کا نام تبرا ہوگیا تھا اس لیے سب وشتم ولعن کی کارروائی عرفاً تبرا کہی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ لغوی معنی سے تبرا کی فرقہ امامیہ کو چارہ نہین ہے۔ اسلیے کہ اگر تبرا کا مضمون شیعون مین سے دور ہوجاے تو انکا مذہب ہی غائب ہوجائیگا جسکی وجہ سے انکو حضرات اہل سنت کے ساتھ ہمخیال ہونا ایک امر مجبوری ہوجائیگا۔ ظاہر ہے کہ تبرا کا الزام فرقہ امامیہ ہی کو نہین دیا جا سکتا۔ اسلیے کہ اگر اس فرقہ کو حضرات اہل سنت کے مقتداؤن کے ساتھ تولا نہین ہے تو اس فرقہ پر عند العقل تولا کی فرمایش نہین کی جاسکتی۔ تبرا اور تولا ایسے امور ہین کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق انمین سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔ لاریب کچھ سمجھکر شیعون نے اہل سنت کے مقتداؤن سے تبرا کا پہلو اختیار کیا ہے اسیطرح کچھ سمجھکر اہل سنت اپنے مقتداؤن کے ساتھ تولا کے متمسک ہوئے ہین۔ یہانتک تو شیعون پر کسی قسم کا الزام عائد نہین ہوتا۔ لیکن حرف گیری انپر اسوقت ہوتی ہے جب یہ فرقہ حضرت معاویہ کے طریقہ پر کاربند ہوتا ہے یعنی جسطرح کہ آپ سردار مقتدایان امامیہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اسیطرح امامیہ مقتدایان اہل سنت کے ساتھ پیش آتے ہین۔

اس حرفگیری کا راقم تمامتر شریک ہے اسلیے کہ راقم کو ہر سنت امیر معاویہ سے تمامتر احتراز ہے
یہ طریقہ سب و شتم و لعن کا امیر معاویہ صاحب کے لیے زیبا تھا - اسواسطے کہ وہ صاحب تمام
غیر مطبوع کارروائیونکی صلاحیت رکھتے تھے - ہم اور جمیع پیروان جناب مرتضے علی کو ایسے
مقدوح امر کے اختیار کرنیکی کیا وجہ ہو سکتی ہے - سب و شتم و لعن کوئی اچھی بات نہین ہے
جو ہم اختیار کرین - اس طریقہ کے اختیار کرنے سے مذہب امامیہ کی اشاعت مین بڑا
فتور پڑا ہے - لازم ہے کہ ہوا خواہان مذہب جناب علی مرتضے اس مسئلہ پر غور کو راہ دین -
ہمارے پیشواے مذہب غفران مآب تاج العلما جناب سید علی محمد صاحب قبلہ اس طریقہ سب
شتم کو مقدوح جانتے تھے اور مروج طریقہ لعن وطعن کو بھی نامحمود سمجھتے تھے - میری دانست مین جو
مروج طریقہ تبرا کا ہے وہ مذہب امامیہ کو داغی بنائے ہوئے ہے - بہی خواہان مذہب امامیہ اسکی
اصلاح مین جسقدر کوشان ہون بہتر ہے - جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ نے حضرت علی پر سب
شتم و لعن کی کارروائی کسی خاص غرض سے قائم کی تھی وہ غرض فرقہ امامیہ کو نہ لاحق تھی اور نہ ہے -
پس ایسی کارروائی کی پابندی سے اس فرقہ کو کنارہ کش ہی رہنا چاہیے - امیر معاویہ کو جناب علی
مرتضے پر سب و شتم و لعن جاری کرنیکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ امیر صاحب جو حضرت امام حسن علیہ السلام سے
خلع خلافت کرا کے خلیفہ بن بیٹھے تھے اس بات کو جانتے تھے کہ آپ کو کسی طرح بمقابلہ حسنین
علیہما السلام کے حق خلافت حاصل نہین ہے - پس اگر آپ کی ہدایت کے مطابق سلسلہ
سب و شتم و لعن کا علی مرتضے پر جاری رہیگا تو انکے دونون صاحبزادون کو بھی مسلمانان وقت
بری آنکھ سے دیکھا کرینگے - جسکے باعث آپکی خلافت کو استحکام حاصل رہیگا - چنانچہ ایسا ہی ہوا
کہ اس سب و شتم و لعن کی بدولت امیر معاویہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلفاے بنی امیہ کے
عہد کے مسلمان آل محمد کو بہت کچھ بھول گئے - حقوق آل محمد کا خیال سب کے دلون سے جاتا رہا
سب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ خلافت رسول اللہ کے مستحق یہی بنی امیہ ہین اور اقربائے رسول اللہ سے
ان سے قریب تر کوئی دوسرا نہین ہے - عہد امیر معاویہ مین کوئی خوبی آل محمد کی بیان ہونے نہین
پاتی تھی اور ذکر علی کا سب و شتم و لعن کے سوا اور کسی طرح نہین ہوتا تھا - ہر جمعہ کے دن خطبہ کے ساتھ
علی مرتضے پر مذہبی پابندی کے طور پر سب و شتم و لعن کی کارروائی عمل مین لائی جاتی تھی جیسا کہ سابق
مین عرض کیا جا چکا ہے -
اسقدر ذکر آل محمد سے دنیا خالی ہو گئی تھی کہ پچاس برس امیر معاویہ کے مرنے کے بعد اسوقت کے
بہت سے مسلمان حضرت علی اور حضرت فاطمہ علیہما الصلوۃ والسلام کو بالکل بھول بیٹھے تھے -
چنانچہ ایک صحبت مین ایک شخص نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ علی کون شخص تھا جس پر

ہر نماز جمعہ کے بعد سب وشتم ولعن ہوا کرتا ہے - اسکے ساتھی نے جواب مین کہا کہ ایک یہ
سخت کافر تھا جو اسلام کا بڑا دشمن تھا اسی لیئے اسکے نام پر سب وشتم اور لعن کی کارروائی
ہوا کرتی ہے - اسیطرح ایک شخص نے ایک شخص سے پوچھا کہ فاطمۃ کون تھین - اسکے جواب مین
مسئول نے کہا کہ یکے از ازواج رسول اللہ تھین - جائے غور ہے کہ رسول اللہ کی رحلت کو
بہت عرصہ نہین ہوا تھا اور مسلمانان عہد بنی امیہ علیؑ اور فاطمۃ سے اس قدر بیخبر ہوگئے تھے -
اسکا سبب یہی تھا کہ خاندان پیغمبر کے فراموش کردیئے جانیکا پورا سامان امیر معاویہ صاحب کی
جانب سے عمل مین لایا گیا تھا - ظاہر ہے کہ جب خاندان پیغمبر کا ذکر جرم قرار دیا گیا اور اس
خاندان کے سردار پر سب وشتم ولعن کی کارروائی نے رواج پایا تو خاندان پیغمبر کے یاد رکھے جانیکی
صورت کیا باقی رہتی - نتیجہ طبعی اسکا یہ ہوا کہ مسلمانان وقت بنی امیہ ہی کو عزیزان رسول اللہ جاننے
لگے اور جو واقعی عزیزان رسول اللہ تھے وہ خریطۂ نسیان مین جا پڑے - ظاہر ہے کہ ایسی
پولیٹیکل ضرورت فرقۂ امامیہ کو اسوقت لاحق نہین ہے - پس بلا ضرورت کیون سب وشتم
ولعن کی کارروائی مروج ہو رہی ہے - جس سے مذہب امامیہ کو فائدہ کی عوض نقصان پہنچ رہا ہے
اہل دانش اس امر پر غور کو راہ دین اور مصلحت وقت پر نظر رکھکر اصلاح مناسب کی کوشان
ہون - اب خلاصہ راقم کی تمامتر تحریر بالا کا یہ ہے کہ مذہب امامیہ کو تبرا سے چارہ نہین ہے
بلا تبرا یہ مذہب قائم نہین رہ سکتا ہے مگر سب وشتم ولعن سے اس مذہب کو تمامتر تبرا کرنا چاہیئے
لاریب تولا کو سب وشتم ولعن کی کوئی حاجت نہین ہے - تولا کو صرف تبرا کی حاجت ہے - شعر

بدشمنان منشین حافظا تبرا کن | نجات خویش طلب کن بجان ہشت و چہار

تبرا سے مراد شاعر سب ولعن صحابہ نہین ہے تبرا سے مراد کنارہ کشی از دشمنان خاندان پیغمبر
جو مذہب امامیہ کا تقاضا ہے - راقم کی عرض یہ ہے کہ اس تبرا کی بحث کو حضرات ناظرین
نمبر ۸ کی بحث اہل سنت فرقۂ امامیہ پر جواز لعن کے قائل ہین کے ساتھ ملاحظہ فرمائین -
یہ بحث سابق مین حوالۂ قلم ہو چکی ہے -

نمبر ۵ - عزاداری سے مراد عزاداری جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی ہے اور بہی
آپ کے عزیزان وانصار کی جو دشت کربلا مین شہید تیغ جفا ہوئے - عزاداری یا قولی ہے یا
فعلی - فعلی کی مثال لباس سبز یا سیاہ پہننا - ضریح یا تعزیہ بنانا عزاخانہ کی تعمیر کرنا علم رکھنا
مجلسین قائم کرنا کھانا عزادارون کو کہلانا غربا مین طعام کا تقسیم کرنا ماکولات ومشروبات سے
امیر وغریب سب کی خدمت کرنا - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ ہر ملک مین
عزاداری کے مختلف انداز ہوتے ہین - مثلاً ایران مین علم رکھے جاتے ہین - ہندوستان مین

تعزیے بنائے جاتے ہین - چین مین تعزیہ کا رواج ہے نہ علم کا وہان عشرہ کے زمانہ مین اہل
عزا جنگل کی طرف چلے جاتے ہین اور آگ روشن کرکے انگارون پر لوٹتے ہین - یہان مجھو اس سے
بحث نہین ہے کہ قولی عزاداری یا فعلی عزاداری کو کس نہج پر واقع ہونا چاہئے - ہر ملکے و ہر رسمے
ایک معروف قول ہے سب مجھے یہان نفس عزاداری سے بحث ہے نفس عزاداری ایک
ایسا امر ہے کہ دوستداران آل محمدؐ کو اس سے چارہ نہین ہے - اور دشمنان آل محمدؐ کو اس سے
گریز بھی ایک امر مجبوری ہے - جناب امام حسینؑ کی سالانہ عزاداری اُن حضرت کی شہادت کی
سالانہ یادگار کا حکم رکھتی ہے - دوستداران آل محمدؐ سالانہ عزاداری کے ذریعہ سے واقعہ شہادت
جناب امام علیہ السلام کو زندہ رکھتے چلے آتے ہین اور جب تک ایسی عزاداری کا سلسلہ
قائم رہیگا آپ کی مظلومیت کا مضمون دنیا سے فراموش نہو سکیگا - ہر غیر متعصب کے نزدیک
شہادت جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی برسی جسے انگریزی مین اینیورسری کہتے ہین قرین فطرت
نظر آتی ہے - عظیم الشان واقعات عام اس سے کہ دینی رنگ رکھتے ہون یا دنیوی اینیورسری
کے ذریعہ سے زندہ رکھے جانیکا استحقاق رکھتے ہین - ہر ملک اور ہر قوم مین اکثر واقعات عظیمہ اور
اشخاص گرامی کی برسیان کم و بیش طور پر انجام پاتی رہتی ہین - ہندوستان مین تقسیم بنگال کی
برسی اہل بنگال کیا کرتے تھے - انگلستان مین پریمرز لیگ
کی برسی جو
یادگار لارڈ بیکنس فیلڈ ہے عمل مین لائی جاتی ہے - مین سیکڑون مثالین دینی برسیونکی بھی پیش
کرسکتا ہون - منجملہ انکے گڈ فرائی ڈے اور فاتحہ دوازدہم ربیع الاول ہین یہ سب کی سب ایسی
برسیان ہین کہ اہل مذہب اُن سے روگردان نہین ہوسکتے - امام غزالی صاحب نے جو
ذکر مصائب حسنینؑ کو منع کیا ہے وہ اس بنا پر کہ ایسے ذکر سے حضرت شیخین و حضرت معاویہ
و دیگر صحابہ کیطرف سے دل مین خدشہ پیدا ہوتا ہے - اسی رائے کے پابند حضرات غیر مقلدین بھی
نظر آتے ہین - پوشیدہ نہین ہے کہ جس اصول کی پابندی سے حضرات غیر امامیہ ذکر مصائب
حسنینؑ سے احتیاط رکھتے ہین حضرت امام ابوحنیفہ بھی اس اصول کی بنا پر واقعہ خم غدیر کی
ممانعت فرما گئے ہین جیسا کہ صفحات بالا مین درج ہوچکا ہے - خیر - ذکر مصائب حسنینؑ کسی
مذہب غیر امامیہ مین روا ہو یا نہو - دوستداران خاندان محمدؐ نہ ذکر مصائب حسنینؑ سے باز
آسکتے ہین اور نہ آپ کی عزاداری مین کوتاہی کو راہ دیسکتے ہین - دوست کی یاد ایک فطری امر ہے
دوستداری کا تقاضا فراموشی نہین ہے - اب ذیل مین راقم کتب اہل سنت سے اثبات
عزاداری و نوحہ و مراثی مین ایک مختصر بحث حوالہ قلم کرکے حضرات ناظرین کی توجہ فرمائی کا خواستگار ہے
کتاب اشعۃ اللمعات کی جلد ۴ صفحہ ۶۱۱ مین مذکور ہے کہ جب جناب رسول خدا نے رحلت

فرمائی تو ملائکہ نے آپکی تعزیت فرمائی اور خود خدا تعالےٰ نے اظہار غم سے باز نرہا - یعنی خود خدا تعالےٰ
نے بھی تعزیت کی - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیت ایک فطری امر ہے اور مرضی الٰہی کے
خلاف نہیں ہے - ہر شخص واقف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی ہابیل اپنے فرزند کے
مارے جانیکا مرثیہ ارشاد فرمایا ہے - اور کیون ایسا نکرتے جب اظہار غم کی بنا اصول فطرت پر
واقع ہوئی ہے - پس اگر دوستداران جناب امام حسینؑ و دیگر شہدائے خاندان پیغمبر آنحضرت
کی عزاداری کو ایک امر ضروری سمجھتے ہین تو بہت درست اور بجا ہے - نوحہ اور مراثی شان
عزاداری سے ہے - بلکہ داخل عزاداری ہے - انکو ممنوعات سے شمار کرنا تمامتر خلاف عقل کے

مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۴۴ و سنن نسائی جلد ا صفحہ ۱۶۸ مین بروایت ابوہریرہ مسطور ہے کہ جب
کوئی شخص خاندان پیغمبر سے رحلت کرتا تھا تو عورتین جمع ہوکر روتی تھین - ایک بار حضرت عمر نے
ان عورتونکو رونے سے منع کیا اور انھین نکال بھی دیا - اسپر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے عمر
انھین چھوڑ دو - غم سے آنکھین اشک ریز ہوتی ہین اور دل کو تکلیف ہوتی ہے اور حادثہ بھی
تازہ ہے - اس سے معلوم ہوا کہ بکا ایک جائز امر ہے اور کیون جائز نہو جب یہ تمامتر قرین
فطرت ہے - حضرت عمر کی اس طرح کی سخت کارروائی آپکے مزاج کی افتاد سے خبر دیتی ہے
اپنی شدید المزاجی کے باعث آپنے عورتونکو رونے سے منع کیا تھا اور انکو نکلوا دیا تھا - اگر یہ کارروائی
آپ کی فطرت کے مطابق ہوتی تو کیون جناب رسول خدا اُسکے خلاف اظہار رائے فرماتے - پس
جاننا چاہیے کہ کسیکی مصیبت زدگی پر بکا بقول پیغمبر حکیم جائز رکھتا ہے اور ہرگز فعل معصیت نہین ہے

واقدی کی کتاب المغازی فتوح الشام کے صفحہ ۱۰۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ احد مین
جن جنکے عزیز مارے گئے تھے انکو انکی عورتین روتی تھین - اُن عورتون نے صف ماتم بچھائی تھی -
اسکی خبر جناب رسول خدا کو ہوئی تو آپ یہ سنکر آبدیدہ ہوئے اور اُن عورتونکو بکا سے منع نفرمایا
اس بیان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ شہدائے کربلا کی مجلس کرتے ہین تو کوئی ناجائز کام نہین کرتے

تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۰۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیدہ کبرےٰ نے باپ کی قبر مطہر پر کھڑے ہوکر
نوحہ پڑھا اور ندبہ کیا یعنی آپ کے صفات حسنہ کو بیان کرکے روئی ہین - پھر قبر کی مٹی کو سونگھکر یہ
شعر پڑھا ہے - صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا * صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا - یعنی مجھپر وہ مصیبت
آپڑی ہے کہ اگر وہ مصیبت دنون پر نازل ہوتی تو دن رات کیطرح سیاہ ہوجاتے حضرت عائشہ
بھی یون ندبہ کرتی تھین کہ ہائے وہ مرگیا جسنے پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہ کھائی اور جسنے تخت کے
ہوتے بوریا قبول کیا اور جہنم کے خوف سے راتون کو نیند سے نسویا - اب اہل انصاف دیکھین
کہ ایسی صورت مین مصائب جناب امام حسینؑ اور مصائب اہل بیت پر نوحہ خوانی کس شکل جواز رکھتی ہے

یا نہین؟-

مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت کے صفحہ ۵۶۲ سے بروایت سلمٰی ظاہر ہوتا ہے کہ اُم سلمہ کہتی ہین کہ مینے رسولؐ اللہ کو خواب مین دیکھا کہ سر مبارک و ریش شریف گرد آلود ہے- پوچھا مینے کہ یا رسولؐ اللہ ایسی حالت آپکی کیون ہے- فرمایا جناب رسولؐ خدا نے کہ ابھی مین قتل گاہ حسینؑ مین حاضر تھا- مشکوٰۃ کی ایک اور حدیث ایسی ہی جو ام الفضل سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز مین نے رسولؐ خدا کے حضور مین حاضر ہو کر آپکے نواسے حسینؑ کو آپکی گود مین دیدیا- ناگاہ مینے دیکھا کہ رسولؐ اللہ کی آنکھین اشکبار ہو گئین- مینے پوچھا کہ اس گریہ کا کیا سبب ہے- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ فرزند اُمت کے ہاتھ سے شہید ہوگا اور جبرئیلؑ نے اسکی تربت کی سرخ خاک مجھے لا کر دی ہے- اسی طرح کی اور بھی ایک حدیث مشکوٰۃ مین ہے جسکے راوی ابن عباس ہین- خوف طوالت سے مین اُسے یہان درج نہین کرتا-

سیرۃ المحمدیہ کے صفحہ ۶، ۴ مین مذکور ہے کہ جب حسینؑ قتل ہوئے تو آسمان سے خون برسا اور ظروف خون سے بھرے پائے گئے- آسمان ایسا تیرہ و تار ہو گیا کہ دن کو ستارے نظر آئے اور جس پتھر کو اُٹھاتے تھے اُسکے نیچے سے خون تازہ نکلتا تھا- یہ بھی اُس کتاب مین درج ہے کہ خراسان و شام کے در و دیوار پر آسمان سے خون برسا- ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان اور دیگر دشیا سب کے سب عزادار امام حسینؑ ہوئے- حیف ہے اُن مسلمانون پر جو عزاداری امام حسینؑ سے انکار رکھتے ہین- تماشا ہے حضرت پیر دستگیر کی تحریر- آپ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مین لکھتے ہین کہ یوم عاشورا فرح اور سرور کا دن ہے بروز عاشورا غم نکرنا چاہیے اسلیے کہ یہ فعل روافض کا ہے- اُس روز خوشی اور شادمانی کرنا چاہیے- ایسا کرنے سے اہل سنت کو ثواب ملیگا- حضرات اہل سنت خود انصاف کر لین کہ یوم عاشورہ کو غم کرنا چاہیے یا خوشی منانا مناسب ہے- مگر اُنکے پیشوا حضرت غوث الاعظم جب خوشی اور شادمانی کی ہدایت فرماتے ہین تو اُنکے لیے ایسا ہی کرنا مناسب ہے-

نوحہ اور مراثی کے جواز مین اسقدر لکھنا کافی ہے کہ اہل سنت کی کتاب مدارج النبوۃ مین مراثی دیکھے جاتے ہین اور سر الشہادتین مین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی امام حسینؑ کا مرثیہ داخل کتاب کیا ہے- اہل تشیع کے لیے تو نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی امر جواز کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے- اسلیے کہ جب قافلہ قیدیان اہل بیت نبویؐ کا شام سے واپس آ کر مدینہ طیبہ مین داخل ہوا جناب زین العابدین علیہ السلام نے بشیر شاعر سے فرمایا کہ شہیدان کربلا کا مرثیہ کہہ اور اہل مدینہ کو میرے درد کی خبر دے- بشیر کہتا ہے کہ مین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوچہ

بنی ہاشم مین روتا پھرتا تھا اور بلند آواز سے اپنے مرثیہ کے اشعار پڑھتا تھا - یہانتک کہ مین مسجد جناب رسولِ خدا تک جا پہنچا - وہان مینے دیکھا کہ زنانِ بنی ہاشم جو پردہ نشین تھین بے اختیار نعرے مارتی اور ہائے وائے کرتی اپنے گھرون سے نکلین - اُسوقت مرد اور عورت سب روتے تھے اور انمین سے قافلہ حسینؑ کا ایک بڑا حصہ نوحہ پڑھکر گریہ کرتا تھا - ظاہر ہے کہ دوستداران و پیروانِ حضرت امام حسین علیہ السلام اس عہد کے بھی کیون کر نہ روئین - آئندہ بھی ایسے لوگ رویا کرینگے جیساکہ سابق مین ایسے لوگ رویا کرتے تھے - البتہ اہل سنت حضرت پیر دستگیر کی تبعیت مین جناب امام حسین علیہ السلام کے غم کی شرکت نہین ہو سکتے بیچارے مجبور ہین کیا کرین

متعہ

نمبر ۵۰ - متعہ ایک طرح کا نکاح ہے - دونون مین فرق اسیقدر ہے کہ ایک موقت ہوتا ہے - اور دوسرا دائمی - قرآن مین اسکی حلت درج ہے - متعہ نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے صرف جائز ہے - مگر قرآن اسکو حلال مانتا ہے - اور چونکہ کوئی آیت متعہ کی ناسخ نہین پائی جاتی لہذا امامیہ متعہ کو حلال جانتے ہین اور اسپر انکا عمل درآمد ہے - غیر امامیہ متعہ کو حرام قرار دیتے ہین اس بنیاد پر کہ انکے مقتدائے گرامی حضرت عمر ابن الخطاب نے متعہ کو حرام کر دیا ہے جیساکہ آپ کا فرمودہ ہے کہ اَنَا اُحَرِّمُهُمَا - قول نبیؐ یا قول خلیفہ کیونکر ناسخ قول خداوندی کا ہو سکتا ہے راقم کی سمجھ سے باہر ہے - حضرات غیر امامیہ کیطرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی حدیث نبوی نے متعہ کو منسوخ قرار دیا ہے پس حضرت خلیفہ کا قول اسی حدیث نبوی کی بناپر متعہ کی حرمت کا باعث ہوا ہے - راقم عرض کرتا ہے کہ متعہ کی حرمت کی کوئی حدیث نبوی ہو یا قول خدا کو منسوخ کرنیوالا نہ قول نبوی ہو سکتا ہے اور نہ قول عمری - شیعون کے عقیدہ کے رو سے صرف خدا تعالی اپنے قول کا ناسخ ہو سکتا ہے - نبیؐ و جانشینانِ نبیؐ کو قول خدا کی تنسیخ کا کوئی اختیار حاصل نہین لیکن اہل سنت کو صاف طور سے یہ نہین کہہ سکتے کہ حضرت عمر تنسیخ احکام خداوندی کا اختیار رکھتے تھے - مگر جب اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق آپکے رائے سے اکثر تنزیل آیات ہوا کرتی تھی تو آنحضرت کی رحلت کے بعد حضرت خلیفہ نے اگر کسی حکم خداوندی کی تنسیخ فرما دی تو کیا برا کیا -

اس عقیدہ کی پابندی سے البتہ آیت متعہ کی تنسیخ کے مسئلہ کی صورت آسان ہو جاتی ہے ورنہ بظاہر حرمت متعہ کا حکم عمری حکم نصی کے بالکل خلاف نظر آتا ہے - یہ دلیل راقم کے لیے مطلق تشفی بخش نہین ہے اسلیے کہ یہ امر کہ حضرت عمر کی رائے سے تنزیل آیات ہوا کرتی تھی ایک لا یعنی قول کا حکم رکھتا ہے - اہل عقل کے نزدیک نہ حضرت عمر کی رائے سے کسی

آیت کا نزول ہوتا تھا اور نہ قول عمری کسی قول نصی کا ناسخ ہو سکتا ہے - ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت عمر کی عظمت و جلالت کے اظہار کی نظر سے اہل سنت کہتے ہیں کہ تنزیل آیات حضرت
خلیفہ کی راے کے مطابق ہوا کرتی تھی - یہ ایک ایسا امر ہے جس سے حضرت عمر کی شرکت
فی النبوۃ مستنبط ہوتی ہے بلکہ حضرت رسول کی ماتحتی بھی - یعنی جب حضرت خلیفہ کسی امر کو ناپسند
فرماتے تھے تب آپ کی پسند کے مطابق حکم قرآن نازل ہوا کرتا تھا اور اس میں حضرت نبی کی
پسند اور غیر پسند کو کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اسپر اور ترقی کیجاے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد صاحب
تو محمد صاحب خود خداوند تعالے کو تنزیل قرآنی میں حضرت عمر کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھنا ضرور ہوتا
تھا - اگر ایسا نہوتا تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ تنزیل آیات آپکی راے کے مطابق ہوتی تھی - محمد صاحب
تو تنزیل و تبلیغ آیات کے صرف ایک وسیلہ تھے - جو احکام خداوندی آتے تھے انھیں بندگان
خدا تک پہنچا دیتے تھے - اور اپنی پسند اور ناپسند کو اسمیں دخل نہ دے سکتے تھے - ظاہر ہے کہ یہی
کام رسول کا ہے - مگر نزول آیات جب حضرت عمر کی مطابقت راے کے ساتھ ہوتی تھی تو خداوند تعالے
کو تنزیل آیات سے پہلے حضرت عمر سے دریافت راے کر لینا ہوتی ہوگی جس سے شرکت فی النبوۃ تو
درکنار حضرت ممدوح کی شرکت فی الالوہیت آشکارا ہوتی ہے - یہ عقیدہ تو جناب بحر العلوم مولوی
عبد العلی صاحب کے اُس عقیدہ سے بھی بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس سے حضرت عمر کا صرف
اتالیق رسول اللہ ہونا ظاہر ہوتا ہے - جناب بحر العلوم صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی رسول اللہ کو اس
عالم سے سروکار رہتا تھا جہاں ملائکہ مقربین کا بھی گذر نہیں ہو سکتا تھا اور کبھی ایسے عالم کیطرف اتر
آتے تھے جو دنیوی پایہ رکھتا تھا - چنانچہ جسوقت آخر وقت میں پیغمبر خدا نے یہ فرمایا تھا " ایتونی
بقرطاس و قلم اکتب لکم شیئا لا تضلوا بعدی " اسوقت آپ عالم اسفل کیطرف اتر آے تھے -
آپ کی اُسوقت کی نامطبوع حالت سے واقف ہو کر حضرت عمر نے آپ کے خیال پست کی
اصلاح فرما دی جسپر آپ نے مکرر اعوذ باللہ فرمایا - راقم کہتا ہے کہ جب تنزیل قرآنی میں حضرت
عمر کو دخل حاصل تھا تو بیشک محمد صاحب کی ذاتی اصلاح میں حضرت خلیفہ پر کیونکر دشوار ہو سکتی
نہیں - مگر راقم جناب مولوی صاحب کے عقیدہ کی شرکت نہیں کر سکتا - اس لیے کہ
فرمودہ حضرت رسول خدا سے ہرگز ایسا ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ وقت فرمانے ایتونی بقرطاس
کے آپکے خیالات عالم اسفل کیطرف تنزیل کر گئے تھے - اگر ایسا ہوتا تو آپ لا تضلوا بعدی
کا جملہ ارشاد نفرماتے - یہ ایک جملہ ہے جس سے آپکے قول پاک کا اہم ہونا نمایاں ہوتا ہے
یعنی آپ کوئی ایسی تحریر حوالہ قلم کرنیکو تھے جو آپ کی اُمت کو گمراہی سے بچانے والی یقیناً
تھی - ظاہر ہے کہ ایسی تحریر عالم اسفل سے تعلق نہیں رکھ سکتی ضرور اُسوقت آپکا خیال

کسی اعلیٰ امر کیطرف رُخ کیے ہوئے تہا۔ مگر حضرت عمر اسکے انداز کو سمجھ نہ سکے اور اپنے تقاضائے فہم سے جناب رسول اللہ کے خیال پاک کی اصلاح کیطرف مائل ہوگئے۔ آخر مین حضرت رسولِ خدا کا مکرر طور پر اعوذ باللہ فرمانا بہی اپنی پست خیالی کے اعتراض کی بنا پر نہ تہا بلکہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کی نافرمانی سے آپ کو جو سخت تکلیف ہوئی اُسپر آپ مکرر طور پر اعوذ باللہ فرماتے گئے۔ بیشک تقاضائے فطرت سے یہ مقام اعوذ باللہ پڑہنے کا تہا بہی کہ یا تو ہمیشہ آپکے حکم کی تعمیل اصحاب اور جمیع مسلمانان آپکے گذشتہ حصہ ہائے عمر مین کیا کرتے تہے یا اب یہ حال ہے کہ مرض موت مین جو آپ مبتلا ہین اور قلم و قرطاس لانیکا حکم حاضرین مجلس کو دیتے ہین تو حضرت کے حکم کی تعمیل نہین کیجاتی ہے اُسپر طرہ یہ ہے کہ حضرت عمر بجائے تعمیل ارشاد نبوی کی مخالفت ہی نہین کرتے بلکہ آپ کی طرف ہذیان گوئی کی نسبت بہی کرتے ہین۔ جیسا کہ آپ کے قول۔ قد غلب علیہ الوجع الی آخرہ سے عیان ہوتا ہے۔ ایسی بے بسی کی حالت مین آنحضرت اگر اعوذ باللہ مکرر طور پر زبان مبارک پر جاری نفرماتے تو کیا کرتے۔ جناب مولوی عبد العلی صاحب نے بلاشبہ اپنی توجیہات بالا مین مولویت کی بڑی داد دی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بحر العلوم صاحب کی توجیہات کو معاملہ فطرت سے کوئی علاقہ نہین معلوم ہوتا۔ اب اہل انصاف خود اس امر کی تجویز کرلین کہ تنزیل آیات قرآنی مین حضرت عمر کو کوئی دخل تہا یا نہ تہا یا یہ کہ حضرت عمر کی اتالیقی قرین عقل معلوم ہوتی ہے یا نہین۔ حق یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اپنے حضرات خلفائے ثلثہ کی محبت مین ایسی ازخود رفتگی رکہتے ہین کہ خدا و رسول کیسیکی عزت اور عظمت کا انہین کوئی خیال باقی نہین رہتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل سنت کے لیے جو کچھ ہین حضرات خلفائے ثلثہ ہین۔ خدا و رسول صرف واجبی واجبی حیثیت رکہتے ہین۔ بحر العلوم اور آپ کیطرح کے دیگر علمائے اہل سنت کو دیکہکر حیرت سے انگشت بدندان ہونا پڑتا ہے۔ دنیا مین عجیب و غریب چیزین بہت ہین مگر جملہ مذاہب اہل سنت اعجب العجائب ہے۔ المختصر جاننا چاہیے کہ مسئلہ متعہ نصّی یعنی قرآنی بنا رکہتا ہے اور اسکی حرمت حدیث نبوی یا قول عمری سے نہین مانی جا سکتی۔ عند التحقیق یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ متعہ حکم خداوندی کے رو سے ایک حلال امر ہے۔ اور جناب رسول خدا اور حضرت ابوبکر کے وقت تک حلال رہا۔ اسکو حرام صرف حضرت عمر نے قرار دیا اور آپ کے حکم تحریمی کے وقت سے متعہ کو اہل سنت حرام ماننے لگے۔ کوئی شک نہین کہ عہد رسول اللہ مین اور نیز عہد حضرت ابوبکر مین متعہ ایک امر حلال سمجھا جاتا تہا جیسا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہین کہ متعہ کیا ہمنے عہد رسول اللہ اور عہد ابوبکر مین اور اسیطرح ترمذی کی جلد ۱ صفحہ ،، اسے ظاہر ہوتا ہے کہ مرد شامی نے حضرت عبد اللہ

ابن عمر سے سوال کیا کہ آیا حج متعہ کا ساتھ عمرہ کے حلال ہے لیکن تمہارے باپ نے اُسے حرام
کیا ہے - حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ میرے باپ نے اُسے حرام کیا ہے مگر جناب رسول
خدا نے اُسے حلال کیا ہے کیا مین سنت نبوی کو ترک کرون اور اپنے باپ کے قول کی پیروی کرون
اب دیکھنا ہے کہ متعہ خود کیسا امر ہے - جاننا چاہیے کہ جس طرح نکاح مذہب اسلام مین ایک
سوِل کانٹریکٹ یعنی معاہدہ دیوانی ہے اسیطرح متعہ بھی ویسا ہی معاہدہ ہے
موقّت اور غیر موقّت کے علاوہ متعہ اور نکاح مین فرق اس بات کا بھی ہے کہ متعہ مین طلاق
نہین ہے جیسا کہ نکاح مین طلاق ہے - یعنی متعہ وقت معین کے اندر زائل نہین کیا جا سکتا ہے
برخلاف نکاح کے کہ کسی وقت مین طلاق کے ذریعہ سے زائل کر دیا جا سکتا ہے - چونکہ بفتوائے
عقل متعہ ایک غیر معیوب معاہدہ ہے اسکی خوبی سے دنیا کے شائستہ اشخاص انکار نہین کر سکتے
چنانچہ مسٹر ایک ولایتی صاحب جو ہندوستان مین ایک وقت اعلےٰ درجہ کے حاکم عدالت تھے
اس معاہدہ کے کاربند ہوئے تھے - یہ صاحب راقم کے دوستون مین سے تھے - اُنہون نے
اپنی قوم کی ایک شریف عورت سے تین برس کے لیے متعہ کیا تھا اور انکی میم صاحبہ سوسائٹی
مین دیگر بیاہی بیبیون کیطرح شرکت کرتی تھین - چونکہ صاحب موصوف مذہب عیسائی کے
پابند نہ تھے اور حسن و قبح عقلی کا اعتراف رکھتے تھے اسطرح کی مواصلت کو معیوب نہین
جانتے تھے - پوشیدہ نہین ہے کہ اب متعہ کی عمدگی اہل امریکہ پر ہویدا ہونے لگی ہے اور عجب
نہین کہ رفتہ رفتہ شائستہ اقوام دنیا مین اسکا رواج ہو جائے - جاننا چاہیے کہ متعہ اور نکاح
دونون مبنی بر اصول واحد ہین اور دونونکی غرض بھی واحد ہے - دونون زنا سے بچنے کا وسیلہ ہین
اسلام نے مسلمانون کو زنا سے بچانے مین بہت کوشش کی ہے - عدد ازواج کا چار تک جائز
رکھا ہے اور محرمات کے ایک ضروری اور معقول حد تک قائم کر دیے ہین نکاح کے ساتھ متعہ کو
حلال کر دینے سے خداوند تعالےٰ نے اپنے ماننے والون کو وہ آسانی مواصلت حلال مین
بخشی ہے جو منکرین متعہ کو نصیب نہین ہو سکتی - مواصلت حلال مین عدم آسانی حرمت متعہ کا
نتیجہ ہے اور اس عدم آسانی کا نتیجہ زنا ہے بلکہ زنا سے بھی بدتر نتیجہ حرمت متعہ پیدا کر سکتی ہے
جیسا کہ اُسکا نتیجہ حضرت عمر مین ظہور ہوا اُسوقت سے کوئی ایسی شئے متعہ کا بدل نہین قرار دیگئی ہے
جس سے زنا سے بھی کسی شنیع تر فعل کا انسداد قائم ہو سکے - اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے
کہ جب حکم حرمت متعہ کا بلاد اسلام مین شائع کیا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ مین شام کے حاکمون نے
حضرت خلیفہ کو اطلاع دی کہ منع متعہ کے باعث لشکر اسلام مین سخت افعال غیر فطری پھیل گئے ہین
یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے - حرمت متعہ کے حکم سے ایسی بلاؤنکا پیدا ہو جانا خلاف توقع نہ تھا

جائے غور ہے کہ اہل عرب جیسی گرم مزاج قوم اور یہ حرمت متعہ کا حکم - معاذ اللہ - ایسے
حکم سے جو نہ ہوتا تعجب ہی تعجب تھا - امیر المومنین علیؑ نے خوب فرمایا ہے کہ ابن الخطاب نے
متعہ کو حرام ٹھیرایا لیکن اگر متعہ کی ممانعت نہ کیجاتی تو شاید ہی ایسا کوئی کمبخت ہوتا جو زنا کرتا -
(دیکھو تفسیر طبری) -

واضح ہو کہ اسلام نے چار نکاح تک ازدواج جائز رکھا ہے یہ حکم نکاح نہ فرض ہے نہ واجب
چاہے مرد ایک نکاح کرے یا چار تک یا بحالت مجبوری ایک نکاح بھی نکرے - سب جائز ہیں
وہ اپنے فعل کا مختار ہے - جو حضرات ایک نکاح ایک نکاح کا شور مچاتے رہتے ہین انکو جاننا
چاہیے کہ اگر خدا تعالے نے صرف ایک نکاح کا حکم صادر فرمادیا ہوتا تو اسلام کا مذہب اگرچہ کسی
ضعیف البلاد ملک مین قائم ہوتا تو ہوتا عرب مین تو نہین قائم ہو سکتا تھا - جس قوم کے مردون کی
یہ حالت ہو کہ روزہ داری کی حالت مین بھوک پیاس سے انہین کوئی بحث نہو اور عورت ہی
روزہ افطار کرنیکو بہترین افطار جانین ایسی قوم مین ایک عورت پر قناعت کرنیکی فرمائش دیوانگی
کا حکم رکھتی تھی - ایسی قوم اسطرحکی محدود مواصلت کے ساتھ زنا سے بچ ہی نہین سکتی تھی -
پس چار مناکحت کی اجازت مصالح اخلاقی سے خالی نہین تھی - جن قومون نے مناکحت واحدہ
کو اختیار کرلیا ہے اور اُسپر فخر و ناز کیا کرتے ہین اُنہین بہت فخر و ناز کرنیکی صورت حاصل نہین ہے
پیرس اور لندن مین مناکحت واحدہ کے باعث جو جو بے اعتدالیان ہوا کرتی ہین وسعت خیال سے
باہر ہین - ایک بی بی ایک بی بی کوڑھن ہو تو بھی ایک بی بی بانجھ ہو تو بھی ایک بی بی - جہان
اسطرحکی ایک بی بی کی قید ہے وہان جو فحش نہو خلاف توقع نہین ہے -
تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان ایک بی بی کی قید ہے وہان ایک بی بی سے صرف فحش کی
پردہ داری مراد ہے - اسلام نے بڑی عقلمندی سے ایک بی بی کی قید کو دور کردیا - زنا سے
بچنے کے لیے چار بیبیون تک کی اجازت دیدی اور نکاح سے بھی آسان طریقہ مواصلت
حلال کا متعہ کے ذریعہ سے بتادیا - اگر متعہ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو لشکرہائے سرکاری مین
مانزادیون سے تعلق کی کوئی حاجت باقی نرہے - اسوقت فوجی انتظام سپاہیون کے رفع
ضرورت کا یہ ہے کہ ہر لشکر سرکاری کے ساتھ نیچے درجہ کی رنڈیان رکھی جاتی ہین اور جہان جہان
وہ لشکر جاتا ہے وہ رنڈیان بھی انکا لدان کی طرح ساتھ ساتھ تبدیل مقامات کرتی پھرتی ہین +
سرکار کو اس سے کوئی مطلب نہین کہ لشکری فعل حلال کرتے ہین یا فعل حرام سرکار کو اسی قدر
دیکھنا ہے کہ فوجی انتظام مین کوئی فتور نہ پڑے - ظاہر ہے کہ اگر اسیطرح پر رنڈیون کی فراہمی
عمل مین نہ لائی جائے تو وہی طوفان بدتمیزی سرکاری لشکر مین بھی پیدا ہو جو لشکر شام مین

فوراً ممانعت متعہ کے بعد شروع ہوگیا تھا۔ فقیر کی دانست مین تعدد ازدواج اور متعہ کی اجازت انسداد زناکی بہترین شکلین ہین۔ اسی سے قرآن پاک نے ان دونون طریقہ مواصلت کو حلال قرار دیا ہے۔ البتہ ایسا شخص جو زنا کو ایک معیوب امر نہین جانتا وہ ایسی نفعی اجازتون کا قدردان نہین ہوسکتا۔ لاریب تعدد ازدواج کا اور متعہ کا وہی قدرشناس ہوسکتا ہے جو انکی ضرورتون سے واقف ہے۔ اور جو زنا کو ایک ہولناک امر جانتا ہے۔ مین اس تحریر کو غیر اسلام کے مقابلہ مین نہین لکھ رہا ہون ورنہ میری تحریر کا جداگانہ انداز ہوتا۔ مین مسئلہ متعہ پر مسلمان ہوکر رائے زنی کر رہا ہون اور مسلمان ہوکر مین متعہ کی حرمت کا قائل نہین ہوسکتا۔ متعہ کے حرام کیے جانیکے بعد جو دشواریان مسلمانون کو محسوس ہونے لگین اُنکے ازالہ کے لیے امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اجتہاد فرمایا ہے کہ خرچی چکاکر بلا نکاح اگر کوئی مسلمان کسی عورت کے ساتھ قربت کرے تو یہ خرچی اُس عورت کیواسطے حلال ہوگی اور ایسے شخص پر زنا کی حد بھی جاری نہ کی جائیگی۔ ظاہر ہے کہ اگر متعہ حرام نکردیا جاتا تو امام اعظم صاحب کو ایسے اجتہاد کی ضرورت نہ پڑتی۔ بہرحال حضرات احناف اُس اجتہاد کو جو کچھ اچھا سمجھین مگر راقم کی دانست مین متعہ ایسے اجتہاد سے ہزارون درجہ اشرف معلوم ہوتا ہے۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ ایسا حکم جو کچھ زنان بازاری اور اُنسے تعلق کرنے والون کیلئے مناسب حال ہو۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ اسکا ابتذال بحد نفرت انگیز ہے۔ یہ حکم مسلمانون کی ذاتی اور قومی شرافت کو زائل کرنیوالا نظر آتا ہے۔ اہل انصاف کی نظر مین ایسا اجتہاد ہرگز مذہبی وقعت نہین رکھ سکتا۔ اور کوئی صاحب عقل و تہذیب اسکی پابندی نہین کرسکتا۔

ذیل مین راقم کتب اہل سنت سے مسئلہ متعہ کی نسبت اپنی تحقیق حوالہ قلم کرکے ناظرین سے توجہ فرمائی کا طالب ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ خدا تعالے نے قرآن شریف مین فرمایا ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

یعنی جن عورتون سے تمنے متعہ کیا اُنکے دین مہر کا ادا کرنا فرض ہے۔ بیضاوی لکھتے ہین کہ یہ آیت باب متعہ مین نازل ہوئی اور تین دن تک یہ حکم فتح مکہ کے وقت تک جاری رہا بعدہ منسوخ ہوگیا مگر اس حکم کی ناسخ کوئی آیت نہین دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ نودی جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمران بن الحصین کہتے ہین کہ جناب رسول خدا نے متعہ کو تاحیات خود حرام نہین کیا اور نہ قرآن شریف مین کوئی آیت متعہ کی ناسخ نازل ہوئی۔ پھر اُسی صفحہ مین عمران بن الحصین کہتے ہین کہ قرآن مین آیت متعہ نازل ہوئی یعنی متعہ حج کی آیت اُتری اور رسول خدا نے مجھے متعہ کا حکم دیا۔ پھر نہ اس آیت متعہ کی ناسخ نازل ہوئی اور نہ رسول اللہ نے متعہ کو حرام کیا۔

لیکن حضرت عمر نے خود رائی سے جیسا چاہا ویسا کیا۔ جائے غور ہے کہ بیضاوی متعہ کے منسوخ

ہوتیگے مضمون کو حوالۂ قلم کرتے ہین مگر متعہ کی ناسخ آیت کا کوئی ذکر نہین کرتے - بیشک
اگر کوئی آیت ناسخ ہوتی تو ضرور اُسکا حوالہ دیتے - حق یہ ہے کہ ایسی کوئی ناسخ آیت ہے ہی
نہین - جیساکہ امام نووی کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے - آیت متعہ کے غیر منسوخ ہونیکی یہ بھی ایک
دلیل ہے کہ تفسیر اتقان نوع ۴۷ صفحہ ۱۳۱) کے باب فی الناسخ والمنسوخ مین آیت متعہ داخل
منسوخات نہین دیکھی جاتی - اسی طرح ملاجیون جونپوری نے اپنی تفسیر مین آیت متعہ کو آیات
احکام مین داخل کیا ہے - آیت متعہ کے غیر منسوخ رہنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ حسب مضمون تاریخ
ابن خلکان صفحہ ۳۰۵) متعہ عہد رسول اللہ اور عہد خلیفہ اول مین جاری رہا - اگر کوئی آیت حکم متعہ کی
ناسخ نازل ہوئی ہوتی تو اُس سے بیخبر رہنا حضرت رسول خدا اور خلیفہ اول کا ممکن نہ تھا - بہت
جائے تعجب ہے کہ اُس سے حضرت عمر واقف تھے اور حضرت رسولؐ اور خلیفہ اول واقف نہ تھے
المختصر یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ آیت متعہ کی ناسخ کوئی آیت نازل نہین ہوئی - کچھ علمائے
اہل سنت جو سورۂ المومنون اور سورۂ معارج کی بعض آیتون سے آیت متعہ کو منسوخ ثابت کرنا
چاہتے ہین اتنا نہین سمجھتے کہ اُن سورتون کی وہ آیتین مکی ہین اور آیت متعہ جو سورۂ نسا کی آیت ہے
وہ مدنی ہے - پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ آیت ہائے ناسخ آیت منسوخ سے پہلے نازل ہوئین
یعنی قبل وجود متعہ کے حکم منع متعہ کا خلاف عقل و نقل ہے -

حضرت عمر نے بر سر منبر فرمایا کہ متعۂ نسا اور متعۂ حج دونون عہد رسول اللہ مین حلال تھے مگر اب
مین اُنہین حرام کرتا ہون (دیکھو تفسیر کبیر رازی جلد ۳ صفحہ ۲۸۹ تاریخ الخلفا کے باب اولیات
عمر صفحہ ۱۳۴ مین بھی دیکھا جاتا ہے کہ حضرت خلیفہ نے متعہ کو حرام کیا - ابوالفدا بھی اپنی تاریخ
مین ایسا ہی لکھتے ہین اور موطا کے صفحہ ۱۹۶) مین بھی یہی مضمون درج ہے - اب دیکھنا ہے کہ
حضرت عمر کو حکم متعہ کے منسوخ کرنے کا حق حاصل تھا یا نہین - حضرت رسولؐ خدا اور خلیفہ اول
تو یہ حق حاصل نہ تھا کسواسطے کہ اگر ہوتا تو ضرور حضرت رسولؐ خدا اور حضرت خلیفہ ایک ایسے امر
اہم مین امتناعی حکم صادر فرماتے جیساکہ حضرت عمر نے کر دکھایا - تب ایسا اختیار حضرت عمر نے
کہان سے حاصل کیا - ضرور ہے کہ ایسی کارروائی آپ نے مجتہد کی حیثیت سے اختیار کی ہو
چنانچہ علامہ قوشجی شرح تجرید کے صفحہ ۳۸۵) مین یہ لکھکر کہ حضرت عمر منبر پر گئے اور متعۃ النسا اور
متعۂ حج کو حرام کیا نیز حی علی خیر العمل کو متروک کر دیا فرماتے ہین کہ مجتہد کو جائز ہے باختلاف مسائل
فتوے دینا - اب سوال یہ ہے کہ حضرت عمر مجتہد سہی مگر آپ کو یا حضرت ابوبکر یا حضرت رسولؐ
خدا کو احکام قرآن کے منسوخ کرنیکا اختیار حاصل تھا یا نہین - حضرت رسولؐ خدا کو تو بالیقین
یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ قرآنی احکام سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی منسوخ فرما سکتے قرآنی احکام

کو منسوخ کرنے کا اختیار صرف خدا تعالےٰ کو حاصل تھا جیسا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ احکام دیکھے جاتے ہیں یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ کوئی حدیث نبوی کسی آیت قرآنی کی ناسخ مانی جائے جیسا کہ فرمودہ جناب رسولؐ خدا ہے کہ جو ہماری حدیث قرآن کے موافق ہو اسکو قبول کرو اور جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو اسکو رد کرو۔ (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۵۳۰) جب یہ حال حدیث نبوی کا ہے تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے اقوال کیا ہیں جو کسی قرآنی حکم کے ناسخ قبول کیے جائیں۔ لاریب یہ اجتہاد حضرت عمر کا حکم خداوندی کے خلاف ہونیکے باعث ہرگز کسی مسلمان کیلیے قابل اتباع نہیں ہے اب دیکھنا چاہیے کہ اصحاب رسولؐ اللہ سے کون کون حضرات اس اجتہاد عمری سے موافقت رکھتے تھے اور کن کن کو اس سے اختلاف تھا۔ خدا کے حکم متعہ کے ساتھ موافقت کرنیوالے یعنی حضرت عمرؓ کے مخالف یہ حضرات۔ عبداللہؓ ابن عباس۔ عبداللہؓ ابن مسعود۔ جابرؓ بن عبداللہ انصاری۔ سلمہؓ بن الاکوع۔ ابوسعیدؓ الخدری۔ سعیدؓ بن جبیر۔ مجاہدؓ۔ عبداللہؓ ابن عمر۔ عمرانؓ بن الحصین۔ عکرمہؓ غلام ابن عباس اور ابوموسےؓ اشعری تھے۔

واضح ہو کہ خاندان پیغمبرؐ کے ائمہ طاہرین بھی اجتہاد عمری سے کنارہ کش رہکر حکم متعہ کے پابند ہیں (دیکھو شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۹۰) خدا کے حکم متعہ سے مخالفت کرنیوالے اور اجتہاد عمری کا ساتھ دینے والے ممتاز اشخاص میں۔ حضرت عثمان اور ابن زبیر دکھائی دیتے ہیں۔ جو خود متعہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اب آگے چل کر ہم اور بھی چند ضروری امور حکم متعہ کے متعلق جو مستند کتابوں میں پائے جاتے ہیں حوالہ قلم کرتا ہے۔

نووی کے صفحہ ۳۰۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس فتوے دیتے تھے متعہ کی حلت میں اور ابن زبیر متعہ کو حرام قرار دیتے تھے۔ ابونضرہ راوی نے اس اختلاف کو جابر انصاری کے آگے پیش کیا۔ جابر نے کہا کہ ہم نے رسولؐ خدا کی ہمراہی میں متعہ کیا۔ مگر حضرت عمر بگڑ کھڑے ہوئے اور بولے کہ خدا نے متعہ کو قرآن میں نازل کیا۔ خیر۔ تم لوگ حج وغیرہ کو تمام کرو اسکے بعد نکاح متعہ کو ترک کرو۔ پھر جو شخص متعہ کریگا ہم اُسے سنگسار کرینگے۔ راقم کہتا ہے کہ اے جناب عمر آپ کون ہیں جو پیروان حکم خدا کو سنگسار کرنیکے واسطے موجود ہو گئے۔ آپ خدا نہیں کہ آیات قرآنی کو منسوخ کر سکیں رسولؐ بھی ہوتے تو آپ نہیں کر سکتے۔ حکم خدا و رسولؐ میں بیجا خدا و رسولؐ کی دست اندازی کیسی۔ واقعی حضرت عمر کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ حضرت نے ایک خاص طرح کا مزاج پایا تھا جہاں دیکھو وہاں آپ خودسری برتتے دکھائی دیتے ہیں۔ صلح حدیبیہ آپ کو پسند نہیں۔ صلح حدیبیہ کی بنا پر آپکو آنحضرتؐ کی رسالت میں اسقدر شک واقع ہوا کہ آپ اپنے شک کو چھپا نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ صلح ظہور میں نہ آتی اور کفار مکہ سے لڑائی کی نوبت پہنچ جاتی تو ان حضرت سے آنحضرتؐ کو کیا مدد پہنچتی۔ کبھی آپ سے آنحضرتؐ کو غزوات و سرایا میں مدد پہنچی تھی جو اب کوئی مدد پہنچتی۔

خیر۔ اس سرسری طور پر خدا کے حکم متعہ کو حرام کر دینا حضرت عمر کے مزاج خاص سے خبر دیتا ہے
اگر یہی ہوتا کہ آپ کو علم قرآن و حدیث میں بڑا دخل تھا جسکی بنا پر آپ حکم متعہ کو منسوخ کر سکتے۔ تو خیر
ایک بات تھی۔ حضرت کا علم قرآن اور حدیث کا بالیقین ناقص تھا اور لاریب ذاتی طور پر حضرت کے
اجتہاد کی استعداد بھی نہ تھی۔ آپ کا اجتہادی کمیٹی قائم کرنا جسکے ممبر زید ابن ثابت وغیرہ تھے
بڑی دلیل اسکی ہے حضرت علیؑ کی طرح آپ ذاتی طور پر اجتہاد میں تل بھر قدرت نہیں رکھتے تھے
آپ فقہی مسائل میں بھی غلطیاں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سابق میں دکھلایا جا چکا ہے اور بعض
فقہی مسئلہ کو تو آپ آخر وقت تک سمجھ بھی نہ سکے۔ ایسی ناکافی استعداد کے ساتھ حضرت کا
آیت متعہ پر حکم تحریمی صادر کرنا حیرت سے خالی نہیں ہے۔ خیر۔ حضرات ناظرین اب اور ارباب
علم کی تحقیقات پر نظر غور ڈالیں۔ واضح ہو کہ امام نووی کہتے ہیں کہ ابو موسےٰ اشعری حلت
متعہ کا فتوےٰ دیتے تھے اور اپنے فتوے کی صحت پر حدیث نبویؐ سے دلائل پیش کرتے تھے
تفسیر نیشا پوری جلد ۳) صفحہ ۴۹) سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ممتوعہ ازواج منکوحہ کا حکم رکھتی ہیں
پس اس تفسیر کے رو سے حلت متعہ ثابت ہے۔ ہدایہ جلد ۱) کتاب النکاح صفحہ ۲۹۳) سے
ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ حضرات احناف کے نزدیک باطل ہے مگر امام مالک اسکو جائز جانتے ہیں
اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ متعہ صحیح ہے اسلیے کہ نکاح شرط فاسد کے باعث باطل نہیں ہو جاتا ہے
تفسیر کشاف سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس حلت متعہ کے ہمیشہ قائل رہے اور اسکی
حرمت کی طرف رجوع نہیں کیا۔ نووی کی جلد ۱) صفحہ ۴۵۱) میں مرقوم ہے کہ جابر بن عبداللہ
انصاری کہتے ہیں کہ ہمنے متعہ کیا عہد رسول خدا اور عہد ابوبکر میں۔ ترمذی کی جلد ۱) صفحہ ۱۰۰) میں
دیکھا جاتا ہے کہ ایک مرد شامی نے عبداللہ ابن عمر سے متعہ حج کی نسبت۔ سوال کیا ابن عمر نے
جواب دیا۔ کہ متعہ حلال ہے۔ سائل نے اسپر یہ اعتراض کیا کہ آپ کے باپ نے اُسے
حرام کیا ہے۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ اگرچہ میرے باپ نے اُسے حرام کیا ہے مگر جناب رسول
خدا نے اُسے حلال کیا ہے۔ کیا میں ترک کروں نبیؐ کی سنت کو اور تبعیت کروں اپنے باپ کے قول کی
نووی کی جلد ۱) صفحہ ۴۰۲) میں مندرج ہے کہ عمران ابن الحصین کہتے ہیں کہ آیت متعہ قرآن میں
نازل ہوئی اور ہمیں رسول اللہ نے متعہ کا حکم دیا اور آیت متعہ کی ناسخ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی
اور نہ رسول اللہ نے متعہ کو حرام کیا لیکن حضرت عمر نے خود رائی سے اسکو حرام کر دیا۔ قسطلانی
جلد ۸) صفحہ ۵۰۳) کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے متعہ کو حلال بیان کیا ہے اور جگہ
اُنکے خلاف یہ کہا ہے کہ ضرورت شدیدہ میں متعہ جائز ہے۔ اُسی کتاب میں مندرج ہے کہ
سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں کہ ہم لشکر میں تھے کہ جناب رسول خدا تشریف لائے اور ارشاد

فرمایا کہ تم لوگون کو اجازت ہے کہ متعہ کرو پس ہمون نے متعہ کیا - نووی جلد ۱ صفحہ ۴۵۰ مین مسطور ہے کہ قاضی باقلانی کہتے ہین کہ متعہ کے صیغہ مین اگر قید میعاد زبانی نکرے صرف میعاد کو دلمین بطور نیت کے رکھے تو ایسا متعہ حلال ہے اُسی کتاب مین یہ بھی مندرج ہے کہ ابو موسے اشعری حلت متعہ کا فتوے دیتے تھے - ایک روز ایک شخص نے کہا کہ صبر کرو کیا تم نہین جانتے ہو کہ حضرت عمرؓ نے مناسکِ حج مین متعہ کو حرام کیا ہے - ابو موسے نے عند الملاقات حضرت عمر سے دریافت حقیقت کی اسپر حضرت عمر نے جواب دیا کہ بیشک نبیؐ نے اور اصحاب نبیؐ نے متعہ کیا ہے لیکن مینے مکروہ جانا اس امر کو کہ ایام حج مین لوگ مزے اُڑائین اور غسل کا پانی اُنکے سرون سے ٹپکے سبحان اللہ - حرمت متعہ کی وجہ خوب بیان فرمائی - خدا تعالے تو بندہ کی آسانی کا لحاظ فرمائے مگر حضرت عمر کو یہ آسانی مکروہ معلوم ہو - یہان تو حضرت عمر نے رسول اللہ کی اتباع سے ترقی کر کے خود خدائے پاک کی جگہ غضب فرمائی - اس شدید المزاجی کی کوئی حد بھی ہے کاش اس شدید المزاجی کا سولھوان حصہ بھی آپ کو فطرت نے شجاعت بخشی ہوتی - ایسا ہوتا تو اسلام طرح طرح کی ذلتون سے محفوظ رہجاتا - اسلام کی ساری بدحالیان حضرت عمر کی شدید المزاجی سے نتیج ہوتی گئی ہین - خاندان پیغمبرؐ کی تباہی خاندان پیغمبرؐ کے مصائب اسلام مین مذہبی تفرقے وغیرہ وغیرہ یہ سب آفتین حضرت عمر کی بدولت ظہور مین آتی گئی ہین -

حضرات متعصبین اسکو نمانین تو نمانین مگر اسلام کے مفاسد کے سبب قریب یا سبب بعید حضرت عمرؓ ہی نظر آتے ہین - خاندان پیغمبرؐ کے خون کی دہارین تو آپ کی وجہ سے روان ہوتی ہی گئی ہین - آپ کی بدولت دین محمدی بھی دین محمدی نہین رہا - اسوقت مین جو دین اسلام ہے یقیناً دین عمری یا دین زید ابن ثابت ہے ہرگز دین محمدی نہین ہے - دین محمدی دین اہلبیتؑ محدود رہگیا ہے - اور اب دین محمدی کو دین عمری سے اسوقت علیحدہ کرنا آسان کام نہین ہے آخر مین نووی کی اُسی جلد کے صفحہ ۴۰۱) سے ایک حدیث بروایت سعید بن المسیب درج کرتا ہون جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موضع عسفان مین علیؑ اور عثمانؓ جمع ہوئے - علیؑ متعہ کو حلال اور عثمانؓ متعہ کو حرام کہتے تھے - علیؑ نے عثمان سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو آیا جس امر کو جناب رسولؐ خدا نے حلال کیا ہے تم اُسے حرام کر دگے - اسی مضمون کی حدیث اسی کتاب مین عبد اللہ بن شقیق سے بھی مروی ہے - حضرت عثمانؓ کا متعہ کو حرام ٹھیرانا حضرت عمر کے فعل کی بنا پر تھا خود حضرت عثمان کو کیا صلاحیت حاصل تھی کہ کسی آیت قرآنی کا فیصلہ کر سکتے - ممکن ہے کہ مروانؔ نے متعہ کی حرمت آپسے کہدی ہو یا کسی اور شخص نے ایسا خیال آپکے دماغ مین پیدا کر دیا ہو مگر حضرت علی علیہ السلام کا متعہ کو حلال جاننا البتہ ایک قابل لحاظ امر ہے - اس لیے کہ

آپ کے برابر تمام اُمت رسولؐ اللہ مین کوئی شخص صاحب علم اور صائب الرائے نتہا۔ المختصر اہل سنت کی تمام تفاسیر و احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت متعہ صرف ایجاد حضرت عمرؓ ہے اور یہ حکم اُنکا تمامتر حکم خدا اور رسولؐ کے صریحاً خلاف ہے۔ اہل فہم جو تعصبات سے بری ہین متعہ کو حرام نہین کہہ سکتے اسلیے کہ حضرت رسولؐ و علیؑ و ائمۂ طاہرینؑ سب کے سب کو امر متعہ مین تمامتر حکم خداوندی کے ساتہ اتفاق ہے۔ عقل بہی کہتی ہے کہ جس امر پر حضرت رسولؐ و ائمۂ طاہرینؑ کا اتفاق ہو وہ امر بالیقین حق ہے اور وہی دین خدا ہے۔ اسکے برخلاف جو قول ہو وہ محض لغو اور باطل ہے۔

اسلام مین پہلی جھوٹی گواہی۔

نمبر ۵۹۔ قیس بن حازم اور ابن عباس اور عامر الشعبی اور حبیب بن عمیر کی روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قافلہ حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر کا مکہ سے بصرہ کیطرف حضرت علیؑ کے مقابلہ کے لیے چلا اور آب حوأب پر پہنچا تو اُس وقت کتے بہونکنے لگے۔ تب حضرت امّ المومنین نے فرمایا کہ اس مقام سے لوٹ چلو لوگون نے پوچھا کہ کیون ایسا کرنا چاہیے۔ اُسپر آپ نے بیان کیا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک زوجہ میری باغی ہوگی اور وہ اے حُمیرا تو ہوگی۔ یہ سنکر حضرت زبیر نے کہا کہ صبر کرو۔ آب حوأب یہان سے کوسون دور ہے۔ تب ام المومنین نے پوچھا کہ تمہارے بیان پر کوئی گواہ ہے۔ اُسپر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے پچاس اہل عرب کو طمع دیکر حلف دلوا دیا کہ وہ دریا آب حوأب نہین ہے۔ اسکے بعد وہ قافلہ حضرت عائشہ کا بصرہ کیطرف روانہ ہوا۔ جاننا چاہیے کہ اسلام مین یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے کہ ظہور مین آئی۔ مخفی نہین ہے کہ یہ قافلہ حضرت علیؑ سے لڑنے کے واسطے جاتا تہا۔ نتیجہ اس لشکرکشی یہ ہوا کہ حضرت عائشہ کو شکست فاش ہوئی اور طلحہ اور زبیر لڑائی مین مارے گئے*۔ اُس جنگ کا نام جنگ جمل اسلیے ہے کہ حضرت ام المومنین اُس لڑائی مین اونٹ پر سوار ہو کر شریک جنگ ہوئی تہین اور آپکی سواری کا کوئی اونٹ عسکر بہی مارا گیا تہا۔ اب ذیل مین راقم اپنے خیالات کیطرف حضرات ناظرین کی توجہ کا طالب ہے۔

نمبر (۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو اپنے علم نبوت سے معلوم تہا کہ آپکی کوئی زوجہ آپ کے جانشین برحق یعنی حضرت علیؑ سے بغاوت کرکے حضرت علیؑ سے لڑیگی پھر یہ بہی آپ کو معلوم تہا کہ وہ زوجہ آپکی حُمیرا یعنی حضرت عائشہ ہونگی۔ پھر اسکا بہی علم آپکو تہا کہ جب حضرت عائشہ دہ آب حوأب پر پہنچینگی تو وہان کے کتے اُنپر بہونکینگے۔ یہ تمام باتین جو آپکے علم مین تہین ظہور مین آگئین۔ نبیؐ اور وصیؑ کو مغیبات کی اطلاع ہوا ہی کرتی ہے۔ حضرت رسولؐ کی یہ پیشین گوئیان کیونکر غلط ہو سکتی تہین۔ سب کچھ اُسی طرح ظہور مین آیا جیسا کہ آپ

فرما چکے تھے۔

نمبر(٢) حضرت عائشہ حضرت رسولؐ سے اپنی بغاوت کا مضمون سُن چکی تھیں اور حضرت رسولؐ خدا نے یہ نشانی بھی بتلادی تھی کہ آپ حوأب پر تمہت کتے بھونکینگے۔ اس اطلاع پر بھی آپ حضرت علیؑ کی حرب سے باز نہ آئیں۔ اہل سنت جو حضرت عائشہ کے اس خروج یعنی بغاوت کو خطائے اجتہادی بتلاتے ہیں اس میں خطائے اجتہادی کی تو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

آپ دیدہ و دانستہ حضرت رسولؐ کے متنبہ کر دینے پر بھی ایک ایسے فعل کی مرتکب ہوئیں جو بقول حضرت رسولؐ صرف حرب علیؑ نہ تھا حرب رسولؐ و حرب خدا بھی تھا۔ خیر۔ حضرت عائشہ کے معاملہ کا فیصلہ خدا سے پاک کے ہاتھ ہے۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا۔ مگر مجھے حضرات اہل سنت سے پوچھنا ہے کہ حضرت پیر دستگیر نے جو حضرت عائشہ کو افضل نسائے عالم تحریر فرمایا ہے تو کیا افضل نسائے عالم ہونے کیلئے حاربۂ خدا ہونا بھی کوئی ایسی ضروری صفت ہے کہ جسکے بغیر کوئی بی بی افضل نسائے عالم نہیں ہو سکتی۔

نمبر(٣) حضرت زبیر کا حضرت عائشہ کو یہ کہہ دینا کہ آپ حوأب بہت دور ہے ایک صریح دروغگوئی تھی۔ راقم سوال کرتا ہے کہ عشرہ مبشرہ ہونیکے لیے کیا دروغگوئی کی صفت بھی درکار ہے خدا تعالےٰ تو دروغگوئی کو ایسا جرم کبیرہ قرار دیتا ہے کہ دروغگو کو مستحق لعنت فرماتا ہے کقولہ تعالےٰ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اس عیب سخت کے ساتھ بھی حضرت زبیر اہل سنت کے نزدیک بڑے ذی رتبہ بزرگ قرار دیے جاتے ہیں۔ واقعی اہل سنت کا مذہب فہم انسانی سے تمامتر باہر ہے۔ کاذب جو لعنت کردہ خدا ہے اُسے اہل سنت نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ قطعی جنتی مانتے ہیں۔

نمبر(٤) جب گواہی کی ضرورت پڑی تب حضرت زبیر اور حضرت طلحہ دونوں صاحبوں نے پچاس جواری عربوں کو رشوت دیکر یہ جھوٹی گواہی اُنسے دلوائی کہ وہ جگہ آپ حوأب نہیں ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ سے ہیں اور غضب ہے کہ گواہوں کو تعلیم دیکر اُنسے جھوٹی گواہی دلواتے ہیں۔ ماشاء اللہ حضرات اہل سنت کے عشرہ مبشرہ میں کیسے کیسے پاک اور مقدس بزرگ داخل ہیں۔ ایسے ایسے حضرات قطعی جنتی نہوں تو پھر کون قطعی جنتی ہو سکتا ہے۔ واقعی مذہب اہل سنت ایک راست باز حق پژوہ شخص کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔

نمبر(٥) یہ سب افعال حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے اہل سنت کے نزدیک خطائے اجتہادی کا حکم رکھتے ہیں۔ غضب ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی لڑائی بھی حضرت علیؑ کے ساتھ خطائے اجتہادی مانی جاتی ہے۔ آخر ہر چیز کی حد ہے۔ صاف صاف طور پر حرص و طمع دنیا کی بنا پر یہ دونوں جناب حضرت علیؑ سے لڑے اور حضرت عائشہ کو بھی حضرت علیؑ سے لڑایا اسپر بھی یہ فساد انگیزی دخون

حضرات کی خطائے اجتہادی کہی جاتی ہے۔ واقعی مخالفانِ حضرت علیؑ نے دشمنانِ علیؑ کو الزامِ بغاوت وغیرہ سے بچا لینے کیواسطے خطائے اجتہادی کا خوب ہتکھنڈا پیدا کر لیا ہے۔ جس مذہب کے ایسے ایسے بے سروپا اصول ہین اُس مذہب کو کوئی صاحبِ فہم کیونکر قبول کر سکتا ہے۔

نمبر(۲) اس قصہ سے آپ جواب سے کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ فرمودہ حضرت رسولِ خدا کو یاد کر کے لوٹ جانا چاہتی تہین مگر عبداللہ ابن زبیر نے خود کلام دروغ کہکر اور بشمول حضرت طلحہ و زبیر کے پچاس آدمی سے جہوٹ بلوا کر آپ کو لوٹ جانے سے روکا۔ راقم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور خاصکر عبداللہ ابن زبیر نہوتے تو حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے لڑنے کے لیے مستعد نہوتین۔ واقعی حضرت زبیر عجیب بزرگ تہے۔ کہان اجماعِ سقیفۂ بنی ساعدہ کے بعد آپ حضرت ابوبکر کی بیعت پر راضی نہین ہوتے تہے اور چاہتے تہے کہ حضرت علیؑ کے ہاتہ پر خود بیعت کرین اور کل اہلِ اسلام سے بیعت کرائین اور کہان حضرت عثمان کے خون کے دعویدار ہو کر حضرت علیؑ سے لڑنے کے لیے داخلِ میدانِ جنگ ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ آپ ایک بے اصول زندگانی کے آدمی تہے۔ دنیا طلبی کے سوا آپ مین کوئی دوسری بات نتہی۔ آپ کو حضرت علیؑ سے کوئی غرض تہی اور نہ حضرت ابوبکر سے۔ آپکو اپنے حلوے مانڈے کی فکر رہا کرتی تہی اور اسی فکر مین آپکی اور آپکے ساتہی حضرت طلحہ کی جانین بہی گئین۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ انہی دونون حضرات نے حضرت علیؑ کے ہاتہ پر آپ کے خلیفہ ہونیکے ساتہ ہی بیعت بہی کی اور شکست بیعت کر کے حضرت عائشہ سے بہی جا ملے۔ حضرت علیؑ کے ہاتہ پر بیعت کرنیکی صورت یہ ہوئی کہ آپ دونون صاحب یہ سمجہے تہے کہ رشتہ داری کی وجہ سے حضرت علیؑ کی بیعت کر کے بہت کچہ دنیوی فائدے اُٹہائینگے مگر بیعت کرنیکے بعد چراغ گل کرنیسے اُنپر روشن ہو گیا کہ حضرت علیؑ سے ناجائز طور پر منتفع ہونیکی کوئی شکل نظر نہین آتی۔ پس آپ دونون صاحب حضرت علیؑ سے برگشتہ ہو کر امیر معاویہ اور حضرت عائشہ سے جا ملے۔ چراغ کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ چراغ جلائے ہوئے بیت المال کا حساب دیکہ رہے تہے۔ چراغ مین تیل بہی بیت المال کا تہا آپ دونون صاحب یعنی حضرت زبیر اور حضرت طلحہ جو ملاقات کو کسی دنیاوی غرض سے آ گئے تو آپ بیت المال کے چراغ کو خاموش کر کے ان دونون صاحبون سے بات کرنے لگے۔ حضرت علیؑ کے اس فعل سے آپ دونون صاحب سمجہ گئے کہ جب حضرت علیؑ کو مالِ بیت المال کا اتنا خیال ہے تو آپسے یافت کی صورت کیا ہو سکیگی۔ پہر اُن طالبانِ دنیا کو اس سے کوئی چارہ نرہا کہ شکست بیعت کر کے حصولِ دنیا کی غرض سے آپ کے مخالفون کا ساتہ دین۔ المختصر تمام امورِ بالا پر نظر ڈالکر راقم کہتا ہے کہ لاریب وہ خدا کا مذہب نہین ہو سکتا ہے کہ جسمین ایسے ایسے بد اصول

زندگانی کے اشخاص قطعی جنتی ملنے جاتے ہون - خدا نے انسان کو نیک و بد کی تمیز کے لیے عقل دی ہے اگر عقل سے انسان کام نہ لے تو ایسا شخص کیونکر انسان کہا جا سکتا ہے

حضرت عمر اور شجاعت

یہ عام عقیدہ حضرات اہل سنت کا ہے کہ حضرت عمر ایک بڑے شجاع بزرگ تھے - چنانچہ جناب قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی اپنی تصنیف شریف مین جو مشتمل ہے حضرت رسول خدا کے سوانح عمری پر حضرت عمر کو صفت دلیری او شجاعت کے ساتھ یاد فرماتے ہین - راقم کو نہایت تعجب گذرتا ہے کہ جب صفت دلیری اور شجاعت کی حضرت ممدوح مین موجود ہی نہین تھی تو کیونکر قاضی صاحب اس صفت کو اطمینان کے ساتھ حضرت ممدوح کی طرف منسوب فرماتے ہین مین اس کتاب مین کافی طور پر دکھلا چکا ہون کہ حضرت عمر اس صفت کے ساتھ ہرگز متصف نتھے لاریب مضامین درج شدہ کے اعادہ کی حاجت نہوتی مگر جناب قاضی صاحب کی تصنیف جلیل کے معائنہ کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ از سر نو حضرت خلیفہ کی صفت دلیری و شجاعت کا موازنہ حوالہ قلم کرون - حضرات ناظرین سے تحریر ذیل توجہ فرمائی کی طالب ہے -

مین سابق مین عرض کر چکا ہون کہ ایام جاہلیت مین حضرت عمر سے ایک کام دلیری کا ظہور مین آنیکو تھا مگر ملتوی رہگیا - اسکی سرگذشت جیسی کہ بیان ہو چکی ہے یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ کو معلوم ہوا کہ محمد ابن عبداللہ یعنی جناب رسول خدا نے ایک نیا دین شائع کرنا چاہا ہے تو آپ کو نہایت غصہ آیا اور چند برس تک آپ اس غم و غصہ مین مبتلا رہے - یہانتک کہ ایک روز آپ تلوار لیکر جناب رسول خدا کے قتل کے واسطے گھر سے نکلے - راہ مین جو کسی نے یہ کہا کہ محمد کے قتل کرنے کیلیے تو چلے ہو مگر بنی زہرہ قتل محمد کا بدلا تمسے لینگے - یہ سُنتے ہی آپ قتل محمد کے خیال سے درگذرے اور واپس گھر کو چلے آئے - معلوم ہوتا ہے کہ حالت غیظ مین آپکو قتل حضرت رسول خدا کی جرات پیدا ہو گئی تھی - جب غیظ کی کیفیت جاتی رہی وہ جرات بھی جاتی رہی -

ایام جاہلیت مین صرف یہی ایک فعل جرات کا آپ سے سرزد ہونیکو تھا جو مآل اندیشی کے بعد خیال سے جاتا رہا - مشرف باسلام ہونے کے بعد آپکا فعل جس سے لاریب اعلے درجہ کی جرات ظاہر ہوتی ہے یہ تھا کہ ادائے حج کے بعد آپنے کفار مکہ کے سامنے کھلے کھلے طور پر مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی - بظاہر یہ فعل نیک آپکا بڑی جرات کی خبر دیتا ہے - مگر حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کے ماموں ابوجہل صاحب نے آپ کو حکم امن دیدیا تھا جسکی بدولت کوئی مخالف آپ کا آپ کو خس برابر ضرر نہین پہنچا سکتا تہا - ایسی صورت مین آپ کا کھلے کھلے طور پر ہجرت کرنا درحقیقت کسی قسم کی جرات پر محمول نہین کیا جا سکتا - اسی طرح قابل لحاظ آپ کا وہ معاملہ ہے جو

آپ کے مکہ جانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکی سرگذشت یہ ہے کہ جب چند سال کے بعد حضرت رسول خدا نے آپکو کچھ پیام لیکر کفار مکہ کے پاس بھیجنا چاہا تو آپ نے مکہ جانے سے انکار کیا اور انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ اب مکہ میں ابوجہل صاحب زندہ نہیں ہیں۔ اہل مکہ مجھے قتل کرڈالینگے۔ مختصر یہ ہے کہ آپکا نہ مکہ سے مدینہ کیطرف کھلے طور پر چل نکلنا کوئی جرأت کا کام تھا اور نہ مکہ کو جانے سے انکار کرنا کسی طرح کی جرأت سے خبر دیتا ہے۔ اب رہے آپ کے غزواتی معاملات انکی حقیقت یہ ہے کہ جنگ بدر میں آپ شریک جنگ اس بنا پر نہیں ہوئے کہ آپکے ماموں ابوجہل صاحب رسول اللہ سے لڑنیکو آئے تھے۔ ایسی صورت میں آپ ماموں صاحب سے کیونکر نبرد آزما ہو سکتے تھے۔ جنگ اُحد میں آپ رسول اللہ کو میدان جنگ میں زخم خوردہ چھوڑکر اپنی جان لیکر بھاگ نکلے۔ خود آپ ہی کا قول ہے کہ میں بز کوہی کی طرح پہاڑ کے چٹان پر اُچکتا ہوا بھاگا جاتا تھا۔ جنگ خندق میں آپ نے عمرو ابن عبدود سے مقابل ہونے میں انکار فرمایا۔ جنگ خیبر میں مرحب و حارث سے دو دن تک بھاگا کیے۔ جنگ حُنین میں حسب دستور قدیم فرار ہی کے پابند رہے۔ قرآن و حدیث و سیر و تاریخ کہیں سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپ اور حضرت ابوبکر نے کسیکو خط لگایا۔ یا کسیکا ہتھیار کھایا ہو۔ جب ایسا موقعہ ہوا تو بھاگ ہی نکلے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو جناب قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی حضرت عمر کی طرف کس بنیاد پر دلیری اور شجاعت کی صفت منسوب فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ حضرت عمر رض برابر بھی جری اور دلیر نہ تھے۔ لیکن ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہیں راقم کہتا ہے کہ اگر حضرت عمر میں کسی طرح کی بھی دلیری ہوتی تو آپ عورتوں کو نہ مارا کرتے۔ سب سے زیادہ اسطرح کا مکروہ فعل آپ سے یہ سرزد ہوا کہ آپ نے اپنی آقازادی جناب بی بی فاطمہؑ کے پہلوئے مبارک پر ایسی ضرب شدید لگائی کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔ اس ضرب رسانی کے بعد وہ معصومہ علیل رہنے لگیں یہاں تک کہ اس عالم فانی سے رخصت ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا فعل زشت و قبیح مرد دلیر سے ظہور میں نہیں آسکتا۔ عورت کا مارنا بزدلی کا کام ہے۔ چہ جائیکہ جناب خاتون جنت کے ساتھ اس بیرحمی کے ساتھ پیش آنا مسلمان تو کیا کسی کافر سے بھی ایسا فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ حضرت عمر میں دلیری کی صفت مطلق نہ تھی البتہ آپ نہایت شدید المزاج تھے اہل سنت آپکی شدید المزاجی کو شجاعت قرار دیتے ہیں۔ شجاع شدید المزاج نہیں ہوا کرتا شجاع کی یہ شان سے ہے کہ رحیم و کریم ہو۔ حضرت عمر رحم و کرم سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ ہر شخص سے کافر ہو یا مسلمان درشتی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔

آپ کے اصلی مزاج کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اسیران بدر مدینہ مین لائے گئے تو آپ نے
جناب رسول خدا کو یہ رائے دی کہ سارے قیدی قتل کرڈالے جائین - اور وہ بھی اس نہج سے کہ
ہر مجاہد اپنے اپنے رشتہ دار کو انھین اپنے ہاتہ سے قتل کرے - جناب رسولِ خدا نے حضرت عمر کی
اس رائے سے منہ پھیر لیا - اور جو مناسب نظر آیا اُسپر عمل فرمایا - اگر جناب رسول خدا حضرت عمر کی
ایسی قبیح اور زشت رائے پر عمل فرماتے تو ہر عصر کے مؤرخ اسلام کیطرف اُساری کشی کی بنیاد ڈالنے اور طرح
طرح کے الزام عائد کیا کرتے - ظاہر ہے کہ حضرت عمر کی رائے بالا اللہ اکبر آپکی کس حد کی شدت مزاجی
سے خبر دیتی ہے - جائے لحاظ ہے کہ جنگ بدر مین حضرت عمر تمام تر بیکار رہے - مگر جب اُساریٰ
بدر مدینہ مین لائے گئے تو آپ انکی بیچارگی کی حالت مین اُنکے سامنے تلوار گھماتے تھے - لاریب
ایسا فعل کسی شجاع سے ظہور مین نہین آسکتا - یون تو حضرت عمر ایک بالشت کی چوڑی تلوار
ہمیشہ شہر کے اندر گھمایا کرتے تھے - مگر جائے حسرت ہے کہ وہ تلوار بدر و خندق و احد و خیبر و
حُنین مین میان کے میان سے باہر نہ آئی - اب اہل انصاف خود فیصلہ کرلین کہ دلیری اور
شجاعت کو جناب قاضی سلیمان صاحب کا حضرت عمر کی طرف منسوب کرنا درست ہے یا نادرست

راقم الحروف کے والد مرحوم جناب شمس العلما سید وحید الدین خان بہادر مرحوم و مغفور
ایک خوشحال اور خوش نام حاکم با وقار تھے اور جید عالم ہونیکے علاوہ نہایت درجہ علم
درسی کا مذاق بھی رکھتے تھے - ہر مذہب کے اہل علم کی بڑی قدر فرماتے تھے - خود بھی ادیان
دنیا سے حسب مراد باخبری رکھتے تھے - اس باخبری کی وجہ یہ تھی کہ عربی فارسی اردو لاطینی انگریزی
سنسکرت بھاشا اور عبرانی مین اچھا دخل رکھتے تھے - اور ان زبانون مین جو مذہبی کتابین ہین انکو
اکثر ملاحظہ فرمایا کرتے تھے - مختصر یہ کہ جسطرح پر مذہب اسلام سے واقفیت رکھتے تھے - مذہب یونان
سابق و مذہب روما و مذہب ہنود و مذہب بودہ و مذہب مجوس و مذہب یہود و مذہب نصاریٰ
وغیرہ وغیرہ سے بھی کامل طور پر باخبر تھے - توریت و انجیل کے تو گویا حافظ تھے - قرآن شریف کے
جیسے حافظ ہوا کرتے ہین - ویسے حافظ تو نہ تھے - مگر سارا قرآن مجید اُنکے ذہن عالی مین محفوظ
تھا - ابتدا مین مذہب تفضیلیہ کے پابند تھے اور آخر مین راقم غفران مآب کو کچھ ارکان مذہب
امامیہ کے بھی ادا کرتے دیکھا کرتا تھا - مرنے پر حنفی مذہب کے مطابق جناب مرحوم کی تجہیز و تکفین
و تدفین عمل مین لائی گئی اور یہ اس سبب سے کہ میرے سوا حضرت مرحوم و مغفور کی سب اولاد اُس
وقت مذہب حنفی کی پابند تھی - جناب والد صاحب جنت آرامگاہ کے والد ماجد جناب
سید امداد علی خان بہادر بھی تفضیلیہ مذہب رکھتے تھے - لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جناب
دادا صاحب مرحوم امامیہ تھے - مگر اپنے پسر اکبر نواب غشی سید نجم الدین صاحب کے خیال سے

اپنے کو امامیہ نہین کہتے تہے۔ سید نجم الدین صاحب بہی تفضیلیہ مذہب رکہتے تہے۔ مگر متصوف ہونیکے باعث مذہب امامیہ کا پابند ہونا پسند نہین کرتے تہے۔ جناب سید امداد علیخان بہادر مرحوم سے اوپر یعنی راقم کے پردادا سے لیکر علی مرتضے تک مذہب سادات یعنی مذہب امامیہ کے پابند تہے اور ایک شخص بہی راقم کے ان بزرگوارون مین سے اہل سنت سے نہ تہا چونکہ والد مرحوم نہایت علم دوست اور علم پرور تہے راقم کی تعلیم و تربیت مین حضرت غفران مآب نے کوئی بات اُٹہا نہین رکہی۔ حضرت نے مجہے عربی پڑہانے کے لیے ایک عالم معقولات اور ایک عالم ادب کو رکہا۔ ایک اعلے درجہ کے خطاط بہی راقم کے دار التعلیم کو متعلق کیے گئے۔ ایک صاحب فن شہسواری کی تعلیم کے لیے نوکر رکہے گئے۔ اور سرکاری لشکر کا ایک شخص بندوق اور رائفل کی مشق پیدا کرا دینے کیلئے متعین کیا گیا۔ علاوہ اسکولی تعلیم کے اچہے مشاہرہ کا ایک نہایت ذی علم انگریزی دان بہی تعلیم انگریزی کی مدد کیواسطے ایک عرصہ دراز تک مقرر رہا۔ یہان مجہے صرف اُن حضرات علما کا ذکر کرنا منظور ہے جو راقم کی تعلیم عربی کے لیے رکہے گئے تہے۔ یہ حضرات جب جب ترک خدمت کرتے گئے انکی جگہ پر اُنکے ہمماثل اور حضرات مقرر ہوتے گئے۔ جاننا چاہیے کہ یہ سب حضرات یا غیر مقلد یا حنفی المذہب تہے۔ آخر مین جو صاحب میری تعلیم عربی سے متعلق ہوئے وہ جناب سید محمد گل صاحب جلال آبادی تہے۔ آپکا مذہب اپنے ملکی مذہب کی پابندی سے حنفی تہا۔ راقم اُسوقت سترہ برس کا ہو چکا تہا۔ عقائد دینی سے بہی معروف طور پر اُسے اطلاع ہو چکی تہی۔ عقائد مذہبی جو اُسوقت تعلیم بالا کے ذریعہ سے راقم کے ذہن مین قائم ہو چکے تہے وہ یہ تہے کہ خدا ایک محمد صاحب رسولؐ۔ آپکے بعد من جمیع الوجوہ سب سے بڑہکر حضرت ابو بکر تب حضرت عمر تب حضرت عثمان تب حضرت علیؑ اور سب سے مفضول علیؑ تب حضرت معاویہ تب حضرت یزید تب حضرت یزید کے بعد مسلسل طور پر چند اور خلفائے بنی امیہ امام حسنؑ اور بقیہ ائمۂ اثنا عشر حضرت امام مہدی کے سوالاتے۔ افضل النساء عالم مین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ کے بعد حضرت بی بی فاطمہؑ۔ اس تعلیم یابی کے ساتہ انٹرنس کا امتحان پاس کرنیکے بعد راقم بہاگلپور سے پٹنہ آکر پٹنہ کالج مین داخل ہوا۔ اور جناب مولانا سید محمد گل صاحب حنفی نور اللہ مرقدہ کا ساتہ چہوٹ گیا۔ بانکی پور مین رہکر پہر دینیات کا سبق مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم و مغفور سے لینے لگا۔ جناب غفران مآب بہی حنفی المذہب تہے مگر یزید کی خلافت حقہ کے قائل نہ تہے۔ آپ اُن حضرات اہل سنت سے تہے جو امیر معاویہ کے بعد یزید کو خلیفہ برحق قرار نہین دیتے۔ بہرحال جناب مولوی صاحب ممدوح کے اس عقیدے کا کوئی اثر مجہپر نہوا

مین جس طرح یزید کو حسبِ تعلیم مولوی سید محمد گُل صاحب خلیفہ برحق جانتا تھا۔ خلیفہ برحق جانتا رہا۔ جب راقم اپنی عمر کے اُنیسوین[19] سال کو پہنچا تو اُسے ایک عجیب مذہبی ہنگامہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس مکان مین راقم رہتا تھا اُسکے دوسرے قطعہ مین راقم کے بڑے چچا صاحب یعنی جناب نواب منشی سید نجم الدین صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ قیام رکھتے تھے راقم جیسا کہ اُوپر عرض کر چکا ہے۔ جناب غفران مآب صوفی مذہب تھے۔ آپ کے دولتخانہ پر اکثر حضرات صوفی مذہب جمع ہوا کرتے تھے اور صوفیانہ مذاق کے مذاکرے روز رہا کرتے تھے ایک عرصہ تک اُن حضرات کی صحبت باخود با پُرلطف انداز سے ہوا کی۔ مگر اتفاق وقت سے ایک روز ذکر خیر حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کا درمیان آگیا۔ چونکہ جناب عم ممدوح حضرت خال المومنین سے کوئی ارادت نہین رکھتے تھے آپ نے ایسی تقریر فرمائی کہ جس سے کوئی منقبت حضرت خال صاحب کی نہین پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ امر ایک صوفی صاحب کو جو ہملوگون کے ہمسایہ قریب تھے نہایت گران گذرا۔ آپ نے نہایت جھنجلا کر فرمایا کہ جب حضرت معاویہ کے فضائل سے انکار ہی ہوا تو سُنیت بھی رخصت ہوگئی۔ پس ایسے منکر فضائل اور شیعہ مین فرق کیا رہا۔ اور حضرات صوفی مذہب بھی جو وہان موجود تھے اس قول کی تائید کرنے لگے مگر راقم کے عم ممدوح اپنے خیال کے پابند رہے۔ اس اختلاف کی بدولت وہ صوفیانہ صحبت درہم برہم ہو گئی صرف اتنا ہی نہین ہوا کہ وہ صحبت صوفیانہ معرض زوال مین آگئی۔ طرفین سے امیر معاویہ کے فضائل و غیر فضائل مین تحریرین شروع ہوگئین۔ آخر اس ہنگامہ کی اطلاع جناب شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہٗ سجادہ نشین پھلواری شریف کو ہوئی۔ حضرت صاحب سجادہ نے منشی سید نجم الدین صاحب سے زورون کے ساتھ اختلاف کیا۔ پہلے حضرت نے اپنے مخالف کو بہت کچھ سمجھایا مگر اسکا اثر حضرت کے مخالف پر کچھ نہوا۔ نواب منشی سید نجم الدین صاحب جیسے مخالف حضرت امیر معاویہ کے تھے ویسے ہی رہے تب حضرت صاحب سجادہ نے ایک بڑی پرزور کتاب تصنیف فرمائی جو اسوقت تک موجود ہے۔ یہ کتاب جس کا نام اُسوۂ حسنہ ہے پورے طور پر سُنیت کی داد دیتی ہے۔ اور تمامتر عقائد اہل سنت کے مطابق ہے ظاہر ہے کہ سُنی ہو کر کوئی شخص فضائل حضرت معاویہ سے انکار نہین کر سکتا بلکہ حق یہ ہے کہ بمقتضائے عقل صحیح و بہ تقاضائے شروطِ خلافت آپکے صاحبزادہ یعنی یزید کی خلافت حقہ سے بھی منحرف نہین ہو سکتا۔ خیر۔ راقم کو اس جگہ اس ہنگامہ کے نیک و بد سے کوئی مطلب نہین ہے۔ یہان مجھے صرف اسقدر عرض کر دینا ہے کہ اس ہنگامہ کی طرف توجہ کرنے سے مجھے بہت سی نئی نئی ایسی باتین معلوم ہونے لگین جو میرے عقائد سابقہ پر

خلاف امید اثر ڈالنے والی ہوئین۔ اس ہنگامہ سے مجھے اس امر کا تو پورا یقین ہو گیا کہ
اہل سنت کو حسب تحریر حضرت پیر دستگیر حضرت معاویہ سے گریز ناممکن ہے بلکہ حسب تحریر
امام غزالی حضرت کے صاحبزادہ یزید کے ساتھ بھی تمسک کرنا ایک امر ناگزیر ہے اسلیے کہ
صاحبزادے صاحب بھی اپنے پدر بزرگوار کی طرح ایک باضابطہ خلیفہ ہین مگر جب حضرت معاویہ
اور حضرت یزید کے معاملات سے اس ہنگامہ کی بدولت بتدریج اطلاع ہوتی چلی یہ دونون حضرات
یکسان طور پر قابل حذر معلوم ہونے لگے بلکہ حضرت معاویہ تو حضرت یزید سے بھی زیادہ مخدوش
دکھائی دینے لگے۔ کوئی شک نہین کہ اس ہنگامہ نے میری سُنّیت کی چول ڈھیلی کر دی مجھے
کالج کے مشاغل سے جو فرصت ملتی تھی اسی ہنگامہ کے متعلق کی کتابون کو کچھ نہ کچھ دیکھ لیتا تھا
اور ہر امر کا موازنہ کیا کرتا تھا۔ کہان یہ تھا کہ جناب مولانا سید محمد گل صاحب تاریخ و سیر
وغیرہ کی کوئی کتاب راقم کو پڑھنے نہین دیتے تھے۔ اور تعلیم عقائد مین جو کوئی سوال راقم
کرتا تھا تو جواب درکنار ایسے سوال ہی کو گمراہی قرار دیتے تھے۔ اور کہان یہ ہو گیا کہ آزادی کے
ساتھ موافق اور ناموافق ہر طرح کی کتابین راقم کے زیر مطالعہ رہنے لگین۔ اس امر کا اثر
راقم ہی پر نہین ہوا۔ بلکہ جناب مولوی عبد الکریم صاحب بھی جو مذہب اہل سنت کے
ایک ممتاز عالم تھے حضرت معاویہ سے بدعقیدگی ظاہر کرنے اور آخر کار امیر شام سے باغی
فرنٹ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ مجھے بھی حضرت معاویہ سے کوئی ارادت باقی نہین رہی اور آپ
میری نظرون مین اپنے صاحبزادے سے کہین زیادہ قابل حذر نظر آنے لگے۔

اس ہنگامہ کے کچھ عرصہ بعد راقم کا چھپرہ جانا ہوا چھپرہ مین راقم کے چچا مولوی سید فرزند علی صاحب
ایک نہایت باوقار وکیل تھے۔ آپ کو سرٹیفکیٹ صدر دیوانی عدالت کلکتہ کا حاصل تھا مگر
آپ وکالت کا کام چھپرہ کی عدالت مین کیا کرتے تھے۔ جناب مرحوم کا وقار اس درجہ کا
تھا کہ یورپین اور ہندوستانی حکام کے علاوہ اس ضلع کے تمام کہ وہ آپ کو بڑی عزت کی
نگاہ سے دیکھتے تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ راقم کے اقران و امثال مین صفات انسانی کے
اعتبار سے آپکا کوئی نظیر نہ تھا اور حق یہ ہے کہ جسقدر آپکی توقیر کیجاتی تھی وہ آپکے واسطے تھوڑی تھی
جناب ممدوح نے ایک نادر دماغ پایا تھا۔ عقل و فہم و فراست مین اپنے آپ جواب تھے
جسقدر خدا تعالے نے جمال ظاہری عطا فرمایا تھا اُسیقدر کمال باطنی بھی بخشا تھا۔

ان وہبی صفات کے ساتھ اہل علم سے بھی تھے۔ زواہد و صدرا و افق المبین کی تحصیل
حنفی المذہب جناب مولانا واجد علی صاحب معقولی بنارسی سے فرمائی تھی۔ مولانائے ممدوح
چھوٹے بھائی جناب غفران مآب مجتہد العصر قبلہ و کعبہ مولانا محمد سمعیل صاحب کے تھے

جناب مسیح الزمان حکیم محمد علی عرف حکیم منا صاحب مرحوم مجتہد صاحب ممدوح کی صاحبزادے تہے - اسوقت بہی جناب حکیم صاحب کا نام نامی چہپرہ اور اطراف چہپرہ کے خاص وعام کی زبان پر جاری ہے - المختصر جناب مولوی سید فرزند علی صاحب مرحوم علوم عربیہ مین اچہی دستگاہ رکہتے تہے اور اس عربی دانی کے ساتہ انگریزی مین بہی جناب ممدوح کو کافی دخل تہا -

راقم اپنے چہپرہ کے قیام کے زمانے مین شام کے بعد استفادہ کی نظر سے حضرت چچا صاحب مرحوم کی خدمت مین حاضر رہتا تہا - حضرت غفران مآب کی ہر بات تعلیم سے خالی نہین ہوتی تہی راقم حضرت کے ہر ارشاد کو بغور سنتا تہا اور اُس سے فائدہ اُٹہانے مین کوشان ہوتا - یون تو ہر روز بکار آمد باتین مسموع ہوا کرتی تہین مگر ایک روز کی صحبت مین حضرت نے چند احباب کیطرف متوجہ ہوکر یہ فرمایا کہ ہرچند بڑی بڑی کتابین شیعون کے اعتراضات کی رد مین تصنیف ہوگئی ہین مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعون کے اعتراضات کا کوئی بہی معقول جواب نہین دکہائی دیتا - اس قول نے میرے دلپر ایک عجب اثر پیدا کیا - اگر یہ قول مولوی سید فرزند علی صاحب کا نہوتا تو بالیقین میرے دل پر اسکی ایسی تاثیر نہ پیدا ہوتی - چونکہ مین جانتا تہا کہ مولوی صاحب مرحوم کو ہر طرح کی مذہبی تحقیق حاصل ہے اور لغو گفتاری سے جناب ممدوح بمراحل دور ہین حضرت کے اس قول سے ایک نیا میدان خیالات کا میرے پیش نظر ہوگیا - راقم نے دلمین اس بات کو ٹہان لیا کہ تحقیق حق مین کوئی کوشش اُٹہا نرکہنی چاہیے - اس صحبت کے بعد جناب چچا صاحب مرحوم نے معاملۂ فدک کو بڑی تحقیق کے ساتہ بیان فرمایا - خدا تعالٰی نے فصاحت و بلاغت کی دولت سے جناب ممدوح کو مالامال کیا تہا چنانچہ حضرت کے دونون نواسے آنریبل مسٹر سید علی امام صاحب - سی - ایس - آئی - وزیر ہند اور آنریبل مسٹر جسٹس سید حسن امام صاحب بیرسٹر جج ہائی کورٹ کلکتہ کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے - خیر - اس واقعہ کو حضار مجلس بغور سنتے رہے اور یقیناً بہت متاثر بہی ہوئے - خود بہی معاملۂ فدک کے بیان کے بعد بڑے ضابط اور صابر ہونے پر بہی اشک ریز رہے - اس دوسری صحبت نے راقم کو تحقیق حق کی طرف اور بہی زیادہ رجوع کردیا - بار سوم ایک صحبت مین جناب ممدوح نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب میرے دفن کا وقت آئے تو میری میت پر وہی دعائین پڑہی جائین جو امامیہ حضرات اپنی میتون کے دفن کے وقت پڑہا کرتے ہین - اس قول نے میرے دل کو تحقیق حق پر اور بہی مجبور کردیا اور راقم اب بر ملا مذہبی کتابین فریقین کی دیکہنے اور اہل علم سے ہر ضروری امر کی تحقیق کرنے لگا - ابہی راقم مشغول تحقیق ہی تہا کہ جناب عمی مولوی سید فرزند علی صاحب نے یکبیک سفر آخرت اختیار فرمایا - مردہ بدست زندہ مجہے یہ موقع کہان حاصل تہا کہ مین

جناب غفران مآب کے وارثون کے مقابلہ مین انکی دلی وصیت کی تعمیل کر سکتا۔
اُسوقت مذہب امامیہ کے طریقۂ تلقین وطریقۂ صلوٰۃ جنازہ سے بھی راقم خبر نہین رکھتا تھا
اور اگر رکھتا بھی تو کر کچھ کیا سکتا تھا۔ جناب مولوی عبد الکریم صاحب نماز جنازہ پڑہانے کو
موجود ہی تھے۔ مجھے دم مارنے کی جگہہ ہی کہان تھی۔ خیر۔ ایسی بیچارگی کی حالت مین
مینے ایک کاغذ پر ناد علی لکھکر جناب غفران مآب کے کفن کے اندر رکھدی۔ حضرت
عم تو دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مگر جناب مرحوم کے ارشادات حق پژوہ نے راقم کو تحقیق
کی راہ سے ڈگنے ندیا۔ حق یہ ہے کہ اگر راقم کو ایسی صحبتین جناب غفران مآب کی نصیب
نہوئی ہوتین تو تحقیق حق کیطرف راقم کے دل مین اسدرجہ کی آمادگی پیدا نہو سکتی۔
راہ حق کی تحقیق مین قدم رکھکر مجھے ویسا ہو جانا پڑا جیسا کہ میری تحریرات بالا سے ظاہر
ہوتا ہے۔ اب راقم ذیل مین کسیقدر اپنی تحقیق مذہبی کی سرگذشت بھی حوالۂ قلم کرتا ہے
جناب عم مرحوم کی رحلت کے بعد راقم نے سرگرمی کیساتہ تحقیق مذہبی شروع کردی۔
جناب مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کو میری کتب بینی نہایت ناگوار ہوتی تھی۔ ہرچند
جناب مرحوم چاہتے تھے کہ مین کوئی کتاب فن تاریخ یا علم کلام کی ندیکھون مگر اسکا انسداد
بحالت موجودہ دشوار تھا روز بروز میری اطلاع بڑہنے لگی اور تحقیق سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ
مذہب امامیہ اور مذہب اہل سنت خاص کر مذہب امام ابو حنیفہ صاحب کا تمامتر دو مذہب ہین
اور ایسے دو مذہب ہین کہ جنمین کسی طرح کی موافقت نہین پائی جاتی دونون مذہبون کو اغراض
ایک دوسرے سے کوئی واسطہ نہین رکھتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مرغی دونون مذہبون مین
حلال ہے۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ مذہب امامیہ کا خدا تک مذہب اہل سنت خصوصاً
مذہب حنفیہ کے خدا سے تمامتر علیحدہ ہے۔ اسیطرح اصول و فروع دونون مذہبون کے
ایک دوسرے سے علاقہ نہین رکھتے۔
ظاہر ہے کہ مین یہان ان دونون مذہبون کے تمام اصولی اور فروعی اختلافات کے
دکھلانے کا موقعہ نہین رکھتا ہون۔ مگر مذہب حنفیہ سے اپنے کنارہ کش ہونے کی وجہ کو
حوالۂ قلم کردینا مناسب جانتا ہون۔
اس مذہب پر تہوڑی نظر تحقیق ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس مذہب کے بانی حضرت
امام ابو حنیفہ ابن ثابت نے اپنے سارے مذہب کی بنا قیاس پر رکھی ہے۔
ظاہر ہے کہ قیاس کی پابندی سے ایک نئے مذہب کا پیدا ہوجانا خلاف توقع نہین ہے
چنانچہ عند التحقیق یہ بات راقم پر روشن ہوگئی کہ مذہب امام اعظم صاحب کا اور ان تمام

جنکی بنائین قرآن اور حدیث پر واقع ہوئی ہین تمامتر نرالا ہے - جناب مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم ومغفور فخریہ فرمایا کرتے تہے کہ حضرت امام اعظم کا یہ احسان مسلمانون پر بہت بڑا ہے کہ آپنے اپنے اجتہادات کی بدولت مسلمانون کو ایک نیا دین مکمل اندازکا عنایت فرمایا ہے اس مین کچہ شک نہین کہ حضرت امام صاحب ایک نئے دین کے مخترع ہوئے ہین اور لاریب اگر حضرت ممدوح اجتہادات مسائل مین قیاس کو دخل نہ دیا کرتے تو ایسے نئے دین کے وجود مین آنے کی کوئی صورت پیدا نہو سکتی -

یہان چند مثالین حضرت امام کے غلبۂ قیاسات کی راقم پیش کرتا ہے -

نمبر(۱) حضرات اہل واقفیت سے پوشیدہ نہین ہے کہ حضرت امام صاحب کے نزدیک کتے کی کہال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے (دیکھو شرح وقایہ) انسان اسکو پہنکر نماز پڑہ سکتا ہے اور چاہے تو قرآن پاک کی دفتیان اُس سے بنالے - اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت امام صاحب کتے کو نجس العین نہین سمجہتے ہین -

خوب ہوتا کہ سئور کی کہال بہی دباغت کے بعد پاک قرار دیجاتی اگر ایسا ہوتا تو اس زمانہ مین اس اجتہاد سے بڑا کام نکلتا - عمدہ ساخت کے ولایتی زین سور ہی کے چمڑون سے بنتے ہین - اسوقت کے غیر انگریزی خوان مسلمان ابہی تک ایسے زین کے استعمال مین مضائقہ کیا کرتے ہین -

نمبر(۲) کتے کے چمڑے کا جامہ ربع اُسکا نجاست غلیظہ مین ڈوبا ہوا ادائے نماز کے لیے جائز ہے جیسا کہ قفال نے ایسے چمڑے کو پہنکر سلطان محمود غزنوی کے روبرو نماز پڑہی تہی - اس معاملہ کو امام یافعی نے مرآت الجنان مین اور ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان مین کتاب مغیث الخلق سے امام الحرمین ابو المعالی جوینی کی نقل کیا ہے - واضح ہو کہ یہ نماز مذہب امام اعظم کے اجتہادات کے مطابق ادا کی گئی تہی - قصہ اسکا طویل ہے اور چونکہ بیحد مکروہ ہے اسلیے راقم اسکے اعادہ سے اجتناب کرتا ہے -

مگر سارے ارکان نماز وغیرہ پر سرسری نظر ڈالنے سے بہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نماز مع نیت و مع وضو حضرت امام کی پابندی رائے وقیاس کا نتیجہ ہے -

نمبر(۳) کتاب ہدایہ اور شرح وقایہ کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے نبیذ کو کہجور کی اور شراب کو انگور خشک کی اس مقدار سے پی لینا کہ نشہ نہ لائے درست فرمایا ہے -

اسی طرح فتاوائے عالمگیری مین ہے کہ اگر کہجور کی نبیذ کو کوئی شخص نو پیالے تک پیے اور نشہ پیدا نہو پہر دسوین پیالے کے پینے پر نشہ ہو جائے تو ایسے پینے والے پر شراب خواری کی

حد نہین لگائی جائیگی -
پھر نبیذ سے وضو کرنا بھی حضرت امام صاحب نے جائز فرمایا ہے - ظاہر ہے کہ حضرت امام صاحب کے یہ سب مسائل آپ کی پابندی قیاس ورائے کے نتائج ہین اور جو درحقیقت حکم قرآنی کے خلاف ہین - حضرت امام صاحب کے اسی اجتہاد کی بنا پر بیر شراب جو جو کی نبیذ ہے کچھ حنفی حضرات حلال سمجھتے ہین -

نمبر ۴) چلپی حاشیہ شرح وقایہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحب زن زانیہ کی کمائی ہوئی خرچی کو اُس عورت کے لیے حلال سمجھتے ہین - اور خاص فعل کو مرد وزن دونون کے لیے - اسی طرح فتاوای قاضی خان اور کنز الدقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا مرد جو خرچی دیکر کسی عورت سے زنا کرے اسپر حد واجب نہین ہوتی -

اگر یہ اجتہاد حضرت امام صاحب کا درست ہے تو بازار کی کسبیان اور اُن کسبیون سے آشنائی کرنے والے کسی گناہ کے مرتکب نہین ہوتے - اگر اسطرح کا تعلق عورت کے ساتھ حلال ہو تو بیچارے متعہ نے کیا گناہ کیا تھا کہ امر منصوص ہونے پر بھی حرام کردیا گیا -

نمبر ۵) سور کی چربی مین گوشت جانوران حلال کو بھر کر مصرف مین لانا امام اعظم صاحب کے نزدیک حلال ہے - اس اجتہاد سے قیاس ہوتا ہے کہ سور بھی کتے کی طرح امام صاحب کے نزدیک نجس العین نہین ہے - اس روسے سور کے چمڑے کے زین کو بھی مصرف مین لانا حرام نہین ہوسکتا بلکہ قیاس اُسیکا مقتضی ہے کہ جب سور کی چربی سے کام لیا جاسکتا ہے تو اُسکے چمڑے سے اجتناب ایک بے معنی امر ہے -

نمبر ۶) فتاوای قاضی خان مین درج ہے کہ حصول شفا کی نظر سے قرآن کا پیشاب خون یا کسی دیگر نجس شئے سے لکھنا جائز ہے -

کوئی شک نہین کہ کلام پاک کی توہین ایسے امر سے ظاہر ہوتی ہے -

نمبر ۷) ہدایہ کے صفحہ ۴۹۸ مین بین طور سے دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھکر اپنی ماں بہن بیٹی یا کسی دیگر محرمہ شرعیہ سے نکاح کرے اور ایسی منکوحہ کے ساتھ وطی کرے تو ایسے شخص پر حد لازم نہین آتی - ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد حضرت امام صاحب کا مجوس کی حلت محارم سے تشابہ رکھتا ہے اور ہرگز اسلامی مسئلہ نہین ہوسکتا -

نمبر ۸) فتاوای عالمگیری اور درالمختار کے روسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر اپنی زوجہ ہونیکا دعوے کرے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کرے مقدمہ جیت لے اور حکم قاضی سے وہ عورت اس مقدمہ جیتنے والے کو ملجاوے تو ایسی عورت

عنداللہ وعندالناس اسپر حلال ہوجاتی ہے - اور وہ شخص تمام مواخذہ دین و دنیا سے بری ہوجاتا ہے - اسی طرح ہر طرح کی جائداد از قسم حویلی و مکان ہو معاش وغیرہ وغیرہ جھوٹے دعوے کی سرسبزی سے جھوٹے دعویدار کا مال ہوجاتی ہے -

یہ عجب اجتہاد ہے - لاریب یہ اجتہاد جھوٹی دعویداری کی فروغ یابی کا ایک بڑا ذریعہ معلوم ہوتا ہے -

ظاہر ہے کہ یہ سب اجتہادات نتیجۂ قیاس ہین اور حضرت امام صاحب کی حیرت انگیز قابلیت اجتہاد سے خبر دیتے ہین -

راقم کو کم علمی کے زمانہ مین بڑا تعجب گذرا کرتا تھا کہ فرقۂ غیر مقلدین یعنی فرقۂ وہابیہ کو فرقۂ حنفیہ کے ساتھ اسقدر عداوت کیون ہے -

اطلاع یابی کے بعد یہ بات تحقیق مین آئی کہ وہابیہ کو دعوے تمسک تمامتر قرآن وحدیث کی ساتھ ہے - اسکے برخلاف معاملہ حضرات احناف کا نظر آتا ہے کہ اس فرقہ کے حضرت امام صاحب کو بہت زیادہ تکیہ اپنی رائے اور قیاس پر رہا ہے -

ظاہر ہے کہ جب قرآن وحدیث کے اعتبار سے کسی مذہب مین رائے و قیاس کو زیادہ دخل دیا گیا ہوگا تو ایسا مذہب اُس مذہب کے ساتھ جو قرآن وحدیث کی بنا پر قائم کیا گیا ہے مطلق تالمیل نہین رکھہ سکتا - پس وہابی حضرات کا حضرات احناف سے بیزار رہنا کوئی امر خلاف توقع نہین ہے -

یہ سرزنش وہابی حضرات کو فرقۂ شافعیہ کے ساتھ نہین دیکھی جاتی -

اسکی وجہ یہی ہے کہ امام شافعی اپنے اجتہادات مین امام اعظم صاحب کے اعتبار سے رائے و قیاس کو بہت دخل نہین دیتے -

راقم کے نزدیک حضرات وہابیہ کا مذہب حضرات حنفیہ کے مذہب اعتبار سے زیادہ اسلامی حیثیت رکھتا ہے - اسکے برخلاف مذہب حنفی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ثلث سے زیادہ نو احداث اور حضرت محمد مصطفےٰ کے دین سے بے لگاؤ ہے - کما لایخفےٰ علےٰ اہل العلم -

اب مین قلم کو روک لیتا ہون اور نہین بس است مشتے نمونہ از خروارے - جاننا چاہیے کہ حضرت امام اعظم کی قیاسی اجتہادات کے بدولت اسلام ایک خاص رنگ کا مذہب ہوگیا جسکے باعث یہ مذہب مذاہب امامیہ و شافعیہ و حنبلیہ و مالکیہ سے تمامتر ممیز دکھائی دیتا ہے - اس مذہب کی جدت اسدرجہ کو پہنچ گئی تہی کہ آپ کے ہردو شاگرد گرامی امام ابو یوسف صاحب اور امام محمد صاحب نے بھی آپ کا اتباع چھوڑ دیا ہے اور قریب دو ثلث کے اپنے استاد کی

مذہب سے کنارہ کش دکھائی دیتے ہین - اسی بناپر امام غزالی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب منخول مین فرماتے ہین کہ ابو حنیفہ نے شریعت کو الٹ دیا۔ یعنی رو کو پشت اور پشت کو رو کر ڈالا وغیرہ وغیرہ عبارت عربی کی یہ ہے "اما ابو حنیفہ فقلب الشریعۃ ظہرا لبطن" اس مین کوئی شک نہین کہ امام غزالی کا یہ قول تمامتر قرین صحت ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے شرع محمدی بقول امام غزالی بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا ہے اور ایک اپنا خاص مذہب قائم کر دیا ہے۔

مین اختصار کی نظر سے صرف اتنی ہی تحریر پر قناعت کرتا ہون - ورنہ میری اطلاع مین اسقدر اور بھی اسی قسم کے تحقیق کردہ مضامین ہین کہ اگر سب کو حوالہ قلم کرون تو ایک مبسوط کتاب ہو جا سکتی ہے کتابون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب کو اپنے اجتہادات مین قیاس کو زیادہ دخل دینے کی وجہ یہ ہوئی کہ بقول امام غزالی آپکو علم حدیث مین بہت کم دخل تھا۔ تب ہی تو آپنے احادیث ضعاف سے تمسک فرمایا او صحاح کیطرف مائل نہوئے - پھر امام غزالی فرماتے ہین کہ امام اعظم فقیہ النفس ہی نہ تھے بلکہ تکالیف بے محل اصول شرعیہ کے توڑنے کے لیے عمل مین لاتے تھے فقیر کی آئندہ تحریر سے امام اعظم صاحب کے اور بھی حالات ناظرین باتمکین پر روشن ہون گے -

مگر قبل اسکے کہ مین حضرت امام اعظم کے اور معاملات کو حوالہ قلم کرون مناسب یہ ہے کہ اس قول پر بھی ایک نظر ڈال لون جو حضرت ممدوح کی مجتہدانہ صفائی مین حضرت کے بعض پیروان طریقت پیش کرتے ہین - وہ قول یہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے کوئی کتاب علم فقہ مین تصنیف نہین فرمائی ہے اگر کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمائی ہوتی اور اسمین اقسام بالا کے عبرت انگیز اجتہادات مسائل داخل ہوتے تو امام صاحب پر الزام عائد ہو سکتا تھا۔ مگر جب حضرت کی کوئی تصنیف کسی قسم کی دیکھی ہی نہین جاتی تو حضرت امام پر الزام بھی کسی طرح کا عائد نہین ہو سکتا - جواب اسکا یہ ہے کہ اس قول کی بدولت حضرت امام صاحب کی امامت ہی غائب ہو جاتی ہے یعنی جب حضرت کی کوئی تصنیف نہین دیکھی جاتی ہے جسکے باعث حضرت کے اجتہادات مسائل ایک امر نزاعی ہوئے جاتے ہین تو ایسی صورت مین حضرت کا کوئی اجتہادی مسئلہ یقینی حیثیت نہین رکھ سکتا۔

پس اس رو سے اسوقت کے حنفی طریقے کے جتنے ایسے مسائل ہین جنکی نسبت امام اعظم کیطرف کیجاتی ہے ان سب کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب امام اعظم نے کوئی کتاب علم فقہ مین تصنیف ہی نہین فرمائی تو وہ سب مسائل انکے کیون کر کہے جا سکتے ہین کہ وہ حضرت کے اجتہاد کردہ مسائل ہین

ایسی حالت مین بدیہی طور پر امام صاحب کا مذہب پورے طور پر ہوا ہو جاتا ہے - ساری تصنیفات حنفی مذہب کی جیسے ہدایہ و شرح وقایہ - فتاوائے قاضی خان و فتاوائے عالمگیری وغیرہ وغیرہ ردی ہوئی جاتی ہین - اور حق یہ ہے کہ حضرت امام محمد اور حضرت امام ابو یوسف اور

اسکے پیروان بلکہ جمیع علمائے احناف۔ ایک بھاری مصیبت مین مبتلا ہو جاتے ہین۔ المختصر مذہب حنفی کے رخصت ہوتے ہی حضرت امام صاحب کی امامت اور مجتہدانہ حیثیت بھی تشریف لے جاتی ہے۔ پس واہ کیا حضرت امام صاحب کی دوستداری ہے کہ پیروان حضرت امام صاحب حضرت کو الزام اجتہادات نامطبوع سے بچانے کیلیے حضرت امام صاحب کی امامت ہی کو غت ربود کیے دیتے ہین۔

حضرت امام اعظم سنہ ہجری مین پیدا ہوئے یا اُس سے دو تین سال پہلے۔ یہی سنہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیدائش کا ہے۔ رحلت آپکی وفات امام برحق علیہ السلام کے۔ دو تین سال بعد وقوع مین آئی۔ خیر۔ اس روسے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب پورے طور پر حضرت امام ہمام علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام اعظم صاحب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہوا کرتے تھے مگر کسیطرح کی ارادت حضرت امام برحق کے ساتھ نہین رکھتے تھے۔ یہ کیفیت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی پوشیدہ نہین تھی۔ حضرت امام اعظم کی یہ آمد و رفت ایک رسمی اندازکی تھی۔ امام اعظم صاحب کسی طرح پر تبعیت امام برحق کی نہین کرتے تھے۔ بلکہ مدمقابل کی حیثیت سے امام برحق کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ یہ ایک محض غلط قول عوام الناس مین جگہ پاگیا ہے کہ امام اعظم صاحب کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب نہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو دوست رکھتے تھے اور نہ امام اعظم صاحب آپکی دوستی کو اپنی فلاح کے حق مین مفید سمجھ سکتے تھے۔ امام اعظم صاحب کا ذاتی فائدہ اسی مین تھا کہ امام وقت سے مقابلہ کرتے رہین اور اس مقابلہ کی وجہ سے اپنے فروغ فقہی کو قائم رکھا کرین۔ اتفاقِ وقت سے امام اعظم صاحب کے زمانہ بھی ایسا ہی ملگیا تھا کہ آپکو امام وقت سے مقابلہ کا اچھا موقع حاصل تھا۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ منصور خلیفۂ وقت کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دلی عناد تھا۔ یہ بدبخت غایتِ عداوت سے حضرت امام حق کا جانی دشمن ہو رہا تھا حتیٰ کہ اسی عاقبت برباد کی وجہ سے وہ امام عالی مقام مسموم ہو کر اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھارے۔ یہ منصور مقہور نہین چاہتا تھا کہ حضرت امام برحق کی اجتہادات کی پیروی مسلمانانِ وقت کرین۔ اسلیے یہ خلیفۂ گمراہ امام اعظم صاحب کے اجتہادات کے رائج ہونے مین کوئی کوشش اُٹھا نہین رکھتا تھا۔ یہ تو اس بیدین کی ایک معمولی بات تھی کہ جو کوئی امام برحق علیہ السلام سے کسی مسئلہ کو دریافت کرتا تھا۔ اسپر یہ دشمن خدا ایک اشرفی جرمانہ کرتا تھا۔ اور جو کوئی امام اعظم صاحب کی طرف رجوع لاتا تھا اُسکو ایک اشرفی انعام دیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ شاہی طرفداری سے امام اعظم صاحب کے مذہب نے بڑی ترقی پائی۔ پس ایسے وقت مین آپ اپنی فقہی ترقی کے مواقع کو کیون ہاتھ سے دیتے

ایسے مواقع تو انسان کو ہمیشہ ہمیشہ پیش نہیں آتے۔ پس آپکا امامِ برحق سے برابر برسرِ خلاف رہنا خلافِ توقع نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ تبعیتِ امام برحق سے امام اعظم صاحب کسی طرح کا فروغ حاصل نہیں کر سکتے تھے خاص کر ایسی حالت میں کہ خلیفۂ وقت کو امام برحق سے جانی عداوت لاحق ہو۔ امام اعظم صاحب تو منصور مقہور کو ایک نعمت غیر مترقبہ مل گئے تھے۔ آپ بھی امام برحق کے مدِ مقابل بنکر خلیفۂ وقت کا دل ٹھنڈا کرتے رہے۔ امام اعظم صاحب کے دربارِ منصور سے ملحق ہونیکی سرگذشت یہ ہے کہ جب آپ خلیفۂ وقت کے حضور میں حاضر ہوتے تو اُسنے امام اعظم سے پوچھا کہ تم نے کس سے علم حاصل کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ عمر خطاب و علی ابن ابیطالب عبد اللہ ابن عباس کے راویوں کے ذریعہ سے اور آخر میں یہ بھی ارشاد کیا کہ ابن عباس اپنے عہد میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ منصور خود بھی بنی عباس سے تھا امام اعظم صاحب کے اس آخری جملہ سے پھڑک اُٹھا۔ اُسی وقت سے امام اعظم صاحب اور منصور مقہور میں مرابطت پیدا ہوگئی جس سے امام صاحب کے مذہب کو روز افزون ترقی نصیب ہوتی رہی۔ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب بڑے دانا آدمی تھے۔ اگر آپ کی دانائی میں کچھ بھی نقصان ہوتا تو آپ منصور کے سامنے حضرت عبد اللہ ابن عباس کا ذکر اس خوبصورتی کیساتھ پیش نکرتے۔ پہلی ہی حاضری میں خلیفۂ وقت کو اپنا مرید بنا لینا امام اعظم صاحب کی بڑی دانشمندی سے خبر دیتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ کی فرزانگی بڑے اعلےٰ درجہ کی تھی۔ آپکا پیشۂ فقہ کو اختیار فرمانا خود ایک ایسا امر ہے کہ جو آپ کی دانشمندی کی ایک بڑی دلیل دکھائی دیتا ہے۔ آپ اپنے اس پیشہ کے اختیار کرنیکی سرگذشت یوں بیان فرماتے ہیں کہ پہلے مینے چاہا کہ علمِ قرآن حاصل کروں اور حافظِ قرآن ہو جاؤں۔ مگر تلامذۂ قرآنی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں نظر آیا۔ تب مینے چاہا کہ علمِ حدیث حاصل کروں یہ بھی غیر مفید معلوم ہوا۔ تب نحوی ہونے کا قصد کیا مگر اسکا انجام بھی معلمی اطفال کے سوا دوسرا نہ دکھائی دیا۔ تب شاعر بننے کا ارادہ کیا یہ فن بھی کچھ فائدہ بخش نہ معلوم ہوا۔ آخر میں علم فقہ کو اپنے واسطے تجویز کیا۔ اس لیے کہ علم فقہ کی بدولت آدمی مرجع خلائق ہو جاتا ہے۔ شہروں میں قاضی مقرر کیا جاتا ہے۔ امراؤ بادشاہ سبکو اہل فقہ کی محتاجی لاحق رہتی ہے۔ اس بیان سے ہویدا ہے کہ امام اعظم صاحب نہایت مصلحت گوش کے بزرگ تھے۔ پیشہ بھی چنا تو ایسا جسکے نافع ہونے میں کسیطرحکا شک و شبہ نہ رہے۔ یہ پیشہ خلفائے عرب کے زمانہ میں ویسا ہی نفع بخش ہوا کرتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں بیرسٹری کا پیشہ ہے فی زمانا پیشۂ بیرسٹری کے ذریعہ سے آدمی مالا مال ہو جاتا ہے۔ لا ممبر اور چیف جسٹس کے عہدے اسکی بدولت نصیب ہوتے ہیں۔ پس پیشۂ فقہ کو

اختیار کرکے بلا گفتگو امام اعظم صاحب منتہائے کامیابی کو پہنچ گئے۔ کمال دانشمندی امام اعظم صاحب کی اس سے عیاں ہے کہ آپ کبھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی فقہ پر نہ چلے۔ بتبعیت امام برحق کی طرف اگر ذرا بھی میلان دکھلاتے تو جو فروغ آپکی فقہ کو امام برحق کی مخالفت سے ہوا ہے ہرگز نہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم صاحب بڑے دانائے روزگار تھے کیونکہ احمقوں کے خیال کے مطابق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی اختیار فرماتے یا کسی حیثیت سے امام عالیمقام علیہ السلام کی تبعیت کی طرف مائل ہوتے۔ اگر ایسا کرتے تو منصوبے سب ہیچ ہوجاتے جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ امام اعظم صاحب بخت برباد گناہ لازم کے مصداق ٹھیرائے جاتے۔ یہانتک تو ضرورت پیش تھی امام اعظم صاحب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مخالفت رکھتے تھے۔ مگر ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو امام برحق سے کسی طرح کی ہمدردی بھی نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو رحلت امام برحق پر امام اعظم صاحب براہ شماتت مؤمن الطاق سے یہ نفرماتے کہ مَاتَ اِمَامُکُم یعنی تمہارے امام جعفر صادق مرگئے۔ مؤمن الطاق اسکے جواب میں ناخوش ہوکر بولے۔ وَلٰکِنْ اِمَامُکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۔ یعنی مگر تیرا امام روز قیامت تک مہلت دیا گیا ہے۔ مؤمن الطاق کی مراد جو ایسے امام سے تھی اُسکا نام لینے کی کوئی حاجت نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پڑھنا کافی ہے۔ علاوہ اسکے امام اعظم صاحب کو علی مرتضے علیہ السلام کے ساتھ بھی اُنس کی کیفیت کم پیدا تھی جیسا کہ اظہار محمد بن نوفل کی روایت سے ہوتا ہے۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم چند اشخاص بیٹھے تھے کہ امام اعظم صاحب یہان تشریف لائے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب کا ذکر چھڑ گیا۔ امام اعظم صاحب بولے کہ حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اپنے تابعین کو اس ذکر سے ممانعت کردی ہے۔ ہیثم بن حبیب بصیری کو اسکے سننے سے غصہ آگیا یہ صاحب برہم ہوکر بولے کہ کیا اسکی تمہیں خبر نہیں کہ حضرت علی نے صحابہ سے اس حدیث کی تصدیق فرمائی ہے۔ امام اعظم صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اس حدیث کی صحت میں کلام نہیں مگر شیعہ اسمیں زیادہ خوض کرتے ہیں اور اشخاص غیر شیعہ کو تنگ کرتے ہیں۔ اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اعظم صاحب کو علی مرتضے کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ تعجب ہے کہ جس حدیث کی تصدیق حضرت علی صحابہ سے حاصل کریں اور جس حدیث کو رسول اللہ برسر منبر ایک مجمع غفیر میں اعلان کے طور پر ارشاد فرمائیں اس حدیث کا امام اعظم صاحب مسلمانونکو اقرار نکرنے دیں اور اپنے تابعین کو اسکے ذکر سے باز رکھیں تانتبا ہی ر پایا۔ جناب امام جعفر صادق کے ساتھ یہ مخالفت جناب علی مرتضے کے ساتھ یہ بیگانگی اسپر بھی حضرات احناف ولائے اہل بیت امام اعظم صاحب کی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ خوب خوب اور بہت خوب۔

اب میں ایک اور امر امام اعظم صاحب کی نسبت جو عند التحقیق راقم کو معلوم ہوا ہے حوالۂ قلم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت پیران پیر عبد القادر جیلانی دستگیر سنیان امام اعظم صاحب کو اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرقۂ اہل سنت سے خارج فرماتے ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی اپنی تصنیف جلیل میں فرماتے ہیں کہ ہر چند حدیث نبوی یہ ہے کہ قریب ہے کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں متفرق ہوجائے۔

ستفترق امتی علیٰ ثلث و سبعین فرقۃ (الخ) مگر درحقیقت اصل کے اعتبار سے یہ تہتر فرقے
دس فرقے ہین یعنی۔ اہل سنت خوارج شیعہ معتزلہ مرجیہ مشبہ جہمیہ حروریہ نجاریہ کلابیہ پہر ہر فرقہ کی
شاخون کو حوالۂ قلم فرماتے فرماتے مرجیہ کی بارہ شاخین بتلاتے ہین اور فرقۂ حنفیہ کو فرقۂ
مرجیہ کی ایک شاخ کہکر فرقۂ اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہین۔ اب حضرات
ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ حضرت پیران پیر کے نزدیک صرف فرقۂ اہل سنت ناجی ہے۔ پس امام اعظم صاحب
اور آپ کے تابعین کو جو حضرت پیران پیر غیر ناجی قرار دیتے ہین کوئی امر خلاف توقع نہین ہے۔ اسلیے
کہ جب امام اعظم صاحب اور اُنکے تابعین حسب تحریر حضرت پیران پیر فرقۂ اہل سنت مین داخل نہین ہین
اور جب صرف اہل سنت ہی ناجی ہین تو امام اعظم صاحب یا آپکے فرقہ کا کوئی متنفس کیونکر ناجی قرار پاسکتا ہے
واضح ہو کہ صرف جناب پیران پیر ہی نے امام اعظم صاحب کو مرجیہ نہین فرمایا ہے بلکہ اور علمائے مستند نے بھی آپکو
فرقۂ مرجیہ مین داخل کیا ہے۔ چنانچہ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب معارف مین آپکو اور آپکے اُستاد حماد
بن ابی سلیمان اور آپکے دونون شاگردان نامی قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن کو مرجی قرار دیا ہے۔ علاوہ اسکے
خود آپکے شاگرد رشید امام ابو یوسف صاحب آپکے مرجی ہونیکے قائل نظر آتے ہین بلکہ ایک موقع مین
قاضی ابو یوسف نے امام اعظم صاحب کو جہمی بھی کہا ہے بلکہ آپ کی طرف آپکے خارجی ہونیکی نسبت بھی کی ہے
یہ فرمانا امام ابو یوسف صاحب کا مختصر تاریخ بغداد مین مندرج ہے۔ لاریب یہ سب امور عند التحقیق راقم کو
نہایت حیرت انگیز معلوم ہوئے اور واقعی نہایت حیرت انگیز ہین اس زمانہ کے حضرات حنفی المذہب
نہ حضرت پیران پیر سے دست بردار ہو سکتے ہین اور نہ امام اعظم صاحب سے کنارہ کشی اختیار کرسکتے ہین
بیچارے حضرات احناف پر بڑا افسوس آتا ہے کہ یہ حضرات کس ارادت سے گیارہوین کی شیرینی
نیاز کرتے ہین اسپر بھی حسب ارشاد حضرت پیران پیر اہل سنت سے خارج ہونیکے وجہ سے
یہ حضرات جنت مین داخل ہونیکا کوئی حق نہین رکھتے۔ ایسے ایسے معاملات پر نظر ڈالنے سے تحقیق
حق کے زمانے مین کچہ عجب کشمکش کا عالم ایک عرصہ تک راقم الحروف پر طاری تہا۔ مگر خدائے پاک نے
میری مشکل کو آسان کردیا جیسا کہ میری ذیل کی تحریرات سے روشن ہوگا۔
مذکورۂ بالا مین جسقدر امور راقم نے حوالۂ قلم کیے ہین وہ تحقیق کے متعلق ہین اور ایسے ہین کہ
کتابون مین مندرج ہین۔ جن حضرات کو ذاتی طور پر تحقیق منظور ہو تحقیق فرمالین۔ اب راقم کچہ
ایسے معاملات نذر ناظرین کرتا ہے کہ جنکو تحقیق و تدقیق سے کوئی علاقہ نہین ہے اور نہ وہ امور
کسی شخص کے واسطے کسیطرح کی دلیل ہوسکتی ہین۔ مگر راقم کے لیے وہ ایسے امور ہین کہ احکام خداوندی کا
حکم رکہتے ہین۔ ان ذاتیات نے میری مذہبی زندگی کے دہارے کو اُس سمندر کیطرف پہیر دیا
جسمین والائے خاندان پیغمبر کی موجین ہر آن اُٹہا کرتی ہین اور جس سمندر سے گزر کر اہل ولا ساحل نجات پر

جا پہنچتے ہین۔ واضح ہو کہ مین تحقیق مذہبی مین دو یا تین سال تک مشغول رہا تہا کہ ایک روز چند اشعار منقبت امیر المومنین علیہ السلام مین تصنیف کیے اس تصنیف کے دو گھنٹہ کے بعد جو سو گیا تو خواب مین مولای کائنات کو دیکہا کہ آپ تشریف لائے ہین۔ دوڑ کر فقیر نے دامن شاہ کو پکڑا اور بڑی جوش مین یون چلانا شروع کیا کہ یا علیؑ آپکا دامن تا قیامت ہم نہین چھوڑینگے آپ بہی ہمین نہ چھوڑیے۔ اسکے بعد راقم نے دست پاک پر بیعت کی۔ اور دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ جب بیدار ہوا تو اپنے تمام چہرہ کو آنسوؤن سے تر پایا۔ اُسوقت سے فقیر ہمیشہ ان دو مصرعون کو پڑہا کرتا ہے۔ ؎

گر دو عالم پر از ولی باشد ۔۔۔ پیر ما مرتضےٰ علیؑ باشد

سچ ہے کہ اب راقم کو نہ کسی پیر کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے دست بیع ہونیکی حاجت۔ ؎

بیعت خدا سے مجکو ہے بیواسطہ نصیب ۔۔۔ دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا

ایک دو سال کے بعد پہر یہ خواب دیکہا کہ ہم حضور مین حضرت خاتون قیامت صلوات اللہ علیہا و ابیہا و بعلہا و ابنیہا کے حاضر ہین مگر حضرت جدہ ہماری ہمسے پردہ کے اُدہر سے کلام فرماتی ہین ہمین اس سے نہایت تکلیف معلوم ہوئی اور ہمنے دلیری کے ساتہ یہ عرض کی کہ آپ ہماری دادی ہین اور ہمسے آپ پردہ فرماتی ہین ہماری اس عرض پر حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا نے فرمایا کہ تو اپنے کو اتنا کر کہ ہم تجہسے پردہ نکرین۔ خواب ہی مین ملہم نے اسکا یہ مطلب سمجہا دیا کہ چونکہ ہم اپنے مذہب آبائی یعنی مذہب ائمہ علیہم السلام سے کنارہ کش ہین ہم اس قابل باقی نہین رہے ہین کہ ہمین ہماری جدہ کی حضوری ہو۔ بیدار ہونے پر میرے دلکو بڑی خلش پیدا ہوئی اور یہ خلش میرے دل کو سولہ برس تک رہی حتے کہ مینے اپنی جدہ محترمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی زیارت عالم خواب مین اُس طور پر کی جیسا کہ فرزند کو اس دنیا مین اپنی مان کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اس سولہ برس کے عرصہ مین راقم تحقیق مذہب کر چکا تہا اور اپنی بزرگوارونکے یعنی ائمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کی طرف کب کا رجوع لا چکا تہا۔ ان دو خوابونکے بعد راقم نے جناب رسول خدا کو دیکہا کہ کہڑے ہین اور آپسے چند قدم کے فاصلہ پر حضرت علیؑ مرتضےٰ حضرت حسنؑ مجتبےٰ اور حضرت حسینؑ شہید کربلا علیہم السلام بہی کہڑے ہین اور شاہزادونسے کچھ کلام حضرت علی مرتضےٰ فرمارہے ہین اور اس کلام فرمانے کے وقت حضرت مولائی کائنات کا چہرہ میری طرف سے صرف نصف نظر آرہا ہے۔ حضرت سرور عالم سے جب مجہے شرف حضوری حاصل ہوا تو مجہے دیکہکر آنحضرت دو قدم میری طرف بڑہے اور پہر ٹھہر کر حضرت علی علیہ السلام کی طرف یون خطاب فرمایا کہ اے علیؑ امداد امام آیا ہے۔ یہ تمہارا اور تمہارے بیٹون کا بڑا مداح ہے تم اسکو دیکہو۔ مولائے کائنات یہ سُنکر میری طرف متوجہ ہوئے دونون شاہزادے گو کچھ نہین بولے مگر میری طرف عاطفت کی نگاہ سے دیکہنے لگے۔ اسکے بعد مولائی کائنات نے مجہسے ارشاد فرمایا کہ "اے امداد امام تو اپنی گردن کو میری گردن کی طرح صاف کر" ملہم نے فوراً اسکا مطلب ہمین اسطرح سمجہایا کہ

تو تعلقات دنیا کو اپنی گردن پر بہنے نہ دے یعنی دنیا طلبی سے آزاد ہو جا۔ للّٰہ الحمد کہ اُسی وقت سے اسوقت تک راقم تمام دُنیا کے بکھیڑونسے آزاد رہا ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ تادم مرگ فضل مرتضوی کی بدولت آزاد رہیگا یہ مجرد احسانِ مرتضوی ہے کہ راقم جاہ و مال وغیرہ کی تمنا سے کس درجہ تک محفوظ رہا ہے۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اشعار ذیل جو راقم کی تصنیف ہین اس کرم مرتضوی کے شاہد حال ہین

آرزوئے جامِ جمشیدی برون سازی ز دل — قطرۂ نوشی اگر از جامِ استغنائے من

پُر الم گردد سرم کے از خمارِ احتیاج — لختہائے دل گزک خونِ جگر صہبائے من

از سپہر آرزو پروازِ من بالاتر است — کے بدامِ حرص افتد گردنِ عنقائے من

کے بمردارِ جہان روح افگند نسرِ دلم — کے خورد جیفہ ہمائے ہمت بالائے من

من کجا بر چہرۂ دنیا گزارم چشمِ آز — ریخت رنگِ آرزو لیش طبع لاپروائے من

خواب مندرجہ بالا دیکھنے کے بعد راقم نے واقعہ کربلا کو خواب مین دیکھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم ایک عزاخانہ مین گئے ہین۔ وہان عزاداری کے سامان مہیا ہین سامان عزاداری دیکھکر ہمین رقت طاری ہوئی اسکے بعد ہم اس عزاخانہ سے باہر آئے۔ باہر آنے سے معلوم ہوا کہ وہ عزاخانہ ایک مرتفع پہاڑ پر واقع ہے باہر آکر ہم اُس عزاخانہ کے ایک دروازہ پر بیٹھ گئے۔ یہ دروازہ اُتر رُخ کا تھا اور اس دروازہ کے سامنے ایک جنگل واقع تھا جیسا کہ پہاڑونکے دامن مین واقع ہوا کرتا ہے۔ اس جنگل مین ایک ندی واقع تھی۔ یہ ندی پچھم سے پورب کو بہتی تھی جسوقت یہ جنگل ہمین نظر آیا اُسیوقت ایک ملہم غیبی نے ہمین کہدیا کہ یہ جنگل دشت کربلا ہے۔ اسکے ساتھ اُس ملہم نے یہ کہا کہ یہ ندی حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی عمر سے تعبیر رکھتی ہے۔ پھر فوراً اُس ملہم نے یہ بتلایا کہ دیکھو جناب امام حسین علیہ السلام اس ندی کے بیچ سے ہوکر پچھم سے پورب جا رہے ہین۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جون جون آپ پورب کو جا رہے ہین آپکی عمر ختم ہو رہی ہے اور شہادت کا عرصہ قریب آتا جاتا ہے۔ اسکے بعد اُس ملہم نے ہمین سمجھایا کہ جب آپ اس ندی کی پورب کی حد کو پہنچ جاینگے۔ آپکی شہادت وقوع مین آجائیگی۔ اس امر کو دریافت کرکے ہمین بڑا اضطراب پیدا ہوا اور جون جون آپ اس ندی کی حد کو پہنچتے جاتے تھے میرا اضطراب ترقی کرتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ آپ ندی کی حد کو پہنچ گئے اور تمام عالم مین آپکی شہادت کا شور مچگیا۔ اُسوقت آسمان رونے لگا آسمان کا رونا۔ زمین رونے لگی زمین کا رونا۔ دریا رونے لگا دریا کا رونا۔ جنگل رونے لگا جنگل کا رونا۔ طیور و وحوش رونے لگے طیور و وحوش کا رونا۔ مختصر یہ ہے کہ کوئی شئے ایسی نہ تھی جو شہادت امام مظلوم پر نہ روتی تھی۔ اُسوقت ہم بھی تمام عالم کے شریک بکا تھے اور اپنے کو بڑے درد و غم مین مبتلا محسوس کرتے تھے اُسوقت اُس ملہم نے ہمسے یہ کہا کہ خوشا بخت تیرا کہ تو شہادت امام حسین علیہ السلام مین اشک ریز ہے اُسکے یہ کہنے سے میرے دلکو بہت کچھ تسلی ہوئی اور ہم اپنے کو عزادار امام حسین دیکھکر آسودہ خاطر معلوم ہوتے

غم حسینؑ مین عالم رو بہی رہا تہا کہ اُتر کی جانب سے ایک شہسوار نقاب پوش ہاتہ مین ایک نیزہ لیے زرہ بکتر لگائے اور نہایت صاحب جلال اس ندی کی طرف آتا معلوم ہوا۔ ملہم نے ہمسے کہا کہ یہ شیرِ خدا علیؑ ابن ابیطالب ہین بیٹے کی تعزیت کے لیے تشریف لاتے ہین۔ ندی تک پہنچکر شاہِ مردان نے پورب کی طرف رخ فرمایا پہر ندی کے کنارے کنارے اُسکی حد کو پہنچکر نظرون سے غائب ہوگئے اسکے بعد ملہم نے ہمسے کہا کہ اے شخص تجہے واقعۂ کربلا اس نہج سے اسلیے دکہلایا گیا کہ کوئی امر بے ادبی کا تیری نظر سے نہ گزرے عزاداری نہایت ادب کے ساتہ کرنا چاہیے۔

مصائب حسینؑ پر بکا ایک امر ضروری ہے دیکہہ جناب علی مرتضےٰ خود بہی اپنے مظلوم بیٹے کی عزاداری کرتے ہین۔ اور یہ ہر دوستدار شاہِ ولایت کا فرض منصبی ہے کہ آپکے فرزند کی عزاداری کا شریک ہوا کرے اے شخص جان لے کہ جو امام مظلوم کی عزاداری نہین کرتا ہے آپکی پدرِ بزرگوار پر ستم کرتا ہے راقم کو اس خواب سے عزاداری کا مسئلہ سمجہہ مین آگیا اور اب ہمین اسکی حاجت باقی نہین رہی کہ کسی ملا مولوی سے جاکر پوچہین کہ غم حسینؑ مین روئین یا نہ روئین۔ واضح ہو کہ ان خوابون تک راقم عبادات مین مذہب حنفی کا پابند تہا گو اسکے عقائد اب حنفی مذہب کے عقائد باقی نہین رہے تہے راقم کے افعال و اقوال سے اُسکے ہمعصر اُسے تفضیلیہ سمجہتے تہے اور قریب قریب تین سال تک اور بہی اسکے عبادات کا یہی طور رہا۔ مگر جب راقم کا سن قریب تیس کے پہنچا تو ایک شب یہ دولت انگیز خواب دکہائی دیا کہ جناب امام محمد باقر اور جناب امام جعفر صادق علیہما الصلوۃ والسلام ایک جگہہ کہڑے ہین اور راقم بہی ان دونون حجت خدا کے قریب کہڑا ہے۔ ملہم غیبی نے ہم کو دونون اماموں کے نام نامی بہی بتلائے۔ اسکی دریافت کے ساتہ ہمنے کمال ادب سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ اے بیٹے رسول اللہ کے کیا آپکا دین امام ابوحنیفہ کا دین ہے؟ حضرت امام عالیمقام نے نہایت درد کے ساتہ جواب مین ارشاد فرمایا کہ ہمکو ابوحنیفہ کے ساتہ کسی طرح کا تعلق نہین ہے۔ یہ جواب باصواب پاکر ہم بیدار ہوگئے۔ رات تو کسی طرح کٹی۔ صبح کو ہمنے نماز جعفری طریقہ پر پڑہی اور بفضلہ تعالےٰ اُسی طریقہ کی پابندی ہمین آجتک ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ تابقائے حیات مستعار رہیگی۔ ظاہر ہے کہ خواب ہائے بالا راقم کے سوا کسی کے لیے کسیطرح کی سند نہین ہوسکتے۔ مگر لاریب یہ سب کے سب خواب ہمارے لیے احکام خداوندی کا حکم رکہتے ہین۔ ابتک راقم کو خوابون کے ذریعہ سے امور دنیا و دین مین ہدایتین ہوا کرتی ہین اور یہ خواب ایسے صاف اور واضح طور سے ہوتے ہین کہ ہمارے واسطے خواب و خیال کا حکم نہین رکہتے۔ المختصر تحقیق حق اور بشارتون کے ذریعہ سے ہم مین وہ مذہبی انقلابات پیدا ہوگئے ہین جو دوستدار خاندان پیغمبرؐ کیلیے لازم ہین۔ ہم وہی ہین کہ تقاضائے تعلیم سے ایک وقت جناب امام حسینؑ کو باغی سرکار یزید سمجہتے تہے۔ اور اب اُس شہنشاہ امامت کو برحق وارث و جانشین محمد مختار اور اس خاندان پاک کے تمام دشمنون کو

ذلیل وخوار و مستحق نار جانتے ہین - یہ صرف رحمت خداوندی ہے - این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدای بخشندہ - اگر ہمین حضرت محمد کا درجہ نصیب ہو تو عجب کیا - ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ -

اُمور ضروری متعلق خواب

اب ہم خواب سے متعلق کچھ ایسے اُمور عرض کرتے ہین جو مذہبی اور روحانی پہلو رکھتے ہین - جاننا چاہیے کہ خواب کا عالم نرالا ہے - سچے خواب زاہد و فاسق اور مومن و کافر سب دیکھ سکتے ہین - جیساکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب مین گیارہ ستارے آفتاب اور ماہتاب کو اپنے کو سجدہ کرتے دیکھا تھا - اور جیساکہ خواب مین فرعون نے سات موٹی اور سات دُبلی گائین دیکھی تھین - یہ خواب کا مذہبی پہلو ہے -

مگر خواب کا روحانی پہلو ایک ایسا امر ہے کہ ہر ملت اور مذہب کے علماے ظواہر اسکی کچھ تحقیق نہین کر سکے ہین - فلسفۂ قدیمہ اور جدیدہ دونون اسکی حقیقت کے انکشاف سے عاجز نظر آتے ہین - لیکن دونون کو عالم خواب کے ایک حیرت انگیز معاملہ ہونے سے تمامتر اتفاق ہے - مجھے یہان ماہیت خواب سے کوئی بحث مدنظر نہین ہے -

مجھے یہان پر یہ عرض کرنا ہے کہ اگر عالم خواب کا وجود نہوتا تو بنی آدم کے کچھ افراد ان کوائف کے درک پر قادر نہو سکتے - جنکے درک کے ذرائع ہمارے قواے حسیہ یا قواے وجدانیہ نہین ہو سکتے ہین مثلاً ہم اپنے قواے حسیہ کے ذریعہ سے اشیاے فی الخارج کو درک کیا کرتے ہین - یا قواے وجدانیہ کے ذریعہ سے باطنی کیفیات سے باخبر ہوتے ہین - مگر ہمارے یہ قواے ظاہرہ و قواے باطنیہ ایسے نہین ہین کہ حالت بیداری مین خواب کے ان کوائف کو درک کر سکین جنکے بیان کے لیے ابھی تک الفاظ کسی زبان مین وضع نہین ہوئے ہین -

مثلاً تنعیم و تعذیب بعد الموت ایسے کوائف ہین کہ اس دنیا مین اُنکا مفہوم ذرائع ظاہرہ و باطنیہ سے کسی زندہ بنی آدم کے نفس ذہنی مین جگہ نہین کر سکتا -

الحمد للہ کہ افضال مرتضوی کے صدقے مین راقم کو ایسی ایسی کیفیتین سچے خوابون کے وسیلہ سے احاطۂ درک مین آگئی ہین جو اس عالم مادی سے کوئی تعلق نہین رکھتی ہین اور عموماً بعد موت ہی انسان اُنکا مدرک ہو سکتا ہے - ظاہر ہے کہ اس طرح کی اطلاع یابی کے بعد راقم یا راقم کی طرح اطلاع یافتہ آدمی دہریگی یا یہ اختیار نہین کر سکتا - اسلیے کہ اس طرح کی اطلاع یابی کے ساتھ ہر شخص کو حیات بعد الموت کا معترف ہو جانا - ایک امر مجبورانہ ہے - مین اس جگہہ اپنے ذاتی معاملات خواب کی تصریح حوالۂ قلم نہین کر سکتا - مگر تمام بنی آدم سے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حیات دنیا کے بعد بھی ایک حیات ہے - دہریہ کو چونکہ اسکی نسبت کوئی ذاتی علم حاصل نہین -

اسس لیے وہ حیات آخرت سے انکار رکھتا ہے۔ ایسا شخص گو عالم ترین اشخاص دنیا مین مانا جائے۔ مگر درحقیقت معاملۂ آخرت کے اعتبار سے ایسا شخص جاہل ترین اشخاص کا حکم رکھتا ہے۔ میری روح میرے آقا جناب علیؑ مرتضےٰ پر فدا ہو جنکی دستگیری کے سبب مین دہریہ ہونے سے بچگیا۔ ورنہ اسس عہد مین ہر طرف دہریت ہی کا زور نمایان ہے۔ جس سربرآوردہ قوم کو دیکھیے اسی دنیا کی بہبودی کی طالب نظر آتی ہے۔ بہبودی عقبےٰ سے کوئی بحث ہی نہین رکھتی۔

ہزاران ہزار کتابین تصنیف ہوتی رہتی ہین جن سے دہریت کی تعلیم ہوا کرتی ہے۔ راقم نے ایسی کتابین بہت پڑھی ہین۔ حق یہ ہے کہ اگر افضال مرتضوی اس عاصی کے شامل حال نہوتا تو نہ خدا کا اعتراف اسس عاصی کو نصیب ہوتا نہ آخرت کا۔

اے مظہر العجائب والغرائب آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو کہ آپنے اس ناچیز کو ممات ابدی سے بچالیا۔ آپکی ادنیٰ نظر توجہ اس کورباطن کو ایسی راہ راست بتھاتی جو موصل الی المطلوب ہے اور جسپر چلنے والے کے قدم شیطان ڈگا نہین سکتا۔

(نامۂ توجہ طلب)

واضح ہو کہ ہندوستان کے صوبۂ بہار مین بیشتر سادات رضویہ سکونت رکھتے ہین کچھ سادات زیدیہ بھی ہین مگر بہت کم۔ سادات زیدیہ اکثر مذہب امامیہ رکھتے ہین۔ مگر سادات رضویہ سے کم حضرات اسس مذہب کے پابند دیکھے جاتے ہین۔ اکثر سادات رضویہ سُنی مذہب ہی ہین۔ ان سادات رضویہ سے جن صاحبون نے مروج طریقہ پر علوم عربیہ حاصل کیے ہین یا حنفی مذہب ہین یا غیر مقلد۔ سادات حنفی مذہب مختلف انداز کے ہین کچھ تفضیل شیخین کے قائل ہین کچھ پورے تفضیلیہ ہین یعنی حضرت علیؑ کو بعد جناب رسولؐ خدا کے جمیع خلفا اور صحابہ سے افضل جانتے ہین۔ ان سادات بہار سے کچھ حضرات جناب امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کرتے ہین اور کچھ ایسی عزاداری کو شرک و کفر جانتے ہین۔ وہ صاحب جنکی خدمت مین نامۂ ذیل لکھا گیا ہے میرے ایک عزیز ہین۔ مذہب حنفی کے پابند ہین۔ بڑے عزادار جناب امام حسین علیہ السلام کے ہین جسب مین سید عالی نسب ہین اسم مبارک انکا سید محمد خلیل ہے پیشۂ ڈاکٹری کیوجہ سے۔ ڈاکٹر کے خطاب کے ساتھ اپنے وطن شریف مین معروف ہین۔ ڈاکٹری کے ساتھ زمینداری کا شغل بھی رکھتے ہین۔ انکا ہمیشہ آبائی چند پشتون سے زمینداری رہا ہے۔ علاوہ عزاداری کے مجھے انکی ذات پُر صفات سے ایک قلبی تعلق بھی ہے۔ انھون صاحب موصوف نے عزاداری جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے متعلق مجھے ایک خط لکھا تھا چونکہ میں انکا خیر طلب دین اور دنیا دونون کا ہون اپنے فہم کے مطابق نامۂ ذیل کو انکی خدمت مین ارسال کرنا

مناسب سمجھا - وہ نامہ یہ ہے -

گیا مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۳ء

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالےٰ - بعد دعائے خیر عرض ہے کہ بخیریت ہوں اور خیریت کا طالب - ماشاء اللہ آپ کو فطری ہمدردی امام مظلوم علیہ السلام کے ساتھ ہے یہ دولت کوئی اختیاری امر نہیں ہے - تمامتر واہب العطایا کی دین ہے - ع

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ -

مگر پوری ہمدردی جناب امام حسین علیہ السلام کیساتھ تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب انسان کو معاملہ کربلا سے پوری واقفیت حاصل ہے - سب سے زیادہ غور طلب امر واقعہ کربلا کے متعلق اس واقعہ کے اسباب کی دانست ہے - اسباب واقعہ کربلا سے ناواقف رہکر انسان کوئی ہمدردی جناب امام حسین علیہ السلام کیساتھ نہیں کر سکتا ہے - میں نے حال میں ایک کتاب موسوم بہ مصباح الظُلَم لکھی ہے جس سے اس واقعہ عظیمہ کے اسباب وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہو جا سکتے ہیں - یہ کتاب عنقریب اشاعت کی نظر سے چھاپی جانیوالی ہے اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا کہ کن سببوں سے یہ واقعہ ظہور میں آسکا - مجھے سب اسباب کے بیان کرنیکا موقع اس عریضہ میں نہیں ہے - لیکن اتنا عرض کر دینا تو سر دست ضروری ہے کہ خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکر اور خلافت حضرت عمر کو حق مانکر کوئی متنفس نہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے اور نہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھہ سکتا ہے - اس جگہہ پر قول یزید ابن معاویہ کا قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کربلا کا واقعہ اُسکے حکم سے ظہور میں آچکا تو حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر نے جو دست یزید پر بیعت کر چکے تھے یزید کو اس مضمون کا خط لکھا کہ امام حسینؑ کا واقعہ ایک واقعہ عظیمہ ہے - اسپر یزید نے حضرت عبداللہ کو جواب میں لکھا کہ ای احمق میں ایک مرتفع مقام محفوظ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوں - اگر میرے مخالف یعنی حسینؑ کے ساتھ قتال ظہور میں آیا تو یہ راہ دکھائی ہوئی تیرے باپ کی ہے - اس میں شک نہیں کہ یہ قول یزید کا راستی سے مملو ہے - سچ ہے کہ اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا - لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے - چہ خوش فرمود شخصے این لطیفہ ✽ کہ گشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ - پس جو شخص سقیفہ کے معاملہ کو حق سمجھتا ہے اسکو کوئی حق نہیں ہو کہ معاملہ کربلا کو ہمدردی کی آنکھ سے دیکھے - اب میں یہ دکھلاتا ہوں کہ کیونکر حضرت شیخین کی بدولت واقعہ کربلا کی بنیاد پڑی - علم تاریخ و علم کلام کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ہنگامہ سقیفہ کے بعد حضرت ابوبکر پر حضرت عمر کی مدد سے خلافت قائم ہو گئی اور حضرت علیؑ اور خاندان پیمبر یعنی بنی ہاشم حکومت سے دور پڑ گئے تو ابوسفیان پدر معاویہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ ای علیؑ تم اپنا ہاتھ نکالو میں تمہارے

ہاتہ پر بیعت کرتا ہون یہ کیا معاملہ ہے کہ اغیار نے خلافت حاصل کرلی اور تم اپنے حقوق سے محروم رہگئے - مین ابہی صحرائے مدینہ کو سواران کمے سے بہر دیتا ہون - اور خلافت سقیفہ کو غت ربود کردیتا ہون" حضرت علیؑ نے یہ سُنکر فرمایا کہ اے ابوسفیان جب تم کافر تہے تب بہی شر و فساد مین سرگرم رہتے تہے اور اب کہ مشرف بہ اسلام ہوئے ہو تب بہی وہی شر و فساد کی باتین درمیان مین لاتے ہو یہ جواب حضرت علیؑ کا بڑی دور اندیشی پر مبنی تہا جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا - بہرحال یہ جواب پاکر ابوسفیان حضرت شیخین کی طرف سدہارے - وہان پہنچکر حضرت ابوبکر سے سخت کلامی کرنے لگے اور کہا کہ "تم لوگ حکومت حاصل کرتے گئے اور میرے حقوق کو تم لوگون نے ملحوظ نہین رکہا - مین ابہی تمہاری حاصل کردہ خلافت کو گاؤخورد کردیتا ہون" حضرت شیخین ابوسفیان کا یہ انداز دیکہکر بولے کہ اگر تمہارے ساتہ سلوک معقول کیا جائے تو تب بہی تم ایسی ہی سخت کاروائی کے عامل ہوگے"

ابوسفیان صاحب کو تو نہ حضرت علیؑ سے کوئی مطلب تہا اور نہ حضرت ابوبکر کی حاصل کردہ خلافت سے کوئی غرض - اپنے حلوے مانڈے سے انکو کام تہا - اسکے جواب مین بولے کہ مجہے بہی اپنی حاصل کردہ حکومت مین کوئی حصہ دیدو" چنانچہ حضرات شیخین نے خلافت کی جان بچانیکی غرض سے ابوسفیان کو ملک شام کا حاکم کردیا - ابوسفیان خود جب پیرانہ سالی کیوجہ سے شام کو نہ جاسکے تب حضرات شیخین نے انکے بیٹے یزید ابن ابوسفیان کو انکی جگہہ پر شام کو بہیجدیا - واضح ہو کہ خلافت کی طرف سے یہ وہ تقرری ہے جو بنی امیہ کی اُس ثروت کی بنا ہوئی کہ جس سے تہوڑے عرصہ مین بنی امیہ سلطنت اسلامیہ کے فرمانروا ہوگئے - پوشیدہ نہین ہے کہ اس ثروت کے زور پر بنی امیہ حضرت علیؑ کی خلافت کے مخالف ہوکر حضرت علیؑ سے خوب لڑے - یہانتک کہ حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول ہونا پڑا اور نیز امام حسنؑ کو خلع خلافت کی نوبت پہنچی اور ان واقعات افسوسناک کے بعد امام حسینؑ بڑی بیرحمی کے ساتہ دشت کربلا مین قتل کیے گئے - حق یہ ہے کہ جتنی بلائین خاندان پیغمبر پر نازل ہوئی گئین اُنکے سبب اول جناب شیخین دیکہے جاتے ہین - ظاہر ہے کہ اپنی خلافت سقیفہ کو بچانیکی نظر سے حضرات شیخین نے ابوسفیان کے بیٹے کو حاکم شام بنادیا جس سے بنی امیہ کی ثروت کی بنا ڈالی گئی بعد یزید ابن ابوسفیان کے اُنکی بہائی معاویہ ابن ابی سفیان حضرت عمر کے حکم سے حاکم شام مقرر ہوئے - یہانتک کہ حضرت علیؑ کے معزول ہونیکے بعد وہ بہائی خلیفہ وقت بہی ہوگئے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد سولہ برس تک بادشاہ بلاد اسلام کے رہے - اُنکے فوت ہونیکے بعد استخلاف کے رو سے اُنکا بیٹا یزید ابن معاویہ خلیفہ ہوا جسنے خاندان پیغمبر کا قریب قریب خاتمہ کردیا - بلاشبہ اس ثروت بنی امیہ نے خاندان پیغمبر اور دوستداران خاندان پیغمبر بلکہ خود اسلام کو بہی زیر و زبر کرڈالا - حق یہ ہے کہ خلفائے بنی امیہ کے وقت مین اسلام معرض تزلزل مین پڑگیا تہا اور کوئی شک نہین کہ عہد بنی امیہ مین استقدر فسق و فجور کی

کثرت ہوگئی تھی کہ اُسوقت اسلام دین خدا باقی نہین رہا تھا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہین ہے کہ قبیلہ بنی امیہ ہروقت قابل تنفر تھا۔ اس قبیلہ سے حضرت رسولؐ خدا کو نفرت تامہ لاحق تھی آنحضرتؐ نے اس قبیلہ پر لعنت کی ہے۔ قرآن شریف مین اس قبیلہ کو خدا تعالےٰ شجرۂ ملعونہ کے خطاب سے یاد فرماتا ہے۔ مخفی نہین ہے کہ یہ قبیلہ اسلام کا اور حضرت رسولؐ خدا کا سخت دشمن تھا جبتک حضرت رسولؐ خدا مکہ مین رہے یہ قبیلہ آنحضرتؐ کی ہلاکت کیلئے کوشان رہا۔ اور جب آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لیگئے تو بھی قبیلہ بار بار مدینہ پر حملہ آور ہوتا رہا۔ بدر۔ احد اور خندق کی لڑائیان حضرت رسولؐ سے لڑا گیا۔ آخر کار یہ قبیلۂ ملعونہ جنگ حنین مین سر ہوا۔ مختصر یہ ہے کہ دس برس کی محنت شاقہ مین حضرت رسولؐ خدا قبیلۂ بنی امیہ کو زیروزبر کرسکے۔ حضرت رسولؐ خدا کی وفات کے وقت یہ قبیلہ اسقدر مجبور ہوچکا تھا کہ اسکو اسلام کے خلاف مین سر اُٹھانیکی طاقت باقی نہین رہی تھی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ حضرت رسولؐ خدا کی رحلت کے ساتھ ہی خلافت سقیفہ قائم ہوگئی اور ابوسفیان نے جو قبیلۂ بنی امیہ کا سردار تھا موقع معقول پاکر اپنا کام کرلیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کی دس برس کی محنت جناب شیخین نے دم بھر مین رائگان کرڈالی۔ حضرات شیخین کی ایسی کارروائی سے بنی امیہ نہ صرف از سر نو برسر ثروت ہوگئے بلکہ انکی ثروت اسقدر ترقی کرگئی کہ تمام بلاد اسلام کے پرزور بادشاہ ہوگئے اہل خلافت کی طرف سے یہ ایک بڑی مذہبی اور پولٹیکل غلطی ظہور مین آئی کہ بنی امیہ اس طرح پر درجۂ ثروت کو پہنچائے گئے۔ اس قبیلہ نے پرزور ہوکر نہ صرف خاندان پیغمبرؐ کو بدحال کردیا بلکہ اسلام کی بڑی خرابیون کے باعث بھی ہوتے گئے۔ یہ قبیلۂ بنی امیہ ہرگز اسکا مستحق نہ تھا کہ اسلام کیجانب سے کسی طرح کی فلاح کا مُنہ دیکھتا۔ یہ قبیلۂ ملعونہ تو حضرت رسولؐ خدا کے وقت مین اسلام کا بڑا بدخواہ رہا۔ اس قبیلہ کو حضرات شیخین کا حاکم شام بنانا واقعی ایک طرفہ مضمون ہے۔ ظاہر ہے کہ جناب علیؑ ابوسفیان کی بیعت یا طرفداری نہین قبول کرسکتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ قبیلہ سخت فتنہ انگیز ہے اور اس قبیلہ سے خدا اور رسولؐ دونون بیزار رہے ہین۔ جان بوجھکر کیونکر حضرت علیؑ ابوسفیان کی طرفداری قبول کرسکتے۔ ابوسفیان کی طرفداری قبول کرکے حضرت علیؑ کو ابوسفیان کے ساتھ معاوضہ معقول کرنا پڑتا۔ حضرت علیؑ کا ایسا فعل حضرت رسولؐ خدا کی پالیسی (ل بہ لہا ؟) کے خلاف واقع ہوتا۔ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ خدا کے سچے پیرو تھے۔ کیونکر حضرت رسولؐ خدا کے خلاف مین کاربند ہوسکتے تھے۔ آپ کا ابوسفیان سے کنارہ کش ہونا مصالح دنیا و دین پر مبنی تھا۔ آپ ہرگز ابوسفیان کی طرفداری گوارا نہین فرماسکتے تھے۔ اسکے برخلاف حضرات شیخین کو صرف اپنی حاصل کردہ خلافت کی خیر منانی تھی۔ آپ دونون صاحبون کو ابوسفیان کی فساد انگیزی کے مقابلہ مین رسول اللہ کی پالیسی یا خوشنودی کا

خیال رکھنا توقع سے بہت باہر تہا - حق یہ ہے کہ صرف علیؑ اور علیؑ کے ساتھی ہی ایسے بزرگوار تھے
جو حضرت رسولؐ خدا کی خوشنودی کا خیال رکھنے والے تھے کہ اگر حضرات شیخین بھی ایسے بزرگوار کے
مانند ہوتے تو رسولؐ اللہ کو جنگ اُحد و جنگ حُنین مین چھوڑ کر میدان سے فرار گوارا نہ کر سکتے
یا جنگ خندق مین عمرو ابن عبدود سے مقابلہ کرنے مین انکار نکرتے - المختصر یہ کارروائی
جناب شیخین کی کہ بنی امیہ حاکمِ شام بنا دیے گئے نہایت مقدوح نظر آتی ہے - اس
نامطبوع کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرات خاندان پیغمبر ہر طرحکی ایذائین اُٹھاتے گئے اور ہزارون
مصائب مین گرفتار ہوتے گئے - لاریب واقعہ کربلا بھی اسی امر مقدوح کے نتائج بد کا ایک نتیجہ بد ہے
ظاہر ہے کہ اگر خلافت سقیفہ نہ قائم ہوئی ہوتی تو نہ بنی امیہ کو فروغ حاصل ہوتا اور نہ امام حسینؑ اس طرحکی
ایذا دہیون کے ساتھ دشت کربلا مین شہید کیے جاتے - ایسی صورت مین تمامتر عقل سلیم کے خلاف
یہ امر ہے کہ کوئی شخص اپنے کو امام حسینؑ کا ہمدرد اور عزادار قرار دے اور حضرات شیخین کا بھی جانبدار ہو
امام حسین علیہ السلام کا ہمدرد یا عزادار آوازِ بلند کے ساتھ حضرات شیخین کی طرف خطاب کر کے
کہہ سکتا ہے کہ اے صاحبو خاندان پیغمبر پر ساری آفتین آپ ہی کی لائی ہوئی ہین - ع - ای ہمہ
این گلِ آوردہ تست - الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسینؑ بلا گفتگو علت و معلول کی نسبت
رکھتی ہین - اور دونون ایسی شئے ہین کہ انمین سے ایک کا ارادتمند ضرور ہے کہ دوسرے کا منکر ہو - ناممکن ہے
کہ شخص واحد دونونکی حقیت کا اعتراف رکھے - خلافت اگر ہے شہادت نہین - شہادت اگر ہے خلافت
نہین - لاریب دوستدار خلافت شیخین کو کوئی حق امام حسین علیہ السلام کیساتھ ہمدردی کا نہین ہے - جو حضرات
معترف خلافت ہو کر امام حسینؑ کی شہادت پر اشک ریز ہوتے ہین ایک بے معنی فعل کے مرتکب ہوتے ہین
سچ یہ ہے کہ ایسے رونیوالے امام حسینؑ کے امام حسینؑ پر رونیکا حق نہین رکھتے ہین - ایسے رونیوالونکی عزاداری
اُنھین کسی طرح کا فائدہ نہین دیسکتی ہے - امام حسینؑ کے ہمدرد یا عزادار ہونیکے لیے واجبات سے ہے کہ انسان
بنی امیہ اور انکے سرچڑہانیوالے بزرگوارونکی محبت سے اپنے دلکو پاک کرے - ایک دلمین دو فریق مخالف کی
محبت جگہ نہین کر سکتی - یار دارا بودن و دل با سکندر داشتن ایک نہایت منتج قول ہے - واضح ہو
حق صاحبون کو خلافت امامت اور شہادت کی تحقیق منظور ہو راقم کی کتاب "مصباح الظلم" کو
مطالعہ فرماوین - اس کتاب مین امور تاریخی و مذہبی بحوالہ اسناد درج ہوتے گئے ہین - مین اُمید
کرتا ہون کہ بعد طبع کے آپکے ملاحظہ سے وہ کتاب گزریگی - آپ عزادار امام حسین علیہ السلام کے ہین
آپ کے لیے اُس کتاب کا ملاحظہ فرمانا امر ضروری ہے - سبب یہ ایسے حضرات سے کوئی بحث نہین ہے کہ جنکو خاندان
پیغمبر سے بے تعلقی ہے یا مخالفانِ خاندان پیغمبر کے دلدادہ ہین - مین ایسا خط کسی مخالف اہل بیت کو
نہین لکھہ سکتا تہا - کسی مخالفِ اہل بیت کو ایسے خط لکھنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہوتی - خیر - آخر مین

اتنا اور بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت علیؑ حضرت رسولِ خداؐ کے بعد ہی خلیفہ قرار پا جاتے تو واقعۂ کربلا ظہور میں نہ آتا۔ آپ خلیفہ ہو کر بنی امیہ کے سرپرست نہیں بن سکتے تھے لیکن بفرضِ محال اگر رسولِ خداؐ کی مرضی کے خلاف قبیلۂ بنی امیہ کو سر چڑھاتے تو خونِ حسینؑ و عزیزانؑ انصارانِ حسینؑ کا الزام آپکی گردن پر ویسا ہی عائد ہوتا جیسا کہ عقلِ سلیم کے نزدیک اسوقت حضراتِ شیخین کی گردن پر عائد ہے۔ آپکے ایسا کرنے سے آپ ایسے الزام سے بری نہ قرار دیے جا سکتے۔ اسوقت جیسا کہ واقعۂ کربلا خلافتِ سقیفہ کا ایک بدیہی نتیجہ نظر آتا ہے ویسا ہی یہ واقعہ حضرت علیؑ کی بنی امیہ پروری کا نتیجہ سمجھا جاتا اگر نعوذ باللہ حضرت علیؑ حضرت رسولؐ خدا کے لعنت کردہ قبیلہ کو حضراتِ شیخین کی طرح سر چڑھا بیٹھتے۔

راقم نے خلافتِ سقیفہ کے نتائج وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب "مصباح الظلم" میں دکھلائی ہیں۔ آپسے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ کتاب اشاعت پذیر ہو تو آپ غور کیساتھ اُس کتاب کا ملاحظہ فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ اس خلافت نے طرح طرح کے تماشے پیدا کیے ہیں۔ اگر یہ خلافت ظہور میں نہ آتی تو فدک جسکو حضرت علیؑ اہل بیت کا قوت فرماتے ہیں حضرت فاطمہؑ سے اس بدتمیزی کے ساتھ نہ چھین لیا جاتا حضرت فاطمہؑ کا گھر نہ جلایا جاتا حضرت علیؑ پر بیعت کیلیے سختیاں عمل میں نہ لائی جاتیں۔ بنی ہاشم ذلیل نہ کیے جاتے۔ حضرت فاطمہؑ کے پہلوئے مبارک پر حضرت عمر ایسی ضربت نہ لگاتے جس سے آپکا حمل ساقط ہو گیا اور جس صدمہ کیوجہ سے آپ بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ حضرت علیؑ کا جمع کردہ قرآن معدوم نہ کیا جاتا۔ حضرت علیؑ کے مذہب کی جگہ پر زید ابن ثابت کا مذہب جو مذہب اہل سنت کا ہے رواج نہ پا سکتا۔ بنی امیہ سر نہ چڑھائے جاتے۔ بنی امیہ حضرت علیؑ سے مقابلہ نہ کر سکتے حضرت علیؑ خلافت سے معزول نہ کیے جا سکتے۔ بنی امیہ امام حسنؑ سے خلع خلافت نہ کرا سکتے۔ بنی امیہ امام حسینؑ اور عزیزان و انصارانِ امام حسینؑ کو دشتِ کربلا میں شہید نہ کر سکتے۔ بنی امیہ اہل حرم کو اسیر کر کے دمشق کو نہ لیجا سکتے۔ بنی امیہ خانۂ کعبہ میں گھوڑے نہ باندھ سکتے۔ بنی امیہ بہت سے اصحابِ رسول اللہؐ کے ساتھ بڑی بڑی سختیوں کے ساتھ پیش نہ آ سکتے۔ بنی امیہ شراب خواری غنا پردازی زناکاری اور لواطت کو رواج نہ دے سکتے۔ بنی امیہ قرآن مجید کو نہ جلا سکتے۔ بنی امیہ قرآن مجید کو جھنڈے پر آویزان نہ کر سکتے بنی امیہ قرآن شریف کو تیر باران نہ کر سکتے۔ بنی امیہ خون سادات کو پانی کیطرح نہ بہا سکتے۔ بنی امیہ ہزاروں جھوٹی جھوٹی حدیثیں وضع نہ کرا سکتے۔ بنی امیہ حضرت علیؑ پر تبرا کو رواج نہ دے سکتے۔ علاوہ ان مکروہات کے خلافتِ سقیفہ نے اسلام میں بڑے بڑے مذہبی تفرقے ڈالے۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ خلافتِ سقیفہ نہ ہوتی تو اسقدر مذاہب مختلفہ کا ظہور نہ ہوتا اور عرب کی تاریخ اسقدر داغدار نہ دکھائی دیتی۔ بلاشبہ یہ پہلی غلطی اسلام کی تھی کہ حضرت علیؑ خلافت سے محروم رکھے گئے۔ اگر علیؑ خلیفہ قرار پا جاتے تو بنی امیہ اور

بنی عباس کے آئندہ پولیٹیکل فسادات ظہور میں نہ آتے - اجماع سقیفہ کی اس ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنی ہاشم اپنے استحقاق کی بنیاد پر ایک عرصۂ دراز تک بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفا سے لڑتے جھگڑتے رہے اور ایسی ایسی خانہ جنگیوں سے عرب کی سلطنت روز بروز ضعیف ہوتی چلی گئی یہانتک کہ تاتاریوں وغیرہ کے ہاتھوں سے اُسکا نشان تک باقی نہیں رہا - اس اجماع کی کارروائی نے نہ صرف بنی ہاشم کے خون کا دریا بہایا بلکہ ہزاروں بنی ہاشم کی جانیں بھی تلف ہوتی رہیں - بنی ہاشم ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے - اسکی وجہ یہ تھی کہ بنی ہاشم اپنے کو ہر عہد میں خلافت کا حقدار جانتے تھے - اور بہت سے اہل عرب کو بھی انکے حق کا اعتراف تھا - ظاہرا اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے - ان سب خروجوں کا منشا وہی طلب حق تھا - اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جسکے کھوئے جانیکا باعث حضرت عمر ہوئے تھے - ان تمام امور کی تصریح راقم کی کتاب "مصباح الظُلَم" میں حوالۂ قلم ہوئی ہے - شائقین تحقیق اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں اور حق و ناحق کی تجویز خود فرمالیں - اس کتاب کے ملاحظہ سے ہویدا ہو جائیگا کہ ساری سادات کشیاں چہ واقعہ کربلا و چہ شہادت حضرت علیؑ و شہادت حضرت امام حسنؑ و چہ شہادت ہائے ائمۂ خاندان پیغمبرؐ اُسی خلافت سقیفہ کے بدیہی نتائج ہیں اور اس وجہ سے ان سب خونریزیوں کی جوابدہی اہل سقیفہ کی گردن پر عائد ہوتی ہے - خشت اول چون نہد معمار کج ÷ تا ثریا میرود دیوار کج ÷ -

فقط والتسلیم -

طالب خیر

سید امداد امام عفی عنہ معروضہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۳ء

مقام گیا -

پیغمبر آخر الزمانؐ کی آخری وصیت

یعنی حدیث ثقلین مین ہمکو کتاب اللہ و عترت یعنی اہلبیت سے تمسک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اس لیے ہمنے جس قومی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہ یا کلام اللہ سے متعلق ہے یا ائمہ معصومین علیہم السلام کے اذکار و ارشادات و ہدایات ہین۔ چنانچہ ائمہ اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین کی پاک زندگی کے حالات و واقعات شائع و ذائع کرنا بھی ایک بڑی اور ضروری خدمت تھی جسے عالیجناب مولوی السید **اولاد حیدر** صاحب فوق بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ گوآتھہ ضلع آرہ نے نہایت محنت و جانفشانی سے بارہ معصومون کی سوانح قلمبند فرما کر پورا کردیا اور سلسلہ بہ سلسلہ یہ سوانح عمریان ملک مین شائع ہو رہی ہین۔ جنمین سے حسب ذیل سوانح تیار ہین۔

سراج المبین حصہ اول و دوم	یعنی سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام۔	ہدیہ	عہ مع ڈاک	علاوہ محصول
سرو چمن۔	یعنی سوانح عمری جناب امام حسن علیہ السلام۔	ہدیہ	عہ	"
ذبح عظیم۔	یعنی سوانح عمری جناب امام حسین علیہ السلام۔	ہدیہ	سے	"
صحیفۃ العابدین۔	یعنی سوانح عمری جناب امام زین العابدین علیہ السلام	ہدیہ	۱۲/	"
مآثر الباقریہ	یعنی سوانح عمری جناب امام محمد باقر علیہ السلام	ہدیہ	۶/	"
آثار جعفریہ	یعنی سوانح عمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام	ہدیہ	۱۲/	"
علوم کاظمیہ	یعنی سوانح عمری جناب امام موسی کاظم علیہ السلام	ہدیہ	۸/	"

امام ہشتم سے امام دوازدہم تک کی سوانح سلسلہ بہ سلسلہ یکے بعد دیگرے انشاءاللہ تعالیٰ پیش کی جائینگی۔ اب اِن کے مطالعہ سے مستفید ہو کر فلاح دارین حاصل کرنا آپکا کام ہے

منیجر۔ جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس پنجہ چتلی قبر۔ دہلی

کتاب اللہ مترجم معہ مقبول ترجمہ

موافق و مطابق روایات اہلبیت علیہم السلام

الحمد للہ کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ اور وہ بھی موافق روایات اہلبیت علیہم السلام جسکی سخت ضرورت تھی نہایت خوبی سے تیار ہو گیا۔ چنانچہ مقبول ترجمہ یعنی قرآن مجید مترجمہ جناب مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی ابتداے اسوقت تک تقریباً پانچہزار کی تعداد مین شائع ہو چکا کیا یہ مقبولیتِ عام کی سند نہین ہے؟ فرقۂ شیعہ مین اتنی کامیابی بڑی بات ہے۔ اس تعداد کے شائع ہو جانے نے بتا دیا کہ مقبول ترجمہ یقیناً ایک قومی ضرورت تھی اور مقبولیتِ عام اِسکو حاصل کیون نہو جبکہ اسکے مترجم عالیجناب مولانا مولوی حکیم السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی مدظلہ العالی نے خالصۃً لوجہ اللہ اِس خدمت کو انجام دیا ہے اور ترجمہ کرنے مین اپنی ذاتی قابلیت و استعداد و شہرۂ آفاق ملکۂ خاص کے باوجود محض عند اللہ بری الذمہ ہونے کی خاطر علماے اعلام و مجتہدین عظام علی الخصوص جناب نجم الملۃ والدین حضرت نجم العلما مجتہد العصر والزمن مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی و استاذ الکل فی الکل حضرت مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمن دامت برکاتہم کو اسکا ایک ایک لفظ سُنا لیا تب شائع کیا۔

مقبول ترجمہ کی نسبت ایک خاص خصوصیت علاوہ خطِ نسخ و نستعلیق و چھاپہ کی صفائی وغیرہ کے صحت الفاظ کی کا اتنا کافی اہتمام کیا گیا ہے کہ اغلاط نہایت احتیاط سے درست کرائی گئی ہین۔ اور ہمارے علم و یقین کی رو سے اب ایک غلطی بھی باقی نہین رہی۔ جو خوبی دوسرے قرآن شریفون مین ملنی ناممکن نہین تو دشوار تو ضرور ہے

اگر آپکو احکامِ خدا و رسول صلعم پر عمل کر کے فلاحِ دارین حاصل کرنی منظور ہو تو اِس کلام پاک کی تلاوت کا حظ حاصل کریں اور نہ صرف تلاوت کی حلاوت بلکہ ترجمہ و حواشی پڑھکر اسکے مطالب بھی سمجھیں اور گویا نکات قرآن صامت (کلام الٰہی) کو قرآن ناطق (معصومین علیہم السلام) کی زبانی سمجھ لیں تو ہمسے مقبول ترجمہ منگا لیجیے اور آپ تلاوت کیجیے پھر دیکھیے کہ کلام الٰہی کیساتھ کلامِ رسول اور کلامِ امام جو امام الکلام ہوتا ہے کیسا لطف دیتا ہے۔ شرح ہدیۂ اجرت جلد بندی و ذکر ضمیمہ وغیرہ مفصل حالات کیلئے فہرست کارخانہ طلب فرمائیے

ہدیہ۔ کاغذ قسم اول [illegible] کاغذ قسم دوم [illegible] کاغذ قسم سوم [illegible] فی جلد غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس چتلی قبر۔ دہلی